

جلد اول

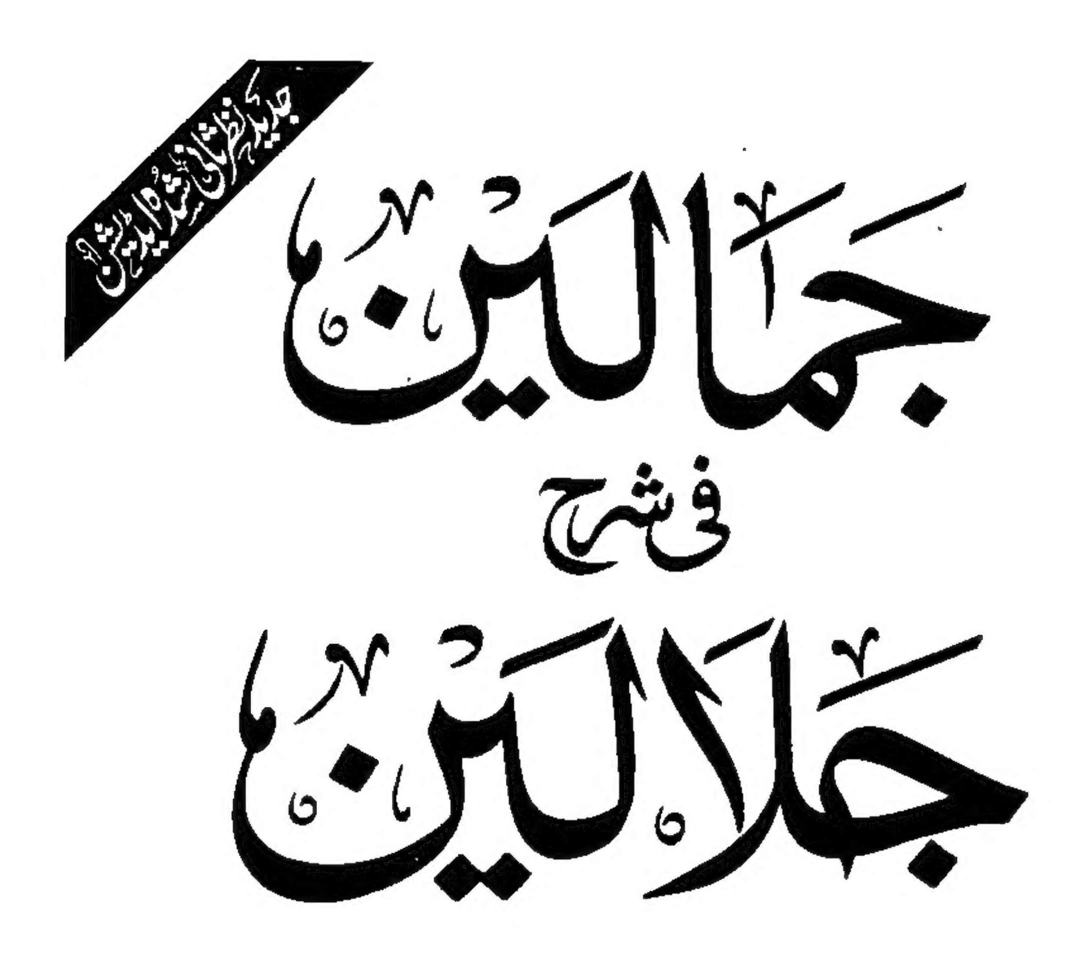
للشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دار العلوم دیوبند





جلد اوّل

للشیخ عبدالرحمن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

از

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

کتاب کا نام ــــــ جمالین فی شرح جلالین جلد اول

تاریخ اشاعت ــــــ فروری ۲۰۱۱ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ــــــ ۶۴۸

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

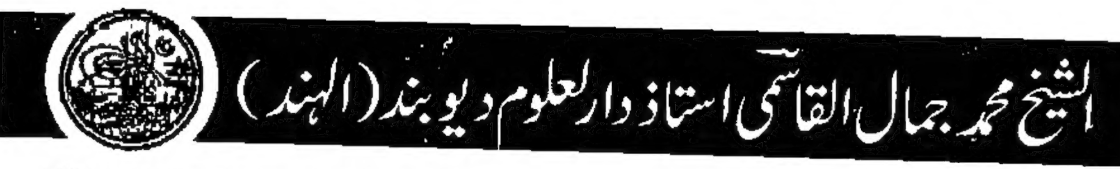
ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

- **Madrasah Arabia Islamia**
  1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
  Azaadville 1750 South Africa
  Tel : 00(27)114132786
- **Azhar Academy Ltd.**
  54-68 Little Ilford Lane
  Manor Park London E12 5QA
  Phone 020-8911-9797
- **Islamic Book Centre**
  119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
  U.K
  Tel/Fax 01204-389080
- **Al Farooq International**
  68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
  Tel : 0044-116-2537640



MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشر کراچی کو دیدیئے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ جمالین کے کل یا جزء کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد جمال غفرلہٗ
استاذ دارالعلوم دیوبند الہند
۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۴ء ۵ ر ۱۱ ر سنہ ۱۴۲۵ھ

عرضِ ناشر

الحمد اللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی...

امابعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بھیجا تا کہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخۂ اصلی سے محروم ہو گئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السمٰوٰت والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کر دیا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اس کتابِ زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیرِ نظر ''تفسیر جمالین اردو'' جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، یوں تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' حضرت مولانا محمد جمال سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر ہر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

1 ملک کے معروف خطاط ''حافظ عبدالرؤف صاحب'' زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
2 پروف ریڈنگ پر زرِ کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
3 عمدہ کاغذ پر ۶ جلدوں میں چھاپا۔
4 قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تا کہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ

فہرست مضامین

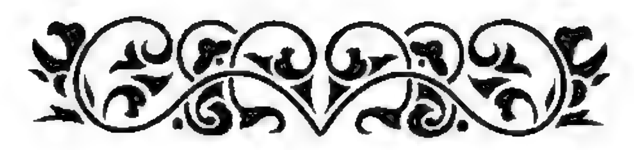
سُوْرَةُ النِّسَاءِ

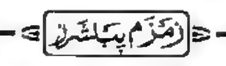
فہرست مضامین

فہرست نقشہ مضامین









کلمات بابرکت

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہٗ

استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصَّلوٰۃ وَالسَّلام عَلٰی رَسوله مُحمّد وعلٰی اٰلِه وصحبه اجمعین.

امابعد!!

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو زمانۂ نزول سے آج تک اپنی اصلی شکل وصورت میں انسان کے پاس محفوظ ہے اور قرآن کے اعلان و انا لهٗ لحافظون کے مطابق ان شاء اللہ مستقبل میں بھی ہر طرح کے تغییر وتحریف سے محفوظ رہے گی۔ اس کتاب مبین کے صفحات میں خداوند ذوالجلال نے انسانوں کو خود مخاطب بنایا ہے اور اس نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے اپنے بندوں سے کیا مطالبات ہیں جن کو پورا کر کے انسان آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

اس کتاب میں خدا نے انسان کو عربی زبان میں مخاطب کیا ہے اور قرآن ہی میں خدا نے رسول پاک ﷺ کو اس کی شرح وبیان کا ذمہ دار بنایا ہے، ارشاد ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ○

(سورۃ النحل آیت ٤٤)

تَرجَمہ: اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو کھول کر بیان کردیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور وہ بھی اس پر غور وفکر کریں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مضامین کو کھول کر بیان کردینا رسول پاک ﷺ کا فرض منصبی ہے اور اہل علم کو بھی اس پر

غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ○

(سورۂ ص آیت ۲۹)

ترجمہ: قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، برکت والی ہے تاکہ انسان اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ اہل بصیرت ارباب علم نے قرآن کریم کی آیات پر غور وتدبر کا حق ادا کیا، الفاظ کی تصحیح وتجوید کے طریقے مدون کئے، معانی کی تنقیح اور مسائل کی تخریج واستنباط کے قواعد وقوانین مقرر کئے، اس سلسلے میں جو باتیں حضور ﷺ سے منقول تھیں ان کی حفاظت کی، پھر عربی زبان کے قواعد اور مسلمات شرعیہ کو رہنما بنا کر الفاظ ومعانی کی وہ بیش قیمت خدمات انجام دیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے علمی خزانے عاجز ہیں۔

اور اس طرح قرن اول سے آج تک قرآن کریم کی بے شمار مختصر اور مفصل تفاسیر وجود میں آگئیں، انہی معتبر تفاسیر میں تفسیر جلالین ہے جو اوساط علمیہ میں قبول عام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ عہد تصنیف سے آج تک تسلسل کے ساتھ نصاب تعلیم کا جز ہے۔

اس تفسیر کے دونوں مفسرین علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر الفاظ میں دقیق اشارات سے کام لیا ہے، اردو زبان میں ان دقیق اشارات کی شرح کی ضرورت تھی، نہایت مسرت کی بات ہے کہ دار العلوم دیوبند کے قدیم اور باذوق مدرس برادر محترم حضرت مولانا محمد جمال صاحب زید مجدہم نے ادھر توجہ کی اور اب ان کا اشہب قلم اس ضرورت کی تکمیل میں مصروف ہے، موصوف دس سال سے جلالین کا درس دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے تدریسی تجربات اور قرآن فہمی کے معتبر ذوق کی مدد سے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ:

(الف) عام طور پر مشکل مفردات کی لغوی اور صرفی تحقیق کا اہتمام کیا، یعنی صیغہ بھی بتایا اور معانی بھی بیان کئے۔

(ب) مشکل جملوں کی ترکیب نحوی پر زور دیا اور اختلاف کے موقع پر راجح صورت کو مقدم کیا۔

(ج) اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ جلالین کے مختصر الفاظ میں جو فوائد ملحوظ ہو سکتے ہیں ان کی طرف پوری توجہ مبذول کی کہ مفسر کے پیش نظر کہاں لغوی ترجمہ ہے، کہاں ابہام کی وضاحت ہے، کہاں اجمال کی تفصیل ہے، کہاں معنی مرادی کی تعیین ہے، کہاں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، کہاں ترکیب نحوی کا بیان ہے، کہاں اختلاف میں ترجیح کی جانب اشارہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

موصوف نے جلالین کی ترتیبِ تصنیف کے مطابق جلد دوم سے اپنی خدمت کا آغاز کیا ہے، دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمت کو طلبہ اور اہل علم کے درمیان قبول عام کی دولت سے سرفراز فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرے، آمین۔

والحمدللہ اولاً وآخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۲/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

کچھ کتاب کے بارے میں

تفسیر جلالین جس کے تفسیری کلمات تقریباً قرآنی کلمات کے برابر ہیں، اگر اس تفسیر کو قرآن کا عربی ترجمہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو تقریباً دس سال سے جلالین نصف ثانی کا درس احقر سے متعلق ہے، اس دس سالہ تدریسی تجربہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مفسر جلالین نصف ثانی علامہ محلی اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ سیوطی کے مختصر مگر جامع تفسیری الفاظ میں جو فوائد پیش نظر ہیں ان کی تشریح و توضیح ہی جلالین کی اصل روح ہے، جلالین کے سوالات کے پرچوں میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ تفسیری کلمات کے فوائد کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تفسیری کلمات کی وضاحت فرماتے ہیں، تفسیری کلمات کے فوائد اگرچہ جلالین کی شروح وحواشی میں جا بجا ضمنی اور منتشر طور پر ملتے ہیں، مگر اس کو عنوان اور موضوع بنا کر جس توجہ کی ضرورت تھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق اس پر توجہ نہیں دی جا سکی۔

تفسیری کلمات اور ان کے فوائد

شارح کے فرائض میں جہاں متکلم کے کلام کی گرہ کشائی اور وضاحت ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل امور بھی توجہ طلب ہوتے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ محلی نے ان باتوں کی طرف اکثر اجمال و اشارات سے کام لیا ہے ان ہی اشاروں کی توضیح اور اجمال کی تفصیل جلالین کو درس میں داخل کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

شارح کا مقصد کہیں تو معنی لغوی کی وضاحت ہوتی ہے، اور کہیں مقصد تعیین معنی ہوتا ہے، اور کہیں متضمن معنی بیان کر کے صلہ کی تصحیح مقصد ہوتی ہے تو کہیں اضافہ کا مقصد کسی شبہ کا ازالہ اور اعتراض کا دفعیہ ہوتا ہے، اور کہیں بیان مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو کہیں ترکیب نحوی کا حل، اور کہیں صیغہ کی تعیین وتعلیل پیش نظر ہوتی ہے، تو کہیں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور کہیں اختلاف قراءت کو بیان کرنا مدنظر ہوتا ہے، تو کہیں شان نزول کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

پیش نظر شرح میں کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ امور پیش نظر رہیں تا کہ اب تک کی اردو شروحات میں جو کمی محسوس ہوتی رہی ہے اس کا کسی حد تک تدارک ہو سکے۔

آج ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ ہے، ٹھیک آج سے دو سال قبل ۱۲ ذی الحجہ ہی کو جب میں نے جلد چہارم کا مقدمہ لکھا تھا تو وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ یہ مقدمہ کچھ جزوی حذف واضافہ کے ساتھ جلد اول میں شامل کر دیا جائے گا اللہ کے فضل وکرم سے آج وہ دن آ گیا کہ جلد اول طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے، سورۂ کہف سے آخر تک جلالین کی شرح جمالین کا نصف ثانی تین جلدوں

میں مکمل ہوکر آپ حضرات کی نذر ہو چکا ہے، اب نصف اوّل کی پہلی جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، حسب وعدہ مقدمہ جزوی حذف واضافہ کے بعد جلد اول میں شامل کیا جا رہا ہے۔

چونکہ جلالین کی تصنیف کا آغاز نصف ثانی سورۂ کہف سے ہوا تھا شرح میں اسی ترتیب کو احقر نے بھی ملحوظ رکھا ہے یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے چوتھی جلد ہے، پانچویں جلد جو کتابت کے مرحلہ میں ہے مراحل طبع سے آراستہ ہوکر انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی، پروگرام مسلسل جاری ہے، پوری شرح چھ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ (انشاء اللہ)

چوتھی جلد چونکہ پہلے شائع ہو رہی ہے اس لئے مقدمہ اسی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، انشاء اللہ جب اول جلد شائع ہوگی تو اس وقت اس مقدمہ کو کچھ مزید اضافوں کے ساتھ اول جلد کے شروع میں شامل کر دیا جائے گا، احقر کی کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کر سکتے ہیں، آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی کمی یا غلطی محسوس فرمائیں تو احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے، ممنون ہوں گا، نیز ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس حقیر سی کوشش کو ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔

محمد جمال بلند شہری،

متوطن میرٹھ استاذ

دار العلوم دیوبند ۱۲/۱۲/۱۴۲۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آغاز کلام

ایک کے مافی الضمیر کی تشریح دوسرے کی زبان سے کتنا مشکل کام ہے!! جب انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تشریح اس کے بندوں کی زبان وقلم سے جتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی، کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم از کم اس کے برابر تو ہو، اور اس کا تصور بھی کسی بندہ میں قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت سے نہیں کیا جاسکتا۔

شارح اور مفسر کا کام یہ ہے کہ ماتن کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے اور اس کے کلام بے دلیل کو بادلیل کرے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا اعتراض ہو تو اس کو دفع کرے، اس کے لفظوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی صاف اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، اور اگر کہیں تضاد نظر آئے تو اس کو تطبیق دے، اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں کہ جن سے انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے اور بھی ہیں، جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے عرب کی فصیح و بلیغ زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر نازل ہوا، اس میں نظریئے بھی ہیں اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا، اور ان عملی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لئے کہ وہ کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطالب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے دوسروں کو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی قولی، عملی، تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، رسول کی قولی وعملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب اللہ ہے، کتاب وسنت اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

حامل قرآن علیہ السلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو اس فضا سے آشنا تھے، اور جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھے، اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام سے اس فیض کو حاصل کیا اور خاص طور

سے قرآن کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور اس کی صرفی ونحوی ترکیبوں کا حل اور کلام عرب سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے کہ وہ اس طریقۂ تفسیر کو روایتی سمجھ کر اس کی تحقیر کریں، حالانکہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑ کر اگر صرف زبان کو، ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایت کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم اور آپ سے بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا دور اسی طریقہ سے شروع ہوا، لیکن افسوس کہ غیر ضروری تشریح وتوضیح کے لئے مسلمانوں نے ان مضامین میں جو قرآن پاک اور پہلے آسمانی صحیفوں میں اشتراک رکھتے تھے، نومسلم اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ان سے سن سن کر اسرائیلی روایات کا بہت بڑا حصہ قرآن پاک کی تفسیروں میں بھر دیا، محدثین نے ان اسرائیلیات سے بے اعتنائی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے، اور اسی لئے وہ حصہ ہماری تفسیروں کا نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ بہت حد تک مضر اور قرآن کے صحیح مطلب سمجھنے میں عائق ہے۔

کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح کے لیے اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں، جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو، اور ہمارے اس تصرف کا اصل منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعاد عقلی کی تسکین کر سکیں، حالانکہ استبعاد عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلاف عقل کے معنی میں ہے، استبعادات عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جا سکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کا ماحول دوسرے زمانہ سے الگ ہوتا ہے عقلی مسلمات اور زمانہ کے غیر محسوس عقائد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ہر کتاب کے مفہوم ومعنی کے سمجھنے میں اس زمانہ کے مؤثرات سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، ہر زمانہ کے لوگ اپنے ہی زمانہ کے مؤثرات کے مطابق کسی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، فانی انسان کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جا سکتا، اس لئے کہ اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کر سکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ مخاطب اول ﷺ کی تفہیم اور زبان کے لغت وقواعد کے خلاف نہ ہو تو یہ سعی مشکور ہوگی، الفوز الکبیر، مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند کے صفحہ ۴ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے جس سے مذکورہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

والتفسير بالرأى: هو التفسير بالهوى والتفسير من عند نفسه، بحيث يوجبُ تغييرًا لمسئلة اجماعية قطعية او تبديلًا في عقيدة السلف المجمع عليها وأما التفسير بالدليل والقرينة فهو تفسير صحيح معتبرٌ في الشرع ومن يطالع كتب التفسير يجدها مشحونة بمثل هٰذه التفاسير فلا ضير فيها.

اسی بناء پر اس زمانہ سے جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا، اس نظریہ سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں، معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبد الجبار معتزلی کی تنزیہہ القرآن اور اہل سنت میں ابو منصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن اور امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں، سرسید احمد خان نے ہندوستان میں اور مفتی محمد عبدہٗ نے مصر میں ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کی آیات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تفسیر کی کوشش کی، اگر بالفرض سرسید کی نیت خیر بھی ہو، مگر افسوس کہ ان کے حسن نیت کے مطابق انکے علم کا پایہ نہ تھا، اور نہ ان کو عربی زبان کے لغت وادب پر عبور تھا، اس لئے ان کی غلطیاں ان کی صحت سے زیادہ ہوئیں، اور خصوصاً فطرت اور قوانین فطرت کا جو تخیل ان کے زمانہ میں چھایا ہوا تھا ان کی غلط پیروی نے ان کو جادۂ حق سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد مصر میں سید رشید رضا اور ہندوستان میں مولانا عبد الحمید فراہی کا دور شروع ہوا، یہ دونوں گو اصول میں مختلف تھے مگر نتیجہ میں بہت حد تک متفق تھے، رشید مرحوم آیات و روایات کی چھان بین کر کے آیات کو روح عصری کے مطابق کرتے تھے، اور فراہی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ خود قرآن پاک کے نظم و نسق اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کی تطبیق اور کلام عرب کی تصدیق سے مطالب کو حل کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں مصر میں دو اور تفسیروں کی تالیف شروع ہوئی، ایک نئے تعلیم یافتہ فاضل فرید وجدی کے قلم سے، دوسرے ایک ایسے فاضل کے قلم سے جو یورپ کے علوم وفنون اور ترقیات سے پوری طرح واقف اور اپنے گھر کی قدیم دولت سے بھی آشنا تھے یعنی حضرت شیخ طنطاوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ جوہری جو جامعہ مصریہ اور مدرسہ دار العلوم میں ایک زمانہ تک علوم وفنون کے مدرس رہ چکے تھے، شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر کی اصل غایت مسلمانوں کو نئے علوم وفنون کی طرف متوجہ کرانا اور مسلمانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کا یہ تنزل اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک وہ جدید سائنس اور دوسرے نئے علوم اور یورپ کے جدید آلات اور علمی و مادی قوتوں سے مسلح نہ ہوں گے۔

سید صاحب کے بعد اسی خیال نے تذکرہ کی صورت اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جو غلطی سرسید سے ان کے زمانہ میں ہوئی وہی صاحب تذکرہ سے اپنے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو یورپ کے علوم وفنون اور مادی قوتوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کرنا بالکل صحیح ہے مگر اس کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اپنے چودہ سو برس کے سرمایہ کو نذر آتش یا دریا برد کر دیں اور پہلے کے سارے مفسرین، اہل لغت، اہل قواعد اور اہل علم کو ایک سرے سے جاہل، دشمن اسلام اور احمق کہنا شروع کر دیں ورنہ آئندہ جب زمانہ ورق پلٹے گا، مؤثرات اور ماحول میں تغیر ہوگا تو ان خوش فہموں کی تفسیریں اور تاویلیں بھی ایسی ہی غلط اور دور از کار نظر آئیں گی جیسی آج ان کی نظر میں امام ماتریدی اور امام غزالی، اور امام رازی کی تفسیریں معلوم ہوتی ہیں۔

خدا کا کلام بحر ناپیدا کنار ہے بھلا اس کی موجوں کی گنتی کون کر سکتا ہے؟ بس جس کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اس کی تشریح کرے لیکن جو کچھ اگلوں کو نظر آیا اس کو نادانی اور جہالت نہ کہے اور جو آئندہ نظر آنے گا

اس کا انکار نہ کریں اور صرف اپنی ہی نظر کی وسعت کو جو زمان و مکان کی قیود و حدود میں گھری ہے تحقیق کی انتہا اور صحت کا معیار قرار نہ دے لیں۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم مأخذ ہے، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی، نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بیحد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی، تقلید مغرب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلامی احکام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اس طبقہ کو اہل تجدد کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سرسید احمد خاں، مصر میں طٰہٰ حسین اور ترکی میں ضیا گوگ الپ اس طبقہ کے رہنما ہیں، ان حضرات نے مغربی افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر حجیت حدیث کا انکار کیا اور تفسیر کے متفق علیہ اصولوں کو خیر باد کہہ کر اپنے خیالات کے مطابق تفسیریں بھی کیں۔

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا از خود مطالعہ کر لیتا ہے وہ قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد، بد رکھنے والے لوگ نہ صرف من مانے طریقہ پر قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالہ کر سکتا ہے جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، اسی طرح انجینئرنگ کی کتابوں کے مطالعہ سے انجینئر نہیں بن سکتا، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملہ میں صرف عربی سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ آخر قرآن و سنت ہی اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو؟ اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کرے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ کا صحیح مطلب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے اور جب قرآن کریم آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّكْرِ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیات کا کماحقہٗ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کر لیں، وہ فرماتے ہیں کہ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ (اتقان ۱۷۶/۲) چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا۔ (ایضا)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعر وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان

کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود (عالم قرآن) بننے کے لئے باقاعدہ حضور ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوس ناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ جو شخص قرآن کے معاملہ میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں وہ کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ (ابو داؤد، نسائی، از اتقان ۲/۱۷۹)

محمد جمال بلند شہری

متوطن شہر میرٹھ

استاذ دار العلوم دیوبند ۱۴۲۲/۱۲/۲۲ھ

مُقَدِّمَة

وحی کی ضرورت

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک عقلی ضرورت بھی ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ لگا دیا ہے۔

لہٰذا انسان کے دنیا میں آنے کے بعد دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے وقت احکام خداوندی کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ علم کے بغیر کائنات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، نیز جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے، اور کن کاموں کو وہ پسند اور کن کو ناپسند کرتا ہے، اس وقت تک اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ چیزوں کا علم ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس خمسہ ظاہرہ سے، جو کہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور لمس ہیں جو پورے جسم میں قدرت نے ودیعت فرما دیئے ہیں، قوت باصرہ آنکھ میں، قوت سامعہ کان میں، قوت شامہ ناک میں، قوت ذائقہ زبان میں، اور قوت لامسہ پورے جسم میں، یہ قوت پورے جسم کے اعتبار سے ہاتھوں میں اور ہاتھوں میں بھی انگلیوں میں اور انگلیوں میں سے انگشت شہادت میں سب سے زیادہ ہے، دوسری چیز عقل ہے اور تیسری وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی چیزوں کا علم حواس

خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کا علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور جو باتیں ان دونوں کے ذریعہ معلوم نہیں ہوسکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان مذکورہ تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا علم محض عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، آپ کو اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ انسان ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کا رنگ گورا یا کالا ہے، لیکن اگر یہی باتیں آپ اپنے حواس کو معطل کرکے محض عقل سے معلوم کرنا چاہیں، تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے وہ محض حواس ظاہرہ سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے اگرچہ آپ کے سامنے اس کی ماں موجود نہیں ہے، اور نہ آپ اس کے پیدا کرنے والے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، اب اگر آپ اس علم کو اپنی عقل کے بجائے اپنی آنکھ سے یا کان سے یا ناک سے حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرسکتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے یہ بھی ایک حد پر جاکر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم نہ حواس سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل سے مثلاً عقل نے یہ تو بتادیا کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ پیدا کرنے والے کے کیا فرائض ہیں؟ اور اس کا کونسا کام اللہ کو پسند اور کونسا ناپسند ہے؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان کا جواب عقل و حواس دونوں مل کر بھی نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے جو ذریعہ متعین کیا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ (علوم القرآن)

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل و حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، حالانکہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، نہ صرف یہ کہ محض حواس ظاہرہ اور عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، بلکہ یہ دونوں ذریعۂ علم بعض اوقات نہ صرف یہ کہ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ غلط رہنمائی بھی کرتے ہیں، مثلاً اس شخص کو جس کے جسم میں خلط صفراء غالب ہوگئی ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یا مثلاً احول کو ایک کے دو

نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات میٹھی چیز کڑوی اور کڑوی میٹھی معلوم ہوتی ہے، اور اگر قوت سامعہ میں خلل واقع ہو جائے تو مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں حالانکہ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

عقل اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل ہمیشہ درست نتیجے ہی پر پہنچے، اگر عقل ہمیشہ درست نتیجے پر پہنچا کرتی تو عقلاء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ ایک ہی مسئلہ ایک عاقل اس کو درست کہتا ہے اور دوسرا اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک بات کو درست کہتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کوئی آخری معیار نہیں بلکہ عقل کا ایک محدود دائرۂ کار ہے۔

آخری معیار وحی ہے

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی پرواز کی ایک حد ہے، ہر ایک کا ایک دائرۂ عمل ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی حد سے آگے کام نہیں کر سکتا، مثلاً آنکھ سے دیکھ کر، آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ دار العلوم کی مسجد رشید سفید پتھر کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت مسجد ہے، اس کے فلک بوس دو منارے ہیں، مگر یہی کام آپ کان سے لینا چاہیں یا آنکھ کے بجائے کان سے آپ مسجد رشید کی خوبصورتی اور رنگ معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی، اسی طرح آپ آنکھ یا کان یا ناک سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں آگئی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کان یا آنکھ یا ناک اس کا جواب نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ بات ان کے دائرۂ کار سے باہر کی چیز ہے، یہ کام عقل کا ہے، عقل بتا سکتی ہے، یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا بنانے والا نہایت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر شخص ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا ایک دائرۂ کار ہے جہاں حواس خمسہ ظاہرہ کی حد ختم ہو جاتی ہے، وہاں سے عقل کی پرواز شروع ہوتی ہے، مگر اس کی پرواز بھی ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے، مذکورہ ذرائع معلومات کے علاوہ ایک ذریعہ اور بھی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، اس کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے، وحی کی اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ وحی الٰہی رہنمائی ہی وہاں کرتی ہے جہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، جو لوگ وحی الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے وہ غلط اور صحیح کا تمام تر دار و مدار عقل ہی پر رکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو عقل آخری معیار ہے اور نہ اس کا لگا بندھا کوئی ضابطہ ہے نیز اس کی پرواز بھی محدود ہے، اگر آپ عقل سے اس کے دائرۂ کار سے باہر کی بات معلوم کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ صحیح جواب نہیں دے گی بلکہ وہ خود بھی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سونا تولنے کے کانٹے سے گیہوں کا بھرا ہوا بورا تولنے لگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بورا تلنے کے بجائے وہ کانٹا خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گا اور لوگ تولنے والے کو بھی بے وقوف اور احمق بتائیں گے۔

تاریخ انسانی میں عقل نے بے شمار مرتبہ دھوکے کھائے ہیں، اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ

جاتا ہے، تاریخ میں آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ عقل کے نزدیک وہ بالکل درست ہیں، ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو خلاف عقل ہوتا۔

کیا حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا، اور اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے، اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے، اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گذارنے کے لئے ہدایات دی ہیں، اس میں وہ لکھتا ہے:

''میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی، بہن کی شکل میں موجود ہے، اور بہن کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے، اس کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ ایک اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ اس کا نبھاؤ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتا ہے کہ جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی اور مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور اپنے لئے ایک ایسی چیز لے آئے کہ جو اس کو پوری راحت بھی نہ دے سکے، یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر میں ہی رکھیں''۔

(الفرق بین الفرق للبغدادی: ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن

آپ اخلاقی طور پر اس کے نظریہ پر جتنی بھی چاہیں لعنت بھیجیں، لیکن کیا خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک دیا جا سکتا ہے؟

عقل کو وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا بھیانک نتیجہ

گیارہویں صدی عیسوی کے کلیسا سے جب وہ دینی امور کا ذمہ دار تھا، ایک بھیانک غلطی ہوئی کہ اس نے اپنی مقدس کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبقاتی نظریات اور مشہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور مسلمات سمجھے جاتے تھے، انسانی علم و عقل کی رسائی اس زمانہ میں اسی حد تک ہوئی تھی، لیکن وہ درحقیقت انسانی علوم و عقل کی آخری حد نہ تھی، مگر اس کو آخری

سمجھ لیا گیا تھا، انسانی عقل کا سفر چونکہ بتدریج جاری ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنے والا نظریہ گذشتہ نظریہ کی تردید کر دیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی ہر منزل عارضی ہوتی ہے، اس پر کوئی پائیدار عمارت قائم نہیں کی جاسکتی، ورنہ ریت کی دیوار کی طرح کھسک کر منہدم ہو جائے گی۔

ارباب کلیسا نے غالباً نیک نیتی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کی یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب وعقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب بن گئی جس میں مذہب نے شکست فاش کھائی، چونکہ کلیسا نے مذہب میں عقلی علوم کی آمیزش کر لی تھی اس لئے اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں اہل مذہب کا ایسا زوال ہوا کہ جس کے بعد اس کا عروج نہ ہوسکا، اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہوگیا۔

عقلیت پسندوں پر کلیسا کے مظالم

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ میں عقلیت پسندی کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے، انہوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جن کو کلیسا اور اہل مذہب نے اپنی مقدس کتابوں میں داخل کرلیا تھا اور ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے انکار کردیا تھا جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہوگئی تھی، ارباب کلیسا نے جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار تھی ان محققین اور ماہرین طبعیات علماء کی تکفیر کی اور انکو ملاحدہ اور مرتدین کی صفوں میں شامل کر کے دین مسیحی کی حفاظت کے لئے ان کا خون بہانے کی اجازت دیدی، ایمرجنسی اور فوری عدالتیں قائم کی گئیں، ان عدالتوں میں ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی جن میں تیس ہزار افراد کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت اور طبعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ اور دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، اسی طرح مشہور ماہر طبعیات وفلکیات گلیلیو (Galilio) کو اس بناء پر موت کی سزادی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا، موجود تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عقل انسانی وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار نہیں ہے، جن لوگوں نے عقل کو ہر معاملہ میں آخری معیار سمجھا ہے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

تاریخ حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل دیکر محفوظ کرلیا جائے، چنانچہ ابتداء اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، مگر چونکہ محض حفظ کی صورت

میں نسیان کا امکان رہتا ہے اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

جمع وترتیب کا کام بھی آپ ﷺ کی ہدایت اور نگرانی میں ہورہا تھا، ایسا نہیں تھا کہ صحابہ کرام کیف ما اتفق جہاں چاہا لکھ دیا، مثلاً جب غیر اولی الضرر کے الفاظ نازل ہوئے تو آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ فوراً قلمبند کرنے کا حکم فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس کو فلاں آیت کے بعد لکھو، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی بند ہوا لیکن اس وقت آپ ﷺ کی موجودگی میں سلسلہ وحی جاری رہنے کی وجہ سے درمیانی اضافوں کی گنجائش تھی اس لئے کتابی شکل میں نہ تھا۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں وقد كان القرآن مكتوبا في عهده صلى الله عليه وسلم لكن غير مجموعة في موضع واحد یعنی قرآن آپ ﷺ کے عہد میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا البتہ یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد میں تاریخ حفاظت قرآن

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مدعی نبوت مسیلمۃ الکذاب سے ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں سات سو حفاظ اور قراء بھی شہید ہوئے، حفاظ قرآن کی اس کثیر تعداد کے شہید ہوجانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شدید اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں باقی حفاظ بھی شہید ہوجائیں، اور اس دولت سے امت محروم ہوجائے، چنانچہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس طرف توجہ دلائی، ابتداءً تو ابوبکر صدیق تیار نہ ہوئے مگر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلسل اصرار اور خود غور وفکر کرنے سے نتیجہ کی وجہ سے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو بھی اس مسئلہ میں شرح صدر ہوگیا اور آپ تیار ہوگئے، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلایا اور فرمایا آپ ایک صالح نوجوان ہیں اور آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے ہیں نیز ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے آپ اس کام کو انجام دیں، چنانچہ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لکھنے اور حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لکھانے پر مامور ہوئے، غرضیکہ ان حضرات نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا، اور کتابی شکل میں ایک مکمل نسخہ تیار ہوگیا، جو حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس ان کی وفات تک رہا، آپ کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس تاحیات رہا، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس رہا، اور اس کی تصدیق شدہ نقلیں ملک کے اطراف وجوانب میں بھیج دی گئیں۔

حفاظت قرآن وعہد عثمانی

جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور بکثرت اہل عجم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے ان میں عربی حروف کا صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں لب

ولہجہ کا اختلاف بکثرت موجود تھا، ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی ہذیل (حتــی حیـن) کو عتّٰی عین پڑھتے ہیں، اور بنواسد تعلمون کسرۂ تا کے ساتھ تِعلمون پڑھتے ہیں اور تمیمی اَن کے بجائے عَن اور سین کی جگہ تا پڑھتے ہیں، چنانچہ سورۂ ناس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں، رب الـنـات مـلك الـنـات الٰه النات چنانچہ عہد عثمانی میں آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے وقت شام وعراق کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی قراءت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے سے اصح قرار دیتا تھا، حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ منظر دیکھا تو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی طرف توجہ مبذول فرمانے کے لئے کہا، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رائے کو پسند فرمایا، اور حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس سے قرآن مجید منگوا کر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو اس کام پر مقرر فرمایا۔

اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے یہ نسخے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے، ایک نسخہ خود حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے پاس رکھا اس نسخہ کو مصحف امام کہا جاتا ہے، اس طرح نسخوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے، بعض حضرات نے نسخوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن روانہ کیا گیا، مذکورہ نسخوں کے علاوہ تمام دیگر نسخے معدوم کر دیئے گئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا جمع کردہ ہے، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے، مگر جمع قرآن کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک رسم الخط پر جمع کر دیا تھا اصل جامع اور مرتب حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اور حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مختلف قراءات کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور اس کے متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلا دیئے۔ (علوم القرآن، ملخصاً)

وحی کی اقسام

① وحی قلبی

اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ کا اور نہ دیگر حواس کا، لہٰذا اس میں کوئی آواز نبی کو نہیں سنائی دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں

جاگزیں ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

② کلام باری

اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل مختلف ایک عجیب وغریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اس کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں، یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (النساء) اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

③ وحی ملکی

اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعہ نبی تک پہنچا دیتا ہے، بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ کسی انسانی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کو اپنی اصل صورت میں نظر آجائے مگر ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (الشوریٰ) ''کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے''۔

اس آیت میں وحیًا (دل میں بات ڈالنے) سے پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

وحی اور ایحاء میں فرق

وحی اور ایحاء، لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کردینا خواہ وہ اشارہ کسی بھی طریقہ سے ہو، چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ظاہر ہے کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں کسی بات کا ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے وحی اور

ایحاء دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں.
مثلاً وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اور وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ اور وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی
اَنْ اَرْضِعِیْهِ مذکورہ تمام آیات میں ایحا لغوی معنی میں ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی

وحی کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیٍّ مِّنْ اَنْبِیَآئِهٖ، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایحاء کا استعمال انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے لیکن لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ (علوم القرآن)

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے.
اکثر مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، بعض لوگ مکی و مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، مگر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق یہ مطلب درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکیں تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے چنانچہ منیٰ و عرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، حتی کہ سفر ہجرت کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی وہ آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اگرچہ مکہ یا مکہ کے اطراف میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کو مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلہ میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں:

مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات

❶ ہر وہ سورت جس میں کَلَّا آیا ہے وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے نصف آخر میں ہیں۔

❷ ہر وہ سورت کہ جس میں کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے مکی ہے (یہ اصول حنفیہ کے مسلک پر ہے) کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ نہیں ہے، شوافع کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ ہے اور وہ مدنی ہے، لہٰذا وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگئی۔

❸ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت کہ جس میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وابلیس کا واقعہ آیا ہے مکی ہے۔

❹ ہر وہ سورت کہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں مدنی ہے۔

❺ ہر وہ سورت کہ جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے، بعض حضرات نے اس قاعدہ سے سورۂ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت بحیثیت مجموعی مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔

مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں کلی نہیں

❶ مکی سورتوں میں عموماً یَاَیُّھَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کے الفاظ سے۔

❷ مکی آیات عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں۔

❸ مکی آیات زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات اور حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام کم بیان ہوئے ہیں بخلاف مدنی سورتوں کے۔

❹ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

❺ مکی سورتوں کا اسلوب زیادہ پر شکوہ ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد و شمار

سورتیں	۱۱۴	زبر	۵۳۲۴۲
رکوعات	۵۴۰	زیر	۳۹۵۸۲
آیات مدنی	۶۲۱۴	پیش	۸۸۰۴
آیات مکی	۶۲۲۱	مدات	۱۷۷۱
آیات بصری	۶۲۲۵	تشدیدات	۱۲۵۲
آیات شامی	۶۲۲۶	نقطے	۱۵۶۸۴
کلمات	۷۷۴۳۹	حروف	۳۶۴۳۱۹

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کلام الٰہی ہے جو کہ ازل ہی سے لوح محفوظ میں موجود ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ بلکہ یہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے دو مرتبہ ہوا ہے ایک مرتبہ پورے کا پورا آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کردیا گیا تھا۔ (بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں) اور یہ محترم معبد ہے جو آسمان میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کرکے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال میں اس کی تکمیل ہوئی، اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی میں ہوا ہے، لیکن اس رات میں رمضان المبارک کی کونسی تاریخ تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی بعض روایات سے رمضان کی سترہ اور بعض سے انیس اور بعض سے ستائیس شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں تھیں جو غار حراء میں نازل ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر نزول وحی کی ابتدا تو سچے

خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ ﷺ غار حراء میں کئی کئی راتیں گذارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اسی غار میں آپ ﷺ کے پاس اللہ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے پہلی بات یہ کہی اِقْـرَأْ یعنی پڑھو، حضور ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد فرشتے نے آپ ﷺ کو اس زور سے دبایا کہ مشقت کی انتہا ہوگئی، غرضیکہ اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ فرشتے نے عمل کیا، تیسری مرتبہ کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں، آپ ﷺ اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوگئے تھے اور خوف کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ ﷺ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِي، زَمِّلُوْنِي مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ ﷺ پر نازل ہونے والی یہ سب سے پہلی آیتیں تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانہ کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں، تین سال کے بعد پھر وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا آپ ﷺ کو آسمان و زمین کے درمیان نظر آیا اور اس نے سورۂ مدثر کی آیات آپ ﷺ کو سنائیں۔

التفسير لغةً و اصطلاحًا

تفسير لغةً، الكشف والإبانة. تفسير اصطلاحًا، علم يُبحثُ فيه عن احوال القرآن المجيد من حيث دلالته على مراد الله تعالى بحسب طاقة البشرية پہلی قید سے علم قراءت خارج ہوگیا اس لئے کہ علم القراءت میں ضبط الفاظ اور کیفیت اداء سے بحث ہوتی ہے، اور بحسب طاقة البشرية کی قید کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ متشابہات اور اللہ تعالیٰ کی واقعی اور نفس الامری مراد کے عدم علم سے علم تفسیر میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

تفسیر و تاویل میں فرق

تفسیر کا علم وادراک صرف نقل ہی سے ہوسکتا ہے، جب کہ اسباب نزول، اور تاویل کا علم وادراک قواعد عربیہ سے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا علم تاویل، ان علوم میں سے ہے جن کا تعلق درایت سے ہے، نیز تاویل چند محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو، احتمال خطاء کے ساتھ ترجیح دینا ہے، اور تفسیر حتمی اور قطعی طور پر یہ بیان کرنا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ (جمل، ملخصًا)

موضوع: القرآن من حيثُ دلالته على مراد الله تعالىٰ.

غرض: الاهتِداء بهداية الله تعالى والتمسّك بالعروة الوثقى والوصول الى السعادة الأبدية.

ترجمة الإمامَين الهمامين الجليلين

الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی، والشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی رحمهما الله تعالى.

بلاشبہ ان دونوں حضرات کی ذات گرامی اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار تھی، ایسی عبقری شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو اس عالم ہست وبود وجہان رنگ وبو میں بے شمار قابل فخر سپوت جنم لیتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو سینۂ گیتی پر نقش دوام چھوڑ کر جاتے ہیں، ان ہی خوش نصیب اور قابل مبارک باد افراد میں سے دونوں صاحب جلالین بھی ہیں۔

اگر چہ ان حضرات کے تذکرہ وتعارف کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے کہ عیاں را چہ بیاں، بلکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر چونکہ ترجمہ نویسی کا طریقہ اسلاف واکابر سے چلا آ رہا ہے، اسی کے پیش نظر احقر بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

ابتداء صاحب جلالین نصف ثانی سے کرتا ہوں اس لئے کہ موصوف کو تقدم زمانی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نصف اول علامہ سیوطی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

صاحب جلالین نصف ثانی

نام ونسب

آپ کا نام محمد اور والد محترم کا نام احمد ہے اور جلال الدین لقب ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلی، مصر کے ایک شہر محلة الکبریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

سن پیدائش ووفات

آپ ماہ شوال ۷۹۱ھ میں مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۴ھ میں ۱۵ر رمضان المبارک بروز شنبہ بوقت صبح رحلت فرمائی، آپ نے ۷۳ سال عمر پائی، باب النصر میں اپنے آباء واجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

تحصیل علوم

قرآن کریم کے حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی اساتذہ سے پڑھیں اور فقہ علامہ بیجوری، جلال بلقینی، ولی عراقی سے پڑھی، اور نحو شہاب عجیمی اور شمس شطعونی سے اور فرائض وحساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے اور منطق، جدل، معانی، بیان، عروض، بدر محمود اقصرائی سے اور اصول دین وتفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کئے، ان حضرات کے علاوہ دیگر اساطین علم کے حلقہ درس میں حاضر ہوکر استفادہ کیا، اولاً آپ نے کپڑے کی تجارت اختیار کی، ایک مدت تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، اس کے بعد ایک شخص کو قائم مقام بنا کر خود درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے تحصیل علم کیا، آپ پر عہدۂ قضا بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے انکار فرما دیا۔

آپ کی تصانیف

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع، جلالین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حامل ہیں، آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۂ کہف سے فرمائی۔ نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) بقیہ نصف اول کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ سیوطی عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے کی۔

صاحب جلالین نصف اول

نام ونسب

نام عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین، کنیت ابو الفضل ہے، پورا نسب اس طرح ہے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، بن سابق الدین، بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی، سیوط کی طرف منسوب ہیں، جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، یہی محلہ خضریہ ہے جو سوق خضر کے نام سے مشہور ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ بعد مغرب تولد ہوئے، اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔

تحصیل علوم

آپ صغر سنی یعنی پانچ سال سات ماہ کی عمر میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے، حسب وصیت والد ماجد، چند بزرگوں کی سرپرستی میں رہے، جن میں شیخ کمال ابن الہمام حنفی بھی تھے، موصوف نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم کے حفظ سے فراغت حاصل کرلی، اس کے بعد آپ نے منہاج الاصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سی درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذۂ علم وفن کے حلقۂ درس میں شرکت فرمائی۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں، مگر یہ تاریخ کی رو سے درست نہیں ہے اس لئے کہ اصحاب تاریخ کی یہ صراحت موجود ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور علامہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ میں ہے، اس حساب سے حافظ ابن حجر کی وفات کے وقت علامہ سیوطی کی عمر صرف تین سال ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں تلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

درس وتدریس اور افتاء

تحصیل علوم وتکمیل فنون کے بعد ۸۷۰ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املا میں مشغول ہو گئے، آپ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حج کے موقع پر آب زمزم پیا اور یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے مرتبہ کو پہنچ جاؤں۔

آپ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں یاد ہیں، اور اگر مجھے اس سے بھی زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، چالیس سال کی عمر میں قضاء وافتاء وغیرہ سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرلی، اور ریاضت وعبادت، رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے، آپ کے زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی خدمت میں آتے اور قیمتی قیمتی ہدایا وتحائف پیش کرتے مگر آپ قبول نہ فرماتے، سلطان غوری نے ایک خصی غلام اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں، آپ نے اشرفیاں واپس کردیں، اور غلام آزاد کرکے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا خادم بنا دیا۔

آپ صاحب کشف وکرامات بزرگوں میں سے تھے، طی الارض کی کرامت آپ کی بہت مشہور ہے، بقول آپ کے آپ نے نبی کریم ﷺ کی ستر مرتبہ خواب میں زیارت فرمائی۔

علمی خدمات:

بقول داؤدمالکی آپ کی تصانیف کی تعداد پانصد سے بھی متجاوز ہے، آپ کی تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف شرح استعاذہ وبسملہ ہے، علوم القرآن پر آپ کی تالیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔

وفات

آپ نے وفات ہاتھ کے ورم میں مبتلا ہو کر جمعہ کی آخری شب ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں پائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

تفسیر جلالین

فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے اگر اس کو قرآن پاک کا عربی ترجمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر جلالین کو بے وضو چھونا جائز ہے، یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لئے اس کتاب کا نام جلالین رکھا گیا، بعض اوقات نصف اول وثانی کے مفسر کی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس کے یاد رکھنے کی آسان شکل یہ ہے کہ سیوطی کے شروع میں سین ہے اور محلی کے شروع میں میم ہے اور سین حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے مقدم ہے اور میم مؤخر، لہٰذا جس کے شروع میں سین ہے اس کا حصہ مقدم ہے اور جس میں میم ہے اس کا مؤخر۔

جلالین کے مآخذ

شیخ موفق الدین احمد بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھی ہیں، ایک کبیر جس کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری صغیر جس کو تلخیص کہتے ہیں، شیخ جلال الدین محلی کا اعتماد اسی تفسیر صغیر پر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز اور تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر بھی پیش نظر رہی ہیں۔

جلالین کے شروح وحواشی

❶ جمالین، ملانورالدین علی بن سلطان محمد الہروی المشہور بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کا بہت عمدہ حاشیہ ہے۔

❷ قبس النیرین یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے۔

❸ مجمع البحرین ومطلع البدرین، جلال الدین محمد بن محمد کرخی کی کئی جلدوں میں ہے۔

❹ کمالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبدالصمد المتوفی ۱۲۲۹ھ کی ہے یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احفاد میں سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی حواشی وشروح ہیں چونکہ استیعاب مقصد نہیں اس لئے ان ہی چند کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

محمد جمال بلندشہری متوطن میرٹھ
استاذ دارالعلوم دیوبند
۱۲ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق
۲۵ر فروری ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الحمد للّٰه حمدًا مُوافيًا لِنِعَمِهٖ مُكافيا لمزيده.

والصّلٰوةُ والسَّلامُ علٰى سيّدنا محمد واٰله وصحبه وجنوده.

اما بعد! فهٰذا ما اشتدت اليه حاجة الراغبين فى تَكمِلَةِ تفسيرِ القراٰنِ الكريمِ الذى اَلّفه الامامُ العلامةُ المحققُ المدققُ **جلالُ الدّين** محمد بن احمد المحلّى الشافعى رحمة اللّٰه عليه وتَتْمِيْمِ مافاتَه وهو من اول سُورة البقرة الٰى اٰخر سورة الاِسراءِ بتَتِمّةٍ على نَمَطِهٖ مِن ذِكرِ ما يُفْهَمُ به كلام اللّٰه تعالٰى والاِعتمادِ عَلٰى ارجحِ الاقوال واِعرابِ ما يحتاج اليه وتنبيهٍ علٰى القراٰت المختلفةِ المشهورةِ علٰى وجهٍ لطيفٍ وتعبير وجيز وتركِ التطويل بذكر اقوالٍ غير مرضية واعاريبَ مَحَلُّها كتب العربية واللّٰهَ اسألُ النفعَ به فى الدنيا واحسنَ الجزاء عليه فى العقبٰى بِمَنّه و كرمه.

ترجمه خطبۂ جلالين نصف اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اس کی (بالفعل) موجود نعمتوں پر اور (آئندہ حاصل ہونے والی) روز افزوں نعمتوں پر، اور درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر اور آپ کے مددگاروں پر۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد پس (عرض) یہ ہے وہ (معہودِ ذہنی) جس کے بارے میں خواہشمندوں کی حاجت شدید تر ہوگئی، وہ قرآنِ کریم کی اس تفسیر کی تکمیل کے بارے میں ہے کہ جس کو امام علامہ محقق جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تالیف فرمایا، اور خواہشمندوں کی حاجت اس (حصہ) کی تکمیل میں شدید تر ہوگئی جس کو (علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے، یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء کے آخر تک، ایسے تتمہ کے ذریعہ تکمیل میں جو (علامہ محلی) ہی کے طرز پر ہو اور وہ (طرز)

اس چیز کا ذکر کرتا ہے جس سے فہم کلام اللہ نصیب ہو، اور قول راجح پر اعتماد کرتا ہے، اور (صرف) معروف مختلف قراءتوں پر لطیف پیرایہ اور مختصر انداز میں تنبیہ کرتا ہے غیر مقبولہ اقوال کو ذکر نہ کرتے، اور غیر ضروری اعراب کو نظر انداز کرتے تطویل کو ترک کرتا ہے، اس لئے کہ اس کے مواقع عربی (مثلاً نحو، معانی وغیرہ) کی کتابیں ہیں، اور میں اس عمل (تکمیل) کے ذریعہ دنیا میں نفع کا طالب اور آخرت میں اس کے احسان و کرم کے طفیل میں بہتر جزاء کا امیدوار ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُوال: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حمد کے بقیہ طریقوں کو چھوڑ کر الحمد للّٰہ حمدًا الخ سے کیوں حمد فرمائی؟

جواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ حمد کے اس فقرہ کو حدیث شریف میں افضل حمد کہا گیا ہے، گویا کہ یہ فقرہ اس حدیث شریف کا اقتباس ہے، الحمدللّٰہ حمدًا یُوَافِی نِعَمَهٗ ویُکافی مَزیدَهٗ.

سُوال: مفسر علام نے حدیث کے الفاظ میں تصرف کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: یہ حدیث نہیں بلکہ حدیث کا اقتباس ہے، اور اقتباسات میں ضرورت کے پیش نظر تصرف جائز ہے۔ (صاوی)

قولہ: مُوافِیًا لِنِعَمِہٖ ای مطابقًا لِنعمِہٖ یعنی حمد اللہ کی نعمتوں کے مطابق ہو بایں طور کہ موجودہ نعمتوں میں سے کوئی نعمت بلا حمد نہ رہ جائے، اور آئندہ (عطا ہونے والی) نعمتوں کے مساوی و مماثل ہو، مقصد یہ کہ لفظ الحمد للّٰہ تمام نعمتوں کے عوض میں ہو جائے، اسی مطابقت اور مماثلت کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے:

> عذر تقصیراتِ ماچندانکہ تقصیرات ما   شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ حمد ایسی ہو کہ جو موجودہ نعمتوں اور آئندہ حاصل ہونے والی نعمتوں کے لئے کافی ہو۔

تنبیہ: بعض نسخوں میں ''سیدنا'' کا لفظ نہیں ہے، پیش نظر نسخہ میں سیدنا کا لفظ موجود ہے جن نسخوں میں سیدنا کا لفظ ہے اس کے مطابق وآلہ اور اس کے مابعد کا عطف سیدنا پر ہو کہ نہ کہ محمد پر، ورنہ تمام معطوفات کا سیدنا ہونا لازم آئے گا، حالانکہ حقیقتاً اور اصالۃً سیدنا آپ ﷺ ہیں نہ کہ دیگر حضرات۔

قولہ: وَجُنُودُہٗ، جُنُودٌ، جُنْدٌ کی جمع ہے بمعنی لشکر، جُند مددگار کو بھی کہتے ہیں، جُنْدٌ ایسا اسم جنس ہے کہ جس کے واحد اور جمع میں یاء کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے، مثلاً جُندٌ لشکر اور جندی ایک لشکری جس طرح یہود اور یہودی ہے، یہود، قومِ یہود، یہودی یہود کا ایک فرد۔

بعض نسخوں میں اَمّا بعدُ نہیں ہے لہٰذا ھذا اس کے قائم مقام ہوگا، اور جن نسخوں میں اَمّا بعدُ ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے، اس صورت میں اَمّا حرف شرط اور فھذا اس کی جزاء، مفسر علام نے ھذا اسم اشارہ قریب کا لا کر اشارہ کر دیا کہ ھذا

کا مشار الیہ معہودِ ذہنی ہے جو کہ نہایت قریب ہے، اور وہ سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء کے آخر تک ہے، ما اشتدّت میں ما سے مراد بھی معہودِ ذہنی ہے۔

قِوْلَہٗ: راغبیــن سے محبین اور طالبین مراد ہیں، مطلب یہ کہ طالبین اور خواہشمندوں کی حاجت علامہ محلی کی تفسیر کی تکمیل کی طرف شدید ہوگئی۔

علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مختصر تعارف

قِوْلَہٗ: جلال الدین الخ جلال الدین آپ کا لقب ہے اور اسم گرامی محمد بن احمد ہے، المحلّہ بفتح اللام مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، جس کا پورا نام محلّۃ الکبریٰ ہے، اسی شہر کی طرف نسبت کرکے آپ کو محلی کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاہرہ کا ہی دوسرا نام المحلّۃ الکبریٰ ہے، ۷۹۰ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور ۸۶۴ھ میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، اس حساب سے آپ ۷۳ سال بقیدِ حیات رہے، آپ کی قبر مبارک مصر میں باب النصر کے سامنے ہے۔

قِوْلَہٗ: وتَتْمِیمُ تتمیم پر رفع اور جر دونوں درست ہیں، رفع کی صورت میں عطف مَا اشتدّت میں ما پر ہوگا، اور جر کی صورت میں تکمِلَۃ پر عطف ہوگا، اور فی کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا۔

مَلْحوظَۃ:- مفسر علام کے قول وتتمیم مافاتہ المحلی میں تسامح معلوم ہوتا ہے، علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ما فاتہ المحلی، کی تکمیل فرمانے والے ہیں، حالانکہ تکمیل ما فاتَ المحلی کی نہیں بلکہ ما اَتا بہٖ المحلی کی فرما رہے ہیں، یعنی علامہ محلی نے جو کچھ کیا اس کی تکمیل فرما رہے ہیں نہ کہ جو کچھ نہیں کیا اس کی تکمیل، اس لئے کہ تتمہ، مالہ تتمہ کا جز ہوا کرتا ہے، اور علامہ سیوطی کا تتمہ (یعنی نصف اول) ما فاتَ المحلی کا جز نہیں ہے بلکہ مَا اَتی بہٖ یعنی نصف ثانی کا جزء ہے۔ (صاوی)

قِوْلَہٗ: بتَتِمَّۃٍ یہ تتمیم سے متعلق ہے اور با بمعنی مع ہے۔

قِوْلَہٗ: علی نمطہٖ یہ تتمیم سے حال ہے، یعنی تکمیل اس حالت میں ہو کہ وہ علامہ محلی کے طرز پر ہو۔

قِوْلَہٗ: مِن ذکر ما یُفھَمُ بہٖ کلام اللّٰہ یہ نمطہٖ کا بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: والاعتماد کا عطف ذِکرِ مَا یُفھَمُ پر ہے، مِن کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور وَاِعْراب ما یَحْتَاجُ الیہِ اور تَنْبِیہِ علی القراءاتِ المختلفۃ المشھورۃِ کا عطف بھی ذکرِ پر ہے، خیال رہے کہ یہاں مشہور سے مراد اصطلاحی معنی نہیں؛ بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ مصحف میں مکتوب سب کی سب قراءات متواترہ ہیں۔

قِوْلَہٗ: وتَرکِ التطویل بذکر اقوالٍ غیر مرضیّۃٍ اور وَاَعارِیْب کا عطف وجہٍ لطیف پر ہے، اور یہ عطف تفسیری کے طور پر ہے، اور اس لئے کہ جوبات معطوف علیہ یعنی علی وجہٍ لطیفٍ، وتعبیر وجیز میں اجمال اور اشارہ کے طور پر ہی

گئی ہے وہی بات معطوف یعنی وتركِ التطويل الخ میں تفصیل وصراحت سے کہی گئی ہے۔

علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے خطبہ کا خلاصہ

علامہ سیوطی نے اولاً مختصر مگر جامع الفاظ میں خالق کائنات کی حمد فرمائی اس کے بعد سید مخلوقات اور آپ کے آل واصحاب نیز معاونین کو ہدیہ درود وسلام پیش کیا، اس کے بعد نصف اول کی تفسیر کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اہم کام کی ذمہ داری قبول کرنے کا سبب شائقین اور طالبین کا مسلسل اور شدید اصرار ہوا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ نصف ثانی کے نہج پر نصف اول میں بھی ایجاز واختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز قول راجح اور ضروری اعراب نیز قراءت مختلفہ مشہورہ کی نشاندہی کی گئی ہے اور اقوال نامرضیہ اور اعراب غیر ضروریہ کو ترک کرکے تطویل سے احتراز کیا گیا ہے، آخر میں اس کار خیر کے وسیلہ سے دنیا وآخرت میں اپنے لئے خیر طلب کی گئی ہے۔

نوٹ: تفسیر اور اس سے متعلقات کی مکمل معلومات کے لئے مقدمہ کی جانب رجوع فرمائیں، مقدمہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ مِائَتَان وسِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَّثمانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ بقرہ مدنی ہے، ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ① اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **ذٰلِكَ** اى هذا **الْكِتٰبُ** الَّذِى يَقْرَؤُهُ محمدٌ صلى اللّٰه عليه وسلم **لَارَيْبَ** شكَّ **فِيْهِ** أنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وجملةُ النفى خبرٌ مبتدأُهُ ذٰلك والاشارةُ به للتعظيم **هُدًى** خبرٌ ثانٍ اى هادٍ **لِّلْمُتَّقِيْنَ**② الصَّائِرِيْنَ الى التَّقْوٰى بِامْتِثَالِ الاَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِى لِاتِّقَائِهِم بِذٰلِكَ النَّارَ **الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ** يُصَدِّقُوْنَ **بِالْغَيْبِ** بِمَا غَابَ عَنْهُمْ مِنَ البَعْثِ وَالجَنَّةِ وَالنَّار **وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** اى يَاتُوْنَ بِهَا بِحُقُوقِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعْطَيْنَاهُم **يُنْفِقُوْنَ**③ فِى طَاعَةِ اللّٰهِ **وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** اى

القرآن ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ای التورٰۃ والانجیل وغیرھما ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ یعلمون ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ الموصوفون بما ذکر ﴿عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ الفائزون بالجنۃ الناجون من النار ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کابی جھل وابی لھب ونحوھما ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ بتحقیق الھمزتین وابدال الثانیۃ الفا وتسھیلھا وادخال الف بین المسھلۃ والاخری وترکہ ﴿اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ لعلم اللہ منھم ذلک فلا تطمع فی ایمانھم والانذار اعلام مع تخویف ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ طبع علیھا واستوثق فلا یدخلھا خیر ﴿وَعَلٰى سَمْعِهِمْ﴾ ای مواضعہ فلا ینتفعون بما یسمعونہ من الحق ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ غطاء فلا یبصرون الحق ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ قوی دائم۔

ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، الٓمٓ اللہ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے، یہ کتاب ہے جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ منجانب اللہ ہے اور جملہ (یعنی لَا رَیْبَ فِیْهِ) خبر ہے جس کا مبتداء ذٰلِكَ ہے اور اسم اشارہ بعید کا استعمال بیان تعظیم کے لئے ہے، هُدًى خبر ثانی ہے اور معنی میں ھَادٍ کے ہے، متقیوں کے لئے رہنما ہے (یعنی) امتثال اوامر اور اجتناب نواہی کے ذریعہ تقوی کی رغبت رکھنے والے ہیں، (اس امتثال واجتناب) ہی کی بدولت نار جہنم سے بچنے کی وجہ سے ان کو متقی کہا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو مغیبات پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان چیزوں کی جو ان سے مخفی ہیں مثلاً بعث بعد الموت، جنت اور نار کی تصدیق کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی اس کے ارکان وشرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس میں سے اللہ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں، جو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، یعنی تورات انجیل وغیرہ، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یعنی اس کا پختہ علم رکھتے ہیں، یہی لوگ جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں، اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جو پوری طرح کامیاب ہیں، (یعنی) جنت کے (حصول کے) ذریعہ کامیاب اور نار جہنم سے نجات پانے والے ہیں، بلاشبہ وہ لوگ جو منکر ہوئے جیسا کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ، آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے، (ءَاَنْذَرْتَهُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے تبدیل کرکے اور دوسرے میں ترک تسہیل کرکے اور مُسَہَّلہ اور محققہ کے درمیان الف داخل کرکے (اور ثانی میں) ترک تسہیل کرکے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ بات ان کے بارے میں اللہ کے علم میں ہے، لہٰذا آپ ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں اور انذار، خوف کے ساتھ ڈرانے کو کہتے ہیں، اللہ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی ہے اور ان کو سیل (Seel) کردیا ہے، لہٰذا اب ان میں خیر داخل نہیں ہوسکتی اور ان کی (قوت) سماعت یعنی کانوں پر (معنوی) مہر لگادی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ حق بات سن کر مستفید نہیں ہوتے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، جس کی وجہ سے حق بات نہیں دیکھ سکتے اور ان کے لئے قوی اور دائمی عذاب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قرآنی سورتوں کا ''سورۃ'' نام رکھنے کی وجہ تسمیہ:

سُوْرَةُ البَقَرَة: سورۃ لغت میں بلندی یا بلند منزل کو کہتے ہیں، (لسان، راغب) یعنی ہر سورت بلند مرتبہ ہے، سورت کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے بھی ہیں، شہر کے چاروں طرف کی دیوار کو سور المدینہ کہتے ہیں قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مضامین کو اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہے، جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

ذلك: اسم اشارہ بعید کے لئے ہے، جس کا مشار الیہ محسوسات میں سے ہو، یعنی حواس خمسہ ظاہرہ سے جس کا ادراک کیا جا سکتا ہو، رَيْبَ شک و شبہ، هو التردد بين النقيضين لا ترجيح لاحدهما على الآخر عند الشاك. هُدى، ہدایت سے ماخوذ ہے بمعنی رہنمائی غَيْب ہر وہ شئ جو انسان کے حواس خمسہ سے غائب ہو، يُقِيْمُوْن اقامت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی سیدھا کرنے کے ہیں اور نماز کا سیدھا کرنا اس کو آداب و شرائط کی رعایت کرتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے، رزق زندگی گذارنے کا سامان يُنْفِقُوْن یہ انفاق سے ماخوذ ہے، بمعنی خرچ کرنا اٰخِرَة مؤخر اور بعد میں آنے والی چیز، یہاں عالم دنیا کے مقابلہ میں عالم آخرت مراد ہے، يُوْقِنُوْنَ، ایقان سے ماخوذ ہے، جمع مذکر غائب۔ مُفْلِحُوْن، افلاح سے ماخوذ ہے، فلاح پوری کامیابی کو کہتے ہیں، سَوَآءٌ یہ اسم ہے قائم مقام مصدر کے یہی وجہ ہے کہ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا کہا جاتا ہے، هما سواء، هم سوآء اور جب اس کا تثنیہ لانا ہوتا ہے، تو کہا جاتا ہے، هما سيّان. غشاوةٌ، بروزن فعالة یہ وزن کسی چیز پر مشتمل ہونے کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے: عِصابه اور عِمامه. غشوة، کے غین پر تینوں حرکت درست ہیں، اس کے معنی سرپوش کے ہیں، یہ مصدر بھی ہے، مگر اس جگہ ڈھانکنے والی چیز مراد ہے۔

قَوْلُهٗ: هذا.

سُوَال: ذلك کی تفسیر هذا سے کیوں کی؟

جَوَاب: ذلك، بمعنی هذا ہے، اس لئے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ، الٓمّٓ، یا قرآن کریم ہے اور دونوں ہی نہایت قریب ہیں۔

سُوَال: تو پھر ذلك کے بجائے، هذا ہی کیوں استعمال نہیں کیا؟

جَوَاب: بیان تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا۔

قَوْلُهٗ: الّذِی يقرؤه محمد ﷺ اس سے دیگر کتب سماویہ سے احتراز ہو گیا۔

قَوْلُهٗ: انّهٗ مِنْ عند اللّٰه کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: (الكتاب) مفرد ہے، اور مفرد میں شک کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اس لئے کہ شک اور ظن اور علم کا تعلق

قضیہ سے ہوتا ہے۔

جَوَابِّ: الکتاب مفرد نہیں ہے بلکہ قضیہ ہے، اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ذالك الكتابُ أنّه من عند الله.

قِوْلَهُ: الصائرين الى التقوى.

سَوَالّ: للمُتَّقِيْنَ، کی تفسیر الصَّائِرِيْنَ اِلَى التَّقْوٰى سے کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابِّ: اس تفسیر سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سَوَالّ: سوال یہ ہے کہ هُدًى لِلْمتقين میں تحصیل حاصل ہے، یعنی یہ کتاب متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے، متقیوں کو ہدایت دینے سے کیا مراد ہے، جب کہ متقی تو خود ہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

جَوَابِّ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ متقین سے مراد راغبين الى التقوى ہے۔

قِوْلَهُ: لِاتـقـائِهِم بذلك النار کے اضافہ کا مقصد متقی کو متقی کہنے کی وجہ کو بیان کرنا ہے متقی کو اس کے اعمال صالحہ کے ذریعہ چونکہ جہنم سے بچایا جائے گا اس لئے اس کو متقی کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: کابی جهل و ابی لهب وغیرهما، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالّ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، اس آیت میں عموم کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے ان میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں ہے، حالانکہ ان ہی حضرات میں سے بہت سے افراد مشرف باسلام ہوئے۔

جَوَابِّ: مفسر علام نے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، کی تفسیر کابی جهلٍ و ابی لهبٍ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ عموم سے بعض افراد مراد ہیں، جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں متعین تھا جیسا کہ ابوجہل اور ابولہب۔

قِوْلَهُ: ءَاَنْذَرْتَهُمْ، اس میں پانچ قراءتیں ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق کی صورت میں دو قراءتیں ہیں، ① دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، ② ترک ادخال کرکے، دوسرے ہمزہ کی تسہیل کی صورت میں بھی دو قراءتیں ہیں، ③ ادخال الف، ④ ترک ادخال الف اور ⑤ پانچویں قراءت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر، وادخال الف میں واو بمعنی مع ہے، ای مع ادخال الف. مذکورہ پانچوں قراءتیں صاحب جلالین نے مندرجہ ذیل ترتیب سے بیان کی ہیں: ① تحقیق ہمزتین (یعنی تحقیق محض بلا ادخال) ② ابدال ثانیہ بالالف مع المد ③ تسہیل محض (بلا ادخال الف) ④ تسہیل بلا ادخال ⑤ ادخال مع تحقیق ثانیہ۔

الٓمّٓ: مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، هٰذا الٓمّٓ، ذٰلك، اسم اشارہ مبتداء اور محلاً مرفوع الكتابُ، ذلك مبتداء کی خبر اول، لاریب فیه، خبر ثانی، تقدیر عبات یہ ہے کہ لَارَيْبَ كائنٌ فيهِ، لا نفی جنس رَيْبَ اس کا اسم فيه، كائن کے متعلق ہو کر جملہ ہو کر ذلك کی خبر ثانی، هدًى للمتقين خبر ثالث۔

قِوْلَهُ: ءَاَنْذَرْتَهُمْ، پہلا ہمزہ استفہامیہ تسویہ کے لئے ہے، ءَاَنْذَرْتَهُمْ، بتاویل مصدر ہو کر مبتداء ہے اور سَوَاءٌ عليهم

خبر مقدم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سَوَاءٌ جاری مجریٰ مصدر اور ءَ اَنْذَرْتَهُمْ کا فاعل جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر۔

سَوَال: انذار اور اخبار بالعذاب میں کیا فرق ہے۔

جَوَاب: انذار ایسے وقت میں ڈرانے کو کہتے ہیں کہ امر مخوف منہ سے احتراز ممکن ہو، ورنہ تو اخبار بالعذاب کہیں گے (ای فی وقت يَسَعُ التحرز من الامر المخوف والّا فيسمّٰى اِخبار بالعذاب). (صاوی)

خَتَمَ اللّٰهُ على قلوبِهِمْ: یہ اور اس کا مابعد ماقبل کی علت ہے یعنی یہ لوگ ایمان اس لئے نہیں لائیں گے کہ ان کے قلوب پر مہر لگادی گئی ہے۔

سَوَال: مہر لگانے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ یہ امر مشاہدہ ہے کہ آج تک کسی بھی کافر کے قلب پر مہر لگی ہوئی نظر نہیں آئی حالانکہ آپریشن کے ذریعہ بہت سے قلوب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

جَوَاب: قلب سے مراد عقل ہے جو کہ ایک لطیفہ ربانیہ ہے، جو کہ قلب صنوبری کے ساتھ قائم ہوتا ہے جیسا کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ اور حرارت کا قیام نار کے ساتھ ہوتا ہے اس اتصال کی کیفیت خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قَوْلُہٗ: ای مَوَاضِعَهٗ: ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: مضاف کس فائدہ کے لئے محذوف مانا گیا ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ سمع، ایک معنوی شی ہے، اس کی جانب ختم کی نسبت درست نہیں ہے اس لئے مضاف محذوف مان لیا اور بتادیا کہ سمع سے مراد مواضع السمع ہیں، جن پر مہر لگ سکتی ہے۔

سَوَال: سمعٌ کو مفرد لانے میں کیا حکمت ہے، جب کہ قلوب اور ابصار کو جمع لایا گیا ہے۔

جَوَاب: یا تو اس لئے کہ سمعٌ مصدر ہے اور مصدر کا تثنیہ و جمع نہیں لایا جاتا، یا اس لئے کہ مسموع واحد ہے، وعَلٰی سَمْعِهِمْ میں وقف تام ہوگیا، عَلٰی ابصارهم خبر مقدم ہے اور غشاوة مبتداء مؤخر اور جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قَوِیٌّ دَائِمٌ: عَظِیْمٌ کی تفسیر قوی دائمٌ سے کرنے کا مقصد اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ عظیمٌ اجسام کی صفت واقع ہوتی ہے جیسا کہ: "لَهَا عرش عظيم" اور عذاب از قبیل معنی ہے لہٰذا عظیمٌ، عذاب کی صفت لانا درست نہیں ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عظیم، قوی دائمٌ کے معنی میں ہے جو کہ معنی کی صفت واقع ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ.

❶ وُضِعَ المصدر، هدًى موضع الوصف المشتق الَّذِیْ هو هادٍ، وذٰلِكَ اَوْغَلُ فی المبالغة فی التعبير عن دَيْمُوْمَتِهٖ واستمراره، كزيد عدل.

❷ فی قولہ تعالی: عَلٰی هُدًی، استعارۃ تصریحیۃ تبعیۃ، تشبیہًا لحال المتقین بحال من اعتلی صہوۃ جوادہ، فحذف المشبّہ، واستعیرت کلمۃ علی الدالۃ علی الاِسْتِعْلاء والتفوق علی ما بعدھا حقیقۃ، نحو: زید علی السطح او حکمًا نحو علیہ دینٌ.

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الآیۃ)

فی اسناد الختم الی القلوب استعارۃ تمثیلیۃ. فقد شُبِّھت قلوب الکفار فی نبوّھا عن الحق وعدم الاصغاء الیہ بحال قلوبٍ ختم اللّٰہ علیھا، وھی قلوب البھائم وھو تشبیہ معقول بمحسوس.

تفسیر وتشریح

سورۂ بقرہ کے فضائل:

حدیث شریف میں سورۂ بقرہ کی ایک خاص فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لاتجعلوا بُیُوْتَکم قبورًا فانّ البَیْت الّذی تُقرأ فیہ سُوْرَةُ البَقرۃِ لَایَدخلُہُ الشَّیطانُ'' (مسلم، باب استحباب صلوٰۃ النافلۃ فی بیتہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ: لکل شیء سنام وسنام القرآن سورۃ البقرۃ، ہر چیز کا کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورۂ بقرہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ قرآنی آیتوں کی سردار آیت الکرسی ہے جو کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔

زمانۂ نزول:

نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیتیں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں، جو مضمون کی مناسبت سے اس کے آخر میں شامل کردی گئی ہیں، سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، مگر راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی تمام سورتیں مکی ہیں، خواہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ سے باہر اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتیں مدنی ہیں، خواہ مکہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں، ۸۳ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور ۳۱ سورتیں مدینہ میں یہ کل ۱۱۴ سورتیں ہوئیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی اور ایک ہزار اخبار ہیں، اور ۱۵، امثلہ ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سورت کو حاصل کرنے میں آٹھ سال لگائے۔ (روح المعانی)

سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کا نام ''بقرہ'' اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ بقرہ کا ذکر آیا ہے، یہ اسم الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے قرآن مجید کی ہر سورت میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لئے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کئے جاسکتے، عربی زبان اپنی لغت کے اعتبار سے اگرچہ نہایت مالدار ہے، مشہور ہے کہ اگر تین حرفوں کو جمع کر دیا جائے تو ضرور کوئی بامعنی لفظ بن جائے گا، اس کے باوجود بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے، وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کر سکتیں کہ جو ان وسیع مضامین کے لئے جامع عنوان بن سکتے ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی بیشتر سورتوں کے لئے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے ہیں، جو محض علامت کا کام دیتے ہیں، اس سورۃ کو سورۂ بقرہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں گائے کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے اور اس کی ماہیت اور خاصیت اور فوائد بیان کئے گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ سورت جس میں گائے کا ذکر آیا ہے۔

حروف مقطعات کی بحث:

الٓمّٓ، ۲۹ سورتوں کے شروع میں ۱۴ حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے جو کہ حروف ہجا کے نصف ہیں ان حروف کو مقطعات اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، اگرچہ یہ مرکب لکھے ہوئے ہیں۔ بعض سورتوں کے شروع میں صرف ایک حرف ہے جیسے، قٓ، اس کو احادی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں دو حروف ہیں جیسے: حٰمٓ، اس کو ثنائی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں تین حروف ہیں جیسے: الٓمّٓ، اس کو ثلاثی کہتے ہیں، **علی هذا القياس**، رباعی اور خماسی. اس سے زیادہ نہیں ہیں، اس لئے کہ کلام عرب میں پانچ حرفی سے زیادہ کوئی کلمہ نہیں ہے، حروف مقطعات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں احوط قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن میں **سِرٌّ من اسرار اللّٰه**، یعنی حروف مقطعات قرآنی رازوں میں سے ایک راز ہیں **كما قال الشعبى وسفيان الثورى وجماعة من المحدثين**، حروف مقطعات کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور فرمایا **لانحبُّ ان نتكلم فيها ولكن نؤمن بها**، یعنی ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان میں بحث و گفتگو کریں اور یہی قول حضرت ابوبکر اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے بعض حضرات نے حروف مقطعات کے معانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حروف مقطعات اسم اعظم ہیں، مگر ہم ان حروف سے تالیف کو نہیں جانتے قطرب اور فراء وغیرہ نے کہا ہے کہ حروف مقطعات سے حروف ہجا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن جو اپنا مثل لانے کے لئے تحدی اور چیلنج کر رہا ہے یہ کوئی انوکھے حروف سے مرکب نہیں ہے بلکہ یہ ان ہی حروف و کلمات سے مرکب ہے جن کو تم رات دن بولتے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تم قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت لانے سے بھی عاجز ہو، معلوم ہوا کہ یہ بشری کلام نہیں ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرطبی وغیرہ سے نقل کر کے شعبی وسفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے قول کو ترجیح دی ہے، جن بعض اکابر سے ان حروف کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل وتنبیہ وتسہیل مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد کی تعیین نہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دور میں قرآن کریم کا نزول ہوا اس دور کے اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام تھا، خطیب اور شعراء اس اسلوب سے کام لیتے تھے، چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں، ان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، نیز مفرد حروف کا استعمال بھی کلام عرب میں موجود ہے۔

مثال کے طور پر۔

قال شاعر: قُلتُ لَهَا قفی فقالت ق، ای وقفت.

اور حدیث شریف میں ہے مَنْ اَعَانَ علی قتل مسلم بشطر کلمة. مثلاً کسی شخص نے کسی کے قتل کے بارے میں اقتــل کہنے کے بجائے، اُق کہا یہ بھی قتل پر معاونت ہے اس سے معلوم ہوا کہ حروف مقطعات کوئی پہیلی یا چیستان نہیں کہ بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے کیا مراد ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں، جو تم بعض سورتوں کے شروع میں بولتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کوئی روایت منقول نہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ان کے معانی پوچھے ہوں، اور نہ آپ ﷺ ہی سے ان کی کوئی تفسیر منقول ہے، بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں بھی متروک ہوتا چلا گیا، اس بناء پر مفسرین کے لئے ان کے معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار نہیں ہے، لہٰذا ایک عام ناظر کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگرداں ہو۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارۂ بعید کا نہیں تھا اس لئے کہ اسی قرآن کی طرف اشارہ مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے بلکہ دل میں موجود ہے، مگر بعید کا اشارہ اگر قرآن کی عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے، کہ سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست اور دعاء کا جواب ہے اور صراط مستقیم کی تشریح اور تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے دعاء سن لی اور تمہاری رہنمائی کے لئے قرآن بھیج دیا جو آفتاب ہدایت ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے اور سمجھے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ (معارف القرآن)

پھر قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ (لاریب فیه) اس میں کوئی شک نہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی حقانیت میں شک وشبہ کرنیوالے تو ہزاروں لاکھوں موجود ہیں، پھر یہ کہنا کہ یہ قرآن شک وشبہ سے بالاتر ہے اسکا کیا مطلب ہے؟

پہلا جواب: اس کا سیدھا سادا ایک جواب تو یہ ہے کہ دلائل وبراہین کی روشنی میں عقل سلیم کے لئے اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شک کی گنجائش نہیں اور نہ اس میں کوئی شک کی بات۔

دوسرا جواب: شک وشبہ کی دوصورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود کلام میں غلطی ہو، تو وہ کلام محل شک وشبہ ہو جاتا ہے، اور اگر کسی کو کج فہمی یا کم فہمی کی وجہ سے کسی طرح کا شبہ ہو جائے جس کا ذکر خود قرآن کریم میں چند آیتوں کے بعد "اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ" میں آرہا ہے، اس لئے ہزاروں کم فہم یا کج فہموں کے شبہات واعتراضات کے باوجود یہ بات کہنی صحیح ہے کہ اس کتاب میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ کتاب پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے، یہاں هُدًى بمعنی هَادٍ ہے، تاکہ مصدر کا حمل ذات پر ہونے کا اعتراض نہ ہو، اور یہ بھی درست ہے کہ هُدًى مصدر کو مصدر ہی کے معنی میں رکھا جائے، اس صورت میں مبالغہ کے طور حمل درست ہوگا، اور یہ حمل، زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ہے تو سراسر ہدایت ورہنمائی، اور تمام انسانوں بلکہ پوری کائنات کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے اس چشمۂ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے جن چھ صفات وشرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کو ان دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی متقی و پرہیزگار ہو، بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہو، برائی سے بچنا چاہتا ہو، بھلائی کا طالب ہو اور اس پر عمل کرنے کا خواہشمند ہو، رہے وہ لوگ جو دنیا میں جانوروں کی طرح جیتے ہیں جنہیں کبھی یہ فکر لاحق نہ ہوئی کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، بس جدھر دنیا چل رہی ہو، یا جدھر خواہش نفس دھکیل دے اسی طرف چل پڑتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ: قرآن سے مستفید ہونے کی یہ دوسری شرط ہے اس آیت میں متقین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں ① ایمان بالغیب ② اقامت صلوٰۃ ③ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

پہلی صفت۔ ایمان اور اس کی تعریف:

ایمان کی تعریف کو قرآن کریم نے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے صرف دو لفظوں میں پوری طرح بیان کر دیا ہے، اگر ایمان اور غیب کے معنی سمجھ لئے جائیں تو ایمان کی پوری حقیقت اور تعریف سمجھ میں آجاتی ہے۔

قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ دوسری شرط ہے، غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں، جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہوں ان کا ادراک نہ عقل سے ہو سکتا ہو اور نہ حواس خمسہ ظاہرہ سے، مثلاً خدا کی ذات وصفات، ملائکہ، وحی، جنت ودوزخ وغیرہ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی اس کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لئے تیار ہو تو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، رہا وہ شخص جو ماننے کے لئے، دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے اور کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا کہ جو عقل یا حواس خمسہ کی ترازو میں تولی نہ جا سکتی ہو، تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

محسوسات اور مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کا نام ایمان نہیں:

عرف میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے اسی لئے محسوسات ومشاہدات میں کسی کے قول کے تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے مثلاً کوئی شخص سفید چیز کو سفید اور سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کی تصدیق کر رہا ہے، اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے، ایمان لانا نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بنا پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسولوں کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے۔ اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے۔ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے، وہ تو ابلیس اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو مانا نہیں اس لئے وہ مؤمن نہیں۔

دوسری صفت: وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف جان کر یا مان کر بیٹھ جانے والے ہوں، وہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، جس میں نماز کے تمام فرائض، واجبات، مستحبات اور پھر ان پر دوام واستزام یہ سب اقامت کے مفہوم میں داخل ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس جگہ نماز سے کوئی خاص نماز مراد نہیں بلکہ فرائض، واجبات اور نفلی نمازوں کو یہ لفظ شامل ہے۔

تیسری صفت: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے، انفاق کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے، اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے والدین اور اہل وعیال پر صرف کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔ قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چوتھی شرط ہے کہ آدمی مال کا حریص اور زر پرست نہ ہو اس کے مال میں اللہ اور بندوں کے جو حقوق مقرر کئے جائیں انہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہو جن چیزوں پر ایمان لایا ہے ان کی خاطر مالی قربانی دینے میں دریغ نہ کرے، مطلقاً انفاق محمود نہیں، **فی طاعة الله** کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ:** رزق کا لفظ عربی میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں خواہ ظاہری ہوں جیسے: مال، اولاد صحت وغیرہ، یا معنوی وروحانی مثلاً علم وحکمت فہم وفراست اور عقل سلیم وغیرہ۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ: میں رزق کی نسبت اپنی طرف کر کے بتا دیا کہ جو نعمت بھی انسان کو ملتی ہے وہ سب اللہ ہی کے فیض وعطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔

اس مختصر جملہ میں غور کیجئے، تو جہاں یہ لفظ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ایک قوی داعیہ انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، کہ جو مال ہمارے پاس ہے، سب خدا ہی کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے، اگر ہم تمام کو بھی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر خرچ کر دیں تو حق اور بجا ہے نیز خالص نفع کا سودا ہے، وہیں مِمَّا، کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ

ہمارے عطا کردہ مال کو پورا خرچ کرنا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ خرچ کرنا ہے۔

سُؤال: ایمان بالغیب کو بیان کرنے کے بعد اعمال کو بیان کرتے ہوئے صرف نماز اور انفاق کو بیان فرمایا حالانکہ اعمال کی فہرست طویل ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: بنیادی طور پر اعمال کی دو ہی قسمیں ہیں، بدنی اور مالی دونوں میں سے ایک ایک جو اہم ہیں ان کو بیان کر دیا، اس کے علاوہ خود بخود اس میں شامل ہو گئے۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ: مِمَّا، میں مِنْ تبعیضیہ ہے نون کو حذف کر کے میم کو ما، موصولہ میں ادغام کر دیا، ما موصولہ۔ رَزَقْنٰهُمْ، جملہ ہو کر صلہ ہے رَزَقْنَا کا۔ هُمْ مفعول اول اور مفعول ثانی اِيَّاه محذوف ہے: اَیْ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اِيَّاهُ يُنْفِقُوْنَ.

ایمان اور اسلام میں فرق:

لغت میں ایمان کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے، ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا تعلق قلب اور اعضاء و جوارح سے ہے، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اسی طرح زبان سے تصدیق کا اقرار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان اور اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان اور اسلام میں فرق کا ذکر بھی ہے مگر شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق صرف ابتداء اور انتہا کا ہے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداء اور انتہاء کا ہے یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے اگر تصدیق قلبی اقرار باللسان تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، اسی طرح اگر ظاہری اطاعت و اقرار، تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔ (معارف)

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور امام سبکی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن ہمام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مسامرہ میں اس تحقیق پر اہل حق کا اتفاق ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (الآیۃ) یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے، جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء پر مختلف زبانوں اور ملکوں میں نازل کیں، اس شرط کی بناء پر قرآنی ہدایت کا

دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے، جو سرے سے اس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہئے، یا اس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لئے وحی و رسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں، اور خود چند نظریات قائم کر کے انہی کو خدائی ہدایت قرار دیں، یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں، مگر صرف اس کتاب پر ایمان لائیں جنہیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں، رہیں اسی چشمے سے نکلی ہوئی دوسری ہدایات تو وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں، ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمہ فیض صرف ان لوگوں کے لئے کھولتا ہے، جو اپنے آپ کو خدائی ہدایات کا محتاج بھی مانتے ہوں اور یہ بھی مانتے ہوں کہ یہ خدائی ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعہ ہی سے خلق تک پہنچتی ہے، اور پھر وہ کسی نسلی و قومی تعصب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں اس لئے حق جہاں اور جس شکل میں بھی آیا ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ: آیت کے الفاظ سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں، (۱) کلام کا نازل کرنے والا، (۲) وہ جس پر کلام نازل کیا گیا ہو، یعنی رسول، (۳) خود کلام، اس عبارت سے بُروز، تمثل، حلول اور وحدۃ الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں) ان مشرکانہ اور نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے نہ کلام متمثل ہوا ہے اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار یعنی انسانی قالب میں خدا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عہد رسالت میں مومنین متقین دو طرح کے تھے، ایک وہ جو پہلے مشرک تھے، بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور دوسرے وہ کہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے اس سے پہلے اول طبقہ کا ذکر تھا، اور اس آیت میں دوسرے طبقے کا ذکر ہے اسی لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بھی تصریح فرمائی گئی کہ یہ حضرات دوہرے ثواب کے مستحق ہیں سابقہ کتابوں پر عمل کرنے کا ثواب اور قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب، پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا آج بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آج ان کتابوں پر صرف اجمالی ایمان اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں جو کچھ نازل فرمایا تھا، وہ سب حق ہے اور اس زمانہ کے لئے وہی واجب العمل تھا، مگر قرآن نازل ہونے کے بعد چونکہ یہ پچھلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہو گئیں اب عمل صرف قرآن پر ہوگا۔ (معارف)

ایک اہم نکتہ: آیت کے طرز بیان سے ایک اہم نکتہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ آخری نبی اور آپ کی وحی آخری وحی ہے، اس لئے کہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہوتا مگر ایسا نہیں ہے قرآن نے جہاں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے، وہیں سابقہ کتابوں پر بھی ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے، مگر کسی آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی آنے والی ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ، اَلْاٰخِرَةُ یہ اَلْاٰخِر کی تانیث ہے اور آخر اول کی نقیض ہے اور دار کی صفت ہے جیسا کہ اللہ

ے قول. تلك الدار الآخرۃ میں ہے قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چھٹی اور آخری شرط ہے آخرۃ ایک انتہائی جامع
اور ایک جامع لفظ ہے، جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں.

❶ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

❷ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

❸ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتداء آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کریگا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دے گا۔

❹ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ کامیاب قرار دیئے جائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد قرار دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

❺ یہ کہ کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی اور بدحالی نہیں ہے بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے، جو اس فیصلے میں ناکام ٹھہرے۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک ہو تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لئے قرآن نے تجویز کیا ہے۔

ایمان بالآخرت اگرچہ ایمان بالغیب میں داخل ہے مگر اس کو دوبارہ صراحۃً اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ اجزاء ایمانی میں اس حیثیت سے سب سے زیادہ اہم جزء ہے کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ پیدا کرنا اسی کا اثر ہے۔

اور اسلامی عقائد میں وہ انقلابی عقیدہ ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور جس نے آسمانی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو پہلے اخلاق و اعمال میں اور پھر دنیا کی سیاست میں تمام اقوام عالم کے مقابلہ میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا اور جو عقیدۂ توحید و رسالت کی طرح تمام انبیاء ﷺ اور تمام شرائع میں مشترک اور متحقق چلا آتا ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر صرف دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و عشرت ہے اور دنیا ہی کی تکلیف کو تکلیف سمجھتے ہیں، آخرت کی زندگی اور اعمال کے حساب و کتاب کا کوئی تصور ان کے یہاں نہیں ہے اگر ایسے لوگ جھوٹ اور سچ اور حلال و حرام کی تفریق کو اپنی عیش و عشرت میں خلل انداز ہوتے دیکھیں تو ان کو جرائم سے باز رکھنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

حکومت کے تعزیری قوانین قطعاً انسداد جرائم اور اصلاح اخلاق کے لئے کافی نہیں، عادی مجرم تو ان سزاؤں کے عادی ہو جاتے ہیں، کوئی شریف انسان اگر تعزیری سزا کے خوف سے اپنی خواہشات کو ترک کر بھی دے تو اس حد تک کہ اس کو حکومت کی دار و گیر کا خطرہ ہو، خلوتوں اور رازدارانہ طریقوں پر جہاں حکومت اور اس کے قوانین کی رسائی نہیں انہیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ اپنی عیش و عشرت اور خواہش کو چھوڑ کر پابندیوں کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں؟

ہاں وہ صرف عقیدۂ آخرت اور خوف خدا ہی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت، جلوت وخلوت میں یکساں ہوسکتی ہے وہ یقین رکھتا ہے، کہ مکان کے بند دروازوں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے اور کوئی لکھنے والا میرے اعمال لکھ رہا ہے۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقوی وعمل اور عقیدۂ صحیحہ کا اہتمام کرتے ہیں، محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے، کامیابی دار آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت ومعرفت کا حصول ہے اگر اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوشحالی اور کامرانی مل جائے، تو سبحان اللہ ورنہ اصل کامیابی آخرت کی ہی کامیابی ہے۔

فلاح: عربی میں بڑے وسیع معنی میں آتا ہے، دنیا وآخرت کی ساری خوبیوں کو جامع ہے اس لئے مُفْلِحُوْنَ کا پورا مفہوم کامیاب، بامراد، وغیرہ کسی اردو لفظ سے ادا ہونا دشوار ہے، امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیتِ خیر کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں: "ليس فى كلام العرب كلمة اجمع من لفظة الفلاح لخيرى الدنيا والآخرة كما قال ائمة اللسان". (تاج)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: کی ترکیب نے معنی میں حصر وتاکید پیدا کردی اور ھم ضمیرِ فصل تاکید وتخصیص نسبت کے لئے ہے۔ (بحر)

اہم نکتہ: مفسر تھانوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاح کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے اور المفلحون سے مراد الكاملون فى الفلاح ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ بے شک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ان کے حق میں یکساں ہے کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہوجائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کوشش فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہے ہی نہیں، مراد ان سے چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے حتی کہ پورا جزیرۃ العرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آگیا۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ: یہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں کی قبول حق کی استعداد ختم ہوچکی ہے ان کے کان حق بات سننے کے لئے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں، تو اب وہ ایمان کس طرح لاسکتے ہیں؟ ایمان تو انہیں لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔

قبول حق کی صلاحیت سے محروم کفر پر مرتے ہیں:

ایسے لوگ جو قیام دلائل کے باوجود کفر پر اڑے رہتے ہیں، آخر کار علم الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں، جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کے قبول حق کی صلاحیت جو ہر انسان میں فطری طور پر ودیعت کی جاتی ہے روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے، آیت میں اشارہ خاص طور پر یہود مدینہ کی جانب ہے گو اس میں دیگر کافر و مشرک بھی داخل ہو سکتے ہیں یہود مدینہ کا کفر جحود کی قسم کا تھا، یعنی یہ نبی آخر الزمان کی بابت پیشین گوئیوں اور آپ کی علامات سے بخوبی واقف تھے، اس کے باوجود دانستہ اغماض اور اخفاء کرتے تھے، تاکہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ آئے۔

"وَاَمَّا معنی الکفر فَاِنَّه الجحود وذلك انّ الاحبار مِن یهود المدینة جحدوا نبوة محمد ﷺ وستروہ عن الناس وکتموا امرہٗ". (ابن جریر)

عدم قبول کے یقینی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ برابر جاری رہنی چاہئے اس لئے کہ آپ کو اس کا اجر مسلسل ملتا رہے گا خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کو دعوت وتبلیغ کا کام چھوڑ دیں۔

آج معمولی مبلغ بھی اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں، آپ ﷺ تو مبلغ اعظم تھے، دین الٰہی کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا! آپ کی تو خواہش یہی تھی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ان بدبختوں کے حق میں آپ کی خواہش کے بارآور نہ ہونے کی صورت میں آپ کے رنج وغم کو کم کرنے کے لئے آپ کو یہاں یہ بات بتلا دی گئی ہے کہ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی ضائع کر چکے ہیں آپ کچھ بھی کر لیں یہ حق کو قبول کرنے والے نہیں ہیں لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہر حال ثابت ہے:

"فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ. فمن استجابَ لَكَ فله الحظ الاوفر وَمَنْ تولّٰی فَلا تحزن عَلَيْهِمْ". (ابن کثیر)

سَوَال: جب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کا ایمان نہ لانا متعین ہے جس کے مطابق حق تعالیٰ نے: "لَا يُؤْمِنُوْنَ" کہہ کر خبر بھی دیدی، تو یہ لوگ ایمان لا بھی کیسے سکتے ہیں؟ اس لئے کہ علم خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

جَوَاب: لَا يُؤْمِنُوْنَ، ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندے کو دے رہا ہے، ایک اطلاع ہے، جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے، خدا کی مرضی کا اس سے کوئی تعلق نہیں، علم اور مرضی کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے بعض لوگ ان میں فرق وامتیاز نہ

کرنے کی وجہ سے خلجان میں پڑ جاتے ہیں، طبیب حاذق اپنے علم کی روشنی میں مدتوں پیشتر خبر دیدیتا ہے کہ فلاں بد پرہیز خود رائے مریض اچھا نہ ہوگا، کیا اس پیش خبری میں اس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی و کچھ بھی دخل ہوتا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ خبر واقعہ کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ واقعہ خبر کے مطابق دارالعلوم کی مسجد رشید کی خوبصورتی کی خبر اس کے خوبصورت ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ مخبر کی خبر کی وجہ سے مسجد کی خوبصورتی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے، اللہ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے وقت قبول حق کی استعداد رکھی ہے، جیسا کہ حدیث ''کل مولود یولد علی الفطرة الخ'' میں فرمایا گیا، مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور قوت ارادی سے غلط کام لے کر حق کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ ایک روز قبولیت حق کی صلاحیت فنا ہو جاتی ہے۔ (حذف و اضافہ کے ساتھ تفسیر ماجدی)

فائدۂ عظیمہ:

مذکورہ آیات نے تمام اقوام عالم بلکہ نوع انسانی کو ہدایت کے قبول یا انکار کے معیار سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک ہدایت یافتہ جن کو مومنین اور متقین کہا جاتا ہے، دوسرے ہدایت سے انحراف اور انکار کرنے والے جن کو کافر یا منافق کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی اس تعلیم سے ایک اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ اقوام عالم کے حصوں یا گروہوں میں ایسی تقسیم جو اصول پر اثر انداز ہو سکے، وہ صرف اصول اور نظریات ہی کے اعتبار سے ہو سکتی ہے نسب، وطن، زبان، رنگ اور جغرافیائی حالات ایسی چیزیں نہیں کہ جن کے اختلاف سے قوموں کے ٹکڑے کئے جا سکیں واضح فیصلہ ہے ''خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن'' یعنی اللہ نے تم سب کو پیدا کیا پھر کچھ لوگ تم میں مومن اور کچھ کافر ہو گئے۔

اس بات کی نامقبولیت کسی زیادہ غور و فکر کی محتاج نہیں کہ ایک ماں باپ کی اولاد محض رنگ کے مختلف ہو جانے، یا الگ الگ خطوں میں بس جانے یا مختلف زبانیں بولنے کی وجہ سے الگ قومیں کیسے ہو سکتی ہیں؟ بعض اوقات ایک ہی والدین کی اولاد میں بین تفاوت ہوتا ہے کوئی کالا ہوتا ہے کوئی گورا ہوتا ہے کوئی خوبصورت تو کوئی خوبصورتی سے محروم ہوتا ہے کوئی ذہین ہوتا ہے تو کوئی غبی ہوتا ہے، ان اوصاف کے اختلاف کی وجہ سے کیا وہ آپس میں بھائی نہیں رہتے؟ آج انسانیت کی ہمدردی کے ٹھیکے داروں نے خدا کی مخلوق اور آدم کی اولاد کو مختلف عنوانوں کے تحت مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، جب کہ تقسیم صرف نیکی اور بدی کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

ونزل فی المنافقین ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ای یوم القیمة لانه آخر الایام ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۞﴾ روعی فیه معنی من وفی ضمیر یقول لفظها ﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ باظهار خلاف

وفعلاء

مَا ابطَنُوہ مِنَ الکُفرِ لِیَدفَعُوا عَنهُمْ احکَامَہ الدُّنیَوِیَّۃَ **وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ** لِاَنَّ خِدَاعَھم رَاجِعٌ اِلَیھِم فَیَفتَضِحُونَ فِی الدُّنیَا بِاِطْلَاعِ اللّٰہِ نَبِیَّہٗ عَلٰی مَا اَبطَنُوہ وَیُعَاقَبُونَ فِی الاٰخِرَۃِ **وَمَا يَشْعُرُونَ** ﴿۹﴾ یَعلَمُونَ اَنَّ خِدَاعَھم لِاَنفُسِھِم وَالمُخَادَعَۃُ ھُنَا مِن وَاحِدٍ کَعَاقَبتُ اللِّصَّ وَذِکرُ اللّٰہِ فِیھَا تَحسِینٌ وَفِی قِرَاءَۃٍ وَمَا یَخدَعُونَ **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** شَکٌّ وَنِفَاقٌ فَھُوَ یُمَرِّضُ قُلُوبَھُم اَی یُضعِفُھَا **فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا** بِمَا اَنزَلَہٗ مِنَ القُراٰنِ لِکُفرِھِم بِہٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** مُؤلِمٌ **بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ** ﴿۱۰﴾ بِالتَّشدِیدِ اَی نَبِیَّ اللّٰہِ وَبِالتَّخفِیفِ اَی فِی قَولِھِم اٰمَنَّا.

ترجمہ: (آئندہ آیت) منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، یعنی قیامت کے دن پر اس لئے کہ وہ آخرالایام ہے حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان لانے والے نہیں ہیں، (ھم، ضمیر جمع لانے میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اور یقول کی ضمیر (واحد لانے میں) مَن کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے (بلکہ) وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، اپنے اس کفر کے خلاف ظاہر کر کے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے اوپر سے کفر کے دنیوی احکام کو دفع کر سکیں، حالانکہ (فی الواقع) وہ دھوکا کسی کو نہیں دے رہے بجز اپنی ذات کے اس لئے کہ ان کی دھوکہ دہی کا وبال خود ان پر پلٹنے والا ہے، چنانچہ وہ دنیا ہی میں ذلیل ہوں گے اللہ کے اپنے نبی کو اس (نفاق) پر مطلع کرنے کی وجہ سے جس کو انہوں نے چھپا رکھا ہے اور آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی، اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہے یعنی اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ ان کی دھوکہ بازی (کا ضرر) خود ان کے لئے ہے اور مُخَادَعَة (مفاعلۃ) یہاں جانب واحد سے ہے، جیسا کہ عاقبت اللّص میں اور اللہ کا ذکر تحسین کے لئے ہے اور ایک قراءت میں وَمَا يُخْدِعُوْنَ ہے اور ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے، جو ان کے دلوں کو مریض یعنی ضعیف کر رہی ہے، سو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا بسبب اس کے کہ اللہ نے قرآن نازل کیا اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے، (یکذّبون) کی تشدید کے ساتھ یعنی اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور (ذال کی) تخفیف کے ساتھ یعنی اپنے قول آمَنَّا میں جھوٹے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَمِنَ النَّاسِ: مِن تبعیضیہ ہے، اَلنَّاس اصل میں اُنَاسٌ تھا، ہمزہ تخفیفاً حذف کر دیا گیا سورۂ اسراء میں یہ اصل استعمال ہوئی ہے: "یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ" سیبویہ اور فراء کے نزدیک اناس کا مادہ ہمزہ، نون، سین ہے اور کسائی کے نزدیک اس کا مادہ نون، واؤ، سین ہے، یہ اَلنَّوس سے مشتق ہے، اس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں، نَاسَ یَنُوْسُ نَوْسًا حرکت کرنا، ابونواس شاعر کو جس کا اصل نام حسن بن ہانی تھا، ابونواس اس لئے کہتے تھے کہ اس کے

بالوں کی دولٹیں ہوا سے حرکت کرتی رہتی تھیں۔ (لغات القرآن للدرویش)

واؤ استینافیہ یا عاطفہ مِنَ النَّاسِ خبر مقدم مَنْ یَقُوْلُ مبتدا مؤخر (دوسری ترکیب) مِنَ النَّاسِ، فریقٌ، یاناسٌ موصوف محذوف کی صفت ہے، موصوف باصفت مبتدا، اور مَنْ یَقُوْلُ الخ جملہ ہوکر خبر۔

قَوْلُہٗ: وَبِالْیَوْمِ الْآخِرِ: باء حرف جر کا اعادہ اپنے دعوائے ایمان کی تاکید کے لئے کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوائے ایمان کو اپنے قول: "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" سے ابلغ اور زیادہ مؤکد طریقہ سے رد فرمایا ہے بایں طور کہ جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو کہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ کسی زمانہ میں بھی متصف بالایمان نہیں رہے، نہ ماضی میں تھے، اور نہ حال میں اور نہ آئندہ مومن ہوں گے اور خبر پر حرف جر کا اضافہ تاکید کے لئے فرمایا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ: واؤ حالیہ ہے مَا، مشابہ بلیس، هُمْ اس کا اسم بِمُؤْمِنِيْنَ اس کی خبر با زائدہ تاکید کیلئے۔

قَوْلُہٗ: ای یَوْمِ الْقِیَامَةِ: اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: شبہ یہ ہے کہ آخر ایام پر ایمان لانا موجبات دین میں سے نہیں ہے تو اس کے منکر کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟

جَوَابُ: یوم الآخرۃ: سے مراد یوم القیامۃ ہے یعنی حساب وکتاب اور جزائے اعمال کا دن ہے، اور یہ موجبات دین میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لانَّهٗ آخِرُ الایَّامِ: اس عبارت سے یومِ الآخر کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کردیا۔

قَوْلُہٗ: یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا: یُخَادِعُوْنَ: جمع مذکر غائب کا صیغہ باب ہے (مفاعلۃ) وہ باہم فریب دیتے ہیں، اَلْخِدَاعُ لغت میں فساد اور اِخفاء کو کہتے ہیں اور مُخْدَعُ، میم مثلث کے ساتھ بڑے کمرے میں چھوٹے کمرے یعنی کوٹھری کو کہتے ہیں، جس میں مال اور اسباب چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) یُخَادِعُوْنَ: جملہ استینافیہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا۔

سَوَال: یہ ہوگا کہ باطن کے خلاف یہ منافقین ایمان کا اظہار کیوں کرتے ہیں؟

جَوَابُ: اللہ کو دھوکا دینے کے لئے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ" یقول کی ضمیر سے حال ہو، ای مُخَادِعِیْنَ اللّٰهَ الخ (اعراب القرآن) اور یَقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ سے بدل الاشتمال بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: "مِنَ الْكُفْرِ یہ مَا اَبْطَنُوْا" کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیَدْفَعُوْا یہ اظہار ایمان کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَحْکَامَهٗ: ای احکام الکفر، اور احکام کفر سے دنیوی احکام مراد ہیں یعنی منافقین باطن کے خلاف ایمان کا اظہار گرفت سے بچنے کے لئے کرتے ہیں مثلاً اظہار ایمان کی وجہ سے قتل وقید، جزیہ ورسوائی سے محفوظ رہتے ہیں اور مراعات اسلامی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (صاوی)

قولہ: یَعْلَمُوْنَ کو یشعرون: سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ذریعۂ علم مشاعر خمسہ ہی ہیں خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔

قولہ: اَلْمُخَادَعَةُ ھُنَا مِنْ وَاحِدٍ: اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: باب مفاعلہ طرفین سے شرکت کا تقاضہ کرتا ہے منافقین کی طرف سے تو مکر و خداع سمجھ میں آتا ہے مگر اللہ کی طرف اس کی نسبت سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ مکر و فریب خصائل رذیلہ میں سے ہے، جن سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

جواب: باب مفاعلہ اگرچہ طرفین کی شرکت کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ایک خاصیت موافقت مجرد بھی ہے جیسے: عاقبت اللص وسافر بمعنی سفر، لہٰذا خادع بمعنی خدع ہے۔

اعتراض: یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ: وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، کیا اللہ دھوکا کھا سکتا ہے، وہ تو علیم بذات الصدور ہے، اس سے کی کوئی راز مخفی نہیں دھوکا تو وہ کھاتا ہے جو خادع کے خدع اور ماکر کے مکر سے بے خبر ہو۔

جواب: لفظ اللہ تحسین کلام کے لئے ہے، معنی مقصود نہیں، تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''یُخَادِعُوْنَ رسولَ اللّٰہِ والذین آمنوا'' یا مقصد تحسین معنوی ہے، اس طور پر کہ یہ استعارہ تمثیلیہ ہے، مشبہ بہ کو مشبہ کے لئے مستعار لیا گیا ہے، یعنی اللہ کے ساتھ منافقین کے معاملہ کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے صاحب کے ساتھ دھوکا دہی کا معاملہ کرتا ہے، یا مجاز عقلی کے طور پر اللہ کی طرف نسبت کردی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ''فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی'' میں اسناد مجازی ہے، یا مشاکلت کے طور پر خداع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: ''وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ'' میں۔

قولہ: فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ: مرض طبیعت کے حد اعتدال سے نکل جانے کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے افعال و افکار میں خلل واقع ہو جاتا ہے یہاں مرض سے روحانی مرض مراد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جسمانی مرض مراد ہو، جب یہ دونوں امراض اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو روحانی اور جسمانی موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

روحانی امراض:

مثلاً کفر، شرک، شک، نفاق، جہل، بخل، وغیرہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول شک و نفاق سے روحانی مرض کی جانب اور یُمَرِّضُ قلوبھُم سے جسمانی مرض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: مُؤْلِمٌ، لام کے فتحہ کے ساتھ اس لئے کہ فعیل بمعنی مفعول مستعمل نہیں ہے (ترویح الارواح) عذابٌ مُؤْلَمٌ، ایسا شدید عذاب کہ شدت کی وجہ سے خود عذاب بھی اذیت محسوس کرنے لگے یہ بطور مبالغہ ہے، اس لئے کہ: الیمٌ، معذَّب کی صفت ہے، نہ کہ عذاب کی بعض حضرات نے مولِمٌ لام کے کسرہ کے ساتھ بھی کہا ہے، اس صورت میں عذاب کی طرف الیمٌ کی نسبت حقیقی ہوگی۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

اَلمشاكلةُ فی قولهِمْ، "یخٰدِعون اللّٰه" لأن المفاعَلة تقتضی المشاركةَ فی المعنی وقد اطلق علیه تعالٰی مقابلا لما ذكرهُ من خداع المنافقین كمقابلة المكر بمكرهم، ومِن امثلةِ هذا الفن فی الشعر قول بعضهم۔

قالوا: التمس شیئًا نجدلك طبخة . قلت: اطبخوا لی جُبَّةً وقمیصا

تفسیر وتشریح

مذکورہ بالا آیات میں پہلی دو آیتوں میں منافقین کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر حالانکہ وہ بالکل ایمان لانے والے نہیں، بلکہ وہ اللہ سے اور مومنین سے فریب کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ فریب نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور اس کا ان کو احساس بھی نہیں۔

ان آیتوں میں منافقین کے دعوائے ایمان کو فریب محض بلکہ خود فریبی قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا جو سمجھتا ہے کہ میں اللہ کو فریب دے رہا ہوں، وہ خود اپنی ذات کو فریب دے رہا ہے، البتہ اللہ کے رسول اور مومنین کے ساتھ ان کی چالبازی کو ایک حیثیت سے اللہ کے ساتھ چالبازی فرمایا گیا ہے۔

مدینہ میں نفاق کی ابتداء:

نفاق کی تاریخ اگرچہ بڑی قدیم ہے، مگر اسلام میں نفاق کی ابتداء آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوئی مگر شباب ۲ھ میں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آیا۔

اسلام میں نفاق کے اسباب:

آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے پہلا اور اہم کام یہ انجام دیا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہنے والے یہود اور غیر یہود سے معاہدۂ امن فرمایا تاکہ امن اور اطمینان کی فضا میں لوگوں کو اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے، جس کے نتیجے میں مدینہ میں مسلمان ایک بڑی طاقت سمجھے جانے لگے، مگر ایک طبقہ کو جس کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ صورت حال ناپسند اور ناگوار تھی، ابھی قوموں اور قبیلوں سے معاہدہ کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ مسلمانوں کے خلاف اندرونی خفیہ سازشوں اور بیرونی حملی عداوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، مدینہ میں ایک شخص جس کا نام عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، بہت عقلمند ہوشیار، چالاک اور تجربہ کار شخص تھا، اوس وخزرج کے تمام قبائل پر اس کا کافی اثر ورسوخ تھا، لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے، اوس اور خزرج چند روز قبل ہی جنگ بعاث میں آپس میں صف آرا ہوکر اور اپنے اپنے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور ہو چکے تھے، عبداللہ بن ابی

نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے اور دونوں قبیلوں میں اپنی مقبولیت بڑھانے میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہیں کی، اہل مدینہ یہ طے کر چکے تھے کہ: عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا افسر اعلیٰ اور بادشاہ بنالیں اور ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کر کے اس کا با قاعدہ اعلان کر دیں، عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کے لئے ایک قیمتی تاج بھی بنوالیا گیا تھا، اب صرف اعلان کرنا ہی باقی تھا، اسی دوران مدینہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام داخل ہو گئے۔

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد لوگوں کا رخ آپ ﷺ کی جانب ہو گیا اور آپ مسلّم قائد اور رہبر تسلیم کر لئے گئے، جب عبداللہ نے یہ صورت حال دیکھی اور اپنی تمناؤں کا خون ہوتے اور امیدوں پر پانی پھرتے دیکھا تو اس کے دل میں رقابت کی آگ بھڑکنے لگی، اور بادشاہت اور سرداری خاک میں ملتی نظر آنے لگی، چونکہ عبداللہ بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا، آنحضرت ﷺ کو اگرچہ اپنا رقیب اور حریف سمجھتا تھا، لیکن اس دشمنی کے اظہار کو غیر مفید سمجھ کر اپنے دل میں چھپائے رہا، اوس وخزرج کے وہ لوگ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ سب عبداللہ کے زیر اثر تھے، جب مکہ کے مشرکوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے رفقاء مدینہ میں پہنچ کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں اور مذہب اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے، تو انہوں نے عبداللہ بن ابی اور مدینہ کے دیگر مشرکوں سے رابطہ قائم کر کے ساز باز شروع کر دی، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی نے منافقین اور مشرکین مکہ کی دشمنی کی جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔

وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ: یعنی ان کے نفاق کا نقصان کسی اور کا نہیں، خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا اور وہ ہے آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی اور منافقت کی پردہ دری: "ضَرَرُهَا یَلْحَقُهُمْ وَمَکْرُهَا یَحِیْقُ بِهِمْ". (کشاف) "یَفْتَضِحُوْنَ فِی الدنیا وَیَسْتَوْجِبُوْنَ العِقَابَ فِی الْعُقْبٰی". (معالم، بحوالہ ماجدی)

اس منافقت کا وبال خود ان ہی پر پڑ کر رہے گا: "لا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ وَبَالَ خداعِهِمْ یَعُوْدُ عَلَیهِمْ" (معالم) یَعْلَمُوْن کے بجائے، یَشْعُرُوْنَ وارد ہوا ہے، شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں اور اسی کو اردو میں احساس کہتے ہیں اور مشاعر، انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں، خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔

یَعْلَمُوْن کے بجائے یَشْعُرُوْنَ لانے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکروفریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ مادی ہونے کی طرح بالکل صاف اور صریح ہے، لیکن یہ احمق فرط غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ (کشاف، ماجدی)

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: مرض روحانی اور جسمانی دونوں ہو سکتے ہیں روحانی امراض مثلاً کفر، شرک، نفاق، شک وغیرہ جو انہوں نے خود پیدا کر لئے تھے، ان کے مرض کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک وحسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا، فرمایا:

منافقین کے مرض میں ترقی اور اضافہ کا دوسرا سبب قرآن کا وقتاً فوقتاً نزول تھا، حتی کہ ہر ہر آیت کے نزول سے ان کے غیظ وغضب اور نفاق وحسد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

كُلَّمَا اُنْزِلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ الْوَحْىَ كَفَرُوْا بِهٖ فَازْدَادُوْا كُفْرًا اِلٰى كُفْرِهِمْ. (کشاف)

فَزَادَهُمْ میں فاء، بہت ہی معنی خیز مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے فاء لاکر گویا اس بات کا اعلان ہے کہ آگے جو ان کے مرض میں اضافہ کا ذکر آرہا ہے، وہ محض ثمرہ اور نتیجہ ہے جو ان ہی کے افعال پر مرتب ہوا ہے حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ افعال بلا سبب خواہ مخواہ پیدا فرما دیئے بلکہ اس نے تو وہ حالات اور اسباب پیدا فرمائے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کو بڑھانے کا کام لیا، اگر یہ لوگ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔

كَانَ اِسْنَادُ الزِّيَادَةِ اِلَى اللهِ مِنْ حَيْثُ اَنَّهٗ مُسَبَّبٌ مِنْ فِعْلِهٖ. (بیضاوی)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: آیت ٧ میں کافروں کے لئے جس عذاب کی خبر دی جاچکی ہے، اس کی صفت عظیم آئی ہے اور یہاں منافقوں کے لئے جس عذاب کی وعید ہے اس کی صفت الیم ہے اور الیم کے معنی ہیں دردناک، تکلیف دہ، گویا کہ تکلیف اور اذیت کا پہلو اس میں زیادہ ہے، اس لئے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی لیکن کافر کے علاوہ کچھ اور بھی تھے، یعنی خادع وکاذب، تو عذاب عظیم کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بناء پر ہی ہو چکے تھے، منافقت کا یہ عذاب ان پر مستزاد ہے، گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہے۔

قَدْ حَصَلَ لِلْمُنَافِقِيْنَ مَجْمُوْعُ الْعَذَابَيْنِ فَصَارَ الْمُنَافِقُوْنَ اَشَدَّ عَذَابًا مِنْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ (بحر) بِمَا، میں، با سببیہ، اور مَا، مصدریہ ہے اَلْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ. (ابوسعود)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اى لهؤلاء لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بالكفر والتعويق عن الايمان قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ وليس ما نحن عليه بفساد قال الله تعالى ردًّا عليهم اَلَآ للتنبيه اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ بذلك وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ الجهال اى لا نفعل كفعلهم قال الله تعالى ردًّا عليهم اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ ذلك وَاِذَا لَقُوا اصله لقيوا حذفت الضمة للاستثقال ثم الياء لالتقائها ساكنة مع الواو الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا منهم ورجعوا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ رؤسائهم قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ فى الدين اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ بهم باظهار الايمان اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ يجازيهم باستهزائهم وَيَمُدُّهُمْ يمهلهم فِىْ طُغْيَانِهِمْ تجاوزهم الحد بالكفر يَعْمَهُوْنَ ⑮ يترددون تحيّرًا حالٌ.

ترجمہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: کفر کے ذریعہ اور ایمان میں رکاوٹ ڈال کر زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، اور وہ جس طریقہ پر ہیں فساد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا، خبردار درحقیقت یہی لوگ مفسد ہیں الا تنبیہ کے لئے ہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: لوگوں (یعنی) صحابۂ نبی ﷺ کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں (یعنی) جاہلوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ یعنی ہم ایسا نہ کریں گے، خبردار حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں لیکن اس کو وہ سمجھتے نہیں ہیں اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں (اذا لقوا) اس کی اصل، لقیوا، تھی ضمہ کو یا پر ثقیل سمجھتے ہوئے حذف کردیا، پھر یاء، واؤ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگئی، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں دین میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اظہار ایمان کرکے، ہم تو صرف ان سے مذاق کرتے ہیں، اللہ ان سے مذاق کررہا ہے (یعنی) ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کررہا ہے اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، ان کے حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر کفر کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ حیرانی میں بھٹک رہے ہیں، (یَعْمَهُوْنَ) کی ضمیر سے حال ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهٗ: بِالْكُفْرِ: باء سببیہ ہے، اَلْكُفر، معطوف علیہ اَلتَّعْوِيْقِ، اپنے متعلق عن الایمان سے مل کر معطوف، تعویق، (تفعیل) روکنا، باز رکھنا، کسی کام میں روڑے اٹکانا، ای تعویق الغیر عن الایمان.

قِوْلَهٗ: انما نحنُ مُصْلِحُوْنَ: یہ جملہ حصر مبتدا فی الخبر کے قبیل سے ہے، یعنی ہم اصلاح ہی کرتے ہیں اصلاح کے علاوہ ہمارا دوسرا کوئی کام نہیں ہے منافقین نے اپنے اس قول کو، انما، کلمہ حصر کے ذریعہ اور جملہ اسمیہ کے ذریعہ جو کہ مفید دوام و استمرار ہے، مؤکد کیا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا جواب ایسے جملے سے دیا ہے، جو چار تاکیدوں سے مؤکد ہے اور وہ الا انّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْن. ① الاَ، حرف تنبیہ، ② انّ، ③ ضمیر فصل، ④ تعریف خبر بالالف واللام (ای المفسدون)

قِوْلَهٗ: اصحابُ النبی، النَّاسُ کی تفسیر اصحاب النبی سے کرکے اشارہ کردیا کہ: الناس میں الف لام عہد کا ہے۔

قِوْلَهٗ: لَقُوْا مفسر علام نے اس کی پوری تعلیل نہیں فرمائی، پوری تعلیل اس طرح ہے، لَقُوْا اصل میں لَقِيُوْا تھا ضمہ یاء پر دشوار سمجھ کر تخفیفاً گرادیا اب یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا، یاء اور واؤ میں سے، یاء ساقط ہوگئی، واؤ کی مناسبت سے قاف کے کسرہ کو ضمہ سے بدل دیا، لَقُوْا ہوگیا۔

قِوْلَهٗ: خلوْا مِنْهُمْ، مفسر علام نے مِنْهُمْ مقدر مان کر اس طرف اشارہ کردیا کہ خلوْا، کا متعلق محذوف ہے، اور خلوا، کی تفسیر رجعُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ خلوا، رجعُوْا کے معنی کو متضمن ہے، تاکہ اس کا صلہ اِلٰی لانا صحیح ہوجائے، خلوا، اصل میں خلوُوْا تھا، اول واؤ لام کلمہ ہے اور ثانی علامت اعراب ہے پہلا واؤ متحرک اس کا ماقبل مفتوح لہٰذا واؤ الف سے بدل گیا، التقاء ساکنین ہوا، الف اور واؤ ثانیہ میں، الف گرگیا، اور حذف الف کی علامت کے طور پر فتحہ باقی رہ گیا، خلوا، ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: یَعْمَھُوْنَ مضارع مذکر غائب (ف س) وہ سرگرداں پھرتے ہیں، وہ متحیر پھرتے ہیں، یَعْمَھُوْنَ، یا تو یَمُدُّھُمْ کی ضمیر ھم یا طُغیانِھِمْ کی ضمیر ھم، سے حال ہے، اس کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یَعْمَھُوْن مذکورہ ضمیر کی صفت نہیں ہے، اس لئے کہ ضمیر موصوف واقع نہیں ہوتی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطُّغیان، مصدر طغی، طُغیانا، بضم الطاء و کسرها، و لام طغی قیل یاء وقیل: واؤ، ومعناها، مجاوزة الحدِّ

المخالفة بین جملة مستهزؤن وجملة یَستهزئی، لأنَّ هزء اللّٰه تعالی بِهِمْ متجددٌ وقتاً بعد وقت وحالًا بعد حالٍ بوقعِهِمْ فی مناهات الحیرة والارتباكِ زیادة فی التنكیل بِهِمْ

المشاكلة.. اَللّٰہُ یَسْتَھْزِیُٔ بِھِمْ.. فقد ثَبَت اَنّ الْاِسْتِهزاءَ ضرب من اللعب واللهو وهما لا یلیقانِ باللّٰه تعالی وَهُوَ مَنزَّہٌ عَنهُمَا، ولكنه سُمِّیَ جزاءُ الا ستهزاء استهزاءً، فهِیَ مشاكلة لفظیة لا اَقَلَّ ولا اكثر.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ: (الآیة) فساد کا لفظ اردو کی بہ نسبت عربی زبان میں کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ہر قسم کی برائیوں اور بدعنوانیوں کو حاوی ہے۔

اَلْفَسَادخروج الشیٔ عَنِ الاعتدال وَیُضَادَّہُ الصلاح. (راغب)

کفر ومعصیت سے زمین میں فساد بدامنی اور بے اطمینانی پھیلتی ہے اور اطاعت الٰہی سے امن واطمینان اور سکون ملتا ہے، ہر دور کے دین بیزار اور منافقوں کا یہی کردار رہا ہے کہ: پھیلاتے تو ہیں فساد اور دعویٰ کرتے ہیں ترقی اور اصلاح کا، اشاعت تو کرتے ہیں منکرات کی اور اظہار کرتے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا، حدود الٰہی کو پامال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں دین الٰہی کی پاسبانی کا، گویا کہ شراب کی بوتل پر شربت کا لیبل لگاتے ہیں۔

مدینہ کے منافقوں کا بھی یہی حال تھا، جب کوئی ان سے یہ کہتا کہ اپنے نفاق کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ بڑے زوردار انداز میں کہتے ہیں: ''اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ'' یعنی فساد سے ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں ہمارا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے قرآن ان کے دعوے کی بڑے بلیغ انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ'' سنو! یہ مفسد ہی ہیں، مگر ان کو اپنے مفسد ہونے کا احساس تک نہیں ہے، ان کی عقلیں اس حد تک مسخ ہوگئی ہیں کہ فساد کو اصلاح سمجھے ہوئے ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ فتنہ وفساد ہیں جیسے قتل، غارتگری، چوری، رہزنی، ظلم وزیادتی، اغواء اور فریب کاری وغیرہ ہر سمجھدار آدمی ان کو فتنہ وفساد سمجھتا ہے اور ہر شریف آدمی ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ظاہری سطح کے اعتبار سے کوئی فتنہ وفساد نہیں ہوتیں مگر ان کی وجہ سے انسان کے اخلاق برباد ہوجاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی گراوٹ ہر قسم کے فتنہ وفساد کے دروازے کھول دیتی ہے، ان منافقین کا بھی یہی حال تھا، کہ چوری ڈاکا زنی، بدکاری وغیرہ سے بچتے اور ان کو معیوب سمجھتے تھے اسی لئے بڑی تاکید کے ساتھ اپنے مفسد ہونے کا انکار کرتے تھے۔

جب انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے اور اپنی انسانیت کھو بیٹھتا ہے، تو پھر اس فساد کا علاج نہ حکومت اور محکموں سے ہوسکتا ہے اور نہ قانون سے اس لئے انسانیت کے محسن اعظم نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز فرمائی کہ: انسان کو صحیح معنی میں انسان بنادیں، تو پھر عالم کا فساد اور بگاڑ خود بخود ختم ہوجائے گا، نہ حفاظتی عملے کی زیادہ ضرورت رہے گی اور نہ عدالت کے اس پھیلاؤ کی اور جب تک دنیا کے جس حصہ میں آپ کی تعلیمات پر عمل ہوتا رہا، دنیا نے وہ امن سکون دیکھا کہ جس کی نظیر نہ کبھی پہلے دیکھی گئی اور نہ ان تعلیمات کو چھوڑنے کے بعد اس کی توقع۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روح اللہ تعالیٰ کا خوف اور روز قیامت کے حساب وکتاب کی فکر ہے، اس کے بغیر نہ کوئی قانون اور نہ کوئی دستور جرائم سے باز رکھتا ہے اور نہ کوئی مدرسہ اور نہ محکمہ، آج کی دنیا میں جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیار کی باگ ڈور ہے، وہ جرائم کے انسداد کے لئے نئے سے نئے قانون اور انتظام تو سوچتے ہیں، مگر قانون اور انتظام کی روح یعنی خوف خدا سے نہ صرف غفلت برتتے ہیں، بلکہ ان کو فنا کرنے کے اسباب مہیا کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہی سامنے آتا ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کھلے طور پر علی الاعلان فساد برپا کرنے والے چوروں اور غارتگروں کا علاج سہل ہے، مگر انسانیت فراموشوں بلکہ انسانیت فروشوں کا علاج نہایت مشکل ہے، اس لئے کہ ان کا فساد ہمیشہ برنگ اصلاح ہوتا ہے، یہ لوگ کوئی دل چسپ اور دلفریب اسکیم بھی سامنے رکھ لیتے ہیں، اور بعض اغراض فاسدہ کو اصلاح کا رنگ دیکر "اِنَّما نحنُ مصلحون" کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں، جیسا کہ موجودہ دور میں انسداد دہشت گردی کا خوبصورت، اور دلفریب اور دل نشین نعرہ لگا کر پوری دنیا کو آتشکدہ بنادیا ہے۔

منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب:

تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کے مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیاں اور ہر طرح کی نجاست بھری ہے۔ (متی ۲۳: ۳۷) (ماجدی)

جو منافقت برتتا ہے، وہ غضب (خداوندی) دنیا میں لاتا ہے، اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں وہ تک ان پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم ہے۔ (ایوی مینس تالمود، ص: ۱۰۷، ماجدی)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قانونِ شریعت کے علاوہ کسی دینِ جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا

فساد فی الارض کے مترادف ہے امن عالم اور نظام اقوام جب ہی قائم رہ سکتا ہے جب عمل قانون شریعت پر رہے، اس راہ سے انحراف بلکہ سر مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، بے حیائی، قتل و غارتگری، کشت و خون، ظلم و تشدد، خیانت و بدعہدی اور ہر قسم کی طبقاتی کشمکش کو دعوت دینا ہے، چنانچہ دنیا عملاً اس کا بارہا تجربہ کرچکی ہے اور اس وقت بھی کررہی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ، جیسا کہ اصحاب رسول ایمان لائے، بعض روایتوں میں، الناس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں۔

جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کرلیا تھی، اس کے جواب میں منافقین نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بے وقوف کہا، گویا کہ یہ طنز ہے، اس وقت کے سچے اور پکے مسلمانوں یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، منافق اپنے نزدیک ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بے وقوف سمجھتے تھے، ان کی رائے میں یہ امر احمقانہ فعل تھا کہ محض حق و راستی کی خاطر تمام ملک سے دشمنی مول لے لی جائے، ان کے خیال میں عقلمندی یہ تھی کہ آدمی حق و باطل کی بحث میں نہ پڑے بلکہ ہر معاملہ میں صرف اپنے مفاد کو دیکھے۔

یہی طریقہ آج تک چلا آرہا ہے، بزعم خود ترقی پسندوں، روشن خیالوں کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، قدامت پسند، تاریک خیال، بنیاد پرست، دقیانوس اور نہ معلوم کیسے کیسے خطابات سے مخلص اہل ایمان کو نوازا جاتا ہے، کیا ٹھکانا ہے منافقوں کے حمق کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے، اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقلمندی، دور اندیشی اور حکمت کو بے عقلی اور بے وقوفی ٹھہرا رہے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (الآية) یہاں کی عقلمندی کے زعم باطل کا جواب ہے، چار تاکیدوں کے ساتھ منافقوں کی سفاہت اور حماقت پر زور دے کر بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس درجہ بے وقوف ہیں کہ اپنے نفع و نقصان میں بھی تمیز نہیں کرتے۔

صحابہ معیار حق ہیں:

آیت نمبر ۱۳ "اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ" میں صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا ہے یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسا ایمان لاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان ایک معیار ہے صحیح اور غلط ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے آج کے منافق یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دولت ایمان سے محروم تھے، جیسا کہ اہل تشیع کا یہی خیال ہے اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم منافقوں کی تردید فرمائی۔ فرمایا کہ کسی اعلیٰ ترین مقصد کے لئے دنیاوی مفادات کو قربان کردینا بے وقوفی نہیں بلکہ عین عقلمندی اور سعادت ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سعادت مندی کا ثبوت مہیا فرمادیا، اس لئے وہ صرف سچے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لئے ایک معیار اور کسوٹی ہیں اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا، جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی طرح ایمان

لائیں گے۔ دوسری آیت میں فرمایا: "فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا"۔ (البقرہ، ۱۳۷)

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ (الآیة) شیطان کا مادہ، شطنٌ ہے معنی ہیں حق اور خیر سے بعید ہونا، شیطان عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش اور بہکانے والے کو شیطان کہتے ہیں انسان جنات حتی کہ حیوانات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گو اسم وصفی کے طور پر ابلیس کے ساتھ خاص ہے "کُلُّ عاتٍ متمرّدٍ من الجنّ والانس والدّوابّ شیطانٌ"

(محاز)

حدیث شریف میں شیطان اور وسیع مفہوم میں آیا ہے چنانچہ تنہا سفر کرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے، یہاں شیطان سے مراد رؤساء یہود و مشرکین و منافقین ہیں، جنکے ایماء پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ: استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، مذاق اڑانے کے ہیں، مطلب یہ کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم دل وجان سے آپ ہی کے ساتھ ہیں باقی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: اللہ بھی انسان سے مذاق کرتا ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ: وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزاء اور استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرتا ہے انہیں ذلت وادبار میں مبتلا کرتا ہے، اسی کو مشاکلت کے طور پر استہزاء سے تعبیر کردیا گیا ہے یہ زبان کا ایک اسلوب ہے، حقیقۃً استہزاء نہیں بلکہ ان کے فعل استہزاء کی سزا ہے، جس کو استہزاء سے تعبیر کردیا گیا ہے جیسے: "وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ آیت ۴۰) میں برائی کے بدلہ کو برائی سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز عمل ہے۔

ذات باری کی طرف تمسخر کا انتساب قدیم صحیفوں میں:

قدیم صحیفوں میں ذات باری کی جانب ہنسی اور تمسخر کا انتساب برابر موجود ہے، تو ایک خداوندان پر ہنسے گا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادے گا۔ (زبور ۷۹،۸)

میں تمہاری پریشانیوں پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی، تو ٹھٹھے ماروں گا۔ (امثال ۱: ۲۶)

وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ. اَلْمَدُّ، اَلزِّیادۃ، یونس بن حبیب نے کہا ہے کہ مدّ کا استعمال شر میں اور اَمَدَّ کا استعمال خیر میں ہوتا ہے جیسے: "وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ. وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاکِهَةٍ وَّلَحْمٍ" اللہ تعالیٰ کا قول وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ، خود "اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" کی تفسیر ہے، یعنی ان کی افتادِ طبع کے مطابق اللہ ان کو مزید مہلت اور ڈھیل دیتا ہے، تاکہ سرکشی اور طغیان مکمل ہو کر مکمل سزا کے مستحق ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون تکوینی کے مطابق مخلوق کو جو آزادی دی ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی نہیں کرتا، منافق و

کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی آزادی اور اجازت اسی قانون تکوینی کے مطابق ہے۔

یَعْمَهُوْنَ، عَمَهٌ، اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اندھوں کے مانند ادھر ادھر ٹٹولتا پھرے۔
العمه التردد في الضلال والتحير في منازعة (تاج) العمى في العين والعمه في القلب. (قرطبی)

ایک شبہ کا ازالہ:

حدیث وفقہ کا یہ مشہور مقولہ کہ ''اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا'' اس کا مطلب آیت مذکورہ ''آمنوا کما آمن الناس'' کی روشنی میں یہ متعین ہو گیا کہ اہل قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی کے منکر نہیں ورنہ منافقین بھی تو مسلمانوں کی طرح اہل قبلہ تھے، مگر ان کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا، نیز قادیانی کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا، حتی کہ بعض ہنود بھی اہل قبلہ ہیں تو کیا یہ سب جماعتیں مسلمین مخلصین میں شامل ہیں؟

(معارف مخلصًا وتصرفًا)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ استبدلوها به **فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ** اى ما ربحوا فيها بل خسروا لمصيرهم الى النار المؤبدة عليهم **وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ** (۱۶) فيما فعلوا **مَثَلُهُمْ** صفتهم في نفاقهم **كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا** في ظلمة **فَلَمَّا أَضَاءَتْ** انارت **مَا حَوْلَهُ** فابصر واستدفأ وامن مما يخافه **ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ** اطفأه وجمع الضمير مراعاة لمعنى الذى **وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ** (۱۷) ما حولهم متحيرين عن الطريق خائفين فكذلك هؤلاء امنوا باظهار كلمة الايمان فاذا ماتوا جاءهم الخوف والعذاب هم **صُمٌّ** عن الحق فلا يسمعونه سماع قبول **بُكْمٌ** خرس عن الخير فلا يقولونه **عُمْيٌ** عن طريق الهدى فلا يرونه **فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ** (۱۸) عن الضلالة **أَوْ** مثلهم **كَصَيِّبٍ** اى كاصحاب مطر واصله صيوب من صاب يصوب اى ينزل **مِّنَ السَّمَاءِ** اى السحاب **فِيهِ** اى السحاب **ظُلُمَاتٌ** متكاثفة **وَرَعْدٌ** هو الملك الموكل به وقيل صوته **وَبَرْقٌ** لمعان سوطه الذى يزجره به **يَجْعَلُونَ** اى اصحاب الصيب **أَصَابِعَهُمْ** اى اناملها **فِي آذَانِهِم مِّنَ** اجل **الصَّوَاعِقِ** شدة صوت الرعد لئلا يسمعوها **حَذَرَ** خوف **الْمَوْتِ** من سماعها كذلك هؤلاء اذا نزل القران وفيه ذكر الكفر المشبه بالظلمات والوعيد عليه المشبه بالبرق يسدون اذانهم لئلا يسمعوه فيميلوا الى الايمان وترك دينهم وهو عندهم موت **وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ** (۱۹) علما وقدرة فلا يفوتونه **يَكَادُ** يقرب **الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ** ياخذها بسرعة **كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ** اى في ضوئه **وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا** وقفوا

تمثیلٌ لإزعاجِ ما فی القرآن من الحُجَجِ قُلوبَہم وتصدیقِہم بما سمعُوا فیه مِمّا یُحِبُّون ووقوفِہم عما یکرہُون **وَلَوْشَآءَاللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ** بمعنی اسماعِہم **وَاَبْصَارِهِمْ** الظاہرۃِ کما ذہب بالباطنۃ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ** شاءَہٗ **قَدِیْرٌ** ⑳ ومنه اذہابُ ما ذُکِرَ.

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرلی (یعنی) گمراہی کو ہدایت سے بدل لیا مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے، یعنی ان کو اس سودے میں نفع نہیں ہوا بلکہ خسارا ہوا ان کے دائمی آگ کی طرف پلٹنے کی وجہ سے اور یہ اپنے طریقہ کار میں ہرگز صحیح طریقہ پر نہیں ہیں اور ان کی کیفیت ان کے نفاق میں اس شخص کی کیفیت جیسی ہے جس نے تاریکی میں آگ جلائی سو جب آگ نے اطراف وجوانب کو روشن کردیا، تو اس کو بجھائی دینے لگا اور سردی کی تکلیف دور ہوگئی اور خوف کی چیزوں سے مامون ہوگیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کرلیا (یعنی) اس کو بجھادیا اور (ھم) ضمیر کو جمع لانا، اَلَّذِیْ، کے معنی کی رعایت کے اعتبار سے ہے اور انہیں تاریکیوں میں اس حال میں چھوڑ دیا کہ انہیں اپنے آس پاس کا کچھ نظر نہیں آتا حال یہ کہ وہ راستہ کے بارے میں متحیر ہیں اور خوف زدہ ہیں یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جو کلمۂ ایمان کا اظہار کرکے مامون ہوگئے اور جب مرجائیں گے تو ان پر خوف اور عذاب مسلط ہوجائے گا، یہ سماع حق سے بہرے ہیں، جس کی وجہ سے اسے قبول کرنے کے ارادہ سے نہیں سنتے (کلمہ) خیر کہنے سے گونگے ہیں کہ اس کو زبان سے نہیں نکالتے، راہِ ہدایت سے اندھے ہیں کہ اس کو نہیں دیکھتے سو یہ لوگ گمراہی سے باز آنے والے نہیں، یا ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے کہ آسمان (بادل) سے زور کی بارش ہورہی ہو (صَیِّبٌ) کی اصل صَیْوِبٌ تھی، صَابَ یَصُوْبُ سے بمعنی یَنْزِلُ، اور اس بادل میں گھٹاٹوپ اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور وہ فرشتہ ہے جو اس پر مامور ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ اس فرشتے کی آواز ہے اور بجلی اس کے اس کوڑے کی چمک ہے جس سے وہ بادلوں کو ڈانتا ہے، یہ بارش والے (بجلی) کے کڑاکے سن کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، یعنی کڑاکے کی آواز کی شدت کی وجہ سے تاکہ اس کو نہ سنیں، یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جب قرآن نازل ہوتا ہے اور اس میں کفر کا ذکر ہے، جو ظلمتوں کے مشابہ ہے اور (کفر) پر وعید ہے جو رعد کے مشابہ ہے اور دلیلیں ہیں جو برق کے مشابہ ہیں، اپنے کانوں کو بند کرلیتے ہیں تاکہ اس کو نہ سنیں، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ اپنے دین کو ترک کرکے ایمان کی طرف مائل ہوجائیں اور یہ ان کے نزدیک موت ہے، اللہ تعالیٰ ان منکرین حق کو (اپنے) علم وقدرت کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو یہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے، برق کی حالت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی بصارت ابھی اچک لے گی جہاں ذرا کچھ روشنی چمکی تو اس کی روشنی میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں یہ اس تحریک کی تمثیل ہے جو قرآنی دلائل کی وجہ سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور ان کی اس پسندیدہ چیز کی تصدیق کی تمثیل ہے جس کو وہ قرآن میں سنتے ہیں اور اس کی تمثیل ہے، جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس سے رک جاتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو

ان کے کانوں کو اور ان کی ظاہری بصارت کو بالکلیہ سلب کر لیتا جیسا کہ ان کی باطنی بصیرت سلب کر لی یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے اور اسی (قدرت) میں مذکورہ سلب کرنا بھی داخل ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اشتروا، اشتراءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے خریدا، انہوں نے اختیار کیا، زجاج نے واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے واؤ جمع اور واؤ اصلیہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے، اور یحییٰ بن یعمر نے واؤ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے التقاء ساکنین کے قاعدہ کے مطابق اور ابوالسماک عدوی نے واؤ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اخف الحرکات ہونے کی وجہ سے اور کسائی نے واؤ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

قولہ: اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ (الآیة) اُولئِكَ، مبتداء، الَّذِیْنَ اسم موصول اِشْتَرَوْا اپنے مفعول الضلالة اور متعلق سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اولئك مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: اِسْتَبدلُوْهَا بِه: اس جملے کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: شری: ثمن کے عوض کسی چیز کے حاصل کرنے کو کہتے ہیں، اس لئے کہ باء ثمن پر داخل ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے اشتریتُ القلم بالدرهم یعنی درہم دے کر قلم خریدا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت دے کر گمراہی لی حالانکہ ہدایت سرے سے ان کے پاس تھی ہی نہیں لہٰذا ہدایت دے کر ضلالت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب: شراء سے مراد استبدال ہے جو کہ شراء کے لئے لازم ہے گویا کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور استبدال سے مراد اختیار کرنا اور ترجیح دینا، یعنی ہدایت اور ضلالت کے دونوں راستے ان کے سامنے موجود تھے، مگر انہوں نے اپنی مرضی واختیار سے گمراہی کو اختیار کر لیا۔

قولہ: فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ:

سوال: فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ: میں ربح کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ نفع ونقصان اٹھانا صاحب تجارت کی صفت ہے نہ کہ تجارت کی۔

جواب: یہ اسناد، مجاز عقلی کے طور پر ہے جیسے: "اَنْبَتَ الربیعُ البقلَ" میں ہے یہ اسناد فعل الی ملابس الفاعل کے قبیل سے ہے، عرب کہا کرتے ہیں: "رَبِحَ بَیْعُكَ وَخَسِرَتْ صَفْقَتُكَ"۔

قولہ: لِمَصِیْرِهِمْ اِلَی النَّارِ: یہ عدم ربح کی علت ہے۔

قولہ: وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ: فِیْمَا فَعَلُوْا یعنی تجارت کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اس میں سراسر نقصان وخسران ہی ہے، یعنی نفع اور اصلی سرمایہ دونوں ضائع ہو گئے۔

قَوْلُہٗ: صفتُھُمْ فی نفاقِھِمْ. مَثَلُھُمْ کی تفسیر صفتھم سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں مثل سے مراد مثل سائر نہیں ہے بلکہ ان کی کیفیت اور حالت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَدَ، استَوْقد کی تفسیر اَوْقَدَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ مزید بمعنی مجرد ہے اِستَوْقَدَ میں سین و تاء طلب کے لئے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنَارَتْ، اَضاءت کی تفسیر اَنَارَتْ سے کرکے اشارہ کردیا، کہ اَضَاءَت فعل متعدی ہے، اس کے اندر ضمیر مستتر اس کا فاعل اور مَا حَوْلَهُ جملہ ہوکر مفعول بہ ہے اور ما، بمعنی مکان ہے، ای اَضَاءَتْ، مکان الّذِی مَا حَوْلَهُ.

قَوْلُہٗ: صُمٌّ: یہ مبتداء محذوف کی خبر اور جملہ مستانفہ ہے اور بُکمٌ خبر ثانی ہے اور عُمیٌ خبر ثالث ہے، مذکورہ تینوں خبریں اگرچہ لفظوں میں متبائن ہیں، مگر معنی اور مدلول میں متحد ہیں اور وہ عدم قبول حق ہے، بمعنی بہرا صُمٌّ. اَصَمٌّ کی جمع ہے، بُکْمٌ. گونگا، یہ اَبکَمُ، کی جمع ہے عُمْیٌ، اندھا، اعمیٰ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: کصیب ای کاصحاب مطرٍ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور صَیِّب بمعنی بارش، صَیِّبٌ اصل میں صَیْوِبٌ بروزن فَیْعِلٌ تھا واؤ اور یاء دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوئے واؤ کو یا کردیا اور یا کو یا میں ادغام کردیا اَوْ تردید کے لئے ہے شک کے لئے نہیں ہے یا اَوْ بمعنی واؤ ہے۔

قَوْلُہٗ: فیه ای فی السحاب ظاہر نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ: فیه کی ضمیر صَیبٌ کی طرف راجع ہے جیسا کہ دیگر مفسرین نے صَیِّبٌ کی طرف ضمیر راجع کی ہے معالم التنزیل میں ہے فیه ای فی الصیبِ اور مفسر علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے السحاب کی طرف راجع کی ہے جو کہ السماء کا مدلول ہے، مگر یہ ظاہر نظم آیت کے خلاف ہے فیه میں فی بمعنی مع ہے بعض مفسرین حضرات نے سماء کی طرف فیه کی ضمیر کو راجع کیا ہے اور سماء سے مراد باول لیا ہے یہی وجہ ہے کہ فیه کی ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ سماء کا استعمال مؤنث کے اعتبار سے اکثر ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اَنَامِلَھَا: اصابع کی تفسیر انامل سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مجاز معنوی کے قبیل سے ہے یعنی کل بول کر جز مراد لیا ہے، نکتہ اس میں عدم سماع میں مبالغہ کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: حَذَرَ الْمَوْتِ: یہ یجعلون کا مفعول لہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰهُ مُحِیطٌ بِالْکَافِرِیْنَ: یہ قصہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مُحِیطٌ، اصل میں مُحْوِط تھا واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن واؤ کا کسرہ ماقبل کو دے کر واؤ کو یاء سے بدل دیا، محیطٌ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: شاءَهُ. شیٔ کی تفسیر شاءه سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: شیٔ اس چیز کو کہتے ہیں جو موجود ہو اللہ تعالیٰ بھی مع اپنی ذات وصفات کے موجود ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ: اللہ اشیاء

میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اللہ کا لاشئ ہونا لازم آتا ہے، جو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ وہ موجود ہے اور اگر داخل ہے تو پھر کل شئ ھَالِكٌ کی رو سے لازم آتا ہے کہ: وہ بھی ھالك ہو۔

جَوَابْ: شئ سے مراد وہ شئ ہے جو اللہ کی مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات مشیت کے تحت داخل نہیں ہے اس لئے کہ جو شئ مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہوگی وہ حادث ہوگی اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التشبيه التمثيلي: فى قوله تعالىٰ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا. (الآية)

حقيقة التشبيه التمثيلي (اى التشبيه المركب) ان يكون وجه الشبه فيه صورةً منتزعةً من متعدد اى: اَنّ حال المنافقين فى نفاقهم واظهارهم خلاف ما يسترونه من الكفر كحال الذى استوقد نارا يستضيئُ بها ثم انطَفأت فلم يعد يبصر شيئاً يقال لتشبيه التمثيلي، التشبيه المركب ايضًا، ومن امثلته فى الشعر قول بشار.

كَاَنّ مثار النقع فوق رُؤوسنا ... وَاَسْيافِنا ليلٌ تَهاوى كواكبُهُ

فقد شبَّه ثوران النقع المتعقد فوق الرؤوس والسيوف المتلاحمة فيه اثناء الحرب بالليل الاسود البيهم تتهاوى فيه الكواكب وتتساقط الشهب.

صَيِّبٌ، هو مطر الذى يَصوبُ، اى ينزل، واصله صَيْوِبٌ، اجتمعت الياء والواو، وسبقت احداهما بالسكون فقلبتِ الواوُ ياء وادغمت الياء فى الياء.

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِيْح

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (الآية) یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی یعنی بدبختی کی انتہاء ہے کہ انہوں نے ایمان اور ہدایت جیسی بیش بہا دولت دے کر خریدی بھی تو کیسی ناکارہ نکمی اور بے حقیقت شئ یعنی کفر وضلالت۔ یہاں خریدنے سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے اور نقصان وخسران کا سودا ہے لیکن یہ نقصان وخسران آخرت کا ہے ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں بھی انہیں اس نقصان کا علم ہو جائے، بلکہ دنیا میں تو انہیں اس نقصان سے فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش تھے، اس کی بنیاد پر خود کو بہت دانا اور ہوشمند اور مسلمانوں کو عقل وفہم سے عاری سمجھتے تھے۔

منافقین کے ایک گروہ کی مثال:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَنَارًا: عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیان کے مطابق اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی دعوت وتبلیغ کی وجہ سے کفر وظلمت کی تاریکیاں چھٹنے لگیں اور صحیح کو غلط سے اور راہِ راست کو گمراہی سے بالکل الگ کر دیا گیا، تو دیدۂ بینا رکھنے والوں پر ساری حقیقتیں روشن ہو گئیں، مگر منافق نفس پرستی میں اندھے ہو رہے تھے، ان کو اس روشنی میں کچھ نظر نہ آیا، ان ہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان ہو گئے لیکن جلدی ہی مرتد و منافق ہو گئے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے آگ جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید و مضر چیزیں اس پر واضح ہو گئیں پھر دفعۃً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا، یہی حال ان منافقین کا تھا کہ پہلے وہ شرک کی تاریکیوں میں تھے، جب مسلمان ہوئے تو روشنی میں آگئے، حلال وحرام، خیر وشر کو پہچان گئے، پھر کفر ونفاق کی طرف پلٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدير ملخصًا)

منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (الآية) یہ منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال ہے یہ وہ طبقہ تھا کہ جو یکسر منکر تو نہ تھا بلکہ آج کل کے انتہائی روشن خیالوں کی طرح ریب وتذبذب کا شکار تھا اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار و فتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم آگے بڑھتا اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتا تو پھر پیچھے ہٹ جاتا منافقوں کے اس طبقہ کی حالت اس بارش کی طرح ہے جو تاریکیوں میں برس رہی ہو جس کی گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہوں کہ خوف ودہشت کے مارے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، مگر ان کا یہ خوف اور ان کی تدبیر بھی اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے، جب کبھی ان پر حق کی کرنیں پڑتی ہیں، تو حق کی طرف جھک جاتے ہیں لیکن جب اسلام یا مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو پھر حیران وسرگرداں ہو کر تذبذب اور گومگو کا شکار ہو جاتے ہیں اور قبول حق سے محروم رہتے ہیں۔ (ابن كثير ملخصًا)

نکتہ: آیت میں نور کو واحد کے صیغہ کے ساتھ اور ظلمات کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ راہِ حق وہدایت خط مستقیم کی طرح صرف ایک ہی راہ ہے اور گمراہی مختلف اور منحنی خطوط کی طرح بے شمار ہیں، (فَإِنَّ الحقَّ واحدٌ وهو الصراط المستقيم بخلاف طريق الباطل فإنّها متعددة منشعِبَة). (ابن قيم)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اى اهل مكة اعْبُدُوْا وَحِّدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ انشأكم ولم تكونوا شيئا وَ خلق

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ بعبادته عقابه ولعل في الاصل للترجي وفي كلامه تعالى للتحقيق الَّذِيْ جَعَلَ خلق لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا حال بساطا يفترش لا غاية لها في الصلابة او الليونة فلا يمكن الاستقرار عليها وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سقفا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ انواع الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ تأكلونه وتعلفون به دوابكم فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا شركاء في العبادة وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ انه الخالق ولا يخلقون ولا يكون الٰها الا من يخلق وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ شك مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا محمد من القرآن انه من عند الله فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اي المنزل ومن للبيان اي هي مثله في البلاغة وحسن النظم والاخبار عن الغيب. والسورة قطعة لها اول واخر واقلها ثلث ايات وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ الهتكم التي تعبدونها مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غيره لتعينكم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ في ان محمدا قاله من عند نفسه فافعلوا ذلك فانكم عربيون فصحاء مثله ولما عجزوا عن ذلك قال تعالى فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا ما ذكر لعجزكم وَلَنْ تَفْعَلُوْا ذلك ابدا لظهور اعجازه اعتراض فَاتَّقُوْا بالايمان بالله وانه ليس من كلام البشر النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ الكفار وَالْحِجَارَةُ ۚ كاصنامهم منها يعني انها مفرطة الحرارة تتقد بما ذكر لا كنار الدنيا تتقد بالحطب ونحوه اُعِدَّتْ هيئت لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ يعذبون بها جملة مستانفة او حال لازمة

ترجمہ: اے لوگو (یعنی) اے مکے کے رہنے والو، اپنے اُس رب کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو جس نے تم کو پیدا کیا، حال یہ کہ تم کوئی (قابل ذکر) شئ نہ تھے اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس کی عبادت کے ذریعہ اس کے عذاب سے محفوظ رہو اور لَعَلَّ دراصل ترجی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق کے لئے ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، (فراشًا) حال ہے (یعنی) ایسا بچھونا جس کو بچھایا جائے، جو نہ نہایت سخت ہے اور نہ نہایت نرم کہ اس پر قرار ہی ممکن نہ ہو اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا، جس کے ذریعہ تمہاری غذا کے لئے مختلف قسم کے پھل پیدا کئے، جن کو تم کھاتے ہو اور جن کو تم اپنے جانوروں کو (چارے کے طور پر) کھلاتے ہو سو تم عبادت میں اللہ کا کسی کو ہمسر (یعنی) شریک نہ ٹھہراؤ حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ خالق وہی ہے اور وہ شرکا تخلیق نہیں کرسکتے اور معبود وہی ہوسکتا ہے جو تخلیق کرسکے، ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر جو (قرآن) نازل کیا ہے اگر تم اس کے منجانب اللہ ہونے میں شک میں ہو تو اس منزل جیسی ایک سورت لے آؤ اور مِن بیانیہ ہے کہ وہ سورت بلاغت میں اور حسن نظم میں اور اخبار بالغیب میں اس جیسی ہو، سورت ایسے حصہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ابتداء اور انتہا ہو، اور اس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اپنے ان معبودوں کو بھی بلالو جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں، اگر تم اس بات میں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے سچے ہو لہٰذا تم بھی یہ کام کر دکھاؤ اس لئے کہ تم بھی اس کے جیسے فصیح عرب ہو، اور جب وہ اس سے عاجز ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر تم نے

اپنے عجز کی وجہ سے مذکورہ کام نہ کیا اور تم اس کو ہرگز کبھی نہ کرسکو گے اس کے اعجاز کے ظاہر ہونے کی وجہ سے (شرط اور جزاء کے درمیان) یہ جملہ معترضہ ہے، لہٰذا تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس بات کی تصدیق کرو کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن کافر انسان اور پتھر ہوں گے مثلاً پتھر سے بنے ہوئے ان کے بت، یعنی وہ آگ شدید حرارت والی ہوگی، مذکورہ چیزوں سے دہکائی جائے گی، نہ کہ دنیوی آگ کے مانند کہ لکڑی وغیرہ سے دہکائی جاتی ہے (وہ آگ) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، اس میں ان کو عذاب دیا جائے گا (یہ) جملہ معترضہ ہے یا حال لازمہ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: یَاَیُّهَا النَّاسُ ای اَهلُ مکة: یا حرف ندا متوسط کے لئے ہے قرآن میں ندا کے لئے صرف یا، کا استعمال ہوا ہے، دوسرے کسی حرف ندا کا استعمال نہیں ہوا، ندا خواہ خالق کی جانب سے ہو، یا مخلوق کی جانب سے، اَیُّ، منادیٰ لفظاً مبنی بر ضمہ ہے اور محل میں نصب کے ہے، ھا، برائے تنبیہ ہے، اَلنَّاس لفظوں کے اعتبار سے اَیُّ، کی صفت یا بدل ہے۔

قولہ: اَیْ اَھلُ مکةَ، یہ اَلناس کی تفسیر ہے۔

سوال: قاعدہ یہ ہے کہ قرآن میں اہل مکہ کو خطاب یَاَیُّهَا النَّاس سے اور اہل مدینہ کو یَاَیُّهَا الَّذِین آمنوا، سے ہوتا ہے یہ سورت مدنی ہے اور خطاب اہل مدینہ سے یَاَیُّهَا الَّذِین آمنوا سے ہے ایسا کیوں؟

جواب: یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔

لفظ اَھلُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، نصب اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار محل کے النَّاس کی تفسیر ہے اور رفع اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار لفظ کے النَّاس کی تفسیر ہے۔

قولہ: وَحِّدُوْا اُعْبُدُوْا کی تفسیر وَحِّدُوا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اُعْبُدُوْا، قرآن میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، اس سے مراد توحید سر فہرست ہے اس لئے کہ توحید کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں، اسی طرح النَّاس کی تفسیر اهل مکه سے یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع میں ہے ورنہ دیگر مفسرین نے النَّاس کو مطلق رکھا ہے، جس میں مکہ وغیر مکہ کے سب لوگ شامل ہیں۔

قولہ: لَعَلَّ فی الاصل للترجی:

سوال: لَعَلَّ کا اصل استعمال طمع فی المحبوب کے لئے ہے، عوام اس کو توقع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ جہل کی متقاضی ہے، حق تعالیٰ کے لئے اس معنی کے لئے استعمال محال ہے۔

جواب: مفسر علام نے اپنے قول "وفی کلامه تعالیٰ لِلتحقیق" سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی کلام ربانی میں لَعَلَّ کا استعمال تحقیق وقوع کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ کریم اسی کی توقع دلاتا ہے، جو اسے یقینی طور پر کرنا ہو۔

قَوْلُہٗ: فِرَاشًا، اَلْاَرْضَ: سے حال ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ: جَعَلَ، بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول ہو جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلَ کی تفسیر خَلَقَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے اور جن حضرات نے جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ متعدی بدو مفعول لیا ہے، ان کے نزدیک اَلْاَرْضَ مفعول اول اور فِرَاشًا، مفعول ثانی ہوگا۔

قَوْلُہٗ: من السماء السماء سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی فوق، مَاعلاكَ وَاَظلك فهو سماءٌ، سماءٌ مونث ہے کبھی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور بارش بھی چونکہ اوپر سے اترتی ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ: بارش بادلوں سے برستی ہے نہ کہ: آسمان سے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ سماء سے سحاب مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: تعلفونَ بهِ دَوَابَّکُمْ: سے اشارہ کر دیا کہ ثمرات سے زمین کی ہر قسم کی پیداوار مراد ہے اور عَلَف، جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا: اس کا تعلق ماقبل میں مذکور اُعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِی، سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْدَادٌ: یہ نِدٌّ: کی جمع ہے، بمعنی برابر، مقابل، شریک نِدٌّ ذات میں شریک اور مثل ہر قسم کے شریک کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہو کر فَلَا تَجْعَلُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنَّهُ الخالق: معطوف علیہ اور ولا یخلقون جملہ ہو کر معطوف جملہ معطوفہ ہو کر یہ تَعْلَمُوْنَ، کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ یہ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ کی جزاء ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقُوْدُهَا، واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی مَا تُوقَدُ بِه، یعنی ایندھن اور واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، اس وزن پر آنے والے تمام صیغوں میں یہی دو صورتیں ہیں، مثلاً: وَضُوْءٌ، سَحُوْرٌ، طَهُوْرٌ، قاعدہ یہ ہے کہ فَعُوْلٌ کے وزن پر آنے والے ہر صیغہ میں اگر فاء کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو بمعنی آلہ، اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر۔ بعض نے کہا ہے ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہیں۔

قَوْلُہٗ: منها: یہ اَصْنامهم سے حال ہے ای حال کونها من الحِجارةِ، مقصد آیت میں مذکور وقودُها الناسُ والحجارةُ کی مطابقت ہے حِجارَة حجرٌ کی جمع جیسے: جِمالَةٌ، جَمَلٌ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: اُعِدَّتْ جملہ مستانفہ ہے اور جملہ مستانفہ ہمیشہ کسی سوال مقدر کا جواب ہوا کرتا ہے، یہاں کس سوال کا جواب ہے؟

سَوَال: یہ ہے: لِمَنْ اُعِدَّتْ هٰذِهِ النارُ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ؟

جَوَاب: اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ.

قَوْلُہٗ: اَوْ حَالٌ. یعنی "اُعِدَّتْ لِلکافرین" لفظ "النار" سے حال ہے، وَقُوْدُهَا کی ضمیر سے حال واقع ہونا صحیح نہیں

ہے، جس کی دو وجہ ہیں ① اس لئے کہ ھا ضمیر مضاف الیہ ہے، اور مضاف الیہ مقصود نہیں ہوتا، ② اس لئے کہ مضاف جو کہ یہاں وَقُوْدٌ بمعنی حطب عین ہے اور یہ جامد ہے اور اسم جامد عامل نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: لَازِمَةٌ: اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کو زائل کرنا ہے جو: اُعِدَّتْ للکافرین سے معلوم ہوتا ہے کہ: نارِ جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لہٰذا مسلمانوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو۔

جَوَابٌ: حال لازمہ بمنزلہ صفت ہوتا ہے، ذوالحال کے لئے اور ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا جیسا کہ ابوك عطوفًا میں کہ باپ کی شفقت بیٹے کے لئے لازم ہے، مگر خاص نہیں ہے کہ بیٹے کے علاوہ کسی اور پر باپ کی شفقت ممنوع ہو اسی طرح نارِ جہنم کافروں کے لئے لازم تو ہے مگر خاص نہیں، یعنی اصالةً و دواماً تو نارِ جہنم کافروں ہی کے لئے تیار کی گئی ہے، لہٰذا مسلمین کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو، مگر عارضی طور پر تادیب کے لئے اہل فسق وعصیان بھی اس میں داخل کردیئے جائیں تو یہ اس کے منافی نہیں (ماجدی ملخصا) "وکون الإعداد للکافرین لاینافی دخول غیرھم فیه علی جھة التطفل". (روح)

دُوْسَرَا جَوَابٌ: اُعِدَّتْ للکافرین: میں، کافر سے مراد کافر عام ہو جو اصطلاحی کافر اور لغوی کافر دونوں کو شامل ہو، تو اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں، اصطلاحی کافر کا دخول دائمی ہوگا اور لغوی کافر یعنی ناشکرے اور عاصی و نافرمان کا دخول تطہیر کے لئے عارضی ہوگا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (الآیة) اس آیت میں مخاطب صرف قریش یا اہل مکہ ہی نہیں بلکہ عرب اور عجم سارا عالم ہے اور نہ کوئی مخصوص نسل، گروہ، یا جماعت ہے بخلاف سابقہ آسمانی کتابوں کے کہ ان کے مخاطب خاص قوم، یا خطے یا نسل کے لوگ تھے، عام مفسرین اسی کے قائل ہیں، بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کے مخاطب اہل مکہ کو قرار دیا ہے ان ہی حضرات میں علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بھی ہیں غالباً یہ تخصیص مخاطب اول ہونے کے اعتبار سے ہے۔

پہلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم یعنی مومن، کافر اور منافق عقائد کے اعتبار سے تھی، سورۂ بقرہ کی ابتدائی بیس آیتوں میں ہدایت کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانوں کی گروہی اور قومی تقسیم رنگ و نسل یا وطن اور زبان کی بنیادوں پر معقول نہیں بلکہ صحیح تقسیم عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اللہ اور اس کی ہدایت کے ماننے والے ایک قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری، اسی حقیقت کو سورۂ حشر میں "حزب اللہ" اور "حزب الشیطان" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کا اصل پیغام:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (الآیة) سے قرآن کے اصل اور بنیادی پیغام کا گویا آغاز ہے۔ عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے یہ صرف ایک عقیدہ اور نظریہ ہی نہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے کا واحد اور صحیح طریقہ بھی ہے جو انسان کے تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کی پناہ گاہ ہے اور ہر فکر و غم کا مداوا، اس لئے کہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ کائنات کے تمام کون و فساد اور عناصر کے سارے تغیرات ایک ہی ہستی کی مشیئت کے تابع اور اسی کی حکمت کے مظاہر ہیں جب یہ عقیدہ قلب و دماغ میں راسخ اور فکر و خیال پر چھا جائے تو ہر شر و فساد کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی اس لئے کہ اس کے سامنے ہمہ وقت یہ مستحضر رہے گا۔

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

اس عقیدہ کا مالک پوری دنیا سے بے نیاز ہر خوف و ہراس سے بے خطر زندگی گذارتا ہے کلمۂ توحید یعنی: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ محمد رسول اللّٰه، کا یہی مفہوم ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ توحید کا محض زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ سچے دل سے اس کا یقین اور یقین کے ساتھ استحضار ضروری ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : تاکہ تم اپنے پروردگار کے عذاب سے بچ جاؤ لعل کا استعمال امید و آرزو اور اظہار وقوع اور شک و تردد کے لئے ہے، مگر قرآن میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے وہاں امید و آرزو کے بجائے وقوع و یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اردو میں لَعَلَّ کا ترجمہ ”تاکہ“ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا : اس سے پہلی آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا، جو انسانی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے گرد و پیش کی چیزوں سے متعلق ہیں اس طرح اَنفُس اور آفاقی نعمتوں کا احاطہ فرمایا، ان آفاقی نعمتوں میں اول زمین کا ذکر فرمایا کہ ہم نے زمین کو انسان کے لئے فرش بنایا جو نہ لوہے کی مانند نہایت سخت ہے کہ ہم اسے اپنی ضرورت کے مطابق آسانی سے استعمال نہ کر سکیں اور نہ پانی کی طرح نرم کہ جس پر قرار ہی ممکن نہ ہو، بلکہ سختی اور نرمی کے درمیان ایسا بنایا گیا کہ جو عام انسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

اس آیت میں زمین کو فرش کہا گیا ہے، فرش کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین گول نہ ہو کیونکہ زمین کا یہ عظیم کرہ گول ہونے کے باوجود دیکھنے میں مسطح نظر آتا ہے اور قرآن کا عام طرز یہ ہے کہ ہر چیز کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے جس کو ہر دیکھنے والا عالم ہو یا جاہل، دیہاتی ہو یا شہری سمجھ سکے۔

زمین کی وسعت:

زمین کی وسعت کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل اعداد سے لگا سکتے ہیں، زمین کا قطر استوائی (عمقی) ۷۹۲۲ میل ہے اور قطر قطبی ۷۹۰۰ میل ہے اور زمین کا محیط ۲۴۸۶۰ میل ہے زمین کی سطح ۱۹۷۰۰۰۰۰۰ یعنی تقریباً بیس کروڑ مربع میل ہے۔

(فلکیات جدیدہ)

جس کرہ کی سطح اتنی وسیع ہو وہ گول ہونے کے باوجود مسطح ہی معلوم ہوگا، لہٰذا اس اعتبار سے زمین کو گول بھی کہا جا سکتا ہے اور مسطح بھی۔

فَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً: مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ زمین و آسمان، کون و مکان، حیوان و انسان سب خدائے واحد کی مخلوق ہیں ان کی تخلیق میں نہ کسی دیوی دیوتا کا دخل ہے اور نہ کسی پیر و پیغمبر کا، جب یہ بات ثابت اور مسلم ہے جس کا خود تم کو بھی اقرار ہے تو پھر تمہاری بندگی اور عبادت اسی کے لئے خاص ہونی چاہئے دوسرا کون اس کا حقدار ہو سکتا ہے؟ کہ تم اس کی بندگی کرو اور دوسروں کو اللہ کا شریک یا مد مقابل ٹھہراؤ۔

خلیفۃ اللہ فی الارض جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر قعر مذلت میں گرا ہے تو پستی کی تمام حدود کو پار کر گیا ہے اس نے اپنا مسجود ملائکہ کو بنایا تو کبھی شمس و قمر کو، کبھی دریاؤں کو تو کبھی ارض و سما، کو، کبھی نباتات کو تو کبھی حیوانات و جمادات کو، کبھی ناگ کو تو کبھی آگ کو غرض کہ نہ ندیوں کو چھوڑا نہ نالوں کو، نہ نجاست کو چھوڑا نہ شرمگاہوں کو، قرآن اسی حماقت اور سخافت پر اسے تنبیہ کر رہا ہے۔

ربط آیات:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ شك، مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا: (الآیۃ) سابقہ دو آیتوں میں توحید کا اثبات تھا، ان دو آیتوں میں رسالت محمد ﷺ کا اثبات ہے، قرآن جو ہدایت لے کر آیا ہے اس کے دو ستون ہیں، توحید اور رسالت، اس آیت میں بڑی قوت اور شدت کے ساتھ پوری دنیا کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ کلام محمد ﷺ پر نازل کردہ خدائی کلام نہیں ہے، تو ایک فرد نہیں پوری جماعت مل کر ایک چھوٹی سی سورت اس کے مثل لے آؤ، یہ چیلنج مکی زندگی میں بھی بارہا کیا جا چکا تھا اور اب مدینہ پہنچ کر بھی اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے، یعنی اگر تم اس کو انسانی تصنیف سمجھتے ہو تو تم بھی تو انسان ہو اس جیسی چند آیات ہی پیش کر دو۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ: اس آیت میں ایک بڑا زور دار اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے اور یہ چیلنج اپنی پوری قوت اور شدت کے ساتھ آج بھی موجود ہے کہ اگر تم میں سے تنہا کسی فرد سے یہ کام نہ ہو سکے تو اپنے حمایتیوں کی مدد سے یہ کام کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ واقعی یہ انسانی کلام نہیں ہے، قرآن کی صداقت کی یہ واضح دلیل ہے کہ یہ چیلنج یَآ اَیُّهَا النَّاس

کے عمومی خطاب کے ذریعہ پوری دنیا کو دیا گیا تھا اور آج بھی باقی ہے لیکن منکرین آج تک اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر رہے ہیں اور قیامت تک قاصر رہیں گے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ: اللہ اکبر! کس زور کی تحدی (چیلنج) ہے وہ بھی ایک امی کی زبان سے۔ اپنی عقل وحکمت، فصاحت وبلاغت اپنی زبان وادب اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا اس وقت جوش آیا ہوگا اور آج بھی آ رہا ہے مگر مجبوری!

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی۔

آیت میں مذکورہ پتھر سے بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گندھک کے پتھر مراد ہیں اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک پتھر سے ان کے وہ اصنام مراد ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: "انکم وما تعبدون من دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ".

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جہنم اصالۃ کافروں اور مشرکوں کے لئے تیار کی گئی ہے گو مسلمین میں سے بعض فساق وفجار بھی عارضی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ فی الحال موجود ہیں بہت سی آیات اور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جمہور امت کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ تمثیل نہیں جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ واقعاتی اور حقیقی چیزیں ہیں۔

وَبَشِّرِ اخبر الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صدقوا باللّٰہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ من الفروض والنوافل اَنَّ ای بان لَهُمْ جَنّٰتٍ حدائق ذات شجر ومساکن تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ای تحت اشجارها وقصورها الْاَنْهٰرُ ای المیاہ فیها والنهر الموضع الذی یجری فیه الماء لان الماء ینهرہ ای یحفرہ واسناد الجری الیه مجاز كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا اطعموا من تلک الجنات مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ ای مثل ما رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ای قبله فی الجنة لتشابه ثمارها بقرینة وَاُتُوْا بِهٖ جیئوا بالرزق مُتَشَابِهًا یشبه بعضه بعضا لونا ویختلف طعما وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ من الحور وغیرها مُّطَهَّرَةٌ من الحیض وکل قذر وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ماکثون ابدا لا یفنون ولا یخرجون ونزل ردا لقول الیهود لما ضرب اللّٰہ المثل بالذباب فی قوله تعالی وان یسلبهم الذباب شیئا والعنکبوت فی قوله تعالی كمثل العنكبوت ما اراد اللّٰہ بذكر هذه الاشياء الخسيسة اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ یجعل مَثَلًا مفعول اول مَّا نكرة موصوفة بما بعدها مفعول ثان ای ای مثل كان او زائدة لتاكيد الخسة فما بعدها المفعول الثاني بَعُوْضَةً مفرد البعوض وهو صغار البق فَمَا فَوْقَهَا ای اكبر منها ای لا

يتركُ بيانه لما فيه من الحكم فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اى المثل الْحَقُّ الثابت الواقع موقعه مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ تمييز اى بهذا المثل وما استفهام انكار مبتدأ وذا بمعنى الذى بصلته خبره اى اى فائدة فيه قال تعالى فى جوابهم يُضِلُّ بِهٖ اى بهذا المثل كَثِيْرًا عن الحق لكفرهم به وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ من المؤمنين لتصديقهم به وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الخارجين عن طاعته الَّذِيْنَ نعت يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ما عهده اليهم فى الكتب من الايمان بمحمد صلى الله عليه وسلم مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ توكيده عليهم وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ من الايمان بالنبى صلى الله عليه وسلم والرحم وغير ذلك وان بدل من ضميره وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ بالمعاصى والتعويق عن الايمان اُولٰٓئِكَ الموصوفون بما ذكر هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ لمصيرهم الى النار المؤبدة عليهم.

وقف لازم

ترجمہ: اور (اے نبی) خوشخبری دیدیجئے خبر دیدیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے (یعنی) اللہ کی (توحید) کی تصدیق کی، اور نیک اعمال کئے کہ وہ فرائض اور نوافل ہیں، ان کے لئے درختوں والے اور محلوں والے باغات ہیں کہ ان باغوں اور محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں یعنی ان نہروں میں پانی جاری ہے اور نہر وہ جگہ ہے کہ جس میں پانی جاری ہوتا ہے (نہر کو نہر اس لئے کہتے ہیں) کہ پانی اس نہر کو کھود دیتا ہے اور جریان کی اسناد نہر کی جانب اسناد مجازی ہے جب ان باغوں میں سے کوئی پھل ان کو کھانے کے لئے بطور غذا دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو اسی جیسا ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کے لئے دیا گیا، یعنی جو اس سے پہلے جنت میں دیا گیا (یہ اس وجہ سے ہوگا) کہ جنت کے پھل ہم شکل ہوں گے (اس قول کا) قرینہ واُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے اور ملیں گے بھی ان کو ہم شکل پھل، کہ رنگ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر ذائقہ میں مختلف ہوں گے اور ان کے لئے جنت میں بیویاں ہوں گی یعنی حور وغیرہ، پاک ہوں گی حیض اور ہر گندگی سے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یعنی دائمی قیام ہوگا نہ اس میں فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے، آیت: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا" یہود کے اعتراض "ما ذا اراد اللّٰه بذكر هذه الاشياء الخسيسة" یعنی ان حقیر چیزوں کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا" میں مکھی کی اور اپنے قول "كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ" میں مکڑی کی مثال بیان فرمائی، یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے اعلیٰ کی: (مَثَلًا) ضَرَبَ "بمعنی جَعَلَ کا مفعول اول ہے، مَا نکرہ موصوفہ اپنے مابعد صفت سے مل کر ضَرَبَ کا مفعول ثانی (یعنی) مَثَلًا مَّا، معنی میں اَیُّ مِثَالٍ کَانَ کے ہے یا مَا زائدہ ہے، حقارت کی تاکید کے لئے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہے، بَعُوْضَة، بعوض کا مفرد ہے (یعنی) چھوٹا مچھر یعنی اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا، اس لئے کہ اس کے بیان کرنے میں حکمتیں ہیں اہل ایمان تو اس مثال کو اپنے رب کی طرف سے صحیح سمجھتے ہیں، (یعنی) برمحل بیان ہوئی ہے اور غیر

کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو ایسی (حقیر) مثالوں سے کیا سروکار؟ مَثَلًا تمیز ہے (بِھٰذا مَثَلًا) ای بِھٰذَا المثل (کے معنی میں ہے) اور مـا استفہام انکاری مبتداء اور ذا بمعنی الـذی اپنے صلہ سے مل کر مبتدا کی خبر، یعنی اس مثال میں کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان (معترضین) کے جواب میں فرمایا کہ وہ اس مثال سے بہت سوں کو حق سے ان کے اس مثال کا انکار کرنے کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے مومنین کی ان کے اس مثال کی تصدیق کرنے کی وجہ سے رہنمائی کرتا ہے اور اس سے ان فاسقوں کو بھی گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے باوجود توڑ دیتے ہیں، یعنی اس کی اطاعت سے خروج کرنے والوں کو (گمراہ کرتا ہے) یعنی اس عہد کو جس کو اللہ نے ان سے کتابوں میں محمد ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں لیا تھا، (اَلَّذِیْنَ) فَاسِقِیْنَ کی صفت ہے اور اللہ نے جس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور وہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے اور اَنْ یُّوْصَلَ، بِـهٖ کی ضمیر سے بدل ہے اور معاصی کے ذریعہ اور (لوگوں کو) ایمان سے روکنے کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ ہیں جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں نقصان اٹھانے والے ہیں، دائمی عذاب (میں) ان کا ٹھکانہ ہونے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا: اس کا عطف، عطف قصہ علی القصہ کے طور پر فان لَمْ تفعَلُوْا کے مضمون پر ہے۔

قِوْلَہُ: بَشِّرْ، امر واحد مذکر حاضر بمعنی تو خوش کن خبر سنا، بَشِّرْ، اَلبشارۃ سے مشتق ہے، بشارت اس پہلی خبر کو کہتے ہیں جو خوش کن ہو، پہلی خوش کن خبر کو بشارت اس لئے کہتے ہیں کہ: اس کا اثر (بشرہ) چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے، (اَلْبَشَارَۃُ: اَلخبرُ الاَوَّلُ السَّارُ الَّذِیْ یَظْھَرُ بِہٖ اَثَرُ السُّرُوْرِ فِی الْبُشْرَۃِ). (اعراب القرآن)

قِوْلَہُ: اَخبِرْ، بَشِّرْ کی تفسیر اخبِرْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ بشارت اگرچہ خوشخبری کو کہتے ہیں مگر یہاں یہ مطلق خبر کے معنی میں ہے اور بشارت کی ضد انذار ہے۔

سُوَال: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، الصّٰلحٰت، ایسا وصف ہے جو کیا نہیں جا سکتا اس لئے کہ وصف از قبیل اعراض ہے اور عرض موجود فی الخارج نہیں ہوتا جب تک کہ کسی جوہر (موصوف) کے ساتھ متصل نہ ہو، لہٰذا: "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کہنا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: الصّٰلحٰت، اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے وصف ہے مگر اس پر اسمیت غالب ہونے کی وجہ سے اسم کے قائم مقام ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہُ: بِـاَنَّ، بِاَنَّ، پر باء کو ظاہر کر کے بتا دیا کہ اَنَّ اصل میں بِـاَنَّ تھا، باء کو جوازاً حذف کر دیا گیا اَنَّ مع اپنے مدخول کے بَشِّرْ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (ابو البقاء)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وَبَشِّرْ کا عطف فَاتَّقُوْا پر ہے مگر اس صورت میں تغایر مخاطبین کا اعتراض ہوگا، صاحب روح المعانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ تغایر مخاطبین عطف کے لئے مضر نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "یوسف اعرض عن هذا واستغفری" یہاں معطوف علیہ اور معطوف کے مخاطب الگ الگ ہیں مگر پھر بھی عطف کیا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلَّذِیْنَ: موصول اپنے صلہ سے مل کر بَشِّرْ کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُهٗ: "اَنَّ لَهُمْ جنّٰت تَجْرِیْ" مشابہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تجری من تحتها الْاَنْهٰرُ، جنّٰتٌ کی صفت اول اور كُلَّمَا رُزِقُوْا صفت ثانی اور لَهُمْ فِيهَا صفت ثالث اور هم فيه خٰلِدُوْن صفت رابع ہے۔

قَوْلُهٗ: بهذا مثلا تمیزٌ لفظ تمیز کے اضافہ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ مثلاً تمیز ہے حال نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے مثلاً کو حال قرار دیا، حالانکہ حال قرار دینا ضعیف ہے، ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اسم جامد کے حال واقع ہونے میں اختلاف ہے لہٰذا مثلاً کا حال واقع ہونا مختلف فیہ ہے اور اسم جامد کے تمیز واقع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا مثلاً کو تمیز قرار دینا راجح ہے۔

قَوْلُهٗ: بهذا مثلا، مفسر علام نے بِهٰذَا مثلا کی تفسیر بهذا المثل سے کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ تمیز میں اصل یہ ہے کہ نسبت سے واقع ہو اور هٰذا مثلا میں نسبت نہیں ہے لہٰذا مثلا کا تمیز واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: هذا مثلا، هذا المثل کے معنی میں ہے جس کے اندر نسبت موجود ہے لہٰذا مثلاً کا تمیز واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُهٗ: مَا، استفهام انکارٍ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مَاذَا اراد اللّٰهُ بِهٰذا مَثَلًا، میں مثال بیان کرنے کی حکمت معلوم کی گئی ہے اور کسی قول و فعل کی حکمت معلوم کرنا مذموم نہیں، حالانکہ یہاں مذموم قرار دیا گیا ہے۔

جَوَاب: یہ استفہام حکمت معلوم کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ انکار اور نفی کے طور پر تھا، اسی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

قَوْلُهٗ: مبتداء اس کا مقصد سیبویہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے اور وہ یہ ہے کہ مَا، مبتداء ہے اور ذا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، نہ یہ کہ ذا، مبتداء مؤخر اور ما، خبر مقدم، وجہ ترجیح یہ ہے کہ سیبویہ کی ترکیب قاعدہ معروفہ کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ مبتداء مقدم اور خبر مؤخر ہوا کرتی ہے۔

قَوْلُهٗ: الخارِجین عن طَاعَتِه: یہ الفٰسقین کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں فاسق سے فاسق کامل مراد ہے اور وہ مشرک اور کافر ہے نہ کہ مومن فاسق مطلب یہ کہ یہاں فسق کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی

اور شرعی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ" میں منافق کو فاسق کہا گیا ہے حالانکہ منافق کلیۃ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: تو کیدہ عَلَیْہِمْ: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: "یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ" اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں عہد اور میثاق، اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اس کا ترجمہ ہوگا، وہ اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اس کے عہد کے بعد، اور اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: میثـــاق: بمعنی تاکید اور پختگی ہے، یعنی وہ اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور یہ معنی درست ہیں۔

قِوْلَہٗ: من الایمان بالنبی ﷺ، یہ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ، میں مَا، کا بیان ہے، یعنی وہ لوگ اس کو قطع کرتے ہیں جس کو متصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ایمان بالرسول اور صلہ رحمی ہے۔

قِوْلَہٗ: وان یُوْصَلَ بدل من ضمیر به، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: اَنْ یُّوْصَلَ بِهٖ کی ضمیر سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے نہ کہ مَا، سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① المجاز المرسل فی قوله تعالیٰ: "تجری من تحتها الانْهَارُ" والعلاقة المحلية، هذا اذا كان النهر مجرى الماء.

② التشبيه البليغ فی قوله، "هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ" سمّى بليغا لانّ اداة التشبيه فيه محذوفة، فتساوى طرفا التشبيه فی المرتبة.

③ الاستعارة المكنية: وذلك فی قوله تعالیٰ "يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ" فقدشبّه العهد بالحبل المبرم، ثم حذف المشبه به ورمز اليه بشئ من خصائصه اولوازمِهٖ، وهو النقض، لأنّه احدى حالتى الحبل وهما النقض والابرام.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط آیات:

سابقہ آیت میں منکرین اور ان کے عذاب کا ذکر تھا، اس آیت میں ماننے والوں کے لئے خوشخبری مذکور ہے جنت اور حوران جنت وغیرہ کی بشارت ہے۔

ایمان وعمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

یہاں مومنین کی بشارت کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگائی ہے کہ ایمان بغیر عملِ صالح کے انسان کو اس بشارت کا مستحق قرار نہیں دیتا، اگرچہ صرف ایمان بھی جہنم میں خلود ودوام سے بچانے کا سبب ہے اور مومن خواہ کتنا بھی گنہگار ہو کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکالا جائے گا، اور داخل جنت کیا جائے گا، مگر عذاب جہنم سے کلیۃً اور ابتداء نجات کا مستحق بغیر عمل صالح کے نہیں ہوگا۔

قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عمل صالح ایمان کے بغیر ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر عمل صالح کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں، مگر عمل صالح عند اللہ وہی معتبر ہے جو سنت کی مطابق ہو اور خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے، جو عمل خلاف سنت ہو یا نمود ونمائش کے لئے کیا ہو وہ عند اللہ مردود ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا: مشابہت کا مطلب یا تو جنت کے تمام پھلوں کا آپس میں باہم ہمشکل ہونا ہے یا مشابہت سے مراد دنیا کے پھلوں سے مشابہت مراد ہے، مگر یہ مشابہت صرف شکل اور نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے پھلوں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے پھلوں اور میووں کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے، جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث شریف میں ہے: "مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سمعت ولا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ" (صحیح بخاری تفسیر الم السجدة) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا۔

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشابہت کی مصلحت:

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشاکلت صرف اس لئے ہوگی کہ وہ جنتی پھلوں سے نامانوس نہ ہوں اور اجنبیت محسوس نہ کریں البتہ لذت میں وہ ان سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہوں گے، دیکھنے میں مثلاً آم، انار، سیب، سنترے ہی ہوں گے اہل جنت دیکھ کر ہی پہچان لیں گے کہ یہ آم ہے اور یہ انار ہے اور یہ سنترا ہے، مگر مزے میں دنیا کے پھلوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ: ازواج، زَوْج کی جمع ہے، زوج کے معنی جوڑے کے ہیں اور اس لفظ کا استعمال بیوی اور شوہر دونوں کے لئے ہوتا ہے بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے زوج ہے۔ بیوی اور شوہر روحانی اخلاقی اور جسمانی ہر قسم کی گندگیوں اور آلائشوں اور آلودگیوں سے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں گے۔

مُطَهَّرَةٌ مِنَ القذرِ وَالاَذیٰ (ابن جریر عن ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا) قِيلَ مُطَهَّرَةٌ عَن مساوى الاخلاق.

(معالم)

فالمراد طَهَارَةُ اَبدَانِهِنَّ، وَطهارة اَزْوَاجِهِنَّ مِن جميع الخصائل الذميمة (کبیر) اِنَّ التطهير يُستعملُ

فی الاَجْسَامِ وَالأخلاق وَالاَفعَال (بیضاوی) ومن کل اذیً یکونُ من نِساءِ الدنیا فَطَهُرَ مع ذٰلِكَ باطِنُهَا مِنَ الاَخلاقِ السَّیِئة وَالصِفاتِ المذمومة. (ابن قیم) (تفسیر ماجدی)

نام نہاد روشن خیال اور جنت کی نعمتیں:

بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کردیا اور اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر عجیب توڑ مروڑ کر کی ہے، گویا کہ بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت وراحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم وندامت کی بات ہے، اگر نفس جنت کے وجود ہی سے انکار ہے، تب تو بات ہی اور ہے ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا، لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے اعتبار سے صحیح ہیں اور نہ عقل کے اعتبار سے جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہے، یا پھر یہ ہے کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے، اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے نہیں بلکہ یہ رہبانیت اور مسیحیت سے وابستہ ہے اور مسیحیت اور رہبانیت بھی وہ نہیں جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی ہے، بلکہ وہ جو پولوس کی پھیلائی ہوئی ہے، اس قسم کا عقیدہ اور نظریہ پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے اور جنت میں عمل زوجیت کا مقصد بقائے نوع یا افزائش نسل نہ ہوگا، بلکہ غذا کی طرح نفس لذت مقصود ہوگی۔

وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ: یہ جنت کی انتہائی عظیم نعمت کا ذکر ہے، خلود کے معنی ہمیشگی اور ایسی حالت میں رہنے کے ہیں کہ جن میں کبھی تغیر اور خرابی پیدا نہ ہو اور جب اس کا ذکر دوزخ وجنت کے سیاق وسباق میں آئے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اہل جنت ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے، اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا، اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے جو فریق جس حالت میں ہے اسی میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، صحیح مسلم کتاب الجنة)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِیٓ: (الآیة) ممکن ہے کہ یہ لفظ خود معترضین نے استعمال کیا ہو کہ یہ کیسا محمد ﷺ کا خدا ہے کہ جو ایسی حقیر چیزوں کی مثال پیش کرتے بھی نہیں شرماتا اور قرآن مجید نے مشاکلت کی رعایت سے اس لفظ کو دہرایا ہو۔

یجوز اَنْ تَقَعَ هذه العبارة فی کلام الکفرة فقالوا أما یستحیی رب محمد ﷺ ان یَضْرِبَ مثلا بالذبابِ وَالْعَنْکَبُوْتِ فجاءت علی سبیل المقابلة واطباقِ الجواب علی السوال. (کشاف، ماجدی)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعتراض کے دفعیہ کے طور پر خدا ہی کا کلام ہو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر توضیح مدعا کے لئے بڑی اور عظیم مخلوق کا تذکرہ آیا ہے اور چھوٹی اور حقیر شئ کا بھی، قرآن مجید میں، جہاں ایک طرف ارض وسماء، اور شمس وقمر کا

تذکرہ ہے تو دوسری طرف مکھی، مچھر اور چیونٹی اور مکڑی کا ذکر ہے اس تمثیلی تذکرہ پر بعض کم فہموں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ کیسا خدائی کلام ہے؟ دعویٰ تو خدائی کا اور تذکرہ حقیر چیزوں کا حالانکہ، کلام الملوك ملوك الكلام کے قاعدہ سے اس میں حقیر اور ذلیل چیزوں کا تذکرہ ہونا ہی نہیں چاہئے۔

تمثیل کا مقصد:

تمثیل کا مقصد اور غرض و غایت ممثل لہٗ کی وضاحت اور اس کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے لہٰذا یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے اسی کو بہتر کہا جائے گا مثال میں پیش کی جانے والی چیز خواہ کیسی ہی حقیر کیوں نہ ہو، مچھر بظاہر ایک بہت ہی حقیر اور بے وقعت سی مخلوق ہے اب جہاں کسی شئی کی بے وقعتی بیان کرنی ہے وہاں ظاہر ہے کہ مناسب اور موزوں مثال مچھر ہی کی ہوگی، اس پر اعتراض سفاہت و حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

فَمَا فَوْقَهَا: یعنی مچھر سے بڑھ کر خواہ جسم وجثہ میں یا صغر وحقارت میں (دونوں معنوں کی گنجائش ہے) اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت ومشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔

''فسق'' اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج ہے یعنی کفر، جیسا کہ آئندہ آیت سے واضح ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ: (الآیة) مفسرین نے عہد کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ مخلوق کو کی ہے، دوسرا وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان کے آجانے کے بعد تمہارے لئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا، تیسرے وہ عہد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' نقض عہد کا مطلب عہد کی پرواہ نہ کرنا ہے۔ (ابن کثیر)

بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرامین جاری کرتا ہے، اسے عربی کے محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہیں یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی کرنے پر مامور ہے (مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ) (یعنی مضبوط عہد باندھ لینے کے باوجود) سے اشارہ اس طرف ہے کہ: آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔

وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ: یعنی جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماعی وانفرادی فلاح کا انحصار ہے اور جنہیں درست رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر لوگ تیشہ چلاتے ہیں اس مختصر سے جملہ میں اس قدر وسعت ہے کہ انسانی تمدن واخلاق کی پوری دنیا پر جو دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر عالمگیر بین الاقوامی تعلقات تک پھیلی ہوئی ہے صرف یہی ایک جملہ حاوی ہو جاتا

ہے روابط کو کاٹنے سے مراد محض تعلقات انسانی کا انقطاع نہیں ہے بلکہ تعلقات کی تصحیح اور جائز صورتوں کے سوا جو صورتیں بھی اختیار کی جائیں گی وہ سب اسی ذیل میں آجائیں گی، کیونکہ ناجائز اور غلط روابط کا انجام وہی ہے جو انقطاع روابط کا ہے یعنی بین الانسانی تعلقات کی خرابی اور نظام اخلاق وتمدن کی بربادی۔

آیت کے وسعت مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں یعنی وہ تمام فرائض جو ہر انسان پر خالق اور مخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ (ابن جریر عن ابن عباس)

اُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: اس نقصان میں دنیا کا خسارہ اور آخرت کا خسارہ دونوں داخل ہیں، دنیا میں تو اس لئے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون واطمینان رخصت ہوجاتا ہے اور آخرت میں اس لئے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محروم رہے گا۔ **مَغْبُونونَ بذهاب الدنيا والآخرة.** (ابن عباس)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يا اهلَ مكةَ **بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا** نُطَفًا في الاصلاب **فَاَحْيَاكُمْ** في الارحام والدُّنيا بنفخ الرُّوحِ فيكم والاستفهام للتعجب من كفرهم مع قيام البرهان والتوبيخ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عند انتهاء اٰجالكم **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** بالبعث **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۲۸﴾ تُرَدُّون بعد البعث فيجازيكم باعمالكم وقال تعالى دليلاً على البعث لَمّا انكروه **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ** اي الارض وما فيها **جَمِيْعًا** لتنتفعوا به وتعتبروا **ثُمَّ اسْتَوٰٓى** بعد خلق الارض اي قصد **اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ** الضمير يرجع الى السماء لانها في معنى الجمع الائلة اليه اي صيّرها كما في اٰية اخرى فقضاهنّ **سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۲۹﴾ مجملاً ومفصلاً افلا تعتبرونَ اَنّ القادرَ على خلق ذٰلك ابتداءً وهو اَعظمُ منكم قادرٌ على اِعادتكم.

ع ۳/۹

ترجمہ: اے مکہ والو! تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیوں اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ تم پشتوں میں بے جان نطفے تھے، اس نے ماؤں کے رحموں میں اور دنیا میں تمہارے اندر روح پھونک کر تم کو زندگی بخشی، اور استفہام ان کے کفر پر اظہار تعجب کے لئے ہے اور توبیخ کے لئے ہے، قیام دلیل کے باوجود پھر وہ تم کو موت دے گا، تمہاری مدت حیات ختم ہونے کے وقت پھر تم کو وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر زندہ ہونے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، سو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، چنانچہ جب انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل کے طور پر فرمایا، وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ تم اس سے استفادہ کرو اور عبرت حاصل کرو پھر (یعنی) زمین پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور سات آسمان استوار کئے، هُنَّ، کی ضمیر السَّمَاء کی طرف راجع ہے اس لئے کہ اَلسَّمَاء مایؤل کے اعتبار سے جمع کے معنی میں ہے (سَوّٰهُنَّ) معنی میں صَیَّرَهَا، کے ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ہے اور وہ ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھنے والا

ہے کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ جو ذات ان (مذکورہ) چیزوں کے ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے جو تم سے عظیم تر ہے تمہارے دوبارہ پیدا کرنے پر (بطریق اولیٰ) قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہ: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يا أهل مكة ، كَيْفَ ، حرف استفہام ہے حالت سے سوال کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر قرآن میں زیادہ تر انکار اور جرأت پر اظہار تعجب کے لئے مستعمل ہے۔

قِوْلَہ: وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا : واوٴ حالیہ ہے اور كنتم امواتًا ، تكفرون کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام نے قَدْ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: ماضی کا بغیر قد کے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: قد کا لفظوں میں ہونا ضروری نہیں ہے اگر قد مقدر ہو، تب بھی ماضی حال واقع ہو سکتی ہے، یہاں قد مقدر ہے جیسا کہ مفسر علام نے قد مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

دوسرا جواب: بغیر قد کی تقدیر کے بھی حال بننا درست ہے اس لئے کہ حال محض كنتم امواتًا ہی نہیں ہے بلکہ مابعد، ترجعون، تک جملہ ہو کر حال ہے، کما جزم صاحب الکشاف، گویا کہ یوں کہا: كيف تكفرون؟ وقصتكم هذه.

(فتح القدير)

قِوْلَہ: نُطَفًا فِي الْاَصْلَابِ ، اى اصلاب الرجالِ ، نُطَف نُطْفَةٌ، کی جمع ہے صاف پانی، تھوڑا پانی، ٹپکنے والی چیز یہاں مرد کا نطفہ منی مراد ہے۔

قِوْلَہ: فَاَحْيَاكُمْ، یہ محذوف پر مرتب ہے تقدیری عبارت ہے: "وَكُنْتُمْ عَلَقَةً فمضغةً فَاَحْيَاكم" اس تقدیر کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ نطفہ کے فوراً بعد حیات عطا نہیں ہوتی، بلکہ رحم مادر میں ۱۲۰، ایام میں مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد حیات عطا ہوتی ہے۔

قِوْلَہ: فِي الأرحام ، وفي الدنيا بنفخ الروح، ظرفیت کا تعلق صرف اَرحام سے ہے، بنفخ الروح میں باءِ سببیہ ہے یعنی اعطاء حیات رحم مادر میں نفخ روح کے سبب سے ہوتی ہے غالباً دنیا کا ذکر حیات رحم اور حیات دنیا میں فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں زندگیوں میں نوعیت کا فرق ہے۔ (ترويح الارواح)

قِوْلَہ: وَالاستفهام للتعجب من كفرهم: یعنی اتنے سارے انعامات کے باوجود کفر و انکار پر جرأت کرنا باعثِ حیرت و تعجب ہے، یا پھر استفہام توبیخ کے لئے ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے کہ معروف معنی میں تعجب مراد نہیں ہے، اس لئے کہ معروف معنی میں تعجب اسباب کے مخفی ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور یہ معنی خدا تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں، اس

لئے کہ باری تعالیٰ سے کسی بھی شئی کے اسباب مخفی نہیں ہیں۔

قِوْلَہٗ: لانها فی معنی الجمع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالْ: ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ، میں ھُنَّ کی ضمیر اَلسَّماء کی طرف راجع ہے اور السَّماء مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے، لہٰذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابْ: السَّماء مایؤل کے اعتبار سے جمع ہے اس لئے کہ استویٰ کے بعد سات آسمان ہونے والے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دحوِ ارض کے بعد سات آسمان بنائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ السَّماء میں الف لام جنس کا ہے لہٰذا جمع پر اطلاق درست ہے۔

تَفْسِیْر وتَشْرِیْح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں خدا کے وجود، توحید و رسالت کے دلائل واضحہ اور منکرین و مخالفین کے خیالات باطلہ کا رد مذکور تھا، ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر کر کے اس بات پر اظہار تعجب کیا ہے کہ اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے یہ بظاہر کیسے کفر و انکار کی جرأت کرتا ہے؟ نیز اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تو کم از کم محسن کا احسان ماننا اس کی تعظیم اور اطاعت کرنا تو ہر شریف انسان کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے حتی کہ ایک بے عقل جانور بھی اپنے محسن کا، احسان مند اور مشکور ہوتا ہے، مگر یہ انسان عقل و فہم کا مدعی ہونے کے باوجود اپنے محسن حقیقی کی احسان فراموشی کی جرأت کیسے کرتا ہے!

تخلیقِ انسان کی سرگذشت کے ادوار:

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کی سرگذشت بیان فرمائی ہے، اور فرمایا کہ ابتداء میں انسان عدم محض تھا، پھر موجود ہوا پھر معدوم ہوگا، پھر مکرر زندہ ہو کر خدا کے سامنے جوابدہی کرے گا، یہ ہے انسان کی پیدائش کی سرگذشت اور مبداء و منتہٰی۔

مذکورہ آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے، پہلی موت سے مراد عدم مطلق ہے اور پہلی زندگی بطن مادر سے نکلنے کے بعد موت سے ہم کنار ہونے کے وقت تک ہے دنیوی مدت حیات پوری ہونے کے بعد پھر موت آئے گی، اس کے بعد آخرت کی زندگی کا آغاز ہوگا، جس زندگی کا منکرین قیامت انکار کرتے ہیں وہ یہی ہے، شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے

کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی ہی کا حصہ ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ برزخی زندگی حیاتِ آخرت کا مقدمہ اور دنیوی زندگی کا تتمہ ہے، یعنی دونوں زندگیوں کے درمیان ایک واسطہ ہے، گو اس کا تعلق عالم آخرت کے مقابلہ میں عالم دنیا سے زیادہ ہے۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ: یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ تمہارے بے جان ذرات کو حیات بخشی وہ اس عالم میں تمہاری عمر کا وقت پورا ہونے کے بعد تمہاری اس حیاتِ مستعار کو سلب کر لے گا، پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں اسی طرح تمہارے جسم بے جان اور منتشر ذرات کو جمع کر کے تمہیں زندہ کرے گا اسی طرح ایک مدت یعنی حالت عدم ابتداء میں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو حیات بخشی یعنی تم عدم سے وجود میں آئے، دوسری موت دنیوی زندگی پوری ہونے کے بعد تمہارے اوپر طاری ہوتی ہے، اور پھر دوسری زندگی قیامت کے روز عطا ہوگی۔ (معارف ملخصًا)

پہلی موت اور زندگی کے درمیان چونکہ کوئی فاصلہ نہیں تھا، اس لئے اس میں حرف فاء استعمال کیا گیا یعنی فَاَحْيَاكُمْ، اور چونکہ دنیا کی موت وحیات کے درمیان اور اسی طرح اس موت اور بروز قیامت زندگی کے درمیان فاصلہ ہے، اس لئے لفظ ثم اختیار کیا گیا، یعنی ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ، اس لئے کہ لفظ ثُمَّ بعد مدت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سُؤال: اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے مگر عالم برزخ (عالم قبر) کی زندگی کا ذکر نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوابُ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی نہ تو اس دنیوی زندگی کی طرح مستقل زندگی ہے اور نہ آخرت کی زندگی کے مانند مستقل زندگی ہے، بلکہ مثل خواب، موت وحیات کے مانند ایک درمیانی کیفیت ہے، اس کو دنیوی زندگی کا تکملہ اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی کہا جا سکتا ہے یہ چونکہ کوئی مستقل زندگی نہیں کہ اس کا مستقل ذکر کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت میں برزخی زندگی کا مستقل ذکر نہیں ہے۔

عالمِ برزخ:

لغت میں برزخ کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک، سورۂ الرحمٰن، آیت: ۱۲۰، اور سورۃ الفرقان آیت ۵۲، میں شیریں اور شور دریاؤں کے درمیان کے حجاب کو برزخ کہا گیا ہے اور اصطلاح شریعت میں موت سے حشر تک کی مدت کا نام ہے سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۰ میں برزخ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

عالم برزخ کو عالم قبر اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں قبر صرف مٹی کے گڑھے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عالم ہے، مرنے کے بعد ہر شخص اس عالم میں پہنچ جاتا ہے مرنے کے بعد اس عالم میں پہنچنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خواہ مرنے کے بعد قبر میں دفن کیا جائے، یا نہ کیا جائے، اس لئے کہ مر کر انسان ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ انتقال مکانی کرتا ہے یعنی اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے اور یہ انتقال مکانی روحانی طور پر ہوتا ہے جسم تو اسی دنیا میں گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے یا جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ کو اگر تمثیلاً گہری نیند سے تعبیر کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، نیند کو اخوالموت کہا جاتا ہے، جس طرح نیند موت اور زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے، اسی طرح عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان عالم برزخ بھی ایک واسطہ ہے۔
عالم دنیا اور عالم آخرت تو حقیقۃً موجود فی الخارج ہے اور ان کی جزاء وسزا بھی حقیقی اور خارجی ہے، بخلاف عالم برزخ کے کہ وہ مثالی عالم ہے، جو موجود فی الخارج نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی جزاء وسزا بھی موجود فی الخارج نہیں ہوتی، بلکہ تمثیلی ہوتی ہے جیسا کہ سونے والا شخص خواب میں تکلیف دہ اور راحت رساں خیالی واقعات دیکھتا ہے اور ان واقعات سے رنج وراحت محسوس بھی کرتا ہے اور خواب میں پیش آنے والے واقعات کو واقعی اور حقیقی سمجھتا ہے، حالانکہ وہ واقعات نہ حقیقی ہوتے ہیں اور نہ واقعی اور نہ موجود فی الخارج خواب دیکھنے والا جب بیدار ہوتا ہے، تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا ورنہ تو وہ ان واقعات کو واقعی سمجھتا ہے۔

برزخی زندگی اور خواب میں فرق:

خواب اور برزخی زندگی میں فرق یہ ہے کہ خوابیدہ شخص جب بیدار ہو جاتا ہے، تو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج وراحت کا خیالی تصور جس کو وہ حقیقت اور موجود فی الخارج سمجھے ہوئے تھا، ختم ہو جاتا ہے، مگر عالم برزخ میں جن مثالی اور خیالی تکلیف دہ یا راحت رساں حالات میں مبتلا ہوگا وہ تا قیامت ختم نہ ہوں گے، اس لئے کہ برزخ میں کوئی شخص نفخہ ثانیہ سے پہلے بیدار ہونے والا نہیں ہے، نفخہ ثانیہ کے وقت مجرم: "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا" (سورۂ یٰسین) (ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟) کہتا ہوا اٹھے گا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں برزخیوں کی کیفیت مدت دراز تک (تا قیامت) سونیوالوں کی سی ہوگی، سونیوالے کے خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج وراحت کا تعلق سونیوالے کی روح سے ہوتا ہے نہ کہ جسد خاکی سے، یہی وجہ ہے کہ سونے والے کو خواب میں جو رنج وراحت کے واقعات پیش آتے ہیں ان کا اثر عام طور پر جسم پر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ پاس میں موجود لوگوں کو سونے والے کے رنج وراحت کا احساس ہوتا ہے۔

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے پوری طرح منقطع نہیں ہوتا:

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونے کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خواب میں پیش آنے والے واقعات کا اثر سونے والے کے جسم پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص خواب میں کسی خوفناک چیز کو دیکھتا ہے تو ڈر کر چیخ مار کر بیدار ہو جاتا ہے اور گھبرایا ہوا ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی مسرور کن واقعہ خواب میں دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر ہنسی اور مسکراہٹ کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ چھوٹا بچہ سونے کی حالت میں ہنستا اور کبھی روتا

محسوس ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ ڈرانے یا ہنسانے والے خواب دیکھ رہا ہے۔
اسی طرح مرنے کے بعد روح حیوانی (نسمہ) کا تدبیری تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر وہمی یعنی خیالی تعلق باقی رہتا ہے، جیسے ایک ٹیلیفون کا بے شمار ٹیلیفونوں سے بیک وقت تعلق قائم رہتا ہے، مگر جب کسی نمبر کو ڈائل کرتے ہیں، تو اس نمبر سے حقیقی رابطہ قائم ہو جاتا ہے، اس محسوس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ اگر جسم و روح کے درمیان حقیقی رابطہ منقطع ہو گیا ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ خیالی رابطہ بھی منقطع ہو جائے۔ (رحمة الله الواسعه ملخصًا)

عالم برزخ میں روح کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا اثر جسم پر بعض اوقات ظاہر ہو جاتا ہے

اسی طرح عالم برزخ میں جب مردہ کی روح کے ساتھ اچھا یا برا معاملہ ہوتا ہے، تو بعض اوقات ان واقعات کا اثر مردہ کے جسد خاکی پر ظاہر ہو جاتا ہے، بعض روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک قبر میں مردے کو عذاب ہونے کی اطلاع دی اور آپ نے ہری ٹہنی اس قبر پر گاڑ دی جس سے مردے کے عذاب میں تخفیف ہو گئی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتا۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ انسان دنیوی زندگی میں جو اچھے یا برے اعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان اعمال ہی کو تکلیف دہ یا راحت رساں چیزوں کی مثالی شکل میں متشکل کر دیتا ہے، جیسا کہ اچھے برے اعمال کا اچھی بری شکلوں میں متشکل ہونا روایات سے ثابت ہے چنانچہ ایک درندہ صفت ظالم شخص عالم برزخ میں دیکھتا ہے کہ اسے کوئی درندہ نوچ رہا ہے، اور بخیل آدمی جس نے مالی حقوق واجبہ ادا کرنے میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ اپنے مال کو سانپ، بچھو کی شکل میں اپنے اوپر مسلط دیکھتا ہے۔

عالم برزخ میں پوری جزاء یا سزا نہیں ہوگی:

عالم برزخ چونکہ عبوری اور عارضی وقفہ ہے ابھی مقدمہ عدالت خداوندی میں فیصل نہیں ہوا، اس کو باقاعدہ مجرم، یا جرم سے بری قرار نہیں دیا گیا اس لئے سزا یا جزاء کا معاملہ ابھی نہیں کیا جاتا دنیاوی قانون کی اصطلاح میں اس کو حوالات کا زمانہ کہا جاتا ہے، مگر ابتدائی انٹرویو سے مقدمہ کا رخ متعین ہو جاتا ہے، یہ انٹرویو (قبر) عالم برزخ میں منکر و نکیر لیتے ہیں جس

میں مختصر طور پر تین سوال ہوتے ہیں، ① مَنْ رَّبُّكَ؟ ② مَادِيْنُكَ؟ ③ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ؟ اگر مردہ ان سوالات کا جواب صحیح صحیح دیدیتا ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے: "نَمْ كَنَوْمَةِ العُروس" تو دُلہن کی طرح آرام سے سوجا اور اس کی طرف جنت کے دریچوں میں سے ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، جس کے ذریعہ جنت کی خوشبوئیں، ٹھنڈی ہوائیں اس تک پہنچتی رہتی ہیں، گویا کہ یہ اشارہ ہوتا ہے اس کی کامیابی کی طرف، اور اگر منکر ونکیر کے سوالوں کا جواب صحیح نہ دے گا بلکہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کی زبان سے: "هَـاء هَـاء لاادری" نکلا تو اس کی طرف جہنم کے دریچوں میں سے ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، پوری سزا مقدمہ فیصل ہونے کے بعد ہوگی۔

فائدہ: عالم برزخ میں منکر ونکیر کے سوالوں اور مردے کے جوابوں اور اس کے نتیجے سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل: یہ کہ برزخی زندگی سونے والے کی حالت کے مانند ہے، اس لئے کہ فرشتے انٹرویو میں کامیاب ہونے والے شخص سے کہیں گے: "نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ" تو دلہن کے مانند سوجا یعنی اب تجھ کو قیامت تک کوئی اٹھانے والا نہیں، اس حدیث میں برزخی زندگی کو نائم کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کی تائید روز قیامت اٹھائے جانے والے مجرم کے مقولہ: "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا" سے ہوتی ہے۔

دوم: دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عالم برزخ کامل مجازات کی جگہ نہیں ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں جنت کی یا دوزخ کی جانب سے دریچہ کھولنے کا ذکر ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالم برزخ کا آخرت سے بہت خفیف اور معمولی تعلق ہے، اس لئے کہ عالم برزخ کوئی مستقل عالم نہیں ہے بلکہ دو عالم کے درمیان حد فاصل ہے، جس طرح کہ دھوپ اور چھاؤں دو مستقل چیزیں ہیں اور جہاں دھوپ اور چھاؤں کا التقاء ہوتا ہے، وہ جگہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے دونوں کے اثرات وہاں ظاہر ہوتے ہیں، مگر چونکہ عالم برزخ عالم دنیا کا تتمہ اور ضمیمہ ہے، اس لئے یہ عالم، عالم دنیا سے قریب ہوتا ہے اور برزخ میں عالم آخرت کے اثرات بہت خفیف ظاہر ہوتے ہیں، اسی کو حدیث شریف میں کھڑکی کھولنے سے تعبیر کیا گیا ہے، واللہ اعلم بالصواب (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ جلد اول از حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)۔

نوٹ: بنیادی فکر حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے، الفاظ اور تعبیر مع اضافہ احقر کی طرف سے ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا: سابقہ آیات میں انسان کی ذات سے متعلق انعامات واحسانات ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں جو انسان کی بقا اور اس کے آرام وراحت کے لئے ضروری ہے، یعنی تم کو پیدا کیا، جو کہ تمام نعمتوں کی اصل ہے، پھر تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں، اس کے بعد متعدد آسمان بنائے، جن میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا، ثُمَّ، کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے اور سورۃ النازعات میں جو یہ ارشاد ہیں: "وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا" یعنی زمین کو آسمان کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا،

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس سے پیداوار نکالنے کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے اگرچہ اصل زمین کے مادہ کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

(بحر محیط)

آسمانوں کے سات ہونے پر کلام:

عام انسانوں کو تو آسمان ایک ہی نظر آتا ہے، قرآن کریم میں سات کا ذکر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں سبع سمٰوٰت صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور فلاسفہ نو آسمان ثابت کرتے ہیں علماء اسلام کے قدیم فلاسفہ نے آسمانوں کو سات کہا اور باقی دو عرش و کرسی سے ثابت کئے، سات آسمان بالکل حق ہیں اور طبقہ بطبقہ ہیں قرآن کوئی سائنس یا فلکیات کی کتاب نہیں کہ اس میں خواہ مخواہ سائنس کے جدید یا قدیم نظریات سے مطابقت کی کوشش کی جائے، قرآن کے نزول کا مقصد سائنسی علوم کی تعلیم نہیں بلکہ انسانیت اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں کی تعلیم دینا ہے، سائنسی نظریات میں قرار نہیں ہے، جو چیز کل تک مسلم اور صد فی صد درست تسلیم کی جاتی تھی، وہ آج صد فی صد غلط اور غیر مسلم مانی جاتی ہے، ہزار ہا سال سے یہی طریقہ رہا ہے، بعد کا نظریہ ہر سابقہ مسلم نظریہ کی تردید کرتا ہے، لہٰذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ موجودہ سائنسی نظریہ کی آئندہ تردید نہیں کی جائے گی، قرون ماضیہ میں جن مذہبی لوگوں نے آسمانی کتابوں کو اس دور کے سائنسی نظریات کو مسلم سمجھ کر ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی غالباً ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اس دور کے سائنسی مسلمات سے آسمانی کتابوں کو ہم آہنگ کرنے سے آسمانی کتابوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا مگر جب تحقیق جدید نے ان سائنسی نظریات کو غلط ثابت کر دیا جس کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں معرکہ برپا ہو گیا، ابتداء میں مذہبی طبقہ غالب رہا جس کے وجہ سے بڑے بڑے سائنس دانوں کو نظر آتش کر دیا گیا، لیکن جب سائنس جدید کو فروغ حاصل ہوا اور ان ہی نظریات کو مسلم سمجھا جانے لگا، تو مذہب کو سائنس جدید کے مقابلہ میں پس پا ہونا پڑا اور اس معرکہ آرائی میں مذہب کو شکستِ فاش ہوئی جس کی وجہ سے یورپ لا مذہب (دہریہ) ہو گیا۔

علیم و خبیر خالق کائنات کا علم قطعی اور بے ریب ہے اور مخلوق کا علم ظن و تخمین پر مبنی ہے جو ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا، قرآن سائنسی نظریات کے تابع نہیں ہے اگر سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے نظریہ کے مطابق ہو جائے، تو ہو جائے، مطابق کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے۔

(تفسیر الجواهر، طنطاوی، حذف و اضافه کے ساتھ)

وَ اذکُر یا محمد ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ یَخْلُفُنِی فی تنفیذِ احکامِی فیها وَهُوَ اٰدَمُ ﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا﴾ بالمعاصی ﴿وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ یُرِیقُها بالقَتلِ کما فَعَلَ بنو الجان و کانُوا فیها فلمّا افْسَدُوا اَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَیهِم المَلٰئکةَ فطَرَدُوهُم الی الجزائرِ والجبالِ ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ﴾ مُتلبِّسِینَ ﴿بِحَمْدِكَ﴾ ای

نقول سبحان الله وبحمده **وَنُقَدِّسُ لَكَ** ننزهك عما لا يليق بك فاللام زائدة والجملة حال اي فنحن احق بالاستخلاف **قَالَ** تعالى **اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۳۰﴾** من المصلحة في استخلاف ادم وان ذريته منهم المطيع والعاصي فيظهر العدل بينهم فقالوا لن يخلق ربنا خلقا اكرم عليه منا ولا اعلم لسبقنا له ورؤيتنا ما لم يره فخلق تعالى ادم من اديم الارض اي وجهها بان قبض منها قبضة من جميع الوانها وعجنت بالمياه المختلفة وسواه ونفخ فيه الروح فصار حيوانا حساسا بعد ان كان جمادا **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ** اي اسماء المسميات **كُلَّهَا** حتى القصعة والقصيعة والفسوة والفسية والمغرفة بان القى في قلبه علمها **ثُمَّ عَرَضَهُمْ** اي المسميات وفيه تغليب العقلاء **عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ** لهم تبكيتا **اَنْۢبِئُوْنِيْ** اخبروني **بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ** المسميات **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۳۱﴾** في اني لا اخلق اعلم منكم او انكم احق بالخلافة وجواب الشرط دل عليه ما قبله **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تنزيها لك عن الاعتراض عليك **لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا** اياه **اِنَّكَ اَنْتَ** تاكيد للكاف **الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴿۳۲﴾** الذي لا يخرج شيء عن علمه وحكمته **قَالَ** تعالى **يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ** اي الملائكة **بِاَسْمَآئِهِمْ** اي المسميات فسمى كل شيء باسمه وذكر حكمته التي خلق لها **فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ** تعالى لهم موبخا **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ما غاب فيهما **وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تظهرون من قولكم اتجعل فيها الخ **وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴿۳۳﴾** تسرون من قولكم لن يخلق ربنا خلقا اكرم عليه منا ولا اعلم.

ترجمہ: اے محمد ﷺ! اس وقت کو یاد کرو، جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین میں ایک نائب بناؤں گا، جو زمین میں میرے احکام نافذ کرنے میں میری نیابت کرے گا اور وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، تو فرشتوں نے عرض کیا، کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو مقرر فرمائیں گے جو زمین میں معاصی کے ذریعہ خون خرابہ کرے گا؟ یعنی قتل کے ذریعہ خون ریزی کرے گا، جیسا کہ جنات نے کیا اور وہ زمین میں پہلے سے (مقیم) تھے، چنانچہ جب انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا تو فرشتوں نے ان کو جزیروں اور پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا، اور ہم آپ کی حمد و ثنا تو کرہی رہے ہیں یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ کہہ رہے ہیں اور ان چیزوں سے جو تیری شایان شان نہیں ہیں تیری پاکی بیان کررہے ہیں (لک) میں لام زائد ہے اور جملہ حال ہے اور خلافت کے ہم زیادہ مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب بنانے میں جو مصلحت ہے، میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، (اور وہ یہ) کہ اس کی اولاد میں فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی، تو ان میں عدل کا ظہور ہوگا، تو فرشتوں نے عرض کیا ہمارا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہ کرے گا، جو اس کے نزدیک ہم سے افضل ہو اور نہ ایسی کہ جو ہم سے اعلم (زیادہ جاننے والی) ہو، اس وجہ سے کہ ہم کو حق سبقت حاصل ہے اور اس وجہ سے کہ جو ہم نے دیکھا ہے وہ کسی نے نہیں دیکھا، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین کی مٹی سے پیدا فرمایا یعنی سطح زمین (کی مٹی)

سے اس طریقہ سے کہ زمین سے ہر رنگ کی ایک مٹھی مٹی لی اور اس کو مختلف پانیوں سے گوندھا اور اس میں روح پھونک دی تو وہ ایک حساس (شئ) بن گیا، بعد اس کے کہ وہ جماد (بے جان) تھی، اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، حتی کہ پیالہ، پیالی، اور پاد اور پھسکی اور ڈوئی بایں طور کہ آدم کے قلب پر ان کا علم القاء فرمایا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش فرمایا، ھم میں مذکر کی ضمیر لانے کی وجہ ذوی العقول کو غلبہ دینا ہے اور فرمایا کہ تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس (مشورہ) میں سچے ہو کہ میں تم سے زیادہ جاننے والے کو پیدا نہ کرونگا، یا تم اس دعوے پر حق پر ہو کہ نیابت کے تم زیادہ حق دار ہو (تو تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ) اور جواب شرط پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں، (یعنی) آپ تو اعتراض (نقص) سے پاک ہیں ہمیں کچھ علم نہیں مگر اتنا ہی جتنا آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ ہی (انت ضمیر) کاف خطاب کی تاکید کے لئے ہے، علم وحکمت والے ہیں کہ آپ کے علم وحکمت سے کوئی شئ خارج نہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام، چنانچہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ہر چیز کا نام بتادیا اور ان کی حکمت اور خواص بیان کر دیئے جس کے لئے وہ چیزیں پیدا کی گئی تھیں جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو چیزوں کے نام بتادیئے تو حق تعالیٰ نے توبیخ فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جوان میں فرشتوں سے مخفی ہیں اور اس کو بھی جانتا ہوں جو تم اپنے قول اتجعل فیھا من یفسد الخ سے ظاہر کرتے ہو، اور جو بات تم چھپاتے ہو، یعنی اپنے قول "لن یخلق ربنا خلقا اکرم علیه منا ولا اعلم" کو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ، واؤ، استینافیہ ہے، اذ، اُذْكُرْ، فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، قرآن میں مذکور قصوں کے شروع میں یہی ترکیب اغلب ہے، زمخشری اور ابن عطیہ کا یہی قول مختار ہے اور ابوحیان نے کہا ہے کہ اذ قَالُوْا اتجعل، کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلَہُ: لِلْمَلَائِكَةِ: یہ مَلَكٌ کی جمع ہے، یہ اصل مَالَكٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا، مَلَكٌ یہ اَلُوكَة سے مشتق ہے، اُلُوكَة کے معنی ہیں پیغام بری، رسالت، فرشتے بھی خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔

قِوْلَہُ: مُتَلَبِّسِیْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ: بحمدك، نسبح کی ضمیر سے حال اور باء، ملابست کے لئے ہے۔

قِوْلَہُ: نُقَدِّسُ لَكَ، میں لام زائدہ برائے تاکید ہے، اس لئے کہ نقدس متعدی بنفسہ ہے۔

قِوْلَہُ: والجملة حال یعنی وَنَحْنُ نُسَبِّحُ، اتجعل کی ضمیر سے حال ہے اور نقدس کا عطف نُسَبِّحُ پر ہے معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، نحن، مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلَہٗ: والجملة حالٌ، کو ایک اعتراض کا جواب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

سُوَال: وَنُسَبِّحُ، کا اَتَجْعَلُ پر عطف درست نہیں ہے، اس لئے کہ: اَتَجْعَلُ جملہ انشائیہ ہے اور نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ۔

جَوَاب: وَنُسَبِّحُ کا عطف اَتَجْعَلُ پر نہیں ہے، بلکہ واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلَہٗ: نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: نُسَبِّحُ اور نُقَدِّسُ، دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ ہے۔

جَوَاب: دونوں کے معنی مختلف ہیں تسبیح کے معنی ہیں زبان سے تسبیح بیان کرنا اور تَقْدِیس کے معنی ہیں پاکی کا دل سے اعتقاد رکھنا۔

قَوْلَہٗ: وجواب الشرط دَلَّ علیه ما قبله، یعنی اِنْ کُنتم صٰدقین کا جواب شرط محذوف ہے اور دال علی الحذف، ماقبل یعنی انبئونی ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، اِنْ کُنتم صٰدقین انبئونی، اور سیبویہ کے نزدیک چونکہ جواب شرط کی تقدیم جائز ہے لہٰذا جواب شرط محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ ماقبل میں مذکور، أنبئونی، ہی جواب شرط ہوگا۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ (الآیة) اذ ظرف زمان ہے کسی گذشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ اِذا کسی واقعہ مستقبل پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے۔ (ابو سعود)

فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں جن کا مسکن آسمان ہے جو اوامر الٰہی کے بجالانے اور اس کی تقدیس و تحمید میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے اپنا وجود خارجی رکھتے ہیں محض صفات الٰہی یا قوائے طبعی کے مرادف نہیں ہیں عادۃ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں، گذشتہ رکوع میں رب کی بندگی کی دعوت اس بنیاد پر دی گئی تھی کہ وہ تمہارا خالق و پروردگار ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں تمہاری زندگی اور موت ہے اور جس کائنات میں تم رہتے ہو اس کا مالک اور مدبر بھی وہی ہے، لہٰذا اس کی بندگی کے سوا تمہارے لئے کوئی دوسرا طریقہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اب اس رکوع میں وہی دعوت اس بنیاد پر دی جارہی ہے، کہ اس دنیا میں تم کو خدا نے اپنا خلیفہ بنایا ہے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تمہارا فرض صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق کام کرو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے ازلی دشمن کے اشارہ پر چلے تو بدترین بغاوت کے مجرم ہوگے، اور بدترین انجام دیکھوگے۔

تاریخ آفرینش آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کا منصب:

اس سلسلے میں انسان کی حقیقت اور کائنات میں اس کی حیثیت ٹھیک ٹھیک بیان کردی گئی ہے اور نوع انسانی کی تاریخ کا وہ باب پیش کیا گیا ہے، جس کے معلوم ہونے کا دوسرا کوئی ذریعہ انسان کو میسر نہیں ہے اس باب سے ہم کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، یا جو ہم کو نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہ ان نتائج سے بہت زیادہ قیمتی ہیں جو زمین کی تہوں سے متفرق ہڈیاں نکال کر اور انہیں قیاس وتخمین سے ربط دے کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حتی کہ نسل انسانی کا جد اعلیٰ بندر کو قرار دے کر انسان کی توہین وتذلیل سے بھی نہیں چوکتے۔

خلیفہ:

خلیفہ کہتے ہیں اس کو جو کسی کی نیابت کرے خواہ اس لئے کہ وہ موجود نہیں یا اس لئے کہ وہ فوت ہو چکا ہے یا اس لئے کہ وہ معذور ہے اور خواہ اس لئے کہ اس سے مستخلف کی تعظیم ظاہر ہو۔

"الخلافة ، النيابة مِنَ الغير امّا لغيبَة المنوب عنه وامّا لموتهٖ وَاما لعجزه وَامّا لِتشريف المستخلف". (راغب، تفسیر ماجدی)

واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت ونیابت الٰہی پر نہیں رکھا ہے جاہلی مذاہب کا تو ذکر ہی کیا؟ خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت بھی اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہے، بائبل میں اس موقع پر صرف اس قدر ذکر ہے۔

بائبل میں تخلیق آدم کا ذکر:

"خداوند نے زمین پر پانی برسایا تھا، اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخارات اٹھتا تھا، اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا"۔

(پیدائش ۲، ۵، ۷، ماجدی)

گویا جس طرح دیگر حیوانات پیدا ہورہے تھے، ایک جاندار، آدم بھی پیدا ہوگیا، اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ زمین پر کھیتی کرے، کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان اور کہاں قرآن مجید کا باوجود نہایت اختصار کے انسان کے مرتبہ خلافت الٰہی پر پہنچا دینے والا بلند اور جامع اعلان۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (الآیۃ) فرشتوں کا یہ قول بطور اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا جیسا کہ بعض حضرات کا

خیال ہے، فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے، باغی فرشتوں کا تخیل تمام تر مسیحی ہے اور عجب نہیں کہ مسیحیوں کے ساتھ تعلقات قائم ہونے سے یہ خیال مسلمان علماء میں داخل ہو گیا ہو، فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفور نیازمندی، اقرار وفاداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے۔

"وقول الملائکة هذا لیس علی وجه الاعتراض علی الله ولا علی وجه الحسد لبنی آدم کما قد یتوهمه بعض المفسرین". (ابن کثیر)

اس موقع پر بہترین تقریر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں اور ان میں کوئی کوئی مفسد وسفاک بھی ہوگا، سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے، تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان ودل سے اس میں لگ جائیں گے، مگر جو مفسد اور ظالم ہوں گے ان سے کیا امید کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے، خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے، تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتایا بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کرکے اس کے لئے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے اور اپنے قدیم عملے سے اس کا اظہار کرے وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی وجہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لئے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح معلوم ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے، جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا، آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں، ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں، کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا اور اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر وانکار نہ ہوگا، فرشتوں کی عرض معروض بھی اسی طرح نیازمندی کے واسطے تھی۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

فرشتوں کی یہ ساری عرض ومعروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں بلکہ نیابت الٰہی وخلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کا بھی، اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سے باغی ونافرمان بھی پیدا ہوں گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جنات آباد تھے، ان کی سرشت وفطرت پر قیاس کرکے فرشتے انسانوں کے حق میں بھی یہی سمجھے، مفسر علام سیوطی نے اپنے قول "یُریقها بالقتل کما فعل بنو الجان" سے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اور معالم میں ہے: "کما فَعَلَ بنو الجان فقاسوا الشاهد علی الغائب". (معالم)

وانّهُمْ قاسُوْهُمْ علی مَنْ سبَقَ (ابن کثیر) اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے روح پھونکے جانے سے پہلے ملکوتی نظر سے آدم کے جسد خاکی کو دیکھا ہو جو عناصر اربعہ متضادہ سے مرکب تھا اور اسی سے اندازہ کر لیا ہو کہ نئی مخلوق بھی زمین میں شر وفساد بر

پا کرے گی، اور اس کو غیب نہیں کہتے یہ ایک شئ کا دوسری شئ پر قیاس اور نتیجہ کا اخذ ہے۔ (روح المعانی، ملخصًا)

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے، آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا بارش کے فرشتوں کو اندر دیوتا اور رزق رساں فرشتوں کو ان دیوتا علی ہذا القیاس قرار دیدیا، قرآن نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ الخ فرشتوں کی زبانی کہلوا کر ان کی عبدیت محض پر انہیں کی زبان سے مہر لگا دی، فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

فرشتہ اور دیوتا میں فرق:

دونوں کے تصور میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فرشتہ مکمل مخلوق اور عبد ہوتا ہے اللہ کے حکم سے موجودات کے کسی خاص شعبہ پر مامور ہوتا ہے، اس سے کسی غلط، لغزش یا خیانت کا احتمال نہیں ہوتا، اس کے برعکس دیوتا خود ایک مستقل بالذات و خود مختار وجود ہوتا ہے اور عبد نہیں بلکہ معبود ہوتا ہے۔ (ماجدی، ملخصًا)

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: فرشتوں کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق جس میں مفسد اور خون ریز تک ہوں گے، ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے ہوئے ان کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہوگی، تو بطور استفادہ یہ سوال کیا، اعتراض ہرگز نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اجمالی جواب:

فرشتوں کو سرِ دست بالاجمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت پر شبہ نہ کرتے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت و خاصیت اور نفع و نقصان کے تعلیم فرمایا اور یہ علم بلا واسطہ القاء فرمایا، اس لئے کہ کمال علمی کے بغیر خلافت اور دنیا پر حکومت ممکن نہیں ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، اَسْمَاء سے مراد اشخاص و مسمیات کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے القاء والہام کے ذریعہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سکھلایا تھا، اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہو تو اسم محض ایک آواز رہے گی، ذہن میں اس کا کوئی مفہوم ظاہر نہ ہوگا، علامہ راغب نے اسی مفہوم کو اس طرح بیان فرمایا ہیں: "اِنَّ معرفة الاسماء لا تحصل اِلَّا بمعرفة المسمّٰی وحصول صورته فی الضمیر" کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت کے اور ذہن میں اس تصویر کے ہو نہیں سکتی، پھر جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ ان کے نام بتاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا، جو فرشتے بیان نہ کر سکے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم واضح کر دی، دوسرے دنیا کا نظام چلانے کے لئے علم کی اہمیت

وفضیلت بیان فرمادی، جب یہ حکمت اور اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوگئی، تو انہوں نے اپنے قصور علم وفہم کا اعتراف کرلیا۔

وَ اذكر **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سجود تحية بالانحناء **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** هو ابو الجن كان بين الملئكة **اَبٰى** امتنع من السجود **وَاسْتَكْبَرَ** تكبر عنه وقال انا خير منه **وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** في علم الله تعالى **وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ** تاكيد للضمير المستتر ليعطف عليه **وَزَوْجُكَ** حواء بالمد وكان خلقها من ضلعه الايسر **الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا** اكلا **رَغَدًا** واسعا لا حجر فيه **حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** بالاكل منها وهي الحنطة او الكرم او غيرهما **فَتَكُوْنَا** فتصيرا **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** العاصين **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ** ابليس اذهبهما وفي قراءة فازالهما نحاهما **عَنْهَا** اي الجنة بان قال لهما هل ادلكما على شجرة الخلد وقاسمهما بالله انه لهما لمن الناصحين فاكلا منها **فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** من النعيم **وَقُلْنَا اهْبِطُوْا** الى الارض اي انتما بما اشتملتما عليه من ذريتكما **بَعْضُكُمْ** بعض الذرية **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** من ظلم بعضهم بعضا **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ** موضع قرار **وَّمَتَاعٌ** ما تتمتعون به من نباتها **اِلٰى حِيْنٍ** وقت انقضاء اجالكم **فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ** الهمه اياها وفي قراءة بنصب ادم ورفع كلمات اي جاءه وهي ربنا ظلمنا انفسنا الاية فدعا بها **فَتَابَ عَلَيْهِ** قبل توبته **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ** على عباده **الرَّحِيْمُ** بهم **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا** من الجنة **جَمِيْعًا** كرره ليعطف عليه **فَاِمَّا** فيه ادغام نون ان الشرطية في ما المزيدة **يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** كتاب ورسول **فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ** فامن بي وعمل بطاعتي **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** في الاخرة بان يدخلوا الجنة **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** كتبنا **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ماكثون ابدا لا يفنون ولا يخرجون.

ترجمہ: اور یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم کے طور پر جھک جاؤ سب جھک گئے مگر ابلیس نہ جھکا وہ جنوں کا جداعلیٰ ہے، یعنی سجدہ کرنے سے باز رہا، وہ فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا، اور سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں اور وہ اللہ کے علم میں منکرین میں سے تھا اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم (انت) ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ اس پر عطف کیا جا سکے اور تمہاری بیوی حوآء مد کے ساتھ اور اس کی تخلیق آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے تھی، جنت میں رہو، اور تم دونوں جو چیز جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ، یہاں کوئی پابندی نہیں، لیکن کھانے کے ارادہ سے تم دونوں اس درخت کے نزدیک (بھی) مت جانا، وہ گندم کا درخت تھا، یا انگور وغیرہ کا، ورنہ تم نافرمانوں میں شمار ہوگے، لیکن شیطان ابلیس نے اس درخت کی وجہ سے دونوں کو لغزش دیدی اور ایک قراءت میں فازالھما ہے یعنی ان دونوں کو جنت سے برطرف کرادیا، اس طریقہ سے کہ ابلیس نے ان دونوں سے کہا کیا میں تم کو (شجرۃ الخلد) یعنی ہمیشگی کا درخت

بتادوں؟ اور اللہ کی قسم کھا کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے چنانچہ دونوں نے اس درخت سے کچھ کھالیا، سو نکالدیا دونوں کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے ان سے کہہ دیا تم نیچے زمین پر اتر جاؤ یعنی تم دونوں مع اس ذریت کے جو تمہارے اندر موجود ہے، تمہاری ذریت بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور اس کی پیداوار سے ایک وقت تک نفع اٹھانا ہے یعنی تمہاری مدت عمر ختم ہونے تک آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، جو اس نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو الہام فرمائے اور ایک قراءت میں آدَمَ کے نصب اور کلمات کے رفع کے ساتھ ہے یعنی وہ کلمات آدم کو حاصل ہوئے اور وہ کلمات: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا'' (الآیة) ہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کلمات کے ذریعہ دعاء فرمائی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرنے والا اوران پر رحم کرنے والا ہے اور ہم نے ان سے کہا تم جنت سے چلے جاؤ، اس جملہ کو مکرر ذکر فرمایا تاکہ اس پر عطف کیا جاسکے، جب بھی تمہارے پاس میری ہدایت کتاب اور رسول پہنچے، اِمَّا، میں اِنْ شرطیہ کے نون کا، مَا زائدہ میں ادغام ہے۔ تو جس نے میری ہدایت کی تابعداری کی کہ مجھ پر ایمان لایا اور میری طاعت پر عمل کیا، تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں رنجیدہ ہوں گے اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں، کتابوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے نہ فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہ: اُذْکُرْ، مفسر علام نے حسب عادت، اُذْکُرْ، فعل مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ، اِذْ قُلْنَا الخ، فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قِوْلُہ: بالاِنْحِنَاءِ، سجدہ کی تفسیر انحناء سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں سجدہ کے لغوی معنی مراد ہیں، اور وہ جھکنا ہے قال ابو عمرو سجد اذا طأطأ راسه، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں سجدہ سے لغوی معنی مراد ہیں، جھک کر تعظیم کرنا امم سابقہ میں جائز تھا اس امت میں جائز نہیں ہے، اور اگر سجدہ کے معنی وضع الجبهة علی الارض مراد ہوں تو لِآدَمَ، میں لام بمعنی اِلٰی ہوگا یعنی سجدہ تو اللہ ہی کو مراد ہے، مگر رخ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف کرکے جیسا کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

قِوْلُہ: تَحِیَّة، یہ حَیِیَ یَحیٰ (س) کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں حَیَّاكَ اللّٰه کہنا، سلام کرنا۔

قِوْلُہ: ابلیس، اس کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اگر ابلاس بمعنی مایوسی سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔

قِوْلُہ: هو ابو الجن، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ اِلَّا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے یعنی

بلکہ فرشتوں کی جنس سے نہیں تھا، بلکہ صرف ان کے درمیان بود و باش رکھتا تھا تغلیباً فرشتوں میں شامل کرلیا گیا، مفسر علام نے "وَكَانَ بَيْنَ المَلائكةِ" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: تکبّر، استکبر کی تفسیر تکبّر سے کرکے اشارہ کردیا کہ سین زائدہ مبالغہ کے لئے ہے۔

قولہ: واستکبر کا عطف ابی پر عطف علت علی المعلول کے قبیل سے ہے یعنی استکبر علت ہے اور ابی معلول۔

سوال: علت معلول پر مقدم ہوا کرتی ہے نہ کہ عکس۔

جواب: معلول چونکہ ظاہر اور محسوس ہے اور علت یعنی تکبر، معنوی اور غیر محسوس شئی ہے، اس لئے محسوس کو غیر محسوس پر مقدم کردیا۔

سوال: کان من الکافرین، سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس پہلے ہی کافر تھا تو پھر وہ جنت میں کس طرح داخل ہوا؟

اس کے دو جواب ہیں۔ اول جواب یہ کہ اس وقت کافر نہیں تھا۔ مگر اللہ کے علم ازلی کے اعتبار سے کافر تھا، دوسرا جواب کان بمعنی صار ہے، یعنی کافر ہوگیا۔

قولہ: بالاکل، مفسر علام نے اس کلمہ کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ لا تقربا میں قرب مکانی سے نہی مقصود نہیں ہے بلکہ نہ کھانے کی تاکید میں مبالغہ مقصود ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "ولا تقربُوا الزّنا" الخ میں۔

قولہ: اَذهبهما و ازالهما، ان دونوں کلموں کے اضافہ کا مقصد ازلّهما، کے دو معنی کا بیان ہے، ایک معنی لغزش دینا، دوسرے معنی نکلوا دینا، برطرف کرادینا۔

قولہ: كَرّرَهُ ليُعطف عليه، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال کی تمہید، قُلنا اهبطُوا منها، کو مکرر لایا گیا ہے اس تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول اھباط اس بات پر دلالت کرنے کیلئے ہے کہ یہ ہبوط دار المحن (دنیا) کی طرف ہے، جس میں معیشت کے لئے تگ و دو اور کد و کاوش کرنی ہوگی، اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور یہ ہبوط ایک محدود وقت تک کے لئے ہوگا اور دوسرے ہبوط میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عارضی قیام کے دوران وہ تکالیف شرعیہ کے بھی مکلف ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ ہبوط کہنے کا مقصد الگ الگ ہے۔

سوال: دونوں مقصدوں کو ایک ہی ہبوط سے متعلق کیوں نہیں کیا؟

جواب: ایسا کرسکتے تھے مگر درمیان میں "فتلقّٰى آدمُ من رّبّه" جملہ معترضہ آگیا اس لئے ہبوط کو مکرر لائے تاکہ ثانی مقصد ثانی کے ساتھ اور اول مقصد اول کے ساتھ متصل ہوجائے۔ اس مقصد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے "ليُعطف عليه" کا اضافہ فرمایا یہاں عطف سے مراد اصطلاحی عطف نہیں ہے بلکہ اتصال مراد ہے۔

قَوْلُهٗ: فَاِمَّا، فاء ترتیب مابعد علی ماقبل کے لئے ہے۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ، اِمَّا اصل میں اِنْ مَا تھا، اِنْ شرطیہ اور مَا زائدہ ہے۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر اِنْ شرطیہ کا جواب واقع ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ، گذشتہ آیات میں علمی حیثیت سے آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں اور جنوں پر ثابت ہو چکی، اب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عملی طور پر بھی آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے فرشتوں اور جنوں سے آدم علیہ السلام کی خاص قسم کی تعظیم کرائی جائے، جس سے یہ ثابت ہو کہ آدم دونوں حیثیت سے کامل ومکمل ہے، اس کے لئے جو عمل تعظیمی تجویز کیا گیا اس کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: "اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" یعنی ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم کرو، سر تسلیم خم کرنے کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، سب فرشتوں نے حضرت آدم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، مگر ابلیس نے انکار کر دیا اس کا یہ انکار کسی غلط فہمی یا اشتباہ کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ خالص غرور ونخوت اور پندار وتفوق کی بنا پر تھا۔

کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا؟ آیت میں اگرچہ فرشتوں کو حکم کی صراحت ہے مگر آگے استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم جنات کو بھی تھا، فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفا کیا گیا ہے کہ فرشتے سب سے افضل واشرف تھے، جب افضل کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو مفضول اس میں بطریق اولیٰ شامل ہوں گے۔

سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں:

امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا، شریعت محمدیہ ﷺ میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی۔

توضیح:

توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر وشرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتی، لیکن کچھ اعمال وافعال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک وکفر نہیں، مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعۂ کفر وشرک بن سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعت میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعۂ شرک بنانے سے روکا گیا جیسے

جانداروں کی تصویر بنانا گو اپنی ذات میں کفر و شرک نہیں اس لئے گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے: "یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ" یعنی جنات ان کے لئے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے، اسی طرح سجدۂ تعظیمی گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں کفر و شرک اور بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔

اہم بات:

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کا معاملہ عالم ارواح کا ہے نہ کہ عالم ناسوت کا اور تکلیفات شریعت کا تعلق عالم ناسوت سے ہے، عالم ارواح میں امتثال امر ہی عبادت ہے۔

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت:

شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کی ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

یہ حدیث بیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے ثابت ہے اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کے دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہوں تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے جو قرآن کی طرح قطعی ہے، یہاں تو یہ حدیث بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔ (معارف)

ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں، کیونکہ کسی فرض کا عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ ہے، کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے۔

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ: اِسْتَكْبَرَ، باب استفعال سے ہے جس سے بعض حضرات نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ ابلیس میں یہ کبر فطری اور خلقی نہیں تھا، بلکہ اس نے خود پیدا کیا، وَكَانَ السين والتاء لِلاشعار بِأنّ الكِبر ليس مِنْ طبعه ولكنَّه مستعد لَهُ. (المنار)

كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ، یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا، یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا، کان، بمعنی صار بکثرت مستعمل ہے، جیسا کہ صاحب تفسیر مدارک، بیضاوی، معالم، روح المعانی، نے کان بمعنی صار لیا ہے، اور جن حضرات نے كَانَ بمعنی كَانَ ہی لیا ہے، انہوں نے فی علم اللہ، کو محذوف مانا ہے۔

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ، لفظ انت کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اصلی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، حضرت حواء کی حیثیت تابع کی تھی، مذکورہ آیت میں حضرت آدم و حواء علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے جس کو مختصر لفظوں

میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے، اُسْكُنَا الجنةَ" یعنی دونوں جنت میں رہو جیسا کہ : وَكُلَا، اور لَا تَقْرَبَا، میں دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کیا گیا ہے مگر یہاں اس کے خلاف اَنْتَ وَزَوْجُكَ، کے الفاظ اختیار کرنے میں مخاطب صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا ہے اور انہی سے فرمایا کہ تمہاری زوجہ بھی جنت میں رہیں اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے۔

❶ اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے اسی میں رہنا چاہئے۔

❷ اُسْكُنْ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں حضرات کے لئے جنت کا قیام محض عارضی تھا بطور ملکیت نہ تھا، کیونکہ اُسْكُنْ، کے معنی ہیں اس مکان میں رہا کرو، یہ نہیں فرمایا کہ یہ مکان تمہارا ہے یا تمہیں دیدیا گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ آئندہ ایسے حالات پیش آنے والے ہیں کہ آدم وحواء علیہما السلام کو یہ مکان چھوڑنا پڑے گا، اس لئے کہ جنت کا دائمی استحقاق تو قیامت کے بعد ایمان وعمل کے صلہ میں ہوگا۔

غذاوخوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں:

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا، یعنی تم دونوں جنت میں بافراغت کھاؤ، اس میں خطاب صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں ہے بلکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں شریک کر کے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق استعمال کر سکتی ہیں۔ (معارف)

مسئلۂ عصمت انبیاء:

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص قسم کے درخت سے کھانے بلکہ پاس جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا اور ساتھ ہی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے ہوشیار رہنا، اس کے باوجود حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت سے کھالیا، جو بظاہر گناہ ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، قرآن کریم میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ بھی اسی میں داخل ہے۔

ایسے واقعات کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطاء ونسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا خطاء اجتہادی ہوتی ہے، یہ خطاء ونسیان کے سبب قابل معافی ہوتی ہے، جس کو اصطلاح میں گناہ نہیں کہا جا سکتا، اور یہ سہو ونسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی جن کا تعلق تبلیغ وتعلیم وتشریع سے ہو، بلکہ ذاتی افعال واعمال میں ایسا سہو ونسیان ہو سکتا ہے۔ (بحر محیط معارف)

آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی خطاء کی توجیہ:

اول: یہ کہ جس وقت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو منع کیا گیا تھا تو ایک خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا تھا اور مراد وہی خاص درخت نہیں تھا، بلکہ اس کی جنس کے سارے درخت مراد تھے، ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی مخصوص درخت کی ممانعت سمجھی ہو اور شیطان نے بھی اسی خیال کو وسوسہ کے ذریعہ مستحکم کر دیا ہو، اور قسم کھا کر باور کرایا ہو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو جس وقت شیطان نے اس درخت کے کھانے کے منافع بتلائے ہوں کہ اس درخت کے کھانے سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں رہنے کا اطمینان ہو جائے گا اور اس وقت حضرت آدم کو ممانعت یاد نہ رہی ہو، قرآن مجید کی آیت: "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا" سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال اس طرح کے متعدد احتمالات ہو سکتے ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ جان بوجھ کر نافرمانی کا صدور نہیں ہوا، مگر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی شان نبوت اور قرب خداوندی کے مقام کے اعتبار سے یہ لغزش بڑی سمجھی گئی اور قرآن میں اس کو لفظ معصیت سے تعبیر کیا گیا، اور آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ واستغفار کے بعد معافی کا ذکر فرمایا۔

فائدہ: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے یہ روایت تورات کی ہے۔

اور خداوند نے کہا:

اچھا نہیں آدم اکیلا رہے، میں اس کے لئے ایک ساتھی اس کے مانند بناؤں گا اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا، اور خداوند خدا نے اس کی پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی، ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا اب یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس وجہ سے وہ ناری کہلائے گی کہ وہ نر سے نکالی گئی۔ (پیدائش، ۲: و ۲۴، ماجدی)

حدیث کی بعض روایتیں جو اس مضمون کی مروی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں کہ جسے قطعی صحت کا درجہ حاصل ہو۔ (ماجدی)

شجر ممنوعہ کیا تھا؟

ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی معروف و متعین درخت تھا، حضرت آدم بھی اس سے واقف تھے، لہٰذا اس کی تعیین کے درپے ہونے سے کوئی فائدہ نہیں، جس کو اللہ نے مبہم رکھا، اس کو مبہم ہی رکھنا بہتر ہے محقق امام ابن جزری کا

موقف بھی خاموشی اور سکوت کا ہے ہماری بعض تفسیروں میں مادی درختوں میں سے گندم، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لے کر شجرۂ محبت اور شجرۂ علم وغیرہ معنوی درختوں تک بہت نام شمار کرائے گئے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا، زلت لغت میں لغزش کو کہتے ہیں، ازلال، کے معنی ہیں لغزش دینا، مطلب یہ ہوا کہ شیطان نے آدم وحواء علیہما السلام کو لغزش دیدی، قرآن کریم کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کی یہ خلاف ورزی اس طرح کی نہ تھی، جو عام گناہ گاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطان کی تلبیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آگئی کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے، عَنْهَا میں، عَنْ بمعنی سبب ہے یعنی اس درخت کے سبب اور ذریعہ سے شیطان نے آدم وحواء علیہما السلام کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدہ سے انکار کے نتیجہ میں پہلے ہی مردود کرکے جنت سے نکالا جا چکا تھا تو پھر یہ آدم وحواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟

جواب: اگرچہ اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ شیطان نے جنت میں داخل ہو کر رو برو بہکایا، یا وسوسہ اندازی کے ذریعہ مگر بہکانے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور ہوسکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت میں سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ذہن کو متاثر کیا ہو اس لئے کہ جنات کو اس کی قوت اور قدرت حاصل ہے جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ذہن کو قوت خیالیہ کے ذریعہ متاثر کرسکتا ہے جنات کی قوت خیالیہ انسان کے مقابلہ میں قوی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان اپنی شکل وصورت بدل کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور رو برو بہکایا ہو اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس طرف ذہن نہ گیا ہو، وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ، سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ سے کام نہیں لیا، بلکہ آدم وحواء علیہما السلام سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، آپسی دشمنی کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، کہ شیطان اور بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے اور یہ بھی کہ بنی آدم آپس میں عداوت اور دشمنی رکھیں گے۔

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (الآیۃ) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ندامت وپشیمانی میں ڈوبے ہوئے دنیا میں تشریف لائے، تو توبہ واستغفار میں مصروف ہوگئے، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھلا دیئے جو سورۂ اعراف میں بیان کئے گئے ہیں: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ"۔

قبولیت دعاء کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا ہی میں رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے تمام بنی آدم کو جنت کے حصول کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ میری ہدایت تم تک پہنچے گی جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور بصورت دیگر عذاب الٰہی کا سزاوار ہوگا۔

بندہ نوازی کا کمال:

فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ، خطاوار کو توبہ واستغفار کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا یہ خود اپنی جگہ پر انتہا درجہ کی بندہ نوازی ہے اللہ رب العالمین نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معافی کے کلمات القاء فرمائے کہ اس طرح معافی مانگو میں معاف کردوں گا اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم وتلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی، بلکہ اسے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب منسوب کردیا گیا کہ انہوں نے یہ الفاظ سیکھ لئے، کیا حد ہے شفقت اور بندہ پروری کی!! یہ الفاظ اور کلمات کیا تھے؟ روایتیں مختلف ہیں لیکن خود قرآن مجید میں جو الفاظ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الخ".

سُؤال: خطاوار تو دو تھے، مگر تلقی کلمات کی نسبت صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے۔

جَوَابْ: عورت مرد کے تابع ہے اور متبوع کے ذکر میں تابع کا ذکر خود بخود آجاتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا، جنت سے نیچے اترنے کا حکم حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ساتھ ساتھ صلب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ذریت کو بھی ہے اس لئے اِهْبِطُوْا جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

یہ حکم بطور سزا نہیں تھا:

جنت سے نکلنے کا حکم بطور سزا وعتاب نہیں تھا، اس لئے کہ خطا تو معاف ہو چکی ہے، بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے، شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی، روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم ومادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں، اگر کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے زہر کھالے اور معاً اسے اپنے عصیان کا اسی پر تنبہ ہو جائے، اور وہ روئے گڑگڑائے دل سے توبہ کرے عجب نہیں کہ اس کا گناہ معاف کر دیا جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظام جسم پر مرتب ہوتے ہیں، وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)

مَهْبَطِ آدم وحواء علیہما السلام:

حضرت آدم وحواء علیہما السلام زمین کے کس خطہ میں اتارے گئے؟ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں زیادہ تر روایتیں ارض ہند کے بارے میں ہیں ابن ابی حاتم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفا اور حواء کو مروہ پر اتارا گیا، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم سے مروی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن عباس نے کہا ہے حضرت آدم کا ہبوط اولی ارض ہند میں ہوا۔ (فتح القدیر شوکانی)

اور ایک روایت میں جو کہ ابن ابی حاتم سے منقول ہے کہا گیا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان آپ کا نزول ہوا اور ابن جریر

رحمہ اللہ تعالیٰ اور حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آدم کا ہبوط ارض ہند میں ہوا۔ (ملخصًا)

اور ابن ابی سعد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام ارض ہند میں اور حواء جدہ میں اترے، حضرت آدم حواء کی تلاش میں جدہ آئے اور خازن میں ہے کہ آدم سرزمین ہند سرندیپ میں اور حضرت حواء جدہ میں اترے اور ابلیس بصرہ میں ایلہ کے مقام پر اترا۔ (تفسیر خازن، ص: ۵)

مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو آپس میں مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق ممکن ہے ظاہر ہے کہ ہبوط حقیقی تو ایک ہی جگہ ہوا ہو مگر انتقال مکانی کو مجازاً ہبوط سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ أولادَ يَعْقُوبَ **اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** اى عـلـى ابـائِكم من الانجاءِ مِن فِرْعَون وفلق البَحرِ وتظليلِ الغَمامِ وغير ذلك بان تشكُرُوها بطَاعتِى **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ** الَّذِى عـهـدتُهُ اِليكم مِن الايمان بمحمدٍ صلى الله عليه وسلم **اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** الـذى عـهـدتُهُ اليـكم مِن الثَّواب عليْه بدُخولِ الجنة **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** ﴿۴۰﴾ خافُونِ فِي تركِ الوفاءِ به دونَ غيرِى **وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ** مِنَ القُرانِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** مِن التَّورةِ بمُوافقتِهِ لهُ فِي التَّوحيدِ والنُّبوّةِ **وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** مِنْ اَهلِ الكتٰبِ لِانَّ خلفَكم تَبعٌ لكُم فاثمُهم عليكم **وَلَا تَشْتَرُوْا** تستبدِلُوا **بِاٰيٰتِيْ** الَّتى فِى كتـابِكم مِن نَعتِ محمدٍ صلى الله عليه وسلم **ثَمَنًا قَلِيْلًا** عِوَضًا يسيرًا مِنَ الدُّنيا اى لَا تكتُمُوها خوفَ فواتِ ما تَاخُذُونَهُ مِن سَفَلَتِكم **وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ** ﴿۴۱﴾ خافُونِ فِى ذلكَ دونَ غيرِى **وَلَا تَلْبِسُوا** تَخلِطُوا **الْحَقَّ** الـذِى اَنـزَلْتُ عليكُمْ **بِالْبَاطِلِ** الـذى تفترُونَهُ **وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ** نعت محمدٍ صلى الله عليه وسلم **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۲﴾ اَنَّهُ حقٌّ.

ترجمہ: اے بنی اسرائیل اولاد یعقوب میری ان نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو عطا کیں، یعنی تمہارے آباء واجداد کو مثلاً فرعون سے نجات دینا اور دریا کو پھاڑ دینا اور بادل کو سایہ فگن بنانا، وغیرہ وغیرہ بایں طور کہ میری اطاعت کر کے میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو، اور تم میرے عہد کو پورا کرو، جو میں نے تم سے لیا اور وہ محمد ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق ہے میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، جو میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے یعنی ایمان لانے پر جنت میں داخل کر کے ثواب عطا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی عہد شکنی کرنے میں مجھ سے ڈرو نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتابوں کی یعنی تورات کی تصدیق کے لئے میں نے نازل کیا ہے، توحید اور نبوت میں اس (قرآن) کے اس (تورات) کے موافق ہونے کی وجہ سے اور تم اہل کتاب میں سے اول منکر نہ بنو، اس لئے کہ تمہارے بعد آنے والے تمہاری اتباع کریں گے تو

ان کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہوگا اور میری ان آیتوں کو جو تمہاری کتاب میں ہیں مثلاً محمد ﷺ کی صفات کو حقیر قیمت کے عوض فروخت نہ کرو، یعنی دنیوی معمولی بضاعت سے تبدیلی نہ کرو، یعنی ان صفات کو اس حقیر معاوضہ کے فوت ہونے کے خوف سے مت چھپاؤ، جس کو تم اپنے کمزور طبقوں سے وصول کرتے ہو، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی اس معاملہ میں مجھ ہی سے ڈرو، نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور حق کو جو میں نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، باطل کے ساتھ جس کو تم گھڑتے ہو خلط ملط مت کرو، اور نہ حق کو چھپاؤ، یعنی محمد ﷺ کی صفت کو کہ تمہیں تو خود اس کا علم ہے کہ وہ (رسول) برحق ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یبنی اسرائیل، یعنی اولاد یعقوب. اسرائیل عربی لفظ ہے یا عجمی اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ عجمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عُجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے. اسرائیل مرکب اضافی ہے، اسرا بمعنی عبد، ایل بمعنی اللہ، یعنی عبد اللہ یا صفوۃ اللہ (اللہ کا برگزیدہ) اور اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحق علیہ السلام کا لقب ہے۔

قَوْلُہٗ: بأن تشکروھا. بطاعتی اس کا تعلق اُذْکُرُوْا سے ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اذکروا نعمتی، سے مراد صرف ذکر و شمار ہی نہیں ہے، بلکہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے ورنہ ذکر و شمار تو ہر شخص کرتا ہے حتی کہ کافر و مشرک بھی کرتا ہے۔

قَوْلُہٗ: علی آبائکم، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوْال: انعمتُ علیکم، کے مخاطب آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود ہیں اور انعمتُ علیکم کی تفسیر میں جن انعامات کو شمار کرایا گیا ہے، ان میں سے ایک بھی آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں پر نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے انعمت علیکم کہنا کیسے درست ہے؟

جَواب: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے ای انعمتُ علی آبائکم. لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: اَوْفُوا، تم پورا کرو، یہ ایفاء (افعال) سے جمع مذکر امر حاضر ہے۔

قَوْلُہٗ: اُوْفِ، میں پورا کروں گا، ایفاء سے مضارع واحد متکلم ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْفُوْا بعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ، تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

سَوْال: اس آیت میں بنی اسرائیل سے اس عہد کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جو بنی اسرائیل نے نہیں کیا. بلکہ اوفوا بعھدی، سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، بنی اسرائیل سے ایفاء عہد کا مطالبہ کرنا، یہ تو غیر فاعل سے ایفاء کا مطالبہ کرنا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَواب: جو عہد معاہد، (فاعل) کے فعل پر معلق ہو، تو مفعول یعنی (فریق ثانی) کی جانب سے معلق علیہ کو پورا کرنا وفاء عہد

کہلائے گا اور فاعل معاہد (اللہ) کا عہد جنت میں داخل کرنا ہے، جو معلق ہے، بنی اسرائیل کے ایمان لانے پر اور بنی اسرائیل کا ایمان معلق علیہ (شرط) ہے لہٰذا معلق پورا کرنے کے لئے معلق علیہ کے وفاء کا مطالبہ کرنا صحیح ہے: "اِنّ العَهْدَ المعلق علی فعل المعاهد یکونُ الوفاءُ مِنَ المفعول بالاتیان بالمعلق علیه وَمِنَ الفاعل بالاتیان بالمعلق فالمراد بعهْد اللّٰهِ اِیّاهم بالایمان والعمل الصالح ، فیصح طلب الوفاء منهم بالاتیان". (ترویح الارواح)

قَوْلُهٗ: اَلَّذِیْ عَهِدتُهٗ اِلیکم، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں جگہ عہد مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں اول مضاف الی الفاعل ہے اور ثانی مضاف الی المفعول ہے اور اس رد کی وجہ یہ ہے کہ اضافت الی الفاعل اکثر واقع ہے اور راجح ہے لہٰذا جب تک کوئی صارف موجود نہ ہو ترک نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: دون غیری، یہ اس حصر کی جانب اشارہ ہے جو اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ میں تقدیم مفعول سے مستفاد ہے۔

قَوْلُهٗ: من اهل الکتاب، اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ بھی آپ نے مکہ میں کیا، جس کا کفار مکہ نے انکار کر دیا، تو اس اعتبار سے اول منکرین کفار مکہ ہیں نہ کہ مدینہ کے یہود۔

جَوَاب: یہاں اول منکرین سے مراد اہل کتاب ہیں۔

قَوْلُهٗ: تستبدلوا، تَشْتَرُوْا، کی تفسیر، تستبدلوا سے کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں اشتراء کے حقیقی معنی ممکن نہیں ہیں اس لئے کہ یہ با، ثمن پر داخل ہوتی ہے یہاں آیاتی پر داخل ہے لہٰذا آیاتی ثمن ہوگا اور ثمناً مبیع ہوگی، یعنی آیات دیکر ثمن مت خریدو، اور یہ حقیقتہً متعذر ہے لہٰذا اشتراء سے مجازاً استبدال مراد ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

بنی اسرائیل سے خطاب:

مشہور و نامور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عراقی ثم شامی ثم حجازی، ۲۱۶۰ یا ۱۹۸۵ ق م، سے دو نسلیں چلیں ایک بی بی ہاجرہ مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، یہ نسل بنی اسماعیل کہلائی اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی، ان کا وطن عرب رہا، دوسری نسل بی بی سارہ عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے حضرت یعقوب عرف اسرائیل سے چلی، یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی اس کا وطن ملک شام رہا ایک تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، وہ بنی قطورہ کہلائی، لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔

بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا مدتوں تک یہی قوم توحید کی علمبردار رہی غرضیکہ ایک زمانہ تک قوم بنی اسرائیل دینی اور دنیوی اعتبار سے سکہ رائج الوقت رہی ان میں بڑے بڑے صاحب اقتدار بادشاہ ہوئے اور فوجی جرنیل بھی اور اولوالعزم پیغمبر وصحابہ، واولیاء بھی مگر نزول قرآن سے مدتوں پہلے ان کا اقتدار رخصت ہو چکا تھا۔ ان کا شیرازہ بکھر کر دنیا میں منتشر ہو چکا تھا، ان کے بعض قبیلے حجاز اور اطراف حجاز خصوصاً یثرب (مدینہ) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل تو ایک نسلی نام ہے مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے توریت محرف مسخ شدہ بہر حال جیسی بھی تھی، ان کے پاس موجود تھی، دینی سیادت ابھی تک ان کے پاس تھی، دنیوی اعتبار سے مالدار تھے، تجارت کے بڑے ماہر تھے، حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بناء پر ان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل تھی، ساتھ ہی ساتھ سفلی عملیات سحر وکہانت میں بڑے ماہر تھے، ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی، وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم وفضل کے قائل تھے، اور ان کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے اور دوسری طرف اکثر ان کے قرض دار بھی رہا کرتے تھے، اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم اور غالب قوموں کے تمدن سے، کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب ومتاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے، ان سب چیزوں کے علاوہ یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی، اور یہ لوگ اس نبی موعود کے منتظر رہتے تھے، ان اسباب کی بناء پر یہ امر بالکل قدرتی تھا، کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب تفصیل سے ہو چنانچہ چودھویں رکوع تک بڑی تفصیل کے ساتھ ان سے خطاب کیا گیا ہے۔

قرآن کے مخاطبین:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر کر لی جائے، قرآن مجید کا اصل تخاطب نوع انسانی سے ہے، اسی مناسبت سے اول رکوع میں اس کا بیان ہوا کہ نوع انسانی کی حقیقی دو قسمیں ہیں ایک اچھے یا مومن دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ ہیں جو قرآن مجید کے دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں، کافر یا بد وہ ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں، دوسرے رکوع میں کافروں ہی کی ایک خاص قسم کا بیان ہے، جن کو منافق کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: یہ لوگ بھی ایمان اور نجات سے محروم ہی رہیں گے، تیسرے رکوع میں ساری نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے اور قرآن مجید کا اصل پیغام یعنی توحید و رسالت بیان کیا گیا ہے، چوتھا رکوع تاریخ انسانی سے متعلق ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ انسان کی آفرینش سے اصل غرض دنیا میں قانون الٰہی کی تنفیذ ہے اور حاکمیت الٰہی کی نیابت ہے ذرا سی غفلت کی وجہ سے نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا ہے اور حق سے باطل کی جانب اور نور سے ظلمت کی طرف موڑ سکتا ہے، لیکن اگر انسان ذرا بھی ہمت اور ہوشمندی سے کام لے اور انبیاء کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے، تو وہی غالب ومنصور رہے گا، اب پانچویں رکوع سے بڑی تفصیل سے اس کا بیان شروع ہوتا ہے کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول برگزیدہ بندے کی اولاد میں ایک

خاص نسل کو توحید کی خاص نعمت سے سرفراز کیا گیا تھا، مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی موقع اسے بار بار دیا گیا، اس کے ساتھ رعایت بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ کی مخالفت میں تو حد ہی کردی، طویل اور مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہیہ کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے، اس ناشکر گذار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سیادت سے معزول کیا جاتا ہے، اور یہ نعمت ان سے چھین کر ایک اسماعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دنیا کی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے عام کی جارہی ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ، بِہٖ کی ضمیر قرآن یا محمد ﷺ کی طرف راجع ہے اور دونوں طرح صحیح ہے اس لئے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں، اس لئے کہ ایک کا کفر دوسرے کے کفر کو مستلزم ہے اول کافر نہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ یہود میں تم اول کافر نہ بنو ورنہ تو تمام یہودیوں کے کفر کا وبال تم پر پڑے گا، ہجرت سے پہلے مکہ میں بہت لوگ آپ کی دعوت کا انکار کرچکے تھے، اول منکرین کے مصداق اہل مکہ ہیں۔

وَلَاتَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا، تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل جائے، تو احکام الٰہی کا سودا کرلو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلہ میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو، احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال ومتاع بھی ان کے مقابلہ میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے، آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے عام ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لئے گریز کرے گا، وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔

یہود کی حق فروشی:

یہود کی حق فروشی کے کاروبار کا ذکر عہد نامہ جدید میں بھی ہے مثلاً یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کردیتے ہیں۔ (طیطس، ۱: ۱۱)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اس آیت کو سمجھنے سے پہلے تمہید کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے، کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ تھے، ان کے مقابلہ میں یہود تعلیم یافتہ تھے، اس وجہ سے عربوں پر یہودیوں کا علمی رعب بہت زیادہ تھا، اس کے علاوہ ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان جما کر اور اپنی جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ وسیع کردیا تھا، ان حالات میں جب نبی ﷺ نے اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی، تو قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں سے جاکر پوچھتے کہ آپ لوگ بھی ایک نبی کے پیرو ہیں اور ایک کتاب کو مانتے ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ یہ صاحب ہمارے اندر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ان کے متعلق، ان کی تعلیم کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے، مگر علماء یہود نے کبھی لوگوں کو صحیح بات نہ بتائی

حالانکہ ان کے مذہبی نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی صراحت کے ساتھ پیشین گوئی موجود تھی اور آنے والے نبی کے اوصاف کا بھی ذکر تھا سیدھی اور صاف بات بتانے کے بجائے، انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر سائل کے دل میں نبی ﷺ کے خلاف، آپ کی جماعت کے خلاف اور آپ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے، غرض کہ وہ حق کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے کبھی کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے تھے کہ جس سے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جائیں اور کبھی لوگوں کو الجھن میں ڈالنے والے سوالات سکھا دیتے تا کہ لوگ خود ہی تذبذب کا شکار ہو جائیں، یہود کے اسی رویے کی بنا پر فرمایا جارہا ہے کہ حق پر باطل کا پردہ نہ ڈالو حق و باطل کو خلط ملط کر کے دنیا کو دھوکا نہ دو۔

فَائِدَہ: بعض مفسرین نے تعلق بالبعید کے طور پر یہاں اجرت علی تعلیم القرآن وغیرہ کی بحث چھیڑی ہے، قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے شائقین رجوع کر سکتے ہیں۔

تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ:

اجرۃ علی تعلیم القرآن کا مسئلہ سلف سے مختلف فیہ رہا ہے، مگر اس آیت سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور بعض دیگر ائمہ منع فرماتے ہیں، لیکن متاخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گذارہ ملا کرتا تھا، اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموماً کچھ نہیں ملتا، یہ اگر اپنی معاش کے لئے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں، تو بچوں کے تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا، اس لئے تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا، صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہاء نے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قرآن کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے، مثلاً امامت واذان اور تعلیم حدیث وفقہ وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر کے ان کی اجازت دی ہے۔ (در مختار، شامی)

ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا جائز نہیں:

علامہ شامی نے در مختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کی جن متاخرین نے اجازت دی ہے اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو ایسی ہی ضرورت کے موقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے۔ (معارف)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴿۴۳﴾ صَلُّوا مَعَ الْمُصَلِّيْنَ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ صلى الله عليه وسلم ونزل فِي عُلَمَائِهِمْ وقد كَانُوا يقولون لِاَقْرِبَائِهِمْ الْمُسْلِمِيْنَ اُثْبُتُوا على دِيْنِ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حقٌّ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ بِالْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ تَتْرُكُوْنَهَا فلا تَاْمُرُوْنَهَا بِهٖ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ التوراة وَفِيْهَا الْوَعِيْدُ عَلٰى مُخَالَفَةِ الْقَوْلِ الْعَمَلَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۴۴﴾ سُوْءَ فِعْلِكُمْ فَتَرْجِعُوْنَ فَجُمْلَةُ النِّسْيَانِ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ وَاسْتَعِيْنُوْا اُطْلُبُوا الْمَعُوْنَةَ عَلٰى اُمُوْرِكُمْ بِالصَّبْرِ الْحَبْسِ لِلنَّفْسِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ وَالصَّلٰوةِ اَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيْمًا لِشَاْنِهَا وفي الحديث كَانَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ بَادَرَ اِلَى الصَّلٰوةِ وقيل الخطاب لِلْيَهُوْدِ لَمَّا عَاقَهُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ الشَّرَهُ وَحُبُّ الرِّيَاسَةِ فَاُمِرُوْا بِالصَّبْرِ وَهُوَ الصَّوْمُ لِاَنَّهٗ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ والصلوة لِاَنَّهَا تُوْرِثُ الْخُشُوْعَ وَتَنْفِي الْكِبْرَ وَاِنَّهَا اَيِ الصَّلٰوةَ لَكَبِيْرَةٌ ثَقِيْلَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴿۴۵﴾ السَّاكِنِيْنَ اِلَى الطَّاعَةِ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوْقِنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۴۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْهِمْ.

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، نماز پڑھنے والوں (یعنی) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھو، اور (آئندہ) آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے رشتہ داروں سے کہا کرتے تھے، کہ دین محمد پر قائم رہو اس لئے کہ وہ حق ہے، کیا تم لوگوں کو نیکی (یعنی) محمد ﷺ پر ایمان کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، کہ خود کو ایمان کا حکم نہیں کرتے باوجودیکہ تم کتاب تورات پڑھتے ہو اور اس میں قول وفعل کی مخالفت پر وعید ہے، کیا تم اپنی اس غلط روش کو سمجھتے نہیں ہو؟ کہ (اس قول وفعل کے تضاد سے) باز آجاؤ جملۂ نسیان (یعنی تنسون الخ) استفہام انکاری کا محل ہے، اور اپنے معاملات میں صبر وصلوٰۃ سے مدد طلب کرو، نفس جس کو ناپسند کرے، اس کے کرنے پر نفس کو مجبور کرنے کو صبر کہتے ہیں، صرف نماز کا ذکر اس کی عظمت شان کی وجہ سے ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے، کہ جب آپ کو کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو نماز کی طرف سبقت فرماتے اور کہا گیا ہے کہ خطاب یہود کو ہے جب ان کو حرص اور حب جاہ نے ایمان لانے سے روک دیا تو ان کو صبر کا کہ وہ روزہ ہے حکم دیا گیا کہ وہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نماز کا، اس لئے کہ نماز خشوع پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے اور نماز بلا شبہ گراں ہے، مگر خشوع اختیار کرنے والوں پر (گراں نہیں ہے) یعنی اطاعت کی طرف مائل ہونے والوں پر جو کہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور ان کو آخرت میں رب کے پاس جانا ہے، تو وہ ان کو جزا دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: صَلّوا مع المصلین ، وار کعوا مع الراکعین، کی تفسیر صلّوا مع المصلین سے کرکے اشارہ کردیا کہ جزء بول کر کل مراد ہے، اور رکوع کی تخصیص اس لئے کہ امم سابقہ کی نمازوں میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہے کہ تم وہ نماز پڑھو جس میں رکوع بھی ہو اور مع الراکعین سے اشارہ کردیا کہ جماعت سے نماز پڑھو، خطاب چونکہ یہود کو ہے اس لئے ان سے کہا جارہا ہے، کہ تم ایسی نماز پڑھو، جس میں رکوع بھی ہو اور باجماعت بھی ہو چونکہ یہود کی نماز میں سجدہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، اس لئے رکوع والی نماز محمد ﷺ کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اور ان کے جیسی نماز پڑھو۔

قولہ: فجملة النسیان محل الاستفهام الانکاری ، مطلب یہ ہے کہ انکار کا تعلق تنسَوْن انفسکم سے ہے، نہ کہ تامرون الناس سے اس لئے کہ امر بالبر تو امر مندوب ومطلوب ہے۔

قولہ: اَفرَدَهَا بالذکر ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ صرف نماز ہی کو کیوں ذکر کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اس کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر وتشریح

صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں نماز کے ذریعہ ایک مومن کا رابطہ اور تعلق اللہ سے استوار ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے، صبر کے ذریعہ کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے: "اِذَا حَزَبَهٗ امرٌ فزعَ اِلَی الصَّلوٰةِ" (احمد، وابوداؤد) یعنی جب بھی آپ ﷺ کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں نیکی کے راستے پر چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے، تو اس دشواری کا علاج صبر اور نماز ہے ان دو چیزوں سے تمہیں وہ طاقت ملے گی جس سے یہ راہ آسان ہو جائے گی، صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادہ کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے، جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کئے ہوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اور جو شخص خدا کا فرمانبردار نہ ہو اور آخرت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اس کے لئے نماز کی پابندی ایک ایسی مصیبت ہے جسے وہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا مگر جو شخص برضا ورغبت خدا کے آگے سر اطاعت خم کر چکا ہو اور جسے یہ خیال ہو کہ کبھی مر کر اپنے خدا کے سامنے جانا ہے، اس کے لئے نماز ادا کرنا گراں نہیں، بلکہ نماز چھوڑنا مشکل ہے۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ بالشكر عليها بطاعتي **وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ** اي اٰباءَكم **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿٤٧﴾ عالَمِي زمانهم **وَاتَّقُوْا** خافوا **يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ** فيه **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا** هو يومُ القيمة **وَّلَا يُقْبَلُ** بالتاء والياء **مِنْهَا شَفَاعَةٌ** اي ليس لها شفاعة فتُقبل فما لنا من شافعين **وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ** فِداءٌ **وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿٤٨﴾ يُمنعون من عذاب الله **وَ** اذكروا **اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ** اي اٰباءَكم والخطاب به وبما بعده للموجودين في زمن نبينا صلى الله عليه وسلم بما انعم على اٰبائهم تذكيرًا لهم بنعمة الله تعالى ليؤمنوا **مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ** يُذيقونكم **سُوْٓءَ الْعَذَابِ** اشدَّه والجملة حالٌ من ضمير نجّيناكم **يُذَبِّحُوْنَ** بيانٌ لما قبله **اَبْنَآءَكُمْ** المولودين **وَيَسْتَحْيُوْنَ** يستبقون **نِسَآءَكُمْ** لقول بعض الكهنة له ان مولودًا يولد في بني اسرائيل يكون سببًا لذهاب مُلكك **وَفِيْ ذٰلِكُمْ** العذاب او الانجاء **بَلَآءٌ** ابتلاءٌ او انعامٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ** ﴿٤٩﴾ **وَ** اذكروا **اِذْ فَرَقْنَا** فلقنا **بِكُمُ** بسببكم **الْبَحْرَ** حتى دخلتموه هاربين من عدوكم **فَاَنْجَيْنٰكُمْ** من الغرق **وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ** قومه معه **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴿٥٠﴾ الى انطباق البحر عليهم **وَاِذْ وٰعَدْنَا** بالف ودونها **مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً** نعطيه عند انقضائها التورٰة لتعملوا بها **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** الذي صاغه لكم السامري الٰهًا **مِنْ بَعْدِهٖ** اي بعد ذهابه الى ميعادنا **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿٥١﴾ باتخاذه لوضعكم العبادة في غير محلها **ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿٥٢﴾ نعمتنا عليكم **وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التورٰة **وَالْفُرْقَانَ** عطف تفسير اي الفارق بين الحق والباطل والحلال والحرام **لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿٥٣﴾ به من الضلال **وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ** الذين عبدوا العجل **يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ** الٰهًا **فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ** خالقكم من عبادته **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** اي ليقتل البريءُ منكم المجرمَ **ذٰلِكُمْ** القتل **خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ** فوفقكم لفعل ذلك وارسل عليكم سحابةً سوداءَ لئلا يبصر بعضكم بعضًا فيرحمه حتى قُتل منكم نحو سبعين الفًا **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قبل توبتكم **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴿٥٤﴾

ترجمہ: اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو، جس سے میں نے تم کو نوازا تھا یعنی ان نعمتوں پر شکر گذاری کے ذریعہ اطاعت کرکے اور میں نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو عالم والوں پر (یعنی) اس زمانہ کے عالم والوں پر فضیلت عطا کی تھی اور اس دن سے ڈرتے رہو، جس دن کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی، (یُقْبَلُ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی اس کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی، کہ قبول کی جائے، جیسا کہ فما لنا من شافعین سے معلوم ہوتا ہے اور نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ لئے جائیں اور وہ وقت یاد کرو، جب کہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو اور خطاب اس کے اور مابعد کے ذریعہ ان (یہودیوں)

کو ہے، جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، ان انعامات کی ان کو خبر دی جارہی ہے جو ان کے آباء کو عطا کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے تاکہ ایمان لے آئیں. آل فرعون کی (غلامی) سے نجات دی، تم کو بدترین عذاب چکھار ہے تھے، یعنی شدید ترین عذاب اور جملہ، نَجَیْنٰکُمْ کی ضمیر سے حال ہے، تمہارے (نو) مولود لڑکوں کو ذبح کررہے تھے، یُذَبِّحُوْنَ ماقبل سے بدل ہے، اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ رہے تھے، بعض کاہنوں کے فرعون سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا، اور اس عذاب یا نجات دینے میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش یا انعام ہے اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تھا، یہاں تک کہ تم اپنے دشمن سے بھاگ کر اس میں داخل ہوگئے اور تم کو غرق سے نجات دی اور آل فرعون اور اس کی قوم کو مع فرعون کے ہم نے غرق کردیا اور تم دریا کا ان پر ملنا دیکھ رہے تھے، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا (وَاعَدْنَا) میں الف اور بغیر الف دونوں قراءتیں ہیں کہ ہم اس مدت کے پورا ہونے پر تورات عطا کریں گے، تاکہ تم اس پر عمل کرو، پھر تم نے اس بچھڑے کو معبود بنالیا، جس کو تمہارے لئے سامری نے ڈھالا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے ہمارے مقام وعد پر جانے کے بعد اور تم اس کے معبود بنانے کی وجہ سے ظالم بن گئے، عبادت کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے پھر ہم نے تم کو معاف کردیا، یعنی تمہارے گناہوں کو معاف کردیا، بچھڑے کو معبود بنانے کے بعد تاکہ تم اپنے اوپر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات اور فرقان عطا کی یہ عطف تفسیری ہے، یعنی حق و باطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی تاکہ تم اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت حاصل کرو، اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے جنہوں نے گائے کی پرستش کی تھی، فرمایا اے میری قوم تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہٰذا تم اپنے خالق سے اس کی عبادت سے توبہ کرو، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یعنی تم میں بری، مجرم کو قتل کرے یہ قتل تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسکی توفیق دی اور تمہارے اوپر سیاہ بادل بھیج دیا۔ تاکہ تم میں سے بعض بعض کو نہ دیکھ سکے کہ اس پر ترس کھائے۔ یہاں تک کہ تم میں قتل کئے گئے ستر ہزار کے لگ بھگ پس اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ کو قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: عَالَمِیْ زَمَانِھِمْ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سِوَال: عَالَم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں، بنی اسرائیل کی ماسوی اللہ پر فضیلت سے لازم آتا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ پر بھی فضیلت حاصل ہو حالانکہ امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں میں افضل ترین امت ہے۔

جَوَابٌ: عالم سے اس زمانہ کے موجودین مراد ہیں، نہ کہ مطلق موجودین۔

قَوْلُہٗ: عَــدْلٌ، بمعنی عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف، فدیہ، عِدل کسرۂ عین کے ساتھ بمعنی مثل، ابوعمر نے کہا ہے کہ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہم معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَلَاهُمْ يُنصَرُوْنَ. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: هُمْ ضمیر جمع مذکر کی ہے، نفس کی طرف راجع ہے حالانکہ نفس مفرد ہے۔

جَوَابٌ: نـفـس، نکرہ کے تحت النفی داخل ہونے کی وجہ سے عموم پر دلالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے نفس میں جمعیت کے معنی پیدا ہوگئے ہیں۔

سَوَالٌ: هُمْ، ضمیر مذکر ہے، جب کہ اس کا مرجع نفس مؤنث ہے۔

جَوَابٌ: نَفسٌ، عِبَادٌ، کی تاویل ہے۔

قَوْلُہٗ: يَسُوْمُوْنَكُمْ، یہ سَوْمٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، وہ تم کو تکلیف دیتے ہیں، مجبور کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بَيَانٌ لِّمَا قَبْلَه، یعنی يُذَبِّحُوْنَ، بعض ماقبل یعنی یسومونکم کا بیان ہے، اس لئے کہ متعدد اور مختلف قسم کی تکالیف میں سے یہاں صرف ذبح کا ذکر ہے۔

قَوْلُہٗ: يَسْتَحْيُوْنَ. اِسْتحياء (استفعال) سے جمع مذکر غائب مضارع وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں، يَسْتَحْيُوْنَ اصل میں يَسْتَحْيِيُوْنَ دو یاؤں کے ساتھ تھا، پہلی یا عین کلمہ اور دوسری لام کلمہ پہلی یاء پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے کسرہ حذف ہوگیا، اس کے بعد یاء اور حاء کے درمیان التقاء ساکنین ہوا، جس کی وجہ سے یاء حذف ہوگئی، اور کہا گیا ہے کہ تخفیفاً یــاء ثانیہ کو حذف کردیا گیا اور پہلی یاء کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دیدیا گیا ہے، لڑکیوں کو مایؤل کے اعتبار سے نساء سے تعبیر کردیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وفي ذٰلكم، خبر مقدم ہے، بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ، مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلسَّـامِرِیّ، سامری کا اصل نام موسیٰ ہے یہ شخص ولد الزنا تھا، نسلاً اسرائیلی تھا، اس کی والدہ نے شرم اور بدنامی کے خوف سے اس کو ایک پہاڑ کی غار میں جنا تھا اور بدنامی کے خوف سے غار ہی میں چھوڑ دیا تھا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پرورش فرمائی تھی۔

فموسَی الذی رَبَّاهُ جبرئیل کافرٌ   وموسَی الذی رَبَّاهُ فرعون مرسَلٌ

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

عَدْلٌ بفتحة العين وهو الفداء لِأنَّهٗ معادلٌ للمفديّ قيمة وقدرًا اِن لم يكن من جنسه، وبكسر العين هو المساوی فی الجنس والجرم ويقال عِدل وعَدِيْل الی بالجملہ معطوفة التی هی "وَلَاهم

يُـنْـصرون" اسمية مع اَنّ الجمل التي قبلها فعلية للمبالغة و الدلالة على الثباتِ و الديمومة، اى اَنّهم غيرُ منصورين دائمًا، و لا عبرة بما يصادفونَهُ مِن نجاح موقتٍ "موسى علم اعجميٌ لا ينصرف هو فى الاصل مركب ، هو في الاصل موشى بالشين المعجمة، لأنّ الماءَ بالعَبْرِيَّةِ يقال لهُ مُوء والشجر يقال لهُ ، شا، فعربت العربُ وقالوا: موسٰى.

تفسیر و تشریح

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ، یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد دلائے جارہے ہیں جو ان پر کئے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جارہا ہے، جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا پاسکے گا۔

دراصل یہ اس دور کی طرف اشارہ ہے جب تمام دنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم حق موجود تھا، اور جس کو اقوام عالم کا امام و رہنما بنادیا گیا تھا تاکہ وہ بندگی رب کے راستہ پر سب قوموں کو بلائے اور چلائے۔

بنی اسرائیل کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آگئی تھی، وہ اس قسم کے خیال خام میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں بڑے بڑے اولیاء صلحاء اور زہاد سے نسبت رکھتے ہیں ہماری بخشش تو ان بزرگوں کے صدقہ میں ہو ہی جائیگی، ان کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد بھلا کوئی سزا کس طرح پاسکتا ہے، اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کو شمار کرانے کے معاً بعد فرمایا: "وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ".

وَاتَّقُوْا يَوْمًا ، اس دن سے مراد ظاہر ہے کہ قیامت کا دن ہے، قیامت کی یاد بروقت اور بڑے حکیمانہ انداز سے دلائی گئی ہے حشر و نشر، جزاء و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی روح ہے اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، بلکہ ان کی مقدس کتابوں اور دینی نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا، آگے جو روزِ قیامت کے اوصاف بیان ہورہے ہیں، ہر ایک میں مقصود کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدے ہی کا رد ہے۔

لَاتَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ ، اس کا مقصد اس اسرائیلی عقیدے کی تردید ہے جس میں آج تک اسرائیلی قوم مبتلا ہے، یعنی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہونے کی وجہ سے بخشش کا زعم باطل جیوش انسائیکلوپیڈیا، میں لکھا ہے۔

بہت سے لوگ اپنے اسلام کے اور بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اعمال حسنہ کی بناء پر بخش دیئے جائیں گے۔

(جلد ۶، ص: ۶۱)

یہود کو یہ بھی دھوکا تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے مؤاخذہ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا:

"وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ".

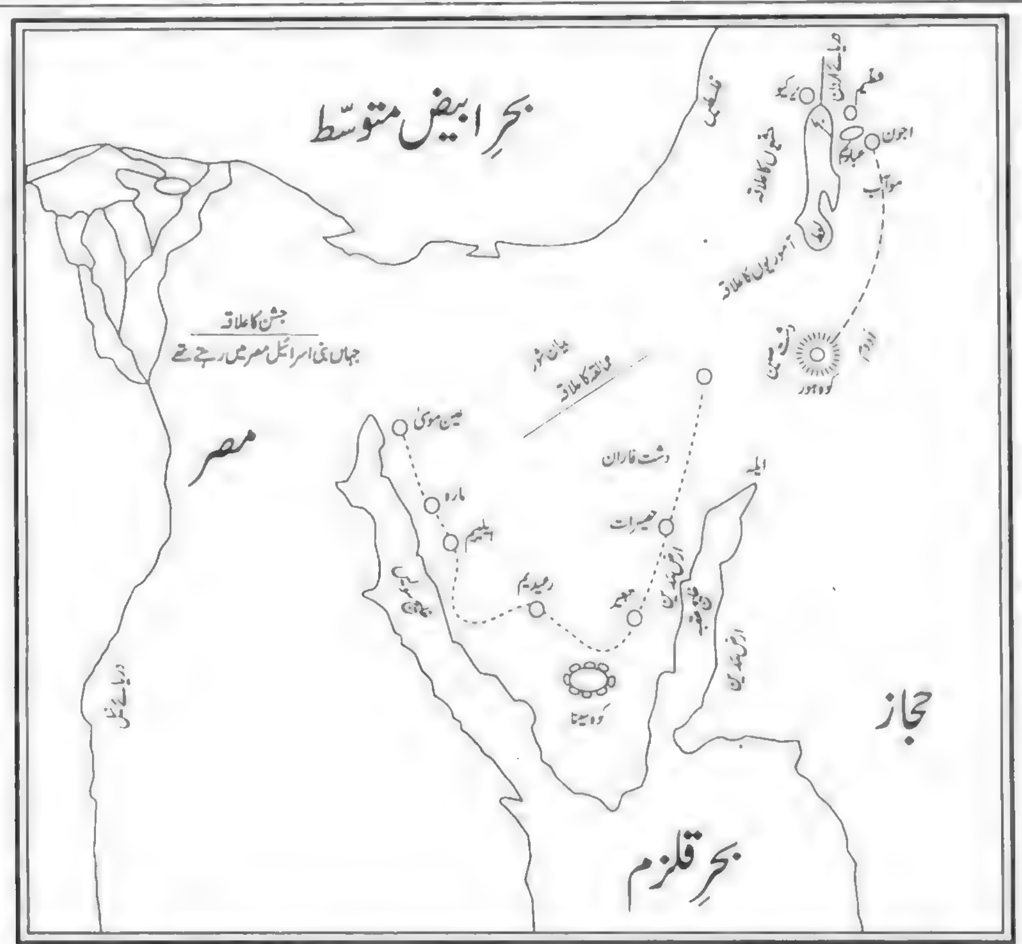
بنی اسرائیل پر ایک انعام یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی، جو انہوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوادی اور ان کی جگہ امت محمدیہ کو خیر امت بنادیا گیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان و عمل سے محرومی پر سلب کر لئے جاتے ہیں۔

وَاذکروا اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ، سابقہ آیات میں بنی اسرائیل پر جن انعامات و احسانات کا اجمالاً ذکر تھا، (اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک) ان کی قدرے تفصیل بیان کی جارہی ہے، اس تاریخی بیان میں دراصل یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایک طرف یہ احسانات و انعامات ہیں جو خدا نے تم پر کئے اور دوسری طرف تمہارے یہ کرتوت ہیں جو ان احسانات کے جواب میں تم کرتے رہے ہو۔

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ، آل یہ اہل کا مرادف ہے اور مراد اس سے فرعون کی قبطی قوم ہے آل اور اہل میں فرق صرف اس قدر ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فرعون کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں ہے قدیم شاہانِ مصر کا لقب تھا، جیسا کہ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے، جیسا کہ زمانہ قریب میں روس کے بادشاہ کو زار اور ترکی کے فرمانروا کو سلطان اور والی مصر کو خدیو اور والی حیدرآباد دکھن کو نظام کہتے تھے، مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہے بلکہ یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہیں۔





تشریح: حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ، ایلیم اور رفیدیم کے راستے کوہِ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زائد مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے، یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے، پھر آپ کو حکم ہوا، کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کرلو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بنی اسرائیل کو لئے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشت فاران میں تشریف لائے اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے روانہ کیا، قادس کے مقام پر اس وفد نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی، حضرت یوشع اور کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی، جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب یہ چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل، یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل دیکھنے نہ پائے گی، اس کے بعد بنی اسرائیل دشت فاران وبیابان شور اور دشت صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمالقہ، اموریوں، ادومیوں ندیانوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھڑتے رہے، جب چالیس سال گزرنے کے قریب آئے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہِ ہور پر حضرت ہارون عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے وفات پائی، پھر حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بنی اسرائیل کو لئے ہوئے موآب کے علاقے آنے میں داخل ہوئے، اور اس پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے، یہاں کوہِ عباریم پر حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کا انتقال ہوا، اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کرکے شہر یریکو (اریحا) کو فتح کیا، یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا پھر ایک مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہوگیا، اس نقشہ میں ایلہ (قدیم نام ایلات اور موجودہ معقبہ) وہ مقام ہے جہاں غالباً اصحاب السبت کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ رکوع ۸، اور سورۂ اعراف رکوع ۱۲ میں آیا ہے۔

فرعون موسیٰ کا نام:

اہل کتاب کے قول کے مطابق فرعونِ موسیٰ کا نام قابوس ہے اور وہب نے کہا ہے کہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان ہے۔ (فتح القدير شوكانی)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ ''فرعون'' شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے، تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس خاندان مصر پر حکمران رہے ہیں۔

عام مؤرخین عرب اور مفسرین، فرعون موسیٰ کا تعلق خاندان عمالقہ سے قرار دیتے ہیں، کوئی اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بتاتا ہے اور کوئی مصعب بن ریان، مگر ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے کہ اس کا نام ریان تھا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ابومرہ تھی، یہ سب اقوال قدیم مورخین کی تحقیقی روایات پر مبنی تھے، مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتبات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون رَمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے، جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔ (قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن ملخصًا)

مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تصدیق کر رہا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً، آج کے دن ہم تیرے جسم کو (دریا سے) نجات دیں گے، تاکہ وہ تیرے بعد آنے والوں کے لئے (خدا کا) نشان رہے۔ محمد احمد عدوی اپنی کتاب ''دعوة الرسل الى الله'' میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے اس کی تصدیق اس تصویر کے دیکھنے سے بھی ہوتی ہے جو زمانہ قریب میں سی ڈی میں محفوظ کی گئی ہے۔

فرعون کا خواب:

تورات اور مورخین کا بیان ہے کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا وہ یہ کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے، یہاں تک کہ: اس نے مصر پہنچ کر مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور اسرائیلیوں کو چھوڑ دیا، اس خواب سے فرعون کو بہت تشویش لاحق ہوئی اس کی تعبیر کے لئے کاہنوں، نجومیوں اور قیافوں کو جمع کیا، ان لوگوں نے بتایا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں ہوگا، اس واقعہ کے بعد فرعون کو اسرائیلیوں سے عداوت ہوگئی اور نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ مفسرین نے بھی انہی روایات کو کتب تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔

موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور ان کا نسب:

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا نسب چند واسطوں سے یعقوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تک پہنچتا ہے ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکا بدتھا، سلسلہ نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) بن اسحٰق بن ابراہیم (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ، نَجَّیْنَا، باب تفعیل سے ہے، اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ تمام اسرائیلی مصر سے ایک ساتھ نہیں نکلے تھے، بلکہ بتدریج مختلف جماعتوں کی شکل میں نکلے تھے، اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا، جو حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی قیادت میں روانہ ہوا اور راہ بھٹک کر سمندر پار ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

فرعون اور مصری سرکار کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا، سفر مصری حکومت سے خفیہ طور پر رات کے وقت شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ راستہ میں روشنی کا انتظام تو دور کی بات ہے، آج کل کی طرح باقاعدہ سڑکیں بھی نہ تھیں، رات کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ آگے بڑھ کر اپنی دائیں طرف مشرق کی جانب مڑتے پہلے ہی ادھر مڑ گئے، ادھر فرعون کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی، فرعون اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا، اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب بحر قلزم کا شمالی سرا تھا اور دائیں بائیں یعنی شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر تھا، قرآن مجید میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ، بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہوا ہے، بلکہ بحر قلزم (بحر احمر) مراد ہے اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃً سخت پریشان ہوئے لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیغمبر کر رہے تھے، آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ پر فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں داخل ہو جاؤ، سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا، درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا، اس دوران فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے، اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں داخل ہو گئے، لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی دیواریں آپس میں مل گئیں، اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔

معجزہ کی حقیقت:

انسان کے محدود نقطۂ نظر اور ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد خلاف معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں خارجی مادی اسباب سے بے تعلق ظہور میں آئے اسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں، ''ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت یعنی مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے'' خلاف عقل کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا یا اس کی تاویل کی کوشش کرنا جیسا کہ سرسید احمد خاں نے کی ہے خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے، عجائبات سے آخر تاریخ بھری پڑی ہے، اور خوارق، نوادر، اور حوادث عجیبہ سے دنیا کا کونسا گوشہ، زمانہ کا کونسا دور خالی رہا ہے، زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلاف معمول خلاف عادت عامہ کہا جا سکتا ہے اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کیا جا سکتا ہے اور راویوں پر جرح بھی خوب کر لینی چاہئے، لیکن اس سے تجاوز کر کے ان کے نفس امکان میں شک کرنا یا انہیں خلاف عقل یا محال قرار دینا اپنی کم عقلی کا اظہار ہے۔

استبعاد جو کچھ بھی ہے وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے ورنہ جو قادر مطلق ہے اس کے لئے تو حسب معمول اور خلاف معمول سب ایک ہے۔

وقوع اور امکان میں فرق:

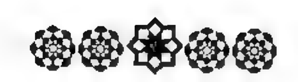
وقوع اور امکان دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں اور ان ہی کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کر دی ہے امکان تو ہر چیز کا ہے قادر مطلق کے دائرۂ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے ناممکن اور محال اس کے لئے کوئی چیز نہیں، لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تو معجزات پر اصولی گفتگو تھی، باقی یہاں جس فرق بحر کا ذکر ہے تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا، کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں کہ اس کی نظیر کہیں نہ ملتی ہو، بحری زلزلے کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں، جنوری ۱۹۳۴ء رمضان ۱۳۵۲ھ میں جو عظیم زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا اس موقع پر صوبۂ بہار کے صدر مقام پٹنہ میں دو پہر ڈھائی بجے کے قریب ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہو گیا، اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں چار پانچ منٹ تک قائم رہا یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے ابل کر پھر جاری ہو گیا واقعہ کی مفصل روئداد وقائع نگار کے قلم سے انگریزی روزنامہ ''پائنیر'' (لکھنؤ) ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔ (تفسیر ماجدی)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً، بنی اسرائیل فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد دریا عبور کر کے جب جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس روز کے لئے کوہ طور پر طلب فرمایا، تاکہ وہاں اس قوم کے لئے جو اب آزاد ہو چکی ہے، قوانین شریعت اور عملی زندگی کی ہدایات عطا کی جائیں حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بن عمران سلسلۂ اسرائیلی

کے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر پیغمبر ہیں تورات میں ہے کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ (ماجدی)

آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثریین کے تخمینہ کے مطابق پندرہویں اور سولہویں صدی قبل مسیح کا تھا، سال ولادت غالبًا ۱۵۲۰ قبل مسیح (علیہ الصلاۃ والسلام)، سال وفات غالبًا ۱۴۰۰ قبل مسیح (علیہ الصلاۃ والسلام) ہے۔ (ماجدی)

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام حکم خداوندی سے چالیس روز کے لئے نوشتۂ شریعت لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی غیر موجودگی میں اسرائیلیوں نے سامری اسرائیلی منافق کے پیچھے لگ کر ایک سونے چاندی کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔



حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ نے عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا، انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف لوگوں کو دعوت دی پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے نائب مقرر کئے، شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اور اندرون عرب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور کیا، پھر اللہ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے، اور اللہ ہی کے حکم سے وہ ہی اس مشن کا مرکز قرار پایا۔



تشریح: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عراق میں اُر کے مقام پر پیدا ہوئے، آگ کے الاؤ سے بچ نکلنے کے بعد آپ وطن چھوڑ کر پہلے حران (یا حاران) تشریف لے گئے پھر وہاں سے فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور بیت ایل، حسبرون اور بیرشبع میں اپنی دعوت کے مراکز قائم کئے، پھر بحر لوط کے مشرق میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو مامور کیا، وہاں سے آپ مصر تشریف لے گئے جو اس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر میں بھی آپ کا کوئی تبلیغی مشن قائم ہوا یا نہیں، اس کے بعد آپ نے حجاز کا رخ کیا اور مکہ میں بیت اللہ تعمیر کر کے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خدمت سپرد کی، پھر فلسطین میں حسبرون کو اپنا مستقل مرکز بنایا، اور یہیں آپ کا انتقال ہوا، آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مرکز میں آپ کے جانشین ہوئے، اور ان سے یہ میراث حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک پر متنبہ فرمایا، تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، تو بہ کا طریقہ قتل تجویز ہوا (فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ) آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے گاؤ پرستی میں حصہ لیا تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں، دوسری تفسیر یہ ہے کہ شرک کا ارتکاب نہ کرنے والے شرک کے ارتکاب کرنے والوں کو قتل کریں، مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ستر ہمراہیوں کے ہلاک ہونے کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس آنے لگے، تو انہوں نے کہا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جس پر بطور عتاب بجلی گری اور ہلاک ہوگئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعاء کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کردیا۔

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر وشام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے، جب انہوں نے بحکم الٰہی عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کردیا، اور بطور سزا بنو اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوسَى لِتَعْتَذِرُوا اِلَى اللّٰهِ مِن عِبَادَةِ العِجْلِ وَسَمِعْتُمْ كَلامَهُ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً عِيَانًا فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ الصَّيحَةُ فَمُتُّم وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ مَا حَلَّ بِكُم ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ اَحْيَيْنَاكُم مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ نِعمَتَنَا بِذٰلِكَ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ سَتَرنٰكُم بِالسَّحَابِ الرَّقِيقِ مِن حَرِّ الشَّمسِ فِي التِّيهِ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ فِيهِ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى هُمَا التُّرَنجَبِينُ وَالطَّيرُ السُّمَانِي بِتَخفِيفِ المِيمِ وَالقَصرِ وَقُلنَا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَدَّخِرُوا فَكَفَرُوا النِّعمَةَ وَ ادَّخَرُوا فَقُطِعَ عَنهُم وَمَا ظَلَمُوْنَا بِذٰلِكَ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيهِم وَاِذْ قُلْنَا لَهُم بَعدَ خُرُوجِهِم مِنَ التِّيهِ ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ بَيتَ المَقدِسِ اَو اَرِيحَا فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاسِعًا لَا حَجْرَ فِيهِ وَّادْخُلُوا الْبَابَ اَي بَابَهَا سُجَّدًا مُنحَنِينَ وَّقُوْلُوْا مَسأَلَتُنَا حِطَّةٌ اَي اَن تَحُطَّ عَنَّا خَطَايَانَا نَّغْفِرْ وَفِي قِرَاءَةٍ بِاليَاءِ وَالتَّاءِ مَبنِيًّا لِلمَفعُولِ فِيهِمَا لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنهُم قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعرَةٍ وَدَخَلُوا يَزحَفُونَ عَلَى اَستَاهِهِم فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فِيهِ وَضعُ الظَّاهِرِ مَوضِعَ المُضمَرِ مُبَالَغَةً فِي تَقبِيحِ شَانِهِم رِجْزًا عَذَابًا طَاعُونًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ بِسَبَبِ فِسقِهِم اَي خُرُوجِهِم عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنهُم فِي سَاعَةٍ سَبعُونَ اَلفًا اَو اَقَلُّ.

ترجمہ: (یاد کرو) جب تم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا، (جب کہ) تم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گاؤ پرستی کی عذرخواہی کے لئے اللہ کی طرف نکلے تھے، اور تم نے اس کا کلام سنا تھا، اے موسیٰ ہم ہرگز آپ کی بات کا یقین نہ کریں گے جب تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں، سو تم کو بجلی کی کڑک نے آلیا، جس کی وجہ سے تم مر گئے اور جو کچھ تم پر گذرا، تم دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دیا، تاکہ تم اس احسان کی شکر گذاری کرو، اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا یعنی مقام تیہ میں رقیق (ہلکے) بادل کے ذریعہ سورج کی گرمی سے حفاظت کی اور اس مقام تیہ میں مَن وسلوٰی تمہارے لئے فراہم کیا اور وہ ترنجبین اور بٹیر تھیں میم کی تخفیف اور الف مقصورہ کے ساتھ اور ہم نے تم سے کہا جو پاک چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں، انہیں کھاؤ اور ذخیرہ نہ کرو، مگر انہوں نے نعمت کی ناشکری کی اور ذخیرہ اندوزی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ چیزیں موقوف ہو گئیں، اور (تمہارے اسلاف نے) اس ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اس لئے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑنے والا ہے، اور جب ہم نے ان سے مقام تیہ سے نکلنے کے بعد کہا تھا، کہ اس بستی بیت المقدس یا اریحا میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں جو چاہو اور جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ، اس میں کوئی پابندی نہیں، مگر اس بستی کے دروازے میں (عاجزی کے ساتھ) جھکے جھکے داخل ہونا، اور کہتے جانا ہماری درخواستِ معافی ہے، یعنی ہمارے خطاؤں کو معاف کر دے، ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور ایک قراءت میں یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور دونوں صیغے مجہول کے ساتھ ہم نیکوکاروں کو مزید نوازیں گے طاعت کے سبب ثواب سے، مگر جو بات ان کو بتائی گئی تھی، ظالموں نے اس کو دوسری بات سے بدل ڈالا اور حَبَّةٌ فی شعرةٍ کہا، یعنی خوشہ دانہ سمیت اور اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، ان کی تقبیح شان میں مبالغہ کرنے کے لئے آسمان سے طاعون کا عذاب نازل کر دیا، ان کے فسق کی وجہ سے یعنی ان کے اطاعت سے انحراف کرنے کی وجہ سے، چنانچہ اسی وقت ان میں سے ۷۰ ہزار یا (کچھ) کم ہلاک ہو گئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ.

سوال: مؤمن بہ کیا ہے؟

جواب: صاحب کشاف نے کہا ہے کہ مومن بہ یہ ہے کہ: اللہ ہی آپ سے ہمکلام ہے اور یہ کہ اللہ ہی نے آپ کو تورات دی ہے؟ اور محی السنہ نے کہا ہے کہ مومن بہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں؟

سوال: نُؤْمِنُ، متعدی بنفسہٖ ہے، لہٰذا اس کے صلہ میں لام کیسا ہے؟

جَوَابٌ: لام بمعنی اجل ہے: اَیْ لا نُؤمِنُ لِاجلِكَ، یعنی محض آپ کے کہنے کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

قَوْلُہٗ: عیانا، جَھْرة کی تفسیر عیانا سے کرنے سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سَوَالٌ: جَھْـرَةً، جَھَرْتُ بالقراءة کا مصدر ہے، جس کا تعلق صوت سے ہے، جَھْرة کو رؤيةَ کے معنی میں استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: جَھر، رؤیة کے معنی میں مجاز ہے، مناسبت دونوں میں ظہور تام ہے۔

قَوْلُہٗ: صَاعِقَة، بجلی کی کڑک، کڑکڑاہٹ۔

قَوْلُہٗ: فَمُتُّمْ، فَمُتُّمْ، کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ثُمَّ بعثنٰکُمْ کا عطف مقدر پر ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ بعث تو بعد الموت ہوتا ہے اور اخذ صاعقہ کے لئے موت لازم نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صاعقہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: مَـاحَلَّ بِکُمْ، اس اضافے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تَـنْـظُرُوْن کا مفعول محذوف ہے کہ اَخَذتکم الصاعقة.

قَوْلُہٗ: اَلغمام، السَّحابُ الرقیق الابیض.

قَوْلُہٗ: تیه، شام اور مصر کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، جس کی وسعت نو فرسخ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنّ، ایک قسم کی شبنمی شیریں گوند کی شکل کی چیز تھی، جو رات کو پتوں پر جم جاتی تھی، مفسر علام نے اس کو ترنجبین سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَلوٰی، ایک قسم کا پرندہ ہے، جو کبوتر سے چھوٹا اور چڑیا سے بڑا ہوتا ہے، اردو میں اس کو بٹیر کہتے ہیں، اس کو لَوٰی اور فارسی میں بودنہ کہتے ہیں، قاموس میں ہے کہ اس کا واحد سَلواةً ہے، اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: سُمانی، سین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ اس کی جمع سمانات آتی ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: منحنین، اس میں اشارہ ہے کہ سُجَّدًا حال ہے ای متواضعین.

قَوْلُہٗ: مســالتنـا حِطّةٌ، اس میں اشارہ ہے کہ حِطّةٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور حِطّةٌ کلمۂ استغفار ہے، اور اس میں حذف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

سَوَالٌ: حِطّةٌ کو قولوا کا مقولہ کیوں قرار نہیں دیا، حالانکہ یہی ظاہر ہے۔

جَوَابٌ: اس لئے کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے اور حِطّةٌ مفرد ہے اسی اعتراض سے بچنے کے لئے مَسْـألتنا، مبتدا محذوف کی حِطّةٌ کو خبر قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَزحَفُوْنَ علیٰ استاھم، ای یمشون علیٰ اَدْبارھم، یعنی سرین کے بل گھسٹتے ہوئے، اَستاہٗ، جمع سَتَہ، سرین۔

قَوْلُہٗ: بسبب فسقھم، اس میں اشارہ ہے کہ: بما، میں باء سببیہ اور ما، مصدریہ ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ (الآیة) خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کو ہے مگر مراد ان کی قوم کے وہ ستر نمائندے ہیں، جن کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے تھے: "والقائلون ھم السبعون الذین اختارھم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لِلْمِیقات. (بیضاوی) لَنْ نؤمن لَکَ ای لا جلِکَ (بیضاوی) یعنی محض آپ کے کہنے سے یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ تاریخ بنی اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جارہے ہیں اور اسرائیلیوں پر حجت ان کی قومی تاریخ سے قائم کی جارہی ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جزیرہ نمائے سینا میں ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لے کر لشکرگاہ سے کوہ طور پر گئے تھے، دامن کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگان قوم کو پہنچائی تھی۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ، یعنی صاعقہ گرنے کے بعد ابتدائی حالات کو دیکھ رہے تھے، جس کے بعد موت واقع ہوئی بعض مفسرین نے: "فَاَخذتکم الصاعقة" سے بے ہوش ہوجانا بھی مراد لیا ہے اور "وَخرّ موسیٰ صَعِقا. فَلَمَّا اَفَاقَ" سے استدلال کیا ہے، اور انتم تنظرون کو اس کا قرینہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ افاقہ غشی سے ہوتا ہے، نہ کہ موت سے امام رازی رَحِمَہُ اللہُ تعَالیٰ اور ابن جریر رَحِمَہُ اللہُ تعَالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ (ماجدی)

مفسر علام نے "اَخذِ صاعقة" سے موت مراد لی ہے، اور اس کا قرینہ بعد میں آنے والے جملہ "ثم بعثنا کم من بعد موتکم" کو قرار دیا ہے، یہی قول راجح ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ، یعنی پھر ہم نے (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء) سے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانوگے۔

فَائِدَہ: "موت" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ: یہ لوگ بجلی سے مرگئے تھے، اس مرنے کا قصہ اور سبب یہ ہوا کہ: جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور سے تورات لاکر پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی کی خوشخبری سنائی تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے، تو بے شک ہم کو یقین آجائے گا، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو اس وقت کہنے لگے، ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ پس پردہ اللہ بول رہا ہے، نہ معلوم کون بول رہا ہوگا، اگر ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو مان لیں گے، چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا، اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آن پڑی، اور سب ہلاک ہوگئے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل یوں ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کہیں ہلاک کر دیا ہوگا، مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے اس دعاء کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔

(معارف ملخصًا)

رؤیت باری کا مسئلہ:

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ رؤیت باری ممکن نہیں ہے، اگر رؤیت باری ممکن اور جائز ہوتی تو اس سوال پر سرداران بنی اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی لیکن اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہوگی ہی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضل خاص ممکن ہے، البتہ ہر جہت جسم اور مادی کم وکیف سے پاک۔

(بیضاوی، قرطبی، بحوالہ ماجدی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ، (الآیة) یہ دونوں قصے وادی تیہ میں پیش آئے، وادی تیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے، یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے، اور یہاں کے باشندے ہوگئے اور ملک شام پر پھر عمالقہ نامی ایک قوم کا تسلط ہوگیا، فرعون جب غرق ہوگیا اور یہ لوگ مطمئن ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنے وطن کو ان سے آزاد کراؤ بنی اسرائیل اسی ارادہ سے مصر سے روانہ ہوئے، ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور وقوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا، فاذهب انت وربك الخ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی سزا یہ دی کہ چالیس برس تک میدان تیہ میں سرگرداں اور پریشان پھرتے رہے یہ جزیرہ نمائے سینا جہاں دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور نہ وہاں نباتاتی غذا کی کوئی صورت، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے دھوپ سے بچاؤ کا یہ انتظام فرمایا کہ بادل کو ان پر سایہ فگن رہنے کا حکم دیدیا، یہاں یہ بات بھی خیال رکھنے کی ہے کہ یہ اسرائیلیوں کی کوئی معمولی تعداد نہیں تھی، ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی، صحراء سینا میں مکانات کا تو ذکر ہی کیا سر چھپانے کے لئے ان کے پاس خیمے تک نہ تھے، اس زمانہ میں اگر خدا آسمان کو ابر آلود نہ رکھتا تو یہ قوم دھوپ سے ہلاک ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے غذا کا یہ انتظام فرمایا کہ ان پر مَن وسلویٰ نازل فرما دیا، مَن، شبنمی شریں گوند کی طرح ایک چیز تھی، جو درختوں کے پتوں پر بکثرت جم جاتی جس کو یہ لوگ جمع کر لیتے، دوسری چیز بٹیر تھی، جو کثرت سے آتیں جن کو یہ لوگ پکڑ لیتے اور خوشگوار غذا کے طور پر استعمال کرتے۔

اور جب پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا، اس کے نتیجے میں اس پتھر سے بارہ چشمے رواں ہوگئے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کی بنیادی ضرورت کا انتظام فرما دیا۔

بنی اسرائیل کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ بقدر ضرورت لے لیا کریں آئندہ کے لئے جمع نہ کریں، مگر یہ لوگ ذخیرہ اندوزی سے باز نہ

آئے، معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزی بنی اسرائیل کی قدیم عادت ہے آخر اس ذخیرہ اندوزی کی سزا میں گوشت سڑنا شروع ہو گیا۔ (معارف) اسی کے لئے فرمایا گیا ہیں: " وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ".

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ، یہ بستی کونسی تھی، بعض مفسرین نے بیت المقدس بتایا ہے اور ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو، جو موجودہ نقشوں میں (Jericho) کے نام سے ملے گا، یہ بحر مردار کے شمال سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا، اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لئے گئے ہیں، بعض شہروں کے نام اب بدل گئے ہیں مثلاً ایلہ کہ اب اسے عقبہ کہتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو، یہ علاقہ مواب میں واقع ہے، جو بحر مردار کے مشرق میں ہے، اس زمانہ میں یہ شہر بہت شاداب اور آباد تھا، بنی اسرائیل کے اپنے وطن شام سے نکلنے کے بعد شام پر قوم عمالقہ قابض ہو گئی تھی، جب فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنا وطن واپس لے لو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے داخل نہ ہونا، بلکہ خدا ترسوں کی طرح منکسرانہ شان سے داخل ہونا، اس لئے کہ شانِ عبودیت یہی ہے اور مومنین مخلصین کے لئے یہی مناسب اور زیبا ہے، جیسا کہ حضرت محمد ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں نہایت عاجزانہ انداز سے سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے تھے۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ، "باب" سے مراد شہر کا پھاٹک ہے، قدیم زمانہ میں شہر کے چاروں طرف بلند فصیل بنائی جاتی تھی، جو شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی، شہر میں داخل ہوتے وقت ایسی فصیل کے پھاٹک سے گذرنا ہوتا تھا، سُجَّدًا، سجدہ سے مراد مشہور و معروف سجدہ نہیں ہے بلکہ عاجزی اور فروتنی مراد ہے، (راغب، ابن جریر، ابن عباس، ماجدی)

قَوْلُهٗ: حِطَّةٌ، مراد یہ نہیں ہے کہ بعینہٖ لفظ، حِطَّة کہتے جانا اس لئے کہ یہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور اسرائیلیوں کی زبان عبری یا عبرانی تھی، حطة کے معنی توبہ و استغفار کے ہیں، مطلب یہ تھا، کہ قلبی خشوع خضوع کے ساتھ زبان سے بھی توبہ و استغفار کرتے جانا، اور بعض حضرات نے بعینہٖ اسی لفظ کے کہنے کا حکم بھی مراد لیا ہے، اگرچہ اس کا بھی احتمال ہے مگر اقرب الی المقصو د اول ہے۔ (کبیر، روح)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ، (الآیة) یعنی جو الفاظ ان کو تلقین کئے گئے تھے، ان کو چھوڑ کر دوسرے ہزل و تمسخر کے کلمے زبان پر لانے لگے، ہزل و تمسخر کے کلمے کیا تھے؟ اس میں روایات مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے تمسخر اور استہزاء کا کلمہ کہہ رہے تھے۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ، رجز عام ہے ہر عذاب کے لئے استعمال ہوتا ہے، خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔

مِنَ السَّمَآءِ، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عذاب برف یا بارش کی شکل میں آسمان سے نازل ہوا تھا، مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب اسباب طبعی سے پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ای مقدرٌ من السماء.

اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا، کی تکرار ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لئے ہے۔

اسرائیلیوں پر نازل ہونے والا عذاب کیا تھا؟

ہمارے یہاں طاعون کی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہا جاتا ہے کہ اس طاعونی عذاب میں ستر ہزار سے زائد اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ بما کانوا یفسقونَ، باء، سببیہ ہے، ای بسببِ فسقِهمُ المستمر. (ابو سعود)

کانوا کا صیغہ دوام واستمرار پر دلالت کرنے کے لئے ہے، بما کانوا یفسقون سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہیں تھا، بلکہ روحانی اور اخلاقی بد پرہیزیاں اور نافرمانیاں تھیں۔ (ماجدی ملخصًا)

وَ اذکرْ اِذِاسْتَسْقٰى مُوْسٰى ای طَلَبَ السقیا لِقَوْمِهٖ وقد عطِشُوا فِی التِیه فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ وہُوَ الَّذِی فرَّ بثوبه خفیفٌ مُربّعٌ کراْس رجلٍ رُخَامٌ اَوْ کَدانٌ فضرَبَهٗ فَانْفَجَرَتْ اِنْشقّتْ وسالَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا بعددِ الاَسباطِ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ سَبْطٍ مِنْهُمْ مَّشْرَبَهُمْ موضعَ شُربِهم فلا یُشرِکُهم فِیهِ غیرُہم وقُلْنا لهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ حالٌ مُؤکِّدةٌ لِعاملِها مِن عَثِیَ بکسرِ المُثَلَّثَةِ اَفسدُوا وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ ای نوعٍ منهُ وَّاحِدٍ وہُوَ المَنُّ والسَّلوٰی فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا شیئًا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ لِلبیانِ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا حِنطتِها وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ لهم مُوسٰى اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى اخسُّ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اشرفُ ای تاخُذُونَهٗ بدلَهٗ والهمزةُ لِلاِنکارِ فابَوا اَن یَّرجِعُوا فدعَا اللّٰهَ فقالَ تعالٰی اِهْبِطُوْا انزِلُوْا مِصْرًا مِنَ الاَمصارِ فَاِنَّ لَكُمْ فِیهِ مَّا سَاَلْتُمْ مِنَ النَّباتِ وَضُرِبَتْ جُعِلَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ الذُّلُّ والهوانُ وَالْمَسْكَنَةُ ای اَثَرُ الفقرِ، مِنَ السُّکُونِ والخِزْیِ فهِیَ لازمةٌ لهُمْ واِنْ کانُوْا اَغْنِیاءَ لُزُومَ الدِّرہمِ المَضروبِ لِسِکَّتِهٖ وَبَآءُوْ رَجَعُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ ای الضَّرْبُ والغَضَبُ بِاَنَّهُمْ ای بسببِ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ کزکریّا ویحیٰی بِغَیْرِ الْحَقِّ ای ظُلمًا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ یَتَجاوَزُونَ الحَدَّ فِی المَعاصِی وکَرَّرَهٗ لِلتَّاکِیدِ.

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعاء مانگی، دراں حال کہ وہ مقام تیہ میں پیاسے ہوئے، تو ہم نے (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی (فلاں) پتھر پر مارو، اور یہ وہی پتھر تھا کہ جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا تھا، (اور) وہ پتھر ہلکا چوکور آدمی کے سر کے مشابہ سفید رنگ کا نرم تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر لاٹھی ماری تو وہ شق ہو گیا، (اور) قبیلوں کی تعداد کے مطابق اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور

ان کے ہر قبیلے نے اپنا چشمہ جان لیا، (یعنی) اپنے پانی کی جگہ پہچان لی تاکہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور ملک میں فساد کرتے مت پھرو، (مفسدین) اپنے عامل سے حال مؤکدہ ہے عَثِیَ ثاء مثلثہ مکسورہ سے ماخوذ ہے بمعنی اَفْسَدَ ہے، اور اس وقت کو یاد کرو، جب تم نے (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے) کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز اکتفا نہ کریں گے اور وہ مَن اور سلوی ہے، لہٰذا آپ اپنے رب سے دعاء فرمائیں کہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا فرمائے مِمّا میں مِنْ بیانیہ ہے (مثلاً) ساگ، سبزی، اور ککڑی، اور گندم، اور مسور اور پیاز تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کیا تم ادنیٰ درجہ کی چیز کو اعلیٰ درجہ کی چیز کے بجائے، لینا چاہتے ہو، یعنی ادنیٰ کو اعلیٰ سے تبدیل کرنا چاہتے ہو، یعنی اعلیٰ کے بدلے میں ادنیٰ لینا چاہتے ہو، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے مگر انہوں نے (اپنے مطالبہ سے) باز آنے سے انکار کر دیا، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرما دی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اچھا تو) شہروں میں سے کسی شہر میں جا رہو، ساگ وغیرہ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا، (حتی کہ) ان پر ذلت وخواری اور محتاجی یعنی محتاجی کا (قلبی) اثر فقر اور ذلت مسلط کر دی گئی، جس کی وجہ سے (قلبی) محتاجی ان کا لازمہ بن گئی، اگرچہ وہ دولت مندہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ٹکسالی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے اور اللہ کا غضب لے کر واپس ہوئے اور ذلت کا مسلط ہونا اور اللہ کا غضب لے کر لوٹنا، یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق ظلماً قتل کرتے تھے، جیسا کہ زکریا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یحییٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو، یہ اس لئے ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور معاصی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اسم اشارہ) کو تاکید کے لئے مکرر لائے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: اِسْتَسْقَی، طَلَبُ السُّقیا، (استفعال) ماضی واحد مذکر غائب، پانی مانگا، پانی کے لئے دعاء کی۔ اِضْرِبْ بعصاكَ الحجرَ، ضَرْبٌ کے عام اور معروف معنی مارنے اور ضرب لگانے کے ہیں، ضَرَبَ کے معنی چلنے کے اس وقت آتے ہیں جب اس کا صلہ فی آتا ہے، لہٰذا جن حضرات نے پہاڑ پر چلے جانے کا ترجمہ کیا ہے (جیسا کہ سر سید احمد خاں نے کیا ہے) یہ ترجمہ جس طرح لغت اور قواعد زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف ہے۔

قِوْلَہُ: الحَجَرَ، ہوسکتا ہے کہ مخصوص پتھر مراد ہو جیسا کہ مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، تو اس صورت میں الف لام عہد کا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی معین پتھر مراد نہ ہو، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، معجزہ کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے۔

قِوْلَہُ: فَضَرَبَهُ، اس کے مقدر ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فانفجرت میں فاء فصیحہ ہے اور انفجرت محذوف پر مرتب ہے، اِنْفَجَرَتْ، انفجار، سے مشتق ہے، اس کے معنی شق ہونے اور بہنے کے ہیں۔

قِوْلَہُ: کُلُّ اُنَاسٍ، کل سے کل افرادی مراد ہے بالنسبة الی الاسباط نہ کہ کل مجموعی۔

قِوْلَهُ: تَعْثَوْا، یہ عَثَا یَعْثُوا، (ن) اور عثِي يَعْثي، (س) سے نہی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، یعنی تم فساد نہ پھیلاؤ۔

قِوْلَهُ: حالٌ مؤكدة لعامِلِهَا. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤال: حال ذوالحال میں معنی زائد پر دلالت کیا کرتا ہے جو یہاں مفقود ہیں، اس لئے کہ جو معنی عثیٰ کے ہیں وہی معنی مفسدین کے ہیں۔

جَوابُ: معنی کی زیادتی حال منتقلہ میں ضروری ہوتی ہے، نہ کہ مؤکدہ میں اور یہ حال مؤکدہ ہے۔

قِوْلَهُ: موضع شرب، مشربٌ، کی تفسیر موضع شرب سے کرکے اشارہ کردیا کہ، المشرب ظرف ہے نہ کہ مصدرِ میمی اس لئے کہ مصدر کی صورت میں معنی صحیح نہیں ہیں، کما لایخفی.

قِوْلَهُ: نوعٌ منه، اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اِشکال: بنی اسرائیل کے کھانے دو تھے، مَن اور سلویٰ تو اللہ تعالیٰ نے "علی طعام واحدٍ" کیوں فرمایا؟

جَوابُ: وحدت سے مراد وحدت نوعی ہے، نہ کہ فردی اور یہ تعدد کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ عرف میں بولا جاتا ہے کہ کھانا بڑا لذیذ تھا، اگرچہ مختلف قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔

قِوْلَهُ: شيئًا، مقدر ماننے میں اشارہ ہے کہ من تبعیضیہ ہے، نہ کہ بیانیہ اور بعد والا مِنْ بیانیہ ہے شیئًا، جو کہ یُخرِجْ کا مفعول بہ ہے، مقدر مان کر ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اِشکال: دو حرف جر کا جو کہ ہم معنی ہوں بغیر عطف ایک فعل سے متعلق کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ مِمَّا تنبتُ، اور مِن بقلِهَا، میں دونوں یُخرِجْ لنا، سے متعلق ہیں۔

جَوابُ: دونوں مِنْ، ایک معنی میں نہیں ہیں، پہلا تبعیضیہ ہے اور دوسرا بیانیہ۔

قِوْلَهُ: بقلِهَا، یہ مَا سے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے۔ بَقْلٌ، اس کی جمع بقول ہے، ہر اس نبات کو کہتے ہیں، جس میں تنا نہ ہو، قِثَّاءٌ، ککڑی واحد قِثَّاءة.

قِوْلَهُ: فومٌ، گندم لہسن، ہر وہ غلہ جس کی روٹی بنائی جاسکے، عدس، مسور، بَصَلٌ، پیاز۔

قِوْلَهُ: باءُ و، بَوْءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے اور اسی سے ہے، باءَ المباة، ای رَجَعَ الی المنزل.

قِوْلَهُ: من الامصار، اَیَّ بلدٍ کان من الشام، یہاں مصر سے مراد کوئی مخصوص شہر نہیں ہے اور نہ معروف شہر مصر ہے مطلب یہ ہے کہ ملک شام کی کسی بھی بستی میں چلے جاؤ مِصْرًا کی تنوین تنکیر بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

قِوْلَهُ: جُعِلَتْ، ضُرِبَتْ، کی تفسیر جُعِلَتْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اس میں استعارہ تبعیہ بمعنی لزوم ہے اور یہ ان کے ذلیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: المسكنه، محتاجی۔

قِوْلَهُ: اثر الفقر، اثر مضاف محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ نفس فقر مراد نہیں ہے، بلکہ لازمہ فقر جو کہ ذلت ہے مراد ہے،

ورنہ تو ان میں بہت سے لوگ غنی بھی تھے، اور آج بھی ہیں مگر غنا کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے، بلکہ قلب سے ہے اگر غنا قلبی حاصل نہ ہو، تو اس مصرعہ کے مصداق ہوں گے۔ ے

آنا نکہ غنی ترند محتاج ترند

قولہ: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا، ذٰلك کا مشار الیہ ضرب ذلت اور غضب ہے، سوال پیدا ہوا ہے کہ مشار الیہ دو ہیں اور اسم اشارہ مفرد ہے۔

جواب: مشار الیہ مذکور کے معنی میں ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

تفسیر و تشریح

وَاِذِ اسْتَسْقٰی، یہ واقعہ بعض کے نزدیک مقام تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحراء سیناء کا ہے جب پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنی لاٹھی ماری، تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہر قبیلہ نے اپنے لئے ایک ایک چشمہ متعین کر لیا، یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے خوارق (اور معجزات) کا انکار بہت بڑی غلطی ہے، جب بعض پتھروں (مقناطیس) میں اللہ تعالیٰ نے بعید از قیاس اور خلاف عقل یہ تاثیر رکھی ہے کہ لوہے کو جذب کرتا ہے تو اگر اس پتھر میں ایسی تاثیر پیدا کر دی ہو کہ جو پانی کے اجزاء کو زمین سے جذب کر لے اور اس سے پانی نکلنے لگے تو کیا محال ہے؟

وہ پتھر (چٹان) جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب عصا کی وجہ سے پانی جاری ہو گیا تھا، وہ اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے سیاح جا کر اسے دیکھتے ہیں اور چشموں کے شگاف اس میں اب بھی موجود ہیں۔

مشہور ماہر اثریات (آثار قدیمہ) سر فلنڈرز پیٹری (Petire) تیس آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵-۱۹۰۴ء سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے ان کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبانی سنئے۔

> یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کے پہاڑوں سے لبریز ہے جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں بھی اور شگاف، جا بجا نخلستان، ایسی وادی میں پینے کے پانی کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے۔ (ماجدی)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی، یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے مصر سے یہاں ملک مصر مراد نہیں بلکہ کوئی بھی شہر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو مطلوبہ چیزیں درکار ہیں تو کسی بستی میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں اُگاؤ اور کھاؤ، یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لئے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا کہ تمہاری مطلوبہ چیزیں وہاں ملیں گی

کھیتی باڑی کرو اور کھاؤ، تم کو من وسلویٰ جیسی عمدہ اور لذیذ بے مشقت حاصل ہونے والی غذا کی قدر نہیں ہے۔
اس زجر وتوبیخ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جس بڑے مقصد یعنی اپنے ملک کی آزادی کے لئے یہ صحرا نوردی تم سے کرائی جارہی ہے، اس کے مقابلہ میں کیا تم کو کام ودہن کی لذت اتنی مرغوب ہے کہ اس مقصد کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو، مگر ان چیزوں سے محرومی کچھ مدت کے لئے برداشت نہیں کر سکتے؟
مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ استسقاء کی اصل دعاء ہی ہے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ استسقاء کی اصل پانی کے لئے دعاء کرنا ہے اور یہ دعا کبھی مخصوص نماز کی صورت میں کی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا نماز استسقاء کے لئے عیدگاہ کے میدان میں تشریف لے جانا اور نماز اور خطبہ اور دعاء کرنا منقول ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ بغیر نماز کے صرف دعاء پر اکتفاء فرمایا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی روایت ہے کہ خطبۂ جمعہ ہی میں آپ نے دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

یہودیوں پر ابدی ذلت کا اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ، (الآية) آیات مذکورہ میں یہود کی نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دائمی ذلت ومسکنت بیان کی گئی ہے، اس دائمی ذلت، ومسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر اور صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ وتابعین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے منقول ہے، اس کا خلاصہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے الفاظ میں یہ ہے۔
"لَایَزَالُوْنَ مستذلین من وجدهم استذلهم وضرب علیهم الصغار"۔
یعنی وہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہو جائیں، ہمیشہ تمام اقوام عالم کی نظروں میں ذلیل وحقیر سمجھے جائیں گے جس کے ہاتھ لگیں گے ان کو ذلیل کرے گا اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔ (معارف ملخصًا)
امام تفسیر ضحاک ابن مزاحم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے ان کی ذلت ومسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے:
"هم اهل القبالات یعنی الجزیة" مطلب یہ کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے، ان کی قوت واقتدار دوسروں کے بل بوتہ پر ہوگا، اس مضمون کی ایک آیت سورۂ آل عمران میں ایک زیادتی کے ساتھ اس طرح آئی ہے۔
"ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْآ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" مسلط کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں جائیں گے مگر ہاں ایک ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔
اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے قانون میں امن دیدیا ہو، جیسے نابالغ بچے، عورتیں، یا ایسے عبادت گذار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے، وہ محفوظ اور مامون رہیں گے، اور آدمیوں کے ذریعہ

سے مراد معاہدۂ صلح ہے، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ یا جزیہ دے کران کے ملک میں رہنے کا معاہدہ ہوجائے، مگر الفاظ قرآنی میں: ''مِنَ النَّاسِ'' فرمایا: ''مِنَ المُسلمین'' نہیں فرمایا، اس لئے یہ صورت بھی محتمل ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدۂ صلح کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں، تو مامون رہ سکتے ہیں، آیت کی اس تفسیر سے وہ تمام شبہات دور ہوگئے، جو آج کل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بنا پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں، کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت دراصل اسرائیلیوں کی نہیں، بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں، یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، یورپین ممالک نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہے اور اسرائیل ان کی نظروں میں بھی ان کے فرمانبردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا قرآن کریم کے ارشاد: ''بِحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ'' کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے، وہ بھی ذلت کے ساتھ اس لئے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔

بنی اسرائیل پر دائمی ذلت بحیثیت قوم ونسل ہے نہ کہ بحیثیت عقیدہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ، اول اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہیں کون لوگ جن پر ذلت ومسکنت مسلط کردی گئی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ هُمْ ضمیر کا مرجع متعین کریں، ضمیر کا مرجع الیهود یا الَّذِیْنَ هَادُوْا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہیں، یعنی اس وعید کے مصداق فلاں عقیدہ یا فلاں مسلک والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم ونسل ہے، سبحان اللہ ایک ذرا سا لفظ جان بلاغت ہے، اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کردیا کہ ذلت ونکبت افلاس ومقہوریت کی حامل ایک مخصوص نسل وقوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب وملت کے پیرو، خود لفظ Arti-Semitsm بتا رہا ہے، کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً، اور اٹلی ہنگری رومانیہ وغیرہ کو رہ چکی ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی تھی، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ (ماجدی)

مفلسی محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تموّل تو یہود کا ضرب المثل ہے پھر اس قوم کو محتاج وتنگدست کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ محض دھوکا اور مغالطہ ہے، دولت وثروت جتنی بھی ہے وہ قوم یہود کے صرف اکابر ومشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہوتا ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے، جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پاچکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس ملک میں بھی آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ (ماجدی)

وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ، اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے، ای استحقوا غضبًا۔ (بحر، کبیر)

نسل اسرائیل پر اس غضب الٰہی کا ظہور مسلسل انسانوں کے ہاتھوں ہوتا چلا آرہا ہے زمانہ قدیم میں بخت نصر کے علاوہ زمانہ قریب میں ہٹلر جیسی چنگیزی فرمانروائی، یہود دشمنی اور یہود بیزاری کسی بھی تاریخ سے واقف شخص سے پوشیدہ نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بالانبیاء مِن قبلُ **وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا** ھم الیھودُ **وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ** طائفۃٌ مِن الیھود او النصاری **مَنْ اٰمَنَ** منھم **بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ** فی زمن نبینا **وَعَمِلَ صَالِحًا** بشریعتہ **فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ** ای ثوابُ اعمالھم **عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۲﴾ رُوعی فی ضمیرِ اٰمنَ وعملَ لفظُ مَن وفیما بعدَہٗ معناہ **وَ** اذکُروا **اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ** عھدَکُم بالعملِ بما فِی التورٰۃِ **وَ** قد **رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ** الجبلَ اقتلعناہُ مِن اصلہٖ علیکم لَمّا ابیتُم قبولَھا وقُلنا **خُذُوْا مَا اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ** بجدٍ واجتھادٍ **وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ** بالعملِ بہٖ **لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۶۳﴾ النارَ او المعاصی **ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ** اعرَضتُم **مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ** المیثاقِ عن الطاعۃِ **فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ** لکم بالتوبۃِ او تاخیرِ العذابِ **لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ** ﴿۶۴﴾ الھالکینَ **وَلَقَدْ** لامُ قسمٍ **عَلِمْتُمُ** عرفتُم **الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا** تجاوزُوا الحدَّ **مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ** بصیدِ السمکِ وقد نھیناکُم عنہ وھُم اھلُ ایلۃ **فَقُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ** ﴿۶۵﴾ مُبعَدینَ فکانُوھا وھلکُوا بعد ثلٰثۃِ ایّامٍ **فَجَعَلْنٰھَا** ای تلکَ العقوبۃَ **نَکَالًا** عبرۃً مانعۃً مِن ارتکابِ مثلِ ما عملوا **لِّمَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا** ای للاُممِ التی فی زمانِھا وبعدَھا **وَمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ** ﴿۶۶﴾ اللّٰہَ وخُصُّوا بالذکرِ لانّھم المُنتفعُون بھا بخلافِ غیرِھم۔

تَرجَمہ: بے شک وہ لوگ جو انبیاء سابقین پر ایمان لائے، (یعنی مسلمان) اور یہود اور نصاریٰ اور صابی (اور صابی) یہود و نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہے، ان میں سے جو بھی اللہ اور روز آخرت پر نبی کے زمانہ میں ایمان لائے گا، اور آپ کی شریعت کے مطابق نیک عمل کرے گا، تو ان کا اجر یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم، آمَنَ اور عَمِلَ کی ضمیر میں مَنْ کے لفظ کی رعایت ہے اور اس کے مابعد میں مَنْ، کے معنی کی رعایت ہے اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا، درانحالیکہ ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا (یعنی) اس کو جڑ سے اکھاڑ کر تمہارے اوپر معلق کر دیا، جب تم نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور ہم نے کہا تھا کہ جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے، اس کو مضبوطی سے تھامنا، یعنی کوشش اور محنت سے

اور جو احکام اس میں درج ہیں، ان پر عمل کے ذریعہ ان کو یاد رکھنا تاکہ تم نار (جہنم) یا معاصی سے بچ سکو، (مگر) پھر تم اس (عہد) کے باوجود طاعت سے پھر گئے، پھر بھی اگر تم پر توبہ اور تاخیر عذاب کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم زیاں کاروں (یعنی) ہلاک ہونے والوں میں ہو جاتے اور یقینا تم ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے یوم السبت، (ہفتہ) کے بارے میں مچھلی کا شکار کر کے حد سے تجاوز کیا، حالانکہ ہم نے ان کو اس سے منع کیا تھا، اور وہ ایلہ کے باشندے تھے، تو ہم نے ان کے لئے حکم دیدیا کہ ذلیل دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ، چنانچہ وہ بندر بن گئے، اور تین روز بعد ہلاک ہو گئے، تو ہم نے اس سزا کو موجودہ اور آئندہ آنے والوں یعنی ان کے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے (سامان) عبرت یعنی ان کے جیسا عمل کرنے سے روکنے والا بنا دیا، اور خوف (خدا) رکھنے والوں کے لئے نصیحت بنا دیا اور متقین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں، بخلاف ان کے علاوہ کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَنَ: هَادُوْا، ای دَخَلُوْا فی الیَهُوْدِیَّةِ، هَادُوْا، ماضی جمع مذکر غائب معروف، یہودی مذہب اختیار کیا، (ان) هُوْدًا، توبہ کرنا یہودی ہونا، گوسالہ پرستی سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے، هُوْدٌ یہودیوں کی جماعت، الیہود اگر عربی ہے، تو هَادَ، سے ماخوذ ہے، بمعنی تاب، چونکہ ان لوگوں نے قتل نفس کے ذریعہ بچھڑے کی پرستش سے توبہ کی تھی، اسی لئے یہ لوگ یہود کہلائے اور اگر عجمی ہے، تو اس صورت میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے صاحبزادے ''یہودا'' کی جانب نسبت ہوگی تعریب کے وقت ذال کو دال سے بدل دیا جو کہ معربین کی عام عادت ہے۔

قِوْلَنَ: النصاری، یہ نصران، کی جمع ہے، اس میں یاء نسبتی ضرور استعمال ہوتی ہے کہا جاتا ہے رجل نصرانی، امرأة نصرانية، نصاری کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ''نحن انصار اللّٰہ'' یا نصران نامی یا ناصرہ نامی بستی کی طرف نسبت کر کے نصرانی کہلانے لگے۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قِوْلَنَ: اَلصَّابِئِیْنَ، یہ صابی کی جمع ہے اور صَبَأَ فلانٌ، سے ماخوذ ہے جب کہ دین سے خارج ہو جائے، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ صابی ستارہ پرست کو کہتے ہیں، ابو اسحاق صابی کاتب شاعر کا تعلق اسی قوم سے تھا بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے ہر دین و عقیدے سے کچھ کچھ لے لیا تھا، اس لئے یہ بین بین ہوئے، مفسر علام نے طائفة من الیهود والنصاری کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَنَ: فی زمنِ نبینا، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اِشْکَال: اوپر فرمایا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' اور پھر فرمایا: ''آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ'' دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، تو اس

تخصیص بعد التعمیم کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: دونوں کا مصداق الگ الگ ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا" کا مصداق وہ لوگ ہیں، جو زمانہ فترت (وقفہ) میں ایمان لائے، جیسے کہ ورقہ بن نوفل، بحیرا راہب، سلمان فارسی وغیرہ، ان میں سے بعض نے آپ ﷺ کا زمانہ بھی پایا، اور بعض آپ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے علامہ سیوطی نے "بالانبیاء من قبل" فرمایا، اور "مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ" سے وہ لوگ مراد ہیں، جو آپ کے زمانہ میں آپ ﷺ پر ایمان لائے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے مصداق میں مغایرت ہے لہٰذا تکرار کا اشکال ختم ہو گیا، اسی مغایرت کے بیان کے لئے دوسری آیت کی تشریح میں "فی زمن نبینا" فرمایا۔

سوال: مَنْ آمَنَ اور مَنْ عَمِلَ، میں ضمیر مفرد کا مرجع مَنْ ہے، اور فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ کی ھم ضمیر جمع کا مرجع بھی من ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: مفسر علام نے رُوْعِیَ فی ضمیر الخ کا اضافہ کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اول میں مَنْ کے لفظ کی رعایت ہے اور دوسرے میں مَنْ کے معنی کی رعایت ہے یہ بات یاد رہے کہ مَنْ، لفظ کے اعتبار سے مفرد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

قولہ: وَقَدْ رَفَعْنَا، قَدْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ اور رَفَعْنَا، قَدْ کی تقدیر کے ساتھ اَخَذْنَهُمْ، سے حال ہے، نہ کہ معطوف، اس لئے کہ امام شافعی کے نزدیک معطوف علیہ اور معطوف میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ رفع طور مقدم ہے اور اخذ میثاق مؤخر۔

قولہ: بالعمل، بالعمل، کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ ذکر لسانی کافی نہیں بلکہ مقصد عمل ہے مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا مقصد نہیں ہے عمل مقصد ہے۔

قولہ: النار والمعاصی، اس میں اشارہ ہے کہ تَتَّقُوْنَ کا مفعول النار یا المعاصی محذوف ہے یہ تنزیل المتعدی بمنزلة اللازم کے قبیل سے نہیں ہے۔

قولہ: نکالٌ، جمع اَنکال، بیڑی کو کہتے ہیں، لازم منع کے طور پر عذاب اور مَنَع میں استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَالصّٰبِئِیْنَ: جمع صَابِیء، من صَبَأَ فلان اِذا خَرَجَ مِنَ الدین، والصابئة قومٌ کانوا یعبدون النجوم ومنهم ابو اسحٰق الصابی الکاتب الشاعر المشهور.

الطور من جبال فلسطین، ویطلق علی کل جبل کما فی القاموس.

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

ماقبل میں بنی اسرائیل کی شرارتوں اوران کی ضد وعناد کا ذکر تھا، اس سے ناظرین کو یا خود یہود کو یہ خیال گذر سکتا تھا کہ ان حالات میں اگر عذر معذرت کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالبًا اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس قرینہ میں ایک قانون اور ایک ضابطہ ذکر فرمایا: کہ مسلمان ہوں یا یہودی، نصرانی، یا صابی، خواہ کوئی بھی ہو، اگر وہ خدا کی ذات وصفات پر ایمان رکھتا ہو اور دیگر ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، نیز قانون شریعت کے مطابق عمل پیرا ہو، تو ایسے لوگوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر نہ مغموم ہوں گے اور نہ ان کو کسی بات کا خوف ہوگا۔

مطلب:

مطلب یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عقائد واعمال میں پوری اطاعت کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو وہ ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت دین محمدی میں منحصر ہے، مطلب یہ ہے کہ ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائے گا، تو اس کے لئے راہ نجات کھلی ہوئی ہے، ہم ان کی سب شرارتوں کو معاف کر دیں گے۔ (معارف ملخصًا)

وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا، اب تک بنی اسرائیل کے نام سے ایک خاص نسل اور قوم کا ذکر تھا، اوران کی تاریخ کے اہم ترین واقعات اور مناظر سامنے لائے جا رہے تھے، اب یہاں اسی قوم کا ذکر بحیثیت مسلک اور عقیدہ کے شروع ہو رہا ہے، یہاں پہلی بار "اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا" کہہ کر ان کے مذہبی عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل اور یہود میں فرق:

بنی اسرائیل ایک نسلی اور خاندانی نام ہے جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباء واجداد کی مقبولیت پر ناز تھا، تاریخ کو دہرانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کا نسلی نام لیا جائے، چنانچہ اب تک ان کا اسی نسلی نام سے ذکر کیا گیا، اب یہاں سے ایک دینی مسلک اعتقادی نظام کا بیان شروع ہو رہا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اب ایسا نام لیا جائے کہ جو نسبت اور نسل اور خاندان کے بجائے، مسلک وعقیدہ کی طرف رہنمائی کرے: "وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا" اسی ضرورت کے لئے بولا گیا ہے۔

یہودی مذہب نسلی مذہب ہے، تبلیغی نہیں؟

کسی غیر اسرائیلی کو یہودی بنانے کا طریقہ ان کے یہاں نہیں، برناباس حواری غیر اسرائیلی کو یہودی مذہب میں داخل کرنے کے مخالف تھے، اس کے برخلاف پولوس رسول اس کے حامی تھے جو غیر اسرائیلی یہودی مذہب اختیار کرتے تھے، ان کو خارجی کہا جاتا تھا، غیر اسرائیلیوں کے یہودی مذہب اختیار کرنے میں بڑی رکاوٹ ایک یہ تھی کہ وہ یہودی شرعی احکام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، خاص طور پر احکام عشر کو اور ان میں بھی ختنہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے، پولوس رسول نے ایک کانفرنس میں بعض احکام کو منسوخ کردیا، جن میں ختنہ کا حکم بھی شامل تھا، اس ترمیم کی وجہ سے غیر اسرائیلیوں کا یہودی مذہب میں داخل ہونا آسان ہوگیا اور یہیں سے برناباس حواری کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ (بائبل سے قرآن تك ملخصًا)

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے، جو نہ پیدائشی یہودی تھے، اور نہ نسلاً اسرائیلی، بلکہ عرب یا بنی اسماعیل تھے، لیکن یہود کی صحبت سے متاثر و مرعوب ہو کر انہوں نے یہود کے طور طریقہ اور پھر عقیدے اختیار کر لئے اور رفتہ رفتہ ان کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ:

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ تو ظہور اسلام سے مدتوں پہلے مشرک رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہوگیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقے کی رہ گئی تھی، مدینہ اور جوار مدینہ بلکہ یمن میں بھی جو یہود موجود تھے، وہ نسلاً بنی اسرائیل نہ تھے، بنی اسماعیل تھے، لیکن اسرائیلیوں کی صحبت میں رہ کر تمدن معاشرت یہاں تک کہ عقیدے بھی انہیں کے اختیار کر لئے تھے: ''وَالَّذِيْنَ هَادُوْا'' میں کھلا اشارہ اسی حقیقت کی طرف ہے۔

بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ:

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب ہے، آپ کے بارہ صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور ان میں بے شمار پیغمبر مبعوث فرمائے، بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسرائیلیوں کو فراعنہ مصر کی غلامی پر مجبور کردیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن اب بھی وہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کر سکے تھے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت

یوشع اوران کے بعد کالب علیہم السلام پیغمبر ہوئے حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانہ میں عمالقہ سے جہاد کرکے فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح کرلیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا اس زمانہ تک بنی اسرائیل عربوں کی طرح نیم خانہ بدوش تھے، اوران کی زندگی تمدن سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بناپر بین القبائلی جھگڑوں کوخوبصورتی سے رفع کردیتا تھا، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اوراگراس میں کچھ عسکری صلاحیتیں بھی پاتے، تو بیرونی حملوں کے مقابلہ کے لئے اسی کواپنا سپہ سالار بھی بنالیا جاتا، اس قسم کے قائدین کو بنی اسرائیل قاضی کہا کرتے تھے۔

قاضیوں کے زمانہ میں جہاں اسرائیلیوں نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھ مغلوب ہوگئے اور فلسطین کے بڑے علاقہ پر کنعانیوں کی حکومت قائم ہوگئی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد تک قائم رہی۔

بالآخر حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ اب ہم خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آگئے ہیں آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمادے، جس کے تابع ہوکر ہم فلسطین پر قابضوں کا مقابلہ کریں، چنانچہ حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے ان ہی میں سے ایک شخص کو جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، مقرر کردیا گیا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل تھا، طالوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہوگئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارزہ طلب کیا تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور اسے قتل کردیا، اس واقعہ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنی اسرائیل میں اتنی ہردلعزیزی عطا کردی کہ ساؤل (طالوت) کے بعد وہ بادشاہ بنے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہوگیا، ان کے بعد ۹۷۴ قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کرکے اقبال کے بام عروج تک پہنچادیا، ان کے ہی حکم سے بیت المقدس کی تعمیر ہوئی، سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر یہودا رکھا۔ لیکن ۹۳۷ قبل مسیح میں حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا رحعام تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلی سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضاء کو ختم کردیا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک سابق خادم بریعام نے بغاوت کرکے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کرلی، اب بنی اسرائیل دوملکوں میں تقسیم ہوگئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامرہ تھا اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلاف کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا، جو بخت نصر کے حملے تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں آہستہ آہستہ بت پرستی کا رواج بڑھنے لگا، اس کے سدباب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں، تو اللہ نے ان پر شاہ بابل کو مسلط کردیا، اس نے ۵۸۶ قبل مسیح میں یروشلم پر

زبردست حملے کئے اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کرڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کرکے لے گیا اور بقیہ السیف یہودی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی گذارتے رہے۔

بالآخر جب ۵۳۶ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل فتح کیا، تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیلی سلطنت یہودا سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اب اگرچہ دونوں فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو چکے تھے، لیکن انہیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، ۴۰۰ ق م، میں ان پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا اور اسی زمانہ میں انہوں نے تورات کا ترجمہ کیا، ۱۶۵ ق م، میں سوریا کے بادشاہ انتیوکس نے ان کا بری طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخ جلادیئے، اسی دوران یہودا مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت شخص تھا، ایک جماعت بنائی، اور اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کرکے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت ۷۰ ق م تک قائم رہی۔

(بائبل سے قرآن تک)

وَالنَّصٰرٰی، نصاریٰ نصرانی کی جمع ہے، ملک شام (موجودہ فلسطین) میں ایک قصبہ ہے، ناصرہ (Nazareth) علاقہ گلیلی میں بیت المقدس سے ستر میل دور شمال میں اور بحر روم سے مشرق میں بیس میل کے فاصلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں، ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نَصْرَان بھی کہتے ہیں، یہی قول قتادہ، ابن جریج تابعین کا ہے۔

وهو قول ابن عباس وقتادة (ابن جريج) (كبير) قيل سمّوا بذلك قرية تسمّى ناصره. (قرطبی)

مسیحی اور نصرانی میں فرق:

مسیحی اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں، مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی نہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں، یا یہ مانتے ہیں کہ خدا ان کے قالب میں حلول کر آیا تھا، آخرت میں نجات دہندہ خدا کو نہیں مسیح (ابن اللہ) کو مانتے ہیں اور خدائی کو تین اقنوم میں تقسیم کرکے ایک ناقابل فہم فلسفہ بیان کرتے ہیں، ان کے نزدیک ہر اقنوم بجائے خود ایک مستقل خدا ہے اور تینوں اقنوم بھی مل کر ایک مستقل خدا ہے، اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

تثلیث کے قائل نے خالق کو کہا ایک   تھی سوئی تین پر حیرت سے بجا ایک

یہاں مقصود بیان نصاریٰ کا ہے، نہ کہ مشرک مسیحیوں کا، نصرانی حضرت مسیح کے سچے پیرو اور آپ کو نبی مانتے تھے، نہ خدا نہ اس کا بیٹا، توحید کے قائل تھے، اناجیل اربعہ کے بجائے، انجیل متی کو مانتے تھے، موجودہ مسیحیت سرتاپا پولوسیت ہے اور تمام تر پولوس

طرسوی کی تعلیمات پر مبنی ہے یہ فرقہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ مدت بعد وجود میں آ گیا تھا، نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔

(ماجدی)

وَالصَّابِئِيْنَ، صابی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں شامل ہو جائے، خود رسول اللہ ﷺ کو شروع میں صابی اس لئے کہا گیا کہ آپ نے دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار فرمایا، وکانت العرب تسمّی بالنبی ﷺ الصابی لانه خرج من دین قریش الی دین الاسلام. (نہایہ، تاج)

اصطلاح میں صابیوں کے نام کا ایک مذہبی فرقہ جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا، یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے، اصلاً اہل کتاب تھے، ان ہی کو نصاریٰ یحییٰ بھی کہا جاتا تھا، یہ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مبصر دور بین اور دوررس خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا ہے۔

قال عمر بن الخطاب و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم هم قوم من اهل الكتاب و قال عمر تحل ذبائحهم مثل ذبائح اهل الكتاب. (معالم، ماجدی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ، (الآیة) جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو تورات دکھائی اور سنائی تو چونکہ تورات میں احکام کچھ سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت ایسے ہی احکام کے مطابق تھی، اول تو انہوں نے یہ کہا کہ جب ہم سے اللہ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے) غرض جو ستر آدمی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آ کر انہوں نے گواہی دی مگر اس شہادت میں (اپنی طرف سے) اتنی آمیزش بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمایا تھا، کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے، اس آمیزش سے ان کو حیلہ بہانہ مل گیا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے اس تورات پر عمل نہیں ہو سکتا، تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک حصہ اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو قبول کرو ورنہ پہاڑ کا یہ ٹکڑا ابھی گرا دیا جائے گا، مجبوراً بنی اسرائیل نے قبول کر لیا۔

ایک شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان اور اسلام قبول کر لینے اور اس کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے یہ سزا دی گئی جبکہ باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور کفر کی سزا قتل نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ، آیت کے اس آخری جز کے مخاطب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی میں داخل ہے، اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں شامل کر کے بطور امتنان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی عذاب ایسا نازل نہیں کیا جیسا کہ پہلے عہد شکنوں پر ہوتا رہا، یہ محض خدا کی رحمت ہے۔

اور اب چونکہ از روئے احادیث ایسے عذابوں کا نہ آنا حضور ﷺ کی برکت ہے، اس لئے بعض مفسرین نے فضل ورحمت کی تفسیر بعثت محمدیہ سے کی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ، (الآیة) اور تم ان لوگوں کا حال تو اچھی طرح جانتے ہی ہو جنہوں نے روز شنبہ کے بارے میں حد شرع سے تجاوز کیا تھا۔

فَائِدَہ: مچھلی پکڑنے کا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا، ہفتہ (شنبہ) کا دن بنی اسرائیل کے لئے عبادت کے واسطے مقرر تھا، اس روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا، یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے، مچھلی کے شوقین تھے، ان لوگوں نے حکم کو نہ مانا اور شکار کیا اس پر اللہ نے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل فرمایا، یہ مسخ شدہ لوگ تین دن میں مر گئے۔

دینی معاملات میں حیلے کی حقیقت:

اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتداء کا ذکر ہے جس کی وجہ سے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا تھا، روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی، بلکہ ایسے حیلے تھے، جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا، مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ڈور باندھ کر سمندر میں چھوڑ دینا اور ڈور کو کنارہ پر باندھ دینا اور دوسرے روز شکار کر لینا یا کنارہ پر گڑھا کھود دینا تا کہ ممنوعہ دن میں اس میں مچھلیاں داخل ہو جائیں اور دوسرے روز اس کا شکار کر لیا جائے، یہ اس قسم کے حیلے ہیں کہ جس میں حکم شرعی کے ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہے، اس لئے ایسے حیلے کرنے والوں کو بڑا سرکش نافرمان قرار دے کر ان پر عذاب نازل فرمایا۔

فقہی حیلے:

مگر اس سے فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ ﷺ نے بتلائے ہیں مثلاً ایک سیر عمدہ کھجور کے بدلے دو سیر ردی کھجور خریدنا سود میں داخل ہے، مگر اس سے بچنے کے لئے ایک حیلہ خود رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ جنس کا تبادلہ جنس سے نہ کرو، قیمت کے ذریعہ خرید و فروخت کرو مثلاً دو سیر ردی کھجوریں دو درہم میں فروخت کر دیں پھر ان دو درہموں سے ایک سیر عمدہ کھجور خرید لیں تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے، ابطال حکم مقصود نہیں ہے۔

واقعۂ مسخ کی تفصیل:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ، علم کا لفظ خود تحقیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، پھر اس پر لام اور قد کے اضافہ سے اس کے معنی میں مزید شدت اور تاکید پیدا ہوگئی گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لئے خوب اچھی طرح جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل! جس واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلم اور متعارف واقعہ ہے، جس سے تم بلاشبہ بخوبی واقفیت رکھتے ہو۔

فِی السَّبْتِ، احکام سبت کے بارے میں، سبت، ہفتہ (سنیچر) کے دن کو کہتے ہیں یہود کی شریعت میں یہ ایک مقدس دن تھا، جس طرح مسیحیوں کے نزدیک اتوار کا دن مقدس ہے، یہ دن یاد خدا کے لئے مخصوص تھا، اس روز تجارت زراعت وغیرہ ہر قسم کے دنیاوی کام ممنوع تھے، اور ممانعت بھی بڑی شدت کے ساتھ تھی، کہ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے، اسے قتل کر دیا جائے، توریت کے الفاظ یہ ہیں۔

پس سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کو پاک نہ جانے، وہ ضرور مار ڈالا جائے۔

(خروج، ۳۱: ۱٤، و ۱۵) (ماجدی)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں رہتی تھی، مچھلی کا مذکورہ واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ کے یہود کا ہے، حضرت داؤد کا زمانہ ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہود نے اول اول تو اس طرح کے حیلے کر کے مچھلیاں پکڑیں پھر ہوتے ہوتے عام طور پر شکار کھیلنے لگے، تو ان میں دو جماعتیں ہوگئیں، ایک جماعت ان دینداروں کی تھی جنہوں نے ایسا کرنے سے روکا مگر وہ باز نہ آئے، تو ان سے تعلقات منقطع کر کے الگ ہوگئے، اور بستی کے دو حصے کر لئے ایک میں یہ نافرمان لوگ رہ گئے، اور دوسرے میں دیندار اور صالح لوگ، ایک روز دینداروں کو یہ محسوس ہوا کہ جس حصہ میں نافرمان رہ رہے ہیں ادھر بالکل سناٹا ہے، تو وہاں جا کر دیکھا، تو سب کے سب بندروں کی صورت میں مسخ ہوگئے ہیں اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ان کے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا گیا یہ مسخ شدہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور شناسا لوگوں کو پہچانتے تھے اور ان کے قریب جا کر روتے تھے۔

ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلی:

اس بارے میں صحیح بات وہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ سے بروایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح مسلم میں منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے زمانہ کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ یہودی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں، تو ان کی نسل نہیں چلتی اور پھر فرمایا کہ

بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں مگر مسخ شدہ بندروں اور خنزیروں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

وَ اذکُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ وقد قُتِلَ لهم قتيلٌ لا يُدرى قاتِلُه وسألوه ان يَدعُو اللهَ ان يُبَيِّنَه لهم فدعاهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ مَهزُوًّا بِنا حيثُ تُجيبُنا بمثلِ ذلك قَالَ اَعُوْذُ اَمتنعُ بِاللّٰهِ مِن اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ المُستهزِئين فلمّا عَلِموا اَنّه عَزمٌ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ اى ماسِنُّها قَالَ موسى اِنَّهٗ اى الله يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ مُسِنَّةٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ صغيرةٌ عَوَانٌۢ نصفٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ المذكورِ مِنَ السِّنّين فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ به مِن ذَبحِها قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا شديدُ الصُّفرةِ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ اليها بِحُسنِها اى تُعجِبُهم قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اَسائِمةٌ ام عامِلةٌ اِنَّ الْبَقَرَ اى جِنسَه المنعوتَ بما ذُكِرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ بكثرتِه فلم نَهتَدِ الى المقصودةِ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اليها في الحديث لو لم يستثنوا لَما بُيِّنَت لهم آخِرَ الابدِ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ غيرُ مُذلَّلةٍ بالعملِ تُثِيْرُ الْاَرْضَ تَقلِبُها للزِّراعةِ والجُملةُ صفةُ ذلولٍ داخلةٌ فِي النفي وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ الارضَ المُهيَّأةَ للزرعِ مُسَلَّمَةٌ مِن العُيوبِ وآثارِ العملِ لَّا شِيَةَ لونَ فِيْهَا ؕ غيرَ لونِها قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ نطقتَ بالبيانِ التّامِ فطلَبوها فوجدوها عند الفتى البارِّ بامِّه فاشتروها بمِلءِ مَسكِها ذَهَبًا فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لِغلاءِ ثمنِها وفي الحديث لو ذَبَحوا ايَّ بقرةٍ كانَتْ لاجزأتْهم ولكن شَدَّدوا على اَنفُسِهم فشَدَّدَ اللهُ عليهم.

تَرْجَمَہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور ان کا کوئی شخص مقتول ہوگیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، اور ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ قاتل کو ظاہر کردے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء فرمائی (اور کہا) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہو، یعنی ہمارا مذاق بناتے ہو، جو اس قسم کا جواب دیتے ہو؟ (حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں (یعنی) استہزاء کرنے والوں میں شمار ہوں، چنانچہ جب وہ سمجھ گئے، کہ آپ حقیقت کہہ رہے ہیں، (مذاق نہیں کررہے) تو کہنے لگے آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اس (گائے) کے بارے میں کچھ (تفصیل) بتائے کہ اس کی کیا عمر ہو؟ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا اللہ فرماتا ہے، وہ ایسی گائے ہو کہ جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا (بلکہ) اوسط عمر کی ہو لہٰذا (ذبح کا) جو حکم تم کو دیا جارہا ہے وہ کرو، پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ لو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا وہ فرماتا ہے کہ وہ نہایت شوخ رنگ کی زرد گائے ہو، دیکھنے والوں کو اس کی خوبی کی وجہ سے یعنی (ناظرین) کو تعجب میں ڈالدے، وہ پھر بولے کہ اپنے رب سے صاف

صاف پوچھ کر بتاؤ کہ کیسی (گائے) مطلوب ہے؟ جنگل میں چرنے والی ہو یا پالتو (گھریلو) بلاشبہ مذکورہ صفات کی گائے کی تعیین میں ہمیں اشتباہ ہوگیا ہے اس صفت (جنس) کی گائے بکثرت ہونے کی وجہ سے جس کی وجہ سے مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی، اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو اس کا پتہ نہ لگ پاتا، (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی گئی ہو، کام میں استعمال نہ کی گئی ہو نہ زمین جوتنے میں استعمال ہوئی ہو کہ زمین کو زراعت کے لئے الٹ پلٹ کرتی ہو (جوتتی ہو) اور جملہ (تثیر الارض، ذلولٌ) کی صفت ہے جو نفی کے تحت داخل ہے، اور نہ کھیتی کو سینچتی ہو، یعنی اس زمین کو جس کو کھیتی کے لئے تیار کیا ہو، عیوب اور کام کے نشانات سے صحیح سالم ہو اور اس میں اس کے (اصلی) رنگ کے علاوہ کوئی داغ نہ ہو، تو کہنے لگے اب آپ نے ٹھیک پتہ بتادیا یعنی پوری وضاحت کردی، چنانچہ انہوں نے اس کی تلاش کی تو اس کو ایک نوجوان کے پاس پایا جو کہ اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا، تو ان لوگوں نے اس گائے کو اس کا چمڑا بھر سونے کے عوض خرید لیا پھر انہوں نے اسے ذبح کیا ورنہ وہ اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے، حدیث شریف میں ہے اگر وہ کسی بھی گائے کو ذبح کردیتے تو ان کے لئے کافی ہوجاتی لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: بَقَرَةٌ، بقَرَة، کا اطلاق اگرچہ نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے، مگر یہاں مادہ مراد ہے، بَقَرَةٌ، بَقَرٌ، سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں چونکہ یہ زمین کو جوتتی ہے، اسی لئے اس کو بقرة کہا جاتا ہے۔

قِوْلَہٗ: مَهْزُوًّا، هُزُوًا، کی تفسیر مَهْزُوًّا، سے کرکے اشارہ کردیا کہ: هُزُوًا، مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔

قِوْلَہٗ: ما سِنُّهَا، ما هِیَ کی تفسیر ماسِنُّهَا سے کرکے اشارہ کردیا کہ مَا، اگرچہ ماہیت سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثریہ ہے۔

قِوْلَہٗ: فَارِضٌ، بوڑھی۔

سُوَالؒ: فارض، بقرة کی صفت ہے لہٰذا فارِضة، ہونی چاہئے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے فارض کی تفسیر مسنة سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مسنة کا نام ہے نہ کہ بقرہ کی صفت فارض، فَرْضٌ، سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی چیرنے پھاڑنے اور وسیع کرنے کے ہیں، یہاں فارض سے وہ گائے یا بیل مراد ہے کہ جوانی کاٹ کر بڑھاپے کو پہنچ گیا ہو یا جس کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے دانت اکھڑ گئے ہوں۔

قِوْلَہٗ: عَوَانٌ، متوسط، درمیانی عمر کا، جمع عُوْنٌ، تخفیفاً واو کے ضمہ کو حذف کردیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاقِعٌ، تیز زرد تاکید کے طور پر تیز زرد کے لئے لایا جاتا ہے اَصفر فاقِعٌ اور تیز سیاہ کے لئے بولا جاتا ہے اَسْوَدُ

حالكٌ، اور تیز سفید کے لئے بطور تاکید لایا جاتا ہے، ابیض یقق اور سرخ کے لئے بطور تاکید بولا جاتا ہے، احمر قانٍ اور سبز کے لئے اخضر ناضِرٌ. (لغات القرآن درویش)

قَوْلُہٗ: لَاذَلولٌ، ای لَاتُذَلّل لِلْحراثَةِ، یعنی جس کو کھیتی باڑی کے کام کاج میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔

قَوْلُہٗ: غیر مُذَلّلَةٍ، بالعمل اس اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لَا ذَلُولٌ، بَقَرَة، کی صفت ہے حالانکہ حرف نہ صفت واقع ہوسکتا ہے اور نہ صفت کا جزء لہٰذا لَاذَلُولٌ، کا صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: لَا بمعنی غَیْرَ، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: الجملة صفة ذلولٍ، یعنی (تثیر الارضَ) ذَلُولٌ کی صفت ہے اور لا کے تحت داخل ہے ای لاتثیر الارضَ.

قَوْلُہٗ: شیة، داغ دھبہ، نشان ایک رنگ کے جانور میں دوسرے رنگ کا دھبہ، شِیَة اصل میں وشیة تھا واؤ حذف ہوگیا جیسا کہ عِدَةٌ اور زِنَةٌ میں اور حذف شدہ واؤ کے عوض آخر میں ھا لاحق کردی گئی جمع شِیَاتٌ.

قَوْلُہٗ: مَسْكها، مسكٌ جلد، جمع مُسُوكٌ.

تفسیر وتشریح

"وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً".

بنی اسرائیل میں ایک مالدار لاولد آدمی تھا، جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے مال کی لالچ میں اپنے چچا کو قتل کرکے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح کو قاتل کی تلاش شروع ہوئی، مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا، آخر کار آپس میں ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے لگے، یہاں تک کہ ہتھیار نکل آئے، اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے۔

قَدْ اَخْرَجَ عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیهقی فی سننهٖ عن عبیدة السلمانی قال: رجلٌ مِنْ بنی اسرائیل عقیمًا لا یولَدُلهٗ وکانَ لَهُ مالٌ کثیرٌ وکان ابن اخیه وَارثه فقتلهٗ ثم احتملهٗ لَیْلًا فوضَعَهٗ علٰی باب رجلٍ منهم ثم اَصْبَحَ یدعیه علیهم حتّٰی تسلحوا ورکب بعضهم الی بعضٍ: فقال ذوالرأی منهم: عَلَامَ یَقْتُلُ بعضکم بَعْضا وهذا رسول اللّٰه فیکم؟ فَأتَوْا موسٰی فذکَرُوا ذلك لهٗ فقال (اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً). (فتح القدیر شوکانی)

مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے معارف القرآن میں مرقات شرح مشکوٰۃ کے حوالہ سے قتل کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی، مگر اس نے انکار کردیا، جس کی وجہ سے درخواست

کنندہ نے اس کو قتل کر دیا تھا، قاتل لاپتہ تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، ایک دوسرے پر الزام تراشی ہو رہی تھی، قوم کے کچھ سمجھدار لوگوں نے کہا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہیں ان سے معلوم کر لیا جائے، چنانچہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قتل کا پورا واقعہ بیان کیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم الٰہی ایک گائے ذبح کرنے اور اس کا ایک حصہ مردے سے لگانے کے لئے فرمایا، بہت امین میخ اور آنا کانی کرنے کے بعد گائے ذبح کر دی اور اس کا ایک ٹکڑا مردے سے لگا دیا وہ مردہ باذن الٰہی کچھ دیر کے لئے زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام جو کہ خود اس کا بھتیجا تھا، بتا دیا اور پھر فوراً ہی اس کا انتقال ہو گیا، ادھر اس قاتل کو جس نے مال کی حرص میں اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا، وراثت سے محروم کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرنے کی مصلحت:

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بحکم خداوندی گائے ذبح کرنے کے لئے فرمایا تو ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں آیا، اول تو اس وجہ سے کہ قاتل کا پتہ لگانے اور گائے ذبح کرنے میں بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ گائے ماتا ان کی دیوی تھی، جس کے ذبح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا شاید آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔

گائے ذبح کرانے میں مصلحت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو صدیوں تک مصر میں گائے پرستوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے گائے کی عظمت اور تقدیس کے مرض کی چھوت لگ گئی تھی، اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ گائے ذبح کریں، ان کے ایمان کا امتحان اسی طرح ہو سکتا تھا، کہ اگر وہ واقعی رب خدا کے سوا کوئی معبود نہیں سمجھتے تو جس بت کو اب تک پوجتے رہے ہیں، اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں، چونکہ دلوں میں پوری طرح ایمان اترا ہوا نہیں تھا، اس لئے انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی اور گائے کی تفصیلات معلوم کرنے لگے، اور جس قدر تفصیلات معلوم کرتے گئے، اسی قدر گھرتے چلے گئے، یہاں تک کہ آخر کار اسی خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مختص کیا جاتا تھا، گویا انگلی رکھ کر بتا دیا گیا کہ اسے ذبح کرو، بائبل میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

تورات میں ذبح گائے کا حکم:

بنی اسرائیل سے کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں، تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ وہ اسے خیمے سے باہر لے جائے، اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔ (گنتی، ۱۹: ۲، ماجدی)

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ اِدغام التاء في الاصل في الدّال اي تخاصمتم وتدافعتم فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مُظهِرٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۷۲﴾ من امرِها وهذا اعتراضٌ وهو اوّلُ القصة فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ اي القتيل بِبَعْضِهَا فضُرِبَ بلسانِها او عَجْبِ ذَنَبِها فحيَّ وقالَ قتلَنِي فُلانٌ وفُلانٌ لابنَي عمِّه وماتَ فحُرِمَا الميراثَ وقُتِلا قال تعالى كَذَٰلِكَ الاحياءِ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ دلائِلَ قُدرتِه لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۷۳﴾ تتدبّرون فتعلمون انّ القادِرَ على احياءِ نفسٍ واحدةٍ قادرٌ على احياءِ نفوسٍ كثيرةٍ فتؤمنون ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم ايُّها اليهودُ صلُبت عن قبولِ الحقِّ مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ المذكورِ من احياءِ القتيلِ وما قبلَهُ من الاياتِ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ في القسوةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ منها وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الشّينِ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ ينزِلُ من علوٍ الى سفلٍ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وقلوبُكم لا تتأثّرُ ولا تلينُ ولا تخشعُ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾ وانّما يؤخّرُكم لوقتِكم وفي قراءةٍ بالتّحتانيّةِ وفيهِ التفاتٌ عن الخطابِ أَفَتَطْمَعُونَ ايُّها المؤمنون أَن يُؤْمِنُوا اي اليهودُ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ طائفةٌ مِّنْهُمْ احبارُهم يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ في التوراةِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ يغيّرونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ فهموهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾ انّهم مفترون والهمزةُ للانكارِ اي لا تطمعوا فلهم سابقةٌ في الكفرِ وَإِذَا لَقُوا اي منافقو اليهودِ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بانّ محمّدًا نبيٌّ وهو المبشّرُ به في كتابِنا وَإِذَا خَلَا رجعَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا اي رؤساؤهم الّذين لم ينافقوا لِمَن نافقَ أَتُحَدِّثُونَهُم اي المؤمنين بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ اي عرّفكم في التوراةِ من نعتِ محمّدٍ صلى الله عليه وسلم لِيُحَاجُّوكُم ليخاصموكُم واللامُ للصّيرورةِ بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ في الاخرةِ ويقيموا عليكُمُ الحجّةَ في تركِ اتّباعهِ معَ علمِكم بصدقِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾ انّهم يحاجّونكم اذا حدّثتموهم فتنتهوا قال تعالى أَوَلَا يَعْلَمُونَ الاستفهامُ للتّقريرِ والواوُ الدّاخلةُ عليها للعطفِ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾ ما يخفون وما يظهرون من ذلك وغيرِه فيرعَوُوا عن ذلكَ.

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو، جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس (معاملہ) میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے، (اِدّٰرَءْتُمْ) اصل (یعنی تَدَارَءْتُمْ) میں تاء، کا دال میں ادغام ہے، یعنی جھگڑ رہے تھے، اور ایک دوسرے پر الزام ڈال رہے تھے، اور جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا، یہ جملہ معترضہ ہے، یہ قصہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ (اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے) تو ہم نے حکم دیا کہ اس مقتول سے (مذبوحہ) گائے کا کوئی حصہ لگاؤ، چنانچہ گائے کی زبان، یا دم کی جڑ مقتول سے لگائی گئی تو وہ (مقتول) زندہ ہو اٹھا اور بتا دیا کہ میرے چچا زاد بھائیوں میں سے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے اور (اتنا بتا کر فوراً) مر گیا، چنانچہ دونوں میراث سے محروم کر دیئے گئے اور قتل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس

(کو زندہ کرنے) کے مانند اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی قدرت کے نمونے دکھائے گا تاکہ تم سمجھو غور و فکر کرو، اور اس بات کو سمجھ لو کہ جو ذات ایک شخص کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ بہت سے اشخاص کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، سو تم ایمان لے آؤ، پھر اس مذکور یعنی مقتول کے زندہ کرنے اور اس سے پہلے مذکور معجزے دیکھنے کے بعد اے یہودیو! حق قبول کرنے سے تمہارے دل سخت ہو گئے، تو وہ سنگ دلی میں پتھر کے مانند ہیں، یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بلاشبہ پتھروں میں تو بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے چشمے بھی نکلتے ہیں اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں، (یشّقّق) میں دراصل تاء کا ادغام ہے، شین میں کہ ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں (مگر) تمہارے دل نہ تو متاثر ہوتے ہیں اور نہ نرم پڑتے ہیں اور نہ خوف کھاتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے اور بلاشبہ وہ تم کو ایک وقت تک کے لئے مہلت دیتا ہے اور ایک قراءت میں (یعملون) یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور اس میں حاضر سے (غائب کی جانب) التفات ہے، اے مسلمانو! کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو، کہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایک فریق کہ وہ ان کے علماء کا ہے، تورات میں اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور سمجھنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ افتراء کر رہے ہیں، (اَفَتطمعونَ) میں ہمزہ انکار کا ہے یعنی تم توقع مت رکھو، اس لئے کہ کفران کی خصلت سابقہ ہے اور منافق یہودی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ: ہم اس بات پر کہ محمد ﷺ (اللہ کے) نبی ہیں، ایمان لا چکے ہیں اور ہماری کتاب میں ان کی بشارت دی گئی ہے اور جب آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں، تو ان کے سردار جو منافق نہیں ہیں منافقوں سے کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا دیتے ہو، جو اللہ نے تمہارے اوپر منکشف فرمائی ہیں، یعنی محمد ﷺ کی وہ صفات جو تم کو تورات میں بتائی گئی ہیں تاکہ تم پر اس کے ذریعہ آخرت میں تمہارے رب کے روبرو حجت قائم کریں یعنی تمہارے ساتھ مخاصمت کریں اور لام صیرورت کے لئے ہے اور اس (محمد) کی ترک اتباع پر اس کو سچا (نبی) جاننے کے باوجود حجت قائم کریں کیا یہ لوگ نہیں جانتے، استفہام تقریر کے لئے اور اس پر جو واؤ داخل ہے وہ عطف کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات کو جانتا ہے، جس کو یہ چھپاتے ہیں، اور ظاہر کرتے ہیں، ان باتوں میں سے اور ان کے علاوہ سے اس لئے اس اخفاء سے باز آجائیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِدَّارَءْتُمْ، بروزن اِفَّاعَلْتُمْ، مادہ، دَرْءٌ ہے بمعنی جھگڑنا اور دفع کرنا، اِدّٰرَءْتُمْ، تَدَارَاءْتُمْ، (تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر، تم نے ایک دوسرے پر الزام ڈالا، اِدّٰرَءْتُمْ اصل میں تَدَارَءْتُمْ، بروزن تفاعَلْتُمْ تھا، تاء اور دال کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تاء کو دال سے بدل دیا پھر دال کو دال میں ادغام کر دیا جس کی وجہ سے ابتداء بالسکون لازم آ گیا اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے، اِدَّارَءْتُمْ، ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: فِیْھَا، ای فی واقعةِ قتلِ النفس.

قَوْلُہٗ: ھذا، اعتراض، یعنی: وَاللہُ مُخرِجٌ مَاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن اَمْرِھَا، اس میں اشارہ ہے کہ: تَکْتُمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ، میں مَا، موصولہ ہے اور تَکْتُمُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَلَّذِی تکتمونہٗ من امرا لقتل.

قَوْلُہٗ: ھو اول القصة، یعنی اِدَّارَئْتُمْ، سے اول قصہ کا بیان ہے، اور سابق رکوع میں جو بیان ہوا وہ اس کے بعد کا حصہ ہے گو تلاوت میں مقدم ہے اس تقدیم و تاخیر کا مقصد یہود کی قبائح کو یکجا بیان کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: کَذٰلِكَ یُحْیِ اللہُ الْمَوْتٰی، یہ جملہ بھی کلام مسلسل کے درمیان معترضہ ہے اور اس کے مخاطب غیر یہود ہیں اس لئے کہ یہ یہود منکرین بعث نہیں تھے۔

قَوْلُہٗ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ.

سَوَالْ: ثُمَّ تراخی زمان پر دلالت کرتا ہے اور یہاں تراخی فی الزمان نہیں ہے اس لئے کہ یہود کی شقاوت قلبی اسی وقت موجود تھی، نہ یہ کہ بعد میں پیدا ہوئی، لہٰذا ثُمَّ کا استعمال برمحل معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابْ: یہاں ثُمَّ کا استعمال مجازاً استبعاد کے معنی میں ہے یعنی اتنے سارے دلائل دیکھنے، سننے کے بعد ایک عاقل بالغ سے شقاوت قلبی بعید ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ، یہ استبعاد کی مزید تاکید ہے یعنی جو مفہوم ثُمَّ کا ہے وہی مِنْ بَعْد ذٰلِكَ کا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً، اَوْ، بمعنی بَلْ ہے، مگر ابوحیان نے اَوْ، کو تو زیع کے لئے لیا ہے، یعنی قلوب کی اقسام کو بیان کرنے کے لئے۔

قَوْلُہٗ: اَفَتَطْمَعُوْنَ، یہ طَمَعٌ، سے مضارع جمع مذکر حاضر ہے، ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے؟ یعنی تم کو توقع نہیں رکھنی چاہئے، اَفَتَطْمَعُوْنَ، اصل میں فَاَتَطْمَعُوْنَ، فاء کی تقدیم کے ساتھ تھا، ہمزہ استفہام چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے ہمزہ کو فاء پر مقدم کر دیا، اَفَتَطْمَعُوْنَ ہو گیا، یہ جمہور کا مذہب ہے، زمخشری نے کہا ہے کہ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبات یہ ہے: اَتَسْمَعُوْنَ کلامَھُمْ و تعرفون اَحْوَالَھُمْ فتطمعُوْن اَنْ یؤمنوا لکم.

فَائِدَہ: ہمزہ استفہام، حروف عطف میں سے صرف تین پر داخل ہوتا ہے، واؤ، فاء، ثم.

قَوْلُہٗ: اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ.

سَوَالْ: یؤمنوا، کا صلہ لام نہیں آتا بلکہ باء آتا ہے اور یہاں لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَابْ: یؤمنوا، یَنْقَادُوْا کے معنی کو مشتمل ہے لہٰذا لام صلہ لانا درست ہے، یعنی کیا تم کو توقع ہے کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔

قَوْلَہٗ: فلھُمْ سابقة بالکفر، یعنی ان کو کفر وانکار کی پرانی عادت ہے، اس لئے کہ یہود تورات میں تحریف کا ارتکاب کرکے محمد ﷺ کا انکار کرنے سے پہلے ہی کفر کر چکے ہیں گویا کہ کفر وانکار ان کی عادت قدیمہ ہے لہٰذا ان کا ایمان لانا مستبعد ہے۔

قَوْلَہٗ: إذَا خَلَا رَجَعَ، خَلَا، کی تفسیر رَجَعَ، سے کرکے اس اعتراض کا جواب دیدیا کہ: خَلَا، کا صلہ اِلیٰ نہیں آتا حالانکہ اِذا خلا بَعْضُھُمْ اِلیٰ بَعْضٍ میں خَلَا کا صلہ اِلیٰ استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: خَلَا، رَجَعَ، کے معنی کو متضمن ہے، اس کی وجہ سے اس کا صلہ اِلیٰ لانا درست ہے۔

قَوْلَہٗ: واللام للصیرورة، لِیُحَاجُّوکُم، میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ صیرورت یا عاقبت کا ہے، اس لئے کہ احتجاج ان کی غرض اور مقصد نہیں ہے، یُحَاجُّوکُم، مضارع جمع مذکر غائب ہے، یعنی انجام کار وہ تمہارے ساتھ حجت بازی کریں، لِیُحَاجُّوکُم، اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے، اس لئے کہ لام صیرورت کے بعد اَن جوازاً مقدر ہوتا ہے لِیُحَاجُّوکُم، تحدثونَھُمْ، سے متعلق ہے، نہ کہ فتح اللّٰہ سے۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

سُؤَالٌ: ماقبل میں رؤساء یہود کا کلام ہے، جو کہ معطوف علیہ ہے اور اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ معطوف ہے لیکن معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی معنوی ربط نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے قال اللّٰہ تعالیٰ کا اضافہ کرکے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے مطلب یہ کہ یہ یہود کے کلام کا تتمہ نہیں ہے کہ اس میں جوڑ اور ربط تلاش کرنے کی ضرورت ہو یہ کلام مستانف ہے اور باری تعالیٰ کا کلام ہے۔

قَوْلَہٗ: الواؤ الداخلة للعطف، الداخلةُ، الواؤ کی صفت ہے اور الدَّاخلةُ کا فاعل محذوف ہے اور وہ ہمزۂ استفہام ہے، یعنی وہ واؤ کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہے، اگر مفسر علام الدَّاخلة کے فاعل کو ظاہر کر دیتے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی، تقدیر عبارت یہ ہے" الواؤ الداخل علیھا استفھام للعطف" یعنی وہ واؤ کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہے، عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، "اَیَلُوْمُوْنَھُمْ علی التحدیث مخافَة الحاجة وَلَا یَعْلَمونَ اَنَّ اللّٰہَ یَعلَمُ مَا یُسِرونَ ومَا یُعلنُوْنَ" یہ مذہب زمخشری کا ہے۔

جمہور کا مذہب:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ: واؤ ہمزۂ استفہام پر داخل ہے اور تقدیر عبارت "وَاَیَعْلَمُوْنَ" ہے، مگر چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے، اس لئے ہمزہ کو واؤ پر مقدم کر دیا، "اَوَلَا یَعْلَمونَ" ہو گیا۔

قَوْلَہٗ: مِن ذٰلکَ وغیرِہٖ، سے اشارہ اخفاء اور تحریف وغیرہ کی طرف ہے۔

قِوْلَہٗ: فَیَرْعَوُوا عن ذلك، یہ اِرْعِوَاءٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی باز رہنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قلوبکم مِنْ بعد ذلك فهِیَ کالحجارة اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً فی الآیة المذکورة، التشبیه المرسل، فقد شبّه قلوبهم فی نبوّها عن الحق، وتجا فیها مع احکامه بالحجارة القاسیة، ثم ترقی التشبیه، فَجَعَلَ الحجارة اکثر لینا مِن قلوبهم.

المجاز العقلی فی اسناد الخشیة الی الحجارة وهو کثیرٌ فی اَلْسنةِ العرب.

تفسیر وتشریح

ذبح بقر کے واقعہ کی قدرے تفصیل:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْ تُمْ، یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جس کی قدرے تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، اِذْقَتَلْتُمْ، میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو ہے، مگر مراد ان کے آباء واجداد ہیں موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے اگلے بزرگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عامیل تھا اور نہایت مالدار ہونے کے ساتھ لاولد بھی تھا قتل کر دیا تھا، اور اس کے قاتل خود اس کے بھتیجے ہی تھے، بھتیجوں نے جب دیکھا کہ یہ بڈھا تو مرنے کا نام ہی نہیں لیتا اور وہ کافی عمر دراز ہو گیا تھا، مگر بظاہر اس کے مرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں اندھیری رات میں قتل کر کے کسی دوسرے شخص کے دروازے پر ڈال دیا اور خود ہی خون کے دعویدار بن گئے اور قتل کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے قریب تھا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے، جب اختلاف شدید ہو گیا تو معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچ کر کہ اگر قاتل کا پتہ نہ چلا، تو قوم میں اختلاف شدید رونما ہو جائے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم سے لگائیں وہ بحکم خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتا دے گا، مگر بنی اسرائیل نے اپنی پرانی جبلت کی وجہ سے کٹ حجتی شروع کر دی اور گائے ذبح کرنے کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے گائے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی شروع کر دیں اور جس قدر سوالات کرتے گئے، اسی قدر اور زیادہ گھرتے چلے گئے، آخر کار ایک خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا، بات ٹھہر گئی، آخر کار ان صفات کی حامل گائے ایک شخص کے پاس مل گئی جو اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا، اور اس گائے کے چمڑے بھر سونے کے عوض اس کو خریدا اور ذبح کر کے اس کا ایک حصہ جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے کہ گائے کی زبان لگائی اور دوسری روایت میں ہے کہ دم کی جڑ لگائی، بہر حال وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے

قاتلوں کے نام بتائے اوران دونوں قاتلوں کو میراث سے محروم کرنے کے علاوہ قصاصاً قتل بھی کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرانے کی مصلحت:

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں آسکتا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ براہِ راست مردہ کو زندہ کر سکتا ہے، ذبح بقر کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچنا انسانی مقدرت سے باہر ہے، تاہم عقل وشعور کی جو روشنی اس نے انسان کو بخشی ہے، وہ اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کی صدہا سال تک مصریوں کی غلامی اور ان کے ساتھ بود و باش نیز مصریوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول نے ان کے اندر بت پرستی کے جراثیم پیدا کر دیئے تھے اور گائے کی عظمت اور تقدیس کا جذبہ بہت زیادہ نمایاں کر دیا تھا، پس خدا کی مصلحت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی اس گمراہی کو کسی ایسے عملی طریقہ سے دور کرے کہ جس کا مشاہدہ خود ان کی آنکھیں کر رہی ہوں، چنانچہ عملی طور پر گائے ذبح کرا کر ان کو یہ مشاہدہ کرایا گیا کہ جس گائے کی تقدیس تمہارے دلوں میں پیوست ہوگئی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود اس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا، وہ تمہارا بال بیکا بھی نہ کر سکی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ موت وحیات کا معاملہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس گؤ سالہ کی محبت تمہارے دلوں میں رچ گئی ہے وہ تم سے بھی ادنیٰ ایک حیوان ہے جو صرف تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ تمہارا دیوتا اور دیوی ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ، (الآية) یعنی گذشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہوگیا دیکھ کر بھی تمہارے دل متاثر نہیں ہوتے کہ اِنابت الی اللہ کا داعیہ اور توبہ واستغفار کا جذبہ پیدا ہو بلکہ اس کے برعکس تمہارے قلوب پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، اس لئے کہ بعض پتھر اپنی سنگینی کے باوجود ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خوفِ خدا سے لرز کر گر بھی پڑتے ہیں، مگر تمہارے قلوب ان مذکورہ قسم کے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ایسے عجیب وغریب معجزات اور حیرت زدہ واقعات دیکھ کر بھی اثر پذیر نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس تمرد وسرکشی پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں یاد رکھو! وہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا، (الآية) مومنین کو خطاب کر کے بنی اسرائیل کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے؟ حالانکہ ان کے پچھلے بزرگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا کہ جو کلام الٰہی (تورات) میں دیدہ ودانستہ تحریف کرتا تھا، یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں، فریق سے مراد وہ ستر اکابر بنی اسرائیل بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے اور واپس آکر شہادت دیتے وقت یہ بھی اضافہ کر کے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ جتنا ہو سکے عمل کرنا اور نہ ہو سکے تو معاف ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اور بعض مفسرین حضرات نے تحریف سے مراد یہ لیا ہے کہ توریت کی آیات میں تحریف لفظی اور معنوی کرتے تھے، مثلاً

تورات میں جو آپ ﷺ کی ظاہری اور معنوی نشانیاں مذکور تھیں مثلاً یہ کہ آپ کا حلیہ مذکور تھا، اسی طرح آیت رجم کو بدل ڈالا غرضیکہ وہ کلام الٰہی میں ہر قسم کی تحریف کرتے تھے، اب آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ ایسے لوگ جو دنیوی حقیر اور قلیل مفادات کی خاطر کلام الٰہی میں تحریف کرنے سے بھی نہ چوکتے ہوں ان سے اور ان کی ذریت سے ایمان کی توقع رکھنا سادہ لوحی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ جب پتھر دلوں سے تمہاری دعوت حق ٹکرا کر واپس آئے گی تو تم دل شکستہ ہو جاؤ گے یہ لوگ آج کے نہیں صدیوں کے بگڑے ہوئے پاپی ہیں، ان سے توقع رکھنا فضول ہے کہ حق کی آواز بلند ہوتے ہی یہ ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں گے۔

شانِ نزول:

"وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ". (الآیة)

یہود میں سے جو لوگ منافق تھے، وہ بطور خوش آمد اپنی کتاب تورات کی کچھ باتیں مسلمانوں سے بیان کر دیتے تھے، مطلب یہ کہ وہ آپس میں کہتے تھے کہ: تورات اور دیگر آسمانی کتابوں میں جو پیش گوئیاں اس نبی سے متعلق موجود ہیں، یا جو آیات اور تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجودہ روش پر گرفت ہو سکتی ہے، انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف حجت کے طور پیش کریں گے گویا وہ اپنے دل میں یہ سمجھتے تھے کہ اگر دنیا میں وہ اپنی تحریفات اور حق پوشی کو چھپالے گئے تو آخرت میں ان پر مقدمہ نہ چل سکے گا، اس لئے بعد میں جملہ معترضہ میں ان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اللہ کو بے خبر سمجھتے ہو؟

اَخرجَ ابن اسحٰق و ابن جرير عن ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ فی قوله (وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا اى بصَاحِبكم رسول الله ﷺ ولكنه اليكم خاصة، (وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ) قالوا لا تُحدثوا العرب بهذا فقد كنتم تستفتحون به عَلَيْهِم. و كان مِنهم لِيُحَاجو كم به عِنْد رَبكم". (فتح القدیر شوکانی)

وَروى ابن ابى حاتم عن عكرمة انّ السبب فى نزول الآية: انّ امراة من اليهود اَصَابَتِ الفاحِشَة فجاؤا الى النبى ﷺ يبتغونَ منه الحكم رجاء الرخصة، فدعا رسول الله ﷺ عَالِمَهم وَهُوَ ابن صوريا فقال له: احكم. فقال فَحُبّوْهُ، والتحبية: يحملونه على حمارٍ ويجعلون وَجْهَهٗ اِلى ذنب الحمار فقال رسول الله ﷺ: اَبِحُكم الله حكمت؟ قال: لا ولكنّا نِسَاء نا كنّ حسانا فاسْرع فِيْهِنّ رِجَالنا فغيّرنا الحكم. (فتح القدیر شوکانی)

ابن ابی حاتم نے عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ ایک یہودن زنا کی مرتکب ہوئی، تو کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصت کی امید پر آپ ﷺ سے فیصلہ طلب کیا آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا، جس کا نام ابن صوریا تھا، اور اس سے فرمایا تم فیصلہ کرو، تو اس نے فیصلہ کیا کہ اس کو گدھے پر الٹا بٹھاؤ (یعنی

الٹا بٹھا کر گھماؤ) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے یہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے تو اس نے کہا نہیں، مگر بات یہ ہے کہ ہماری عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے مردان کی طرف سبقت کرتے ہیں اسی وجہ سے ہم نے حکم بدل دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ اى اليهود **أُمِّيُّوْنَ** عوامٌ **لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ** التورٰةَ **إِلَّآ** لٰكِنْ **أَمَانِيَّ** اَكاذيبَ تلقّوها من رؤسائهم فاعتمدوها **وَإِنْ** ما **هُمْ** في جَحْدِ نبوّةِ النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم وغيرِهٖ مما يختلِقُونَهٗ **إِلَّا يَظُنُّوْنَ**﴿۷۸﴾ ظنًّا ولا عِلمَ لهم **فَوَيْلٌ** شدّةُ عذابٍ **لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيْهِمْ** اى مُختلَقًا من عندِهم **ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدُّنيا وهم اليهودُ غيّروا صفةَ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في التورٰةِ وآيةَ الرجمِ وغيرَها وكتبوها على خلافِ ما أُنزِلَ **فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ** من المُختلَقِ **أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ**﴿۷۹﴾ من الرُّشٰى **وَقَالُوْا** لما وعدهم النبيُّ النارَ **لَنْ تَمَسَّنَا** تُصيبَنا **النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً** قليلةً اربعين يومًا مُدّةَ عبادةِ آبائِهم العِجلَ ثُمَّ تزولُ **قُلْ** لهم يا محمّدُ **أَتَّخَذْتُمْ** حُذِفَ منه همزةُ الوصلِ استغناءً بهمزةِ الاستفهامِ **عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا** ميثاقًا منه بذٰلك **فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ** به لا **أَمْ** بل **تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۸۰﴾ **بَلٰى** تمسّكم وتخلُدون فيها **مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً** شِركًا **وَّأَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ** بالافرادِ والجمعِ اى استولَتْ عليه وأحدقَتْ به من كلِّ جانبٍ بأن مات مُشرِكًا **فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ**﴿۸۱﴾ روعي فيه معنى من **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ**﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور ان یہود میں بعض ناخواندہ بھی ہیں جو کتاب یعنی تورات کا علم نہیں رکھتے، مگر دل خوش کن باتوں کا جوانہوں نے اپنے سرداروں سے سنی ہیں، ان ہی پر اعتماد کرلیا اور وہ آپ کی نبوت سے انکار کے بارے میں جن کو وہ گھڑ لیتے ہیں، محض وہم وگمان پر قائم ہیں اور ان کے پاس (اس کی) کوئی سند نہیں، لہٰذا ان کے لئے ہلاکت، شدید عذاب ہے، (اس لئے) کہ وہ اپنی طرف سے تصنیف کرتے ہیں (یعنی) از خود ایجاد کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ (نوشتہ) اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے، تاکہ اس کے معاوضہ میں (دنیا کا) قلیل فائدہ حاصل کریں اور یہ یہود ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی تورات میں مذکور صفات کو بدل ڈالا اور آیت رجم وغیرہ کو (بھی) اور نازل کردہ کے برعکس لکھ دیا تو ایسے لوگوں کے لئے بربادی ہے خود نوشتہ کی وجہ سے جوانہوں نے گھڑ لیا ہے اور ان کی رشوت کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت ہوگی اور وہ جب ان کو نبی ﷺ جہنم کی آگ سے ڈراتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن یعنی چالیس دن جو ان کے آباء (واجداد) کے بچھڑے کو پوجنے کی مدت ہے، پھر ختم ہوجائے گی، اے محمد (ﷺ) آپ

(ﷺ) ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے اس کا کوئی عہد لے لیا ہے؟ (اَتَّخَذْتُمْ) ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے مستغنی ہوگیا، جس کی وجہ سے ہمزۂ وصل کو حذف کردیا گیا، جس کی وہ خلاف ورزی نہیں کرسکتا، (ایسا ہرگز نہیں)، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ پر ایسی بات کا بہتان لگاتے ہو جس کے متعلق خود تم کو علم نہیں ہے، آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ (ضرور) چھوئے گی اور اس میں ہمیشہ رہو گے، جو بھی بدی شرک کمائے گا اور اس کو اس کی خطا کاری گھیرے ہو (خَطِيئَتُهُ) افراد اور جمع کے ساتھ ہے یعنی (بدی) اس پر غالب آگئی اور اس کو ہر جانب سے گھیر لیا بایں طور کہ وہ حالت شرک میں مر گیا، تو وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہے گا (اولئك اور هم اور خلدون وغیرہ میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہی جنتی ہیں اور وہ (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: عَوام. اُمِّيُّون، کی تفسیر عوام سے کرکے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کردیا۔

سَوَال: عرب میں اُمِّيُّونَ بولا جاتا ہے، تو قوم عرب کی طرف ذہن سبقت کرتا ہے، نیز اُمَّةُ الْاُمية، عرب ہی کے بارے میں بولا جاتا ہے۔

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں اُمِّيُّونَ سے عوام یہود مراد ہیں جو احبار یہود کے بالمقابل ہیں جن کو عوام کہا جاتا ہے نیز اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ مِنهُم سے مراد یہود ہیں اور اُمِّيُّون سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب ہیں جب اميون کی تفسیر عوام سے کردی تو یہ تضاد بھی ختم ہوگیا۔

قَوْلُهُ: اَلْاَمَانِي، اَمَانِي، اُمْنِيَّةٌ، کی جمع ہے، بمعنی آرزو، بے اصل خیالات، یہ مَنّٰی يمنى، مَنْيًا، بمعنی مقدر کرنا سے ماخوذ ہے۔

قَوْلُهُ: بِاَيْدِيهِم، یہ يكتبون کی تاکید ہے، اس لئے کہ کتابت ہاتھ ہی سے ہوتی ہے جیسا "ولاطائرٍ يَطِيرُ بجناحَيهِ" میں يطيرُ بجناحَيهِ طائرٌ، کی تاکید ہے۔

قَوْلُهُ: فَوَيْلٌ لَهُمْ. ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: وَيْلٌ مبتداء اور لَهُمْ اس کی خبر ہے حالانکہ وَيْلٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: وَيْلٌ، دراصل کلمۂ بددعاء ہے، یہ اصل میں هَلَكْتَ وَيْلاً تھا، جیسا کہ سَلَّمتُ سَلَامًا فعل کو حذف کرکے نصب سے رفع کی جانب عدول کیا تاکہ دوام وثبات پر دلالت کرے۔

تفسیر و تشریح

اس سے پہلی آیت میں رؤسائے یہود کی جانب سے اس بات پر ملامت کا ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہیں کہ جو کل بروز قیامت خدا کے روبرو خود اپنے ہی خلاف ہتھیار اور حجت کا کام دیں گی مثلاً آپ ﷺ کی صفات اور علامات اور آپ کا حلیہ مبارک وغیرہ جو تورات وغیرہ میں مذکور تھا۔

اَوَ لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ، (الآیۃ) اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ بے مغز یہود اتنا بھی نہیں جانتے کہ جن باتوں کو مسلمانوں سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی خبر وہ وحی کے ذریعہ مسلمانوں کو دے سکتا ہے، مثلاً آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے اس کو ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا، یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا کہ جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے، اب اگلی آیت میں جاہل اور ناخواندہ لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر اور غافل ہیں کہ تورات میں کیا لکھا ہے؟ سوائے چند آرزؤں اور خوش کن باتوں کے جو انہوں نے اپنے عالموں سے سن رکھی ہیں، مثلاً جنت میں یہودیوں کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا اور یہ کہ ہمارے آباء واجداد ہم کو ضرور بخشوالیں گے اور اگر بالفرض دوزخ میں جانا بھی ہوا تو وہ مدت چند (چالیس) دنوں سے زائد نہ ہوگی، ان کے یہ خیالات محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اس کی کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان سے پہلوں کے پاس تھی۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ، (الآیۃ) اس آیت میں یہود کے علماء اور احبار اور اکابر کا ذکر ہے یہود کے علماء اور احبار نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کلام الٰہی کے معانی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قومی تاریخ کو، اپنے اوہام اور قیاسات کو اور اپنے خیالی فلسفوں کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب چیزیں اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔

توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں ہے دوست و دشمن سب کو ہی تسلیم ہے کہ موجودہ توریت کلام الٰہی نہیں دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے، کسی کٹر سے کٹر اور جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے سکے، کاش سید احمد خاں آج زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی اس جرم کا اقرار و اقبال اب کھلے لفظوں میں خود وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں۔

عرب کے امی محمد ﷺ کے لائے ہوئے کلام کا اعجاز ہے کہ اس نے چودہ صدی پہلے ہی اہل کتاب کی کتاب (بائبل) کو تمام تر محرف اور ناقابل اعتماد ہونا قرار دیا تھا، یورپ کی تحقیق تو اب ایک صدی سے سامنے آئی ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصاً)

ثَمَنًا قَلِیْلًا، ثمن سے مراد صرف نقد یا زر قیمت ہی نہیں بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن ہے (کل مایحصلُ عوضًا بشیئٍ فھو ثمنُہٗ) (راغب) کلام ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادی نفع حاصل ہوگا خواہ کتنا بھی کثیر و عظیم کیوں نہ ہو حقیر اور قلیل ہی ہوگا۔

قرآن کی خرید وفروخت کا مسئلہ:

بعض اہل ظاہر نے آیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید وفروخت اور اس کی کتابت وطباعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن مذہب صحیح کی رو سے مذکورہ چیزیں بالکل جائز اور درست ہیں، اس لئے کہ یہاں جو بیع وشرا ہوتی ہے وہ کاغذ وکتابت وغیرہ کی ہوتی ہے نہ کہ آیات اللہ کی، اگر آیت سے کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے اور غلط مسئلے بتا کر اور موضوع حدیثیں بیان کرکے دنیوی فائدہ حاصل کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ہر تحریف وتصحیف موجب لعنت ہے:

قرآنی اور اسلامی معیار صداقت ودیانت کے اعتبار سے ہر تحریف اور تصحیف موجب لعنت اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت ہے لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں بلکہ بعض اہل کتاب کے یہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست اور جائز ہے اور خدا کی سچائی اور خداوند کے جلال کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ روا ہے جس طرح آج دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر پوری دنیا میں جو ننگا ناچ ناچا جا رہا ہے، اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، جس میں انسانی اور اخلاقی تمام قدروں کو نہ صرف یہ کہ بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے بلکہ پیروں تلے بری طرح روندا جا رہا ہے اور یہ برائیاں سچائی کے نام پر ہو رہی ہیں۔

مذہب تثلیث کے بانی پولس (Paulas) اسرائیلی کا مقولہ آج تک انجیل میں لکھا ہوا ہے، اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔ (رومیوں، ۳: ۷، ماجدی ملخصًا)

مِمَّا يَكْسِبُوْنَ، مِمَّا يَكْسِبُوْنَ سے مراد وہ دنیاوی مالی اور جاہی منافع ہیں جو وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور (بقول خود) دروغِ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں۔

یہود کی غلط فہمی:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً، یہ یہود کی غلط فہمی کا بیان ہے، جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہر حال چونکہ ہم یہود ہیں لہٰذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر ہم کو سزا دی بھی گئی تو بس چند روز جہنم میں بھیجے جائیں گے اور بعد ازاں سیدھے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیے میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ جہنم میں داخلے کی مدت چالیس روز ہوگی جن میں بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہے تھے اور بعض دیگر مفسرین یہود نے یہ مدت گیارہ مہینے اور کسی نے

سات دن بیان کی ہے، بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہودی خود کو آتش دوزخ سے بالکل آزاد سمجھتے تھے، چنانچہ (جیوش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ)۔

آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں اس لئے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد، ۵، ص: ۵۸۳، ماجدی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا، (الآیة) یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہورہا ہے کہ یہ جو تم اپنی قوم کی محبوبیت اور نار جہنم سے محفوظیت اور عدم مسئولیت کا عقیدہ اپنے دلوں میں جمائے بیٹھے ہو، آخر اس کی تمہارے پاس کیا سند اور کیا دلیل ہے؟ کیا تم اس کی سند اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ جب تمہارے پاس اس عقیدے کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہے تو پھر اللہ پر بہتان اور افتراء پردازی کے سوا اور کیا ہے؟

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ، قَالَ کا صلہ جب علی آتا ہے، تو افتراء پردازی اور بہتان تراشی کے معنی ہوتے ہیں، قَالَ عَلَيْهِ، اِفْتَرىٰ عَلَيْهِ. (تاج)

نجات اور عدم نجات کا قانون:

"بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ". (الآیة)

نجات یا عدم نجات کا نسل وقوم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا مدار ایمان اور عدم ایمان پر ہے، اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَتُهٗ، تمام اکابر اہل سنت کے نزدیک یہاں کفر ہی مراد ہے، گناہ کے احاطہ کرنے کا مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلے کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو حتی کہ دل میں ایمان وتصدیق بھی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر دل میں ایمان وتصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکورہ محقق نہ ہوگا لہٰذا کافر پر ہی یہ صورت صادق آتی ہے، مومن کتنا ہی بدعمل ہو بہر حال اس آیت کا مصداق نہ ہوگا۔

بعض اہل باطل نے اس آیت سے جو مومن عاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے وہ صریحاً باطل ہے اول تو خود سَيِّئَة، کے معنی ہی شرک کے ہیں، اَلسَّيِّئَةُ الشرك، (قرطبی) مومن اس آیت کا مصداق اس لئے نہیں ہوسکتا کہ کم از کم زبان سے اقرار اور تصدیق قلبی کا درجہ اسے بہر حال حاصل ہوتا ہے۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، خلود اگرچہ مدت طویل کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں بھی اس لفظ کا استعمال قرآن میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام ہی ہے اور اس کی تائید وتاکید کے لئے قرآن مجید میں خالدین کے ساتھ جابجا اَبَدًا بھی آیا ہے، وَالمراد بالخلود الدَّوَامُ (روح) وَمِنَ النَّاسِ من

حملَ الخلود علی اصل الوضع وهو اللبث الطویل لَیسَ بشئٍ لِاَنّ فیه تَهوِینَ الخطب فی مقام التهویل مع عدم ملائمته حمل الخلود فی الجنة علی الدوام. (روح)

وَ اذْكُر اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فی التورة وقلنا لَا تَعْبُدُوْنَ بالتاء والیاء اِلَّا اللّٰهَ خبرٌ بمعنی النّهی وقُرِئ لا تعبُدُوا وَ احْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بِرًّا وَذِى الْقُرْبٰى القرابة عطفٌ علی الوالدین وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ قولاً حُسْنًا من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر والصدق فی شان محمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم والرّفق بهم وفی قراءةٍ بضمّ الحاء وسکون السین مصدرٌ وُصف به مبالغةً وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فقبلتم ذلك ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اعرضتم عن الوفاء به فیه التفاتٌ عن الغیبة والمراد اٰباؤهم اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ عنه کاٰبائکم وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وقلنا لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ تریقونها بقتالِ بعضکم بعضا وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ لایُخرج بعضکم بعضا من داره ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ قبلتم ذلك المیثاق وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ علی انفسکم.

ترجمہ: اور یاد کرو (اس وقت کو) جب ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا، اور کہا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا (تعبدون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں اور (لا تَعْبُدُوْنَ) خبر بمعنی نہی ہے، اور لَاتَعْبُدُوا بھی پڑھا گیا ہے اور والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ القربی بمعنی قرابت ہے اور ذی القربی کا عطف والدین پر ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کرنا) اور محمد ﷺ کی شان میں (بیان صفات کے بارے میں) سچ بولنا اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ایک قراءت میں (حُسْنًا) حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو کہ مصدر ہے بطور مبالغہ صفت لایا گیا ہے، اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا تم نے یہ بات قبول کر لی تھی، مگر پھر بھی تم وفاء عہد سے پھر گئے، اس میں غیبت سے (خطاب) کی طرف التفات ہے اور مراد ان کے آباء (واجداد) ہیں، مگر تم میں سے بہت تھوڑے (عہد پر قائم رہے) اور تم اس عہد سے اپنے آباء کے مانند پھرے ہوئے ہو اور (پھر ذرا یاد کرو) کہ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ آپس میں قتل کر کے خون خرابہ نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا یعنی کوئی کسی کو اس کے گھر سے نہ نکالے اور تم نے اس عہد کا اقرار کیا تھا اور تم خود اپنے اوپر گواہ ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: میثاق، عہد و پیمان، (جمع) مَواثِق و مَواثیق، و میاثِق، بعض مفسرین نے اخذنا میثاقکم، کے معنی امرنا بذلك، (یعنی حکم دینے کے) لئے ہیں، (ابن قتیبہ) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا، مِیْثَاق، اخذنا، کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلُہٗ: بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ، بَنِیْ دراصل بَنِیْنَ، تھا، یہ ملحق بجمع مذکر سالم ہے، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جری میں یاء نون کے ساتھ ہے نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اسرائیل عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اس کا فتحہ نیابۃً عن الکسرہ ہے۔

سُوَال: مفسر علام کا لفظ "قُلْنَا" اضافہ کرنے سے کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: کلام، کو ما قبل یعنی، واذ اخذنا، سے مربوط کرنا ہے بایں طور کہ دونوں جگہ جمع متکلم کے صیغہ ہو جائیں ورنہ تو کلام واحد میں مخاطب واحد کے لئے غائب اور حاضر کے صیغہ کا استعمال لازم آئے گا، اس لئے کہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے بعد **لا تعبدون**، ہے، اس کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہیں اور یہ حاضر کا صیغہ ہے، اس طرح کلام واحد میں شئی واحد کے لئے خطاب **بالغائب** اور خطاب **بالحاضر** لازم آتا ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے "قُلْنَا" کا اضافہ کیا تاکہ اَخَذْنَا، اور قلنا، میں مطابقت ہو جائے۔

فَائِدَہ: یہ **التفات من الغیبۃ الی الخطاب**، قلنا محذوف نہ ماننے کی صورت میں لازم آئے گا اور اگر قلنا محذوف مان لیا جائے، جیسا کہ مفسر علام نے مانا ہے، تو اس صورت میں **التفات من الغیبۃ الی الخطاب** نہ ہوگا، اس لئے کہ قُلنا سے جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

قِوْلُہٗ: خبرٌ بمعنی النھی، یعنی، لَاتَعْبُدُوْنَ، مضارع منفی جمع مذکر حاضر ہونے کی وجہ سے جملہ خبریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا نون اعرابی ساقط نہیں ہوا، مگر معنی کے اعتبار سے جملہ انشائیہ ہے اور معنی میں **لا تعبُدوْا** کے ہے۔

سُوَال: نہی کو مضارع منفی کی صورت میں ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: صراحۃً نہی سے کنایۃً نہی اولیٰ ہے، اس لئے کہ نہی بصورت مضارع منفی سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ گویا حکم کی تعمیل ہو چکی ہے اس کی خبر دی جا رہی ہے۔

وھو ابلغ من صریح الامر والنھی کانّہٗ سورع الی الامتثال، (کشاف) حضرت اُبی اور عبداللہ بن مسعود رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی قراءت، لا تعبُدُوا، بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ: مضارع منفی بمعنی نہی ہے، نیز وَقُوْلُوا، واقیموا، وآتوا، کا، لَا تَعْبُدُوْنَ، پر عطف بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ: لَا تَعْبُدُوْنَ، لَاتَعْبُدُوْا، کے معنی میں ہے۔

قِوْلُہٗ: وَاَحْسِنُوْا.

سُوَال: احسنوا مقدر ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس تقدیر کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ بالوالدین جو کہ جار مجرور ہے، کا عطف، لَا تَعْبُدُوْنَ، پر ہے جو کہ جار مجرور کا غیر جار مجرور پر عطف ہے، جو درست نہیں ہے، جب اَحْسِنُوْا، محذوف مان لیا تو یہ اعتراض ختم ہو گیا، مفسر علام نے اَحْسِنُوْا، امر کا صیغہ مقدر مان کر اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عطف، لَاتَعْبُدُوْنَ، کے معنی پر ہے، نہ کہ لفظ پر۔

قَوْلُہٗ: فَقَبِلْتُمْ، قَبِلْتُمْ، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ، تَوَلَّیْتُمْ، کا عطف، مقدر پر ہے نہ کہ اَقِیْمُوْا پر جیسا کہ متبادر ہے، لہٰذا عطف الخبر علی الانشاء کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: بِرًّا، اِحْسَانًا، کی تفسیر بِرًّا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ احسان سے مطلق حسن سلوک مراد ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا عملاً، نہ کہ صرف مالی جیسا کہ احساناً سے معلوم ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذی القربیٰ، قربیٰ، کی تفسیر القرابۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ قربیٰ رُجْعٰی، کے مانند مصدر ہے نہ کہ جمع۔

قَوْلُہٗ: الیَتَامٰی، یہ الیتیم، کی جمع معرف باللام ہے انسانوں میں باپ کے مرنے سے اور حیوانوں میں ماں کے مرنے سے بچہ یتیم کہلاتا ہے۔ (صاوی)

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

① لا تَعْبُدُوْنَ، جملة خبرية معناه النهي، وهو ابلغ مِنَ التصريح.

② في قوله تعالىٰ "لا تعبدونَ" التفات من الغيبة الى الخطاب.

تَفْسِیر وَ تَشْرِیح

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ، یہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے اسلاف کی بدعنوانیوں کا سلسلہ وار ذکر ہے یہود کے اسلاف کی بدعنوانیوں کو بیان کرنے اور شمار کرنے کا منشا یہ ہے کہ موجودہ یہود کج فطرت اس لئے ہیں کہ یہ تخم بد کے شجر خبیث کے برگ و بار ہیں ان سے خیر کی توقع رکھنا شیطان سے خیر کی توقع رکھنا ہے اس لئے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے، لاتَلِدُ الحيّةُ اِلّا الحية، آپ ان کے اسلاف کے کرتوتوں کو ذرا یاد کریں کہ جب ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا یعنی ان کو احکام شرع پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا، مگر انہوں نے تمام احکام کو پس پشت ڈال دیا، جس کے نتیجے میں ہم نے ان کے اوپر طور کو معلق کر دیا جب پہاڑ کو نیچے آتا دیکھتے تو احکام کو قبول کر لیتے اور جب واپس جاتا دیکھتے تو پھر منکر ہو جاتے، چند لوگ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب توریت کے پابند رہے اور توریت کے منسوخ ہونے کے بعد شریعت محمدیہ کے متبع رہے۔

توحید کا اقرار، والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور تمام انسانوں کے ساتھ نرم خوئی اور خوش خلقی سے پیش آنا اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنا سابقہ امتوں میں بھی لازمی اور ضروری تھی۔

توریت اثبات توحید اور ممانعت شرک سے بھری پڑی ہے نمونہ کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

① میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہوئے، تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی پر زمین کے نیچے ہے، مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ (خروج، ۲۰: ۲، ۵) (ماجدی)

❷ سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ (استثناء، ٦: ٤)

توریت اور والدین کا احترام:

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے (خروج ۲۰: ۱۲) اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا۔ (استثناء ٥: ١٦)

توریت میں ضرورت مند کا ذکر:

اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کرو، بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو، اور کسی کام میں جو وہ چاہے، بقدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔ (استثناء ١٤، ٢٩)

مسکین زمین پر سے کبھی ختم نہ ہوں گے اس لئے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ (استثناء، ١٥: ١١)

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا، مالی تعاون چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ ممکن نہیں ہے، اس لئے عوام الناس کے ساتھ خوش گفتاری، نرم خوئی، خندہ پیشانی اور شیریں کلامی کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ کام نہایت آسان اور سہل ترین ہے، اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ کوئی زحمت ہوتی ہے یہ ادنیٰ ترین فریضۂ انسانیت ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، عزیز و اقارب یا کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے خوش خلقی سے سب کے ساتھ پیش آتے رہنا خواہ وہ نیک ہو یا بد، فاسق ہو یا صالح، ہاں البتہ احتیاط اتنی ضرور رہے کہ اس خوش خلقی و خندہ روئی سے کہیں مخاطب کی بدعت یا بے دینی کی تائید نہ پیدا ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت دی تھی، "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا" ظاہر ہے کہ آج کلام کرنے والا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل نہیں اور مخاطب خواہ کتنا ہی برا ہو مگر فرعون سے زیادہ برا نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ، (الآیة) یہ قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے کہ تم تمام قول و قرار سے پھر گئے اور تم میں سے صرف چند (عبداللہ بن سلام وغیرہ) دین حق پر قائم رہے۔ (قرطبی)

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ، یہ بھی قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے اور مراد تمام موجودہ اور گذشتہ بنی اسرائیل ہیں خود اس مضمون کی شہادتیں مروجہ تورات میں موجود ہیں، ملاحظہ ہوں۔

اور وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے۔ (خروج ٣٢: ٨)

میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے۔ (خروج ٣٢: ٩)

بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو۔ (خروج ٣٣: ٥)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ، (الآية) یعنی کنایۃً نہیں بلکہ صراحۃً تم سے یہ عہد لیا گیا کہ نہ اپنی قوم کو قتل کروگے اور نہ اس کو جلاوطن کروگے۔

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ، یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا ہوا ہے اور تمہیں اس سے مجال انکار نہیں، توریت میں ہے ''وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے''۔

(خروج، ۲٤:۷)

ثُمَّ اَنْتُمْ يا هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ يقتل بعضكم بعضًا وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظّٰهَرُوْنَ فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الظاءِ وفي قراءة بالتخفيف على حذفِها تَتعاوَنُونَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ المعصية وَالْعُدْوَانِ الظلم وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى وفي قراءة أسرى تُفٰدُوْهُمْ وفي قراءة تَفْدُوهُمْ تُنقِذُوهُم من الاسر بالمالِ أو غيرِه وهو مِمّا عُهِدَ اليهم وَهُوَ اى الشانُ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ متصلٌ بقوله وتُخرِجون والجملة بَيْنَهما اعتراضٌ اى كما حُرِّمَ تركُ الفِداء وكانت قريظة حالَفُوا الاوسَ والنَّضيرُ الخزرجَ فكان كُلُّ فريقٍ يُقاتِل مع حُلفائه ويُخرّب ديارَهم ويُخرِجهم فإذا اسروا فدوهم وكانوا اذا سُئِلوا لم تُقاتلونهم وتفدونهم قالوا اُمِرنا بالفداء فيُقالُ فلِمَ تُقاتِلُونهم فيقولون حياء ان يُستذلّ حُلفاؤنا قال تعالى اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وهو الفداء وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ وهو تركُ القتل والاخراج والمظاهرة فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ هوان وذُلٌّ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وقد خُزُوا بقتل قريظة ونفي النضير الى الشام وضرب الجزية وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ بالياء والتاء، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ بأن آثروها عليها فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ يمنعونَ منه.

ترجمہ: پھر جیسے تم ہو، سامنے ہو، کہ اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو یعنی آپس ہی میں خون خرابہ کرتے ہو اور اپنے ہی میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف (غیروں) کی ظلم و زیادتی کے ساتھ مدد کرتے ہو (تَظّٰهَرُوْنَ) میں تاء کا ظاء میں اصل میں ادغام ہے اور ایک قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے تاء کو حذف کرکے (تَظَاهَرُوْن) معنی میں تَتَعَاوَنُوْنَ کے ہے اور اگر وہ گرفتار ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں اور ایک قراءت میں اسریٰ ہے تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ایک قراءت میں، تُفْدُوْهُمْ، ہے یعنی تم ان کو قید سے مال وغیرہ دے کر رہائی دلاتے ہو، (یعنی قیدی کا قیدی سے تبادلہ کرکے) یہ بھی ان احکام میں سے ہے، جن کا ان سے عہد لیا گیا، حالانکہ بات یہ ہے کہ ان کا اخراج ہی سرے سے تمہارے اوپر حرام ہے (هُوَ مُحَرَّمٌ) کا تعلق تخرجون سے ہے اور (وَاِنْ يَاتوكم الخ) متعلق اور متعلق کے

درمیان جملہ معترضہ ہے، یعنی جس طرح ترک فدیہ حرام ہے، (اسی طرح قتل واخراج بھی حرام ہے) اور (بنو) قریظہ اوس کے حلیف تھے، اور (بنو) نضیر خزرج کے اور ہر فریق اپنے حلیف کے ساتھ مل کر قتال کرتا تھا اور (فریق مخالف کے) گھروں کو ویران کرتا تھا، اور ان کو ان کے گھروں سے نکالتا تھا اور جب وہ قیدی ہو جاتے تھے، تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے تھے، اور جب ان سے سوال کیا جاتا تھا، کہ تم ان سے قتال کیوں کرتے ہو، اور پھر ان کو فدیہ دے کر رہائی دلاتے ہو، تو وہ جواب دیتے تھے، کہ اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے حلیف ذلیل سمجھے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور وہ فدیہ کا حکم ہے اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو اور وہ قتل واخراج اور (غیروں کے) تعاون کو ترک کرنا ہے، تو تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں؟ چنانچہ (بنو) قریظہ قتل سے اور (بنو) نضیر جلاوطنی سے اور جزیہ عائد کرنے سے ذلیل ہوئے اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اللہ ان کی حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے، (تعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی بایں طور کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لہٰذا ان کی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ عذاب سے نہ بچائے جائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: ثُمَّ اَنْتُمْ، یا ھٰؤُلَاءِ، ثُمَّ، حرف عطف تراخی کے لئے ہے، اَنْتُمْ مبتداء تَقْتُلُوْنَ الخ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے ھٰؤُلَاءِ، اسم اشارہ منادیٰ محلاً منصوب، یا، حرف ندا محذوف کما ذھب الیہ المفسر، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ھٰؤُلَاءِ، محلاً منصوب علی الذم یعنی فعل محذوف اذم کی وجہ سے۔

قِوْلُہٗ: تَظٰھَرُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر، جملہ ہو کر محلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب بمعنی متعاونین علیھم۔

قِوْلُہٗ: فی الاصل، ای بعد قلبھا، ظاءً، تاء ثانیہ کو حذف کر کے۔

قِوْلُہٗ: مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُھُمْ، محرمٌ، اپنے متعلق علیکم سے مل کر خبر مقدم، اِخْرَاجُھُمْ، بترکیب اضافی مبتداء مؤخر، مبتداء باخبر جملہ ہو کر خبر ہوئی ھُوَ مبتداء کی ھُوَ کا ماقبل میں چونکہ مرجع مذکور نہیں ہے، اس لئے اس کو ضمیر شان قرار دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: متصل بقولہ: وَتُخْرِجُوْنَ، اس اتصال سے مراد تعلق الحال مع ذوالحال ہے، اور حال وذوالحال کے درمیان وَاِنْ یاتوکم اُسٰریٰ تفادوھم، جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں اَسْریٰ ہے جو کہ اَسِیْرٌ کی جمع ہے جیسا کہ: جَرْحٰی، جَرِیْح کی جمع ہے اور اُسَاریٰ، اَسْریٰ کی جمع ہے جیسا کہ سُکَاریٰ جمع سَکْریٰ، اس اعتبار سے اُساریٰ جمع الجمع ہے، نہ کہ اَسیر مفرد کی جمع، لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ فعیلٌ کی جمع فُعَالی کے وزن پر نہیں آتی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الإستعارة المكنية: فی قوله تعالٰی: اولٰئِكَ الَّذِين اشتَرَوا الحیٰوة الدنیا بالْاٰخرةِ استعارة مكنية تبعِيّة فی شراء الحیٰوة الدنیا.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مشرکین کے دومشہور قبیلے مدینہ میں آباد تھے، اوس اور خزرج یہی بعد میں انصار کہلائے ان کی آئے دن آپس میں لڑائی رہتی تھی، اسی طرح یہود کے تین قبیلے اطراف مدینہ میں آباد تھے، قینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے، بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے، اور بنوقینقاع اور بنونضیر خزرج کے حلیف تھے، جنگ میں یہ قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے اور ان کے گھروں کو لوٹتے اور انہیں جلاوطن کردیتے، حالانکہ تورات میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن پھر ان یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی ہوجاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک سمجھ رکھا ہے کہ جدھر چاہا موڑ دیا چنانچہ یہ یہود بعض چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کو ترک کردیتے ہیں قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا ان کی شریعت میں بھی حرام ہے، مگر ان باتوں کا تو انہوں نے ذرہ برابر لحاظ نہ کیا، اور فدیہ دے کر چھڑالینے کا جو حکم تھا اس پر عمل کرلیا اس طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بعض احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا تو درکنار، تم تو تورات کے بھی تمام احکام کے پابند نہیں ہو تمہارے اسلاف کے طرز عمل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ تورات کو بھی واجب العمل نہیں سمجھتے اس کے بعض احکام پر عمل کرتے ہو اور بعض کو پس پشت ڈالدیتے ہو:

"فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْيَا".

ذلت ورسوائی کی پیش گوئی چند ہی روز بعد حرف بحرف پوری ہوئی حجاز میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع جو ہنر و دولت مندی میں معروف ومشہور تھے، تینوں قبیلے چند سال کی مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہی میں ذلت ورسوائی کے ساتھ یا توقتل کردیئے گئے یا پھر ارض حجاز سے جلاوطن کردیئے گئے۔

اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وصیت ایک اسرائیلی نبی کی زبانی:

اسرائیلی سلسلے کے ایک آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وعید منقول ہے ''تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھردو اے سانپو، اے افعی کے

بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے" (متی ۳۳:۲۳) اس آیت میں یہودیوں کے خفیہ طریقہ کار اور سازش اور کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔

جنگ بعاث:

جنگ بعاث دراصل اوس اور خزرج کی جنگ تھی، یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہوگئے اور نمایاں حصہ لیا بنونضیر اور بنوقریظہ نے اوس کا ساتھ دیا اور بنوقینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے جنگ نے طول کھینچا گھمسان کا رن پڑا بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی۔

فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ، یہ شریعت کے بعض احکام کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے کی سزا کا بیان ہے کہ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کے بجائے، سخت عذاب ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض باتوں کو ماننا اور بعض کو نظر انداز کرنا اللہ کے یہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں، یہ آیت مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کے وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہود کے بیان کیے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورة **وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ** ای اتبعناہم رسولاً فی اثر رسول **وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ** المعجزات کاحیاء الموتی وابراء الاکمہ والابرص **وَاَیَّدْنٰهُ** قوّیناہ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** من اضافة الموصوف الی الصفة ای الروح المقدسة جبرئیل لطہارتہ یسیر معہ حیث سار فلم تستقیموا **اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى** تحب **اَنْفُسُكُمُ** من الحق **اسْتَكْبَرْتُمْ** تکبرتم عن اتباعه جواب كلما، وہو محل الاستفہام والمراد به التوبیخ **فَفَرِیْقًا** منہم **كَذَّبْتُمْ** کعیسی **وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ** (۸۷) المضارع لحکایة الحال الماضیة ای قتلتم کزکریا ویحیی **وَقَالُوْا** للنبی استہزاء **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** جمع اغلف ای مغشاة باغطیة فلا تعی ما تقول قال تعالی **بَلْ** للاضراب **لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** ابعدہم عن رحمته وخذلہم عن القبول **بِكُفْرِهِمْ** ولیس عدم قبولہم لخلل فی قلوبہم **فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ** (۸۸) ما زائدة لتاكید القلة ای ایمانہم قلیل جدًا **وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ** من التورة ہو القرآن **وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قبل مجیئه **یَسْتَفْتِحُوْنَ** یستنصرون **عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** یقولون اللّٰہم انصرنا علیہم بالنبی المبعوث آخر الزمان **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا** من الحق وہو بعثة النبی صلی الله علیه وسلم **كَفَرُوْا بِهٖ** حسدًا وخوفًا علی الریاسة وجواب لما الاولی دل علیه جواب الثانیة **فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ** (۸۹) **بِئْسَمَا اشْتَرَوْا** باعوا

بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ای حَظَّهَا مِنَ الثَّوابِ وَمَا نَكِرَةٌ بِمَعْنَى شيئًا تمييزٌ لفَاعِلِ بِئْسَ والمَخْصُوصُ بالذَّمِ **اَنْ يَّكْفُرُوْا** ای كُفْرُهم **بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** مِنَ القُراٰنِ **بَغْيًا** مفعولٌ لهٗ ليَكْفُرُوا ای حَسَدًا على **اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ** بالتخفيف والتَّشديد **مِنْ فَضْلِهٖ** الوَحي **عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ** للرِّسالةِ **مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ** رَجَعُوا **بِغَضَبٍ** مِنَ اللّٰهِ بكُفرِهِم بمَا اَنزلَ والتَّنكيرُ للتَّعظِيمِ **عَلٰى غَضَبٍ ۭ** اسْتَحَقُّوْهُ مِن قبلُ بتَضْيِيعِ التَّورةِ والكفرِ بعيسى **وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ⑨ ذُو اِہانَةٍ۔

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور ان کے بعد پے در پے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واضح معجزات عطا کئے مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا اور مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور مبروص (کوڑھی) کو اچھا کرنا اور پاکیزہ روح (یعنی جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعہ ہم نے ان کی تائید کی (روح القدس) میں اضافتِ موصوف الی الصفت ہے، ای الروح المقدسة (قدس کہا) ان کے (نافرمانی سے) پاک ہونے کی وجہ سے (ان کی تائید بایں طور کی) کہ جہاں وہ جاتے تو حضرت جبرائیل بھی ساتھ رہتے، پھر بھی یہ لوگ راہ راست پر نہیں آئے، (لیکن) کیا یہ بات نہیں کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز (یعنی حق) لے کر آیا جو تم کو ناپسند ہوتی تو تم نے اس کی اتباع سے تکبر کیا (اِسْتَكْبَرْتُمْ) كُلَّمَا کا جواب ہے اور یہی محل استفہام ہے اور (استفہام) کا مقصد توبیخ ہے تو ان میں سے بعض کی تم نے تکذیب کی جیسا کہ (حضرت) عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض کو قتل کر ڈالا، جیسا کہ (حضرت) زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور (ماضی کے بجائے) مضارع حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے یعنی تم نے قتل کر دیا اور نبی سے تمسخراً کہا کہ ہمارے قلوب پر پردے ہیں غُلْفٌ، اَغْلَفُ کی جمع ہے، یعنی پردوں میں مستور ہیں لہٰذا جو آپ کہتے ہیں اس کو محفوظ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہیں بات ایسی نہیں بلکہ (دراصل بات یہ ہے) کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور قبول حق سے محروم کر دیا ہے، بَلْ، اضراب کے لئے ہے اور ان کا (حق) کو قبول نہ کرنا کسی قلبی (دماغی) خلل کی وجہ سے نہیں تھا، سو وہ بہت کم باتوں پر یقین رکھتے ہیں، مَا، تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم باتوں پر ہے اور اب جب کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) جو اس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے (یعنی) تورات کی تصدیق کرتی ہے، آئی حالانکہ اس کے آنے سے پہلے (اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح و نصرت کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، کہ اے اللہ! تو ہم کو کافروں پر نبی آخر الزمان کے طفیل میں غلبہ عطا فرما، چنانچہ جب جب اس حق کا جس کو وہ پہچانتے تھے، اور وہ نبی ﷺ کی بعثت ہے ان کے پاس آیا تو حسد اور زوال ریاست کے خوف سے انکار کر بیٹھے اور پہلے لَمَّا، کے جواب پر دوسرے لَمَّا کا جواب دلالت کر رہا ہے، اللہ کی پھٹکار ہو کافروں پر نہایت بری ہے وہ شئی جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو یعنی اپنے حصہ کے اجر

(وثواب) کو بیچ ڈالا، اور مَا، نکرہ بمعنی شیئًا بئس کے فاعل سے تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ یَکْفُرُوْا، ہے یعنی سرکشی کی وجہ سے اس قرآن کا انکار ہے، جس کو اللہ نے نازل فرمایا، بَغْیًا، لِیَکْفُرُوْا، کا مفعول لہ ہے یعنی محض اس حسد کی وجہ سے کہ اللہ نے اپنا فضل (یعنی) وحی اپنے بندوں میں سے اس پر جس کو رسالت کے لئے پسند فرمایا نازل فرمایا (یُنَزِّل) میں (زاء) کی تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں، تو وہ نازل کردہ کے انکار کی وجہ سے اللہ کا غضب بالائے غضب لے کر لوٹے، (بِغَضَبٍ) کی تنکیر شدت کو بیان کرنے کے لئے ہے، (یعنی) غضب کے تو وہ تورات کو ضائع کرنے اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے پہلے ہی مستحق ہو چکے تھے، اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے، یعنی رسوا کن عذاب۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَفَّیْنَا، ماضی جمع متکلم (تفعیل) تَقْفِیَۃً، پیچھے بھیجنا، قَفّٰی، دو مفعول چاہتا ہے، عام طور پر اس کے مفعولوں پر حرف جر داخل نہیں ہوتا، جیسے: "قَفَّیْتُ زیدًا عمرًا" میں نے زید کو عمر کے پیچھے بھیجا اور کبھی دوسرے مفعول پر، ب، داخل ہوتی ہے، قرآن مجید میں اس کا استعمال ہے، جیسا کہ اسی آیت میں ہے "وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ" ہم نے ان کے بعد پیہم رسول بھیجے۔

قَوْلُہٗ: مَرْیَمَ، یہ سُریانی لفظ ہے اس کے معنی ہیں خادمہ، انگریزی میں اس کا تلفظ مَیری (Mery).

حضرت مریم اور ان کا نسب:

حضرت مریم کی والدہ کا نام حَنّہ اور والد کا نام عمران تھا، نسب اس طرح ہے مریم بنتِ عمران بن ماتان۔ حضرت مریم کا نبی ہونا مختلف فیہ ہے اہل سنت کا عقیدہ ہے، کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی، لیکن بچپن ہی سے آپ کے صاحب کرامت ولیہ ہونے میں شبہ نہیں، بچپن میں ہی اللہ کی طرف سے بے موسم پھل آپ کو بھیجے جاتے تھے، (لغات القرآن) سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ ق م ہے۔

تاریخی اختلاف کے باوجود صحیح فیصلہ یہ ہے کہ: آپ نے کبھی نکاح نہیں کیا اسی لئے آپ کو مریم عذراء کہا جاتا ہے (دوشیزہ) آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ یوسف نجار سے آپ کی نسبت ہو گئی تھی نکاح اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ (لغات القرآن)

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں:

عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عجمی لفظ ہے سریانی میں یسوع کہتے ہیں جس کے معنی مبارک کے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں، سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے، آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی ہے، ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے آپ کا وہی مادری وطن ہے ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی ۳۳ سال کی عمر میں آپ جمہور امت کے عقیدہ کے مطابق اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لئے وفات پاکر آسمان پر اٹھالئے گئے، آپ کے رفع آسمانی سے انکار صرف بعض جدید فرقوں نے کیا ہے۔ (ماجدی، ملخصًا)

قِوْلُہٗ: رُوْحُ الْقُدُسِ، یہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشہور لقب ہے۔ مسیحی اصطلاح میں اقانیم ثلثہ میں سے اقنوم ثالث ہے۔

قِوْلُہٗ: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا، واؤ حرف عطف ہے، لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، قد حرف تحقیق ہے۔

قِوْلُہٗ: بطَهَارَتِهٖ، یہ القدس (طاہر) ہونے کی علت ہے۔

قِوْلُہٗ: یَسِیْرُ معه، حیث سارَ، اَیَّدْنَاہُ کی تفسیر ہے۔

قِوْلُہٗ: فلمر تستقیموا، یہ جملہ ہی مقصود کلام ہے یعنی مذکورہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ راہ راست پر نہیں آئے، نیز اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ، اَفَکُلَّمَا، کا مقدر پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، فَلَمْ تَسْتَقِیْمُوْا فَاسْتَکْبَرْتُمْ اَفَکُلَّمَا جاءَ کمر رسول الخ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمزہ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: تَهْوٰی، مضارع واحد مؤنث غائب وہ خواہش کرتی ہے، (س) ھَوًی خواہش کی طرف نفس کا مائل ہونا۔ (لغات القرآن)

قِوْلُہٗ: مِنَ الْحَقِّ، یہ مَا کا بیان ہے۔

قِوْلُہٗ: تَکَبَّرْتُمْ، اسْتَکْبَرْتُمْ، کی تفسیر تکبّرتمر، سے کرکے اشارہ کردیا کہ (سین، تاء) زائدہ ہیں، نہ کہ طلب کے لئے۔

قِوْلُہٗ: جَوَابُ کُلَّمَا، کُلَّمَا متضمن بمعنی شرط ہے اور اِسْتَکْبَرْتُمْ، اس کا جواب ہے اور محل استفہام یہی جواب ہے اور یہ استفہام توبیخی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استفہام برائے سوال ممکن نہیں ہے، یعنی جب جب بھی تمہارے پاس رسول آئے تب تب تم نے تکبر کیا۔

قِوْلُہٗ: فَفَرِیْقًا، کَذَّبْتُمْ فَرِیْقًا کذّبتمر کا مفعول مقدم ہے، اور کَذَّبْتُمْ کا عطف اِسْتَکْبَرْتُمْ پر ہے اسی طرح فَرِیْقًا تقتلون ہے۔

قولہ: المضارع لحكاية الحال الماضية اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: فَرِيقًا تَقْتُلُوْنَ، میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود اس آیت کے نزول کے وقت بھی انبیاء کو قتل کر رہے تھے، حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

جواب: گذشتہ واقعہ کی منظر کشی کے طور پر مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے گویا کہ قتل انبیاء کا واقعہ فی الحال نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی کو حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں۔

قولہ: غُلْفٌ، یہ اَغْلَفْ کی جمع ہے، غیر مختون کو کہتے ہیں، ای لا یَعِی وَلَا یَفْهَمُ، مفسر علام نے بھی معنی مرادی لئے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ غُــلُفٌ غِلَافٌ کی جمع ہے، معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف موسوی سے لبریز ہیں ہمیں کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ هِيَ جمع غِلَافٍ ای هِيَ اَوْعِيَةُ العلم. (راغب)

قولہ: فَقَلِيْلًا، یہ اِيْمَانًا موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: قَبْلَ مَجِيْئِهٖ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف منوی ہونے کی وجہ سے مبنی بر ضم ہے۔

قولہ: بـاعُوا، اِشْتَرُوا کی تفسیر بـاعُوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اِشْتَرىٰ اضداد میں سے ہے اس کے معنی بیع اور شری دونوں آتے ہیں۔

قولہ: مِنَ الحَقِ، مَا، کا بیان ہے، مِنَ الحق سے، ما کی تفسیر کر کے ایک اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

اعتراض: جس کو یہود نبی آخر الزمان کے طور پر پہچانتے تھے، وہ آپ ﷺ کی ذات مبارک تھی، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" پھر یہاں آپ ﷺ کو لفظ ،مَا، سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: مراد اس سے حق ہے، نہ کہ آپ ﷺ کی مخصوص ذات اور آپ کا رسول برحق ہونا معجزات اور تورات میں مذکور علامات سے ظاہر تھا۔

قولہ: حَسَـدًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کفر جہل کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جب وہ آپ کو اور آپ کی نبوت کو بخوبی جانتے تھے، تو پھر کفر کیونکر ہوا۔

جواب: یہ کفر و انکار جہل اور عدم معرفت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حسد اور قومی تعصب کی وجہ سے ہوا۔

قولہ: دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ، وَهُوَ قوله كفروا به، مطلب یہ ہے کہ: كفروا به، لَمَّا ثانیہ کا جواب ہے اور اسی کی دلالت کی وجہ سے لَمَّا، اولیٰ کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَلَـمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ كَفَرُوْا بِهٖ، اس سے مبرد کا رد بھی مقصود ہے مبرد کا کہنا ہے کہ: كَفَرُوْا بِهٖ، لَمَّا، اولیٰ کا جواب ہے اور ثانی لَمَّا طول کلام کی وجہ سے تکرار کے طور پر لایا گیا ہے لہٰذا اس کو جواب کی ضرورت نہیں ہے، وجہ رد یہ ہے کہ اگر لَـمَّـا، کو مکرر مانا جائے تو وہ محض تاکید کے لئے ہوگا اور تاکید سے تاسیس اولیٰ ہے، اور وكانوا مِن قبلُ الخ تقدیر قَدْ، کے ساتھ جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلَہٗ: بِئْسَمَا، میں مَا، بِئْس کے اندر ضمیر مستتر ھُوَ، سے تمیز ہے تقدیر عبارت یہ ہے: بئس الشئُ شیئًا اور اشتروا، مَا، کی صفت ہے اور اَنْ یکفروا المخصوص بالذم ہے۔

قِوْلَہٗ: ذُوْ اھانۃ، اس میں اشارہ ہے کہ اہانت کی اسناد عذاب کی جانب مجازا ہے، اس لئے کہ عذاب ذلیل نہیں ہوا کرتا بلکہ صاحب عذاب (معذب) ذلیل ہوا کرتا ہے لہٰذا عذاب، مُہین نہ ہوگا بلکہ صاحب عذاب (معذب) مہین ہوگا۔

قِوْلَہٗ: مُھِیْنٌ، مُھِیْنٌ، اصل میں مُھْوِنٌ، واؤ کا کسرہ نقل کرکے ہاء، کو دیدیا واؤ ساکن ماقبل مکسور ''یاء'' سے بدل گیا، مُھِیْنٌ، ہوگیا۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ، ان آیات کی ضروری تفسیر، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلی جائے، باقی یہاں تحریر کی جاتی ہے، یہ بنی اسرائیل کی بعض جنایات کا بیان ہے کلام کو جملہ قسمیہ سے شروع کرنے میں کمال توجہ کی طرف اشارہ ہے۔

الکتٰب، سے مراد تورات ہے، بنی اسرائیل کو ایک مستقل دستور شریعت انعام خصوصی کے طور پر عطا ہوا تھا، بنو اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور مسلسل آتے رہنا تاریخ کا ایک مسلم و مشہور واقعہ ہے، یہاں تک کہ اسی سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ توریت ایک ہی مرتبہ میں یکمشت نازل کی گئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا تو آپ نہ اٹھا سکے، تو اللہ نے تورات کے جملہ حروف کی تعداد کے برابر فرشتے نازل فرمائے پھر بھی نہ اٹھا سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تخفیف فرما کر سہولت فرمائی جس کی وجہ سے آپ اٹھا سکے۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ، (الآیۃ) آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل یہود بڑی بے چینی اور شدت سے اس نبی آخر الزمان کے منتظر تھے، جس کی بعثت کی پیش گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں اور ان کے واسطے دعائیں مانگا کرتے تھے، کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ ختم ہو اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو، خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے بھی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تم جتنا چاہو ہم کو ستالو عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کر ظالموں سے سب حساب چکالیں گے، مدینہ کے مشرک یہ باتیں سن چکے تھے، اسی لئے جب نبی ﷺ کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا، دیکھنا کہیں یہ یہودی ہم سے بازی نہ لے جائیں، چلو پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں، مگر یہ عجیب بات تھی کہ یہودی جس

نبی کی آمد کی امید پر جی رہے تھے اور انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے کے بعد سب سے بڑھ کر اس کے مخالف اور دشمن ہو گئے حالانکہ وہ اسے بخوبی پہچان بھی گئے تھے۔

پہچان جانے کے متعدد ثبوت اسی زمانہ میں مل گئے تھے، سب سے زیادہ معتبر اور اہم شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی ہے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے یہودی عالم کی بھتیجی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ تشریف لائے، میرے والد اور چچا آپ سے ملنے گئے بڑی دیر تک آپ سے گفتگو رہی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کی گفتگو سنی۔

چچا:...... کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہمیں کتابوں میں دی گئیں ہیں؟

والد:...... خدا کی قسم ہاں۔

چچا:...... کیا تم کو اس کا یقین ہے۔

والد:...... ہاں۔

چچا:...... جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، الذین کفروا، سے یہاں مشرکین عرب مراد ہیں، ایک نومسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم قبل الاسلام یہود کو شکست دیتے تھے، تو وہ کہا کرتے تھے کہ ذرا ٹھہر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے (سیرت ابن هشام)

یہود نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کو تو مسیح ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے، اور اس کا ذکر اکثر مشرکین مکہ سے کیا کرتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ القراٰن وغیره **قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا** ای التَّوراة قال تعالى **وَيَكْفُرُوْنَ** الواو لِلحال **بِمَا وَرَآءَهٗ** سِواهُ وبَعدَهُ مِنَ القراٰن **وَهُوَ الْحَقُّ** حالٌ **مُصَدِّقًا** حالٌ ثانية مُؤكِّدَةٌ **لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ** لهم **فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ** ای قَتَلْتُم **اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۹۱﴾** بالتَّورة وقد نُهيتُم فِيهَا عَنْ قَتلِهِمْ والخِطابُ لِلمَوجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم بِمَا فَعَلَ اٰباؤُهُم لِرِضاهُم به **وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ** ای المُعجزاتِ كالعَصَا واليَدِ وفَلْقِ البحر **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْۢ بَعْدِهٖ** ای بَعْدَ ذِهابه اِلَى المِيقاتِ **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۹۲﴾** بِاتِّخاذِهِ **وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** علی العَمَلِ بِمَا فِي التَّوراةِ وَ قد **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** الجَبَلَ حِينَ امْتَنَعْتُمْ مِن قَبولِهَا لِيَسْقُطَ عليكم وقُلنا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ واجتِهادٍ **وَّاسْمَعُوْا ۭ** ما تُؤمَرُونَ بِه سَماعَ قَبولٍ **قَالُوْا سَمِعْنَا** قولك **وَعَصَيْنَا ۤ** امرك **وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ** ای خَالَطَ حُبُّهُ قُلوبَهم كما يُخالِطُ الشَّرابُ

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ لهم بِئْسَمَا شيئًا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ بالتورة عبادةُ العجل اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ بها كما زعمتم المعنى لستم بمؤمنين لانّ الايمان لا يأمُرُ بعبادة العجلِ والمُرادُ اٰباؤهم اى فكذلك انتم لستم بمؤمنين بالتورة وقد كذبتم محمدًا صلى الله عليه وسلم والايمانُ بها لا يأمُرُ بتكذيبه قُلْ لهم اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اى الجنة عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً خاصّة مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ كما زعمتم فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ تعلّق بتمنّيه الشرطان على انّ الاوّل قيدٌ فى الثانى اى ان صدقتم فى زعمكم ومن كانت له يُؤثرُها والمُوصلُ اليها الموتُ فتمنّوهُ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ من كُفرهم بالنبيّ صلى الله عليه وسلم المُستلزم لكذبهم وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ الكافرين فيُجازيهم وَلَتَجِدَنَّهُمْ لامُ قسم اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَ احرص مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ المنكرين للبعث عليها لعلمهم بانّ مصيرهم الى النار دون المشركين لانكارهم له يَوَدُّ يتمنّى اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ لو مصدريّةٌ بمعنى أن وهى بصلتها فى تاويل مصدرٍ مفعولُ يودُّ وَمَا هُوَ اى احدهم بِمُزَحْزِحِهٖ مُبعده مِنَ الْعَذَابِ النارِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ فاعل مُزحزحه اى تعميرُهُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ بالياءِ والتاءِ فيُجازيهم.

تَرجَمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن وغیرہ (انجیل) اللہ نے نازل کیا ہے، اس پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر نازل کیا گیا ہے، یعنی تورات پر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور واؤ حالیہ ہے جتنی اس کے علاوہ ہے اس کے بعد ہے (اور وہ) قرآن ہے ان کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق بھی ہے، (جملہ) حالیہ ہے، اور اس (تورات) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، (مصدقا) حال ثانی ہے تاکید کے لئے آپ ان سے دریافت کیجئے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان ہے تو انبیاء سابقین کو تم نے کیوں قتل کیا؟ حالانکہ تم کو تورات میں ان کے قتل سے منع کیا گیا ہے، خطاب ان (یہود) کو ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، اس وجہ سے کہ ان کے آباء (واجداد) نے جو کچھ کیا یہ اس سے راضی ہیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے پاس کھلے معجزات لائے جیسا کہ عصا، ید بیضاء اور دریا کا دولخت ہو جانا، پھر بھی تم نے اس کے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میقات (طور) پر چلے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، اور تم بچھڑے کو (معبود) بنانے کی وجہ سے ظالم ہوئے اور جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر جبل طور کو مسلط کیا، تاکہ تم پر گرادیں، جب تم تورات کو قبول کرنے سے باز رہے، اور ہم نے کہا، ہماری دی ہوئی چیز (تورات) کو مضبوطی اور کوشش سے تھامو اور جس بات کا تم کو حکم دیا جارہا ہے اسے قبولیت کی نیت سے سنو، تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کی بات سنی اور ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا

بسا دیا گیا تھا، یعنی بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ایسی سرایت کرگئی تھی جیسا کہ شراب (جسم میں) سرایت کرجاتی ہے، آپ ان سے کہئے تمہارا توریت پر ایمان جس گاؤ پرستی کا تم کو حکم دیتا ہے، وہ نہایت بری چیز ہے اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے مطلب یہ کہ تمہارا توریت پر بھی ایمان نہیں ہے اس لئے کہ تورات پر ایمان گاؤ پرستی کا حکم نہیں دیتا، اور (کُمْ) کے مخاطب ان کے آباء (واجداد) ہیں یعنی اسی طرح تمہارا بھی تورات پر ایمان نہیں ہے اور تم محمد ﷺ کی تکذیب کرچکے ہو، اور تورات پر ایمان آپ ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا آپ ﷺ ان سے کہئے اگر دارِ آخرت یعنی جنت عند اللہ صرف تمہارے لئے ہے خاص طور پر اور لوگوں کے علاوہ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو (ذرا) موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تمنائے موت کے ساتھ دو شرطیں متعلق ہیں، اس طریقہ پر کہ اول دوسری کے لئے قید ہے، یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ دار آخرت (جنت) صرف تمہارے لئے ہے اور جس کے لئے دار آخرت ہو تو وہ اس کو ترجیح دیتا ہے اور اس تک رسائی کا ذریعہ موت ہے، لہٰذا تم اس کی تمنا کرو، مگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کہ وہ آپ ﷺ کا انکار ہے اور موت کی تمنا نہ کرنا ان کی تکذیب کو مستلزم ہے، ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کافروں کو خوب جانتا ہے لہٰذا ان کو سزا دے گا بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص آپ ان کو پائیں گے کہ (یہ لوگ زندگی کی حرص میں) مشرکوں منکرین بعث سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، (لَتَجِدَنَّهُمْ) میں لام قسمیہ ہے، اس لئے کہ انہیں (یہود کو) یہ بات معلوم ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، بخلاف مشرکوں کے کہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں ان میں کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال ہو، لَوْ، مصدریہ ہے، اَنْ، کے معنی میں ہے اور لَوْ، اپنے صلہ کے ساتھ مصدر کی تاویل میں ہو کر یَوَدُّ کا مفعول ہے، یہ درازئ عمر بھی ان کو عذاب سے نہیں بچا سکتی، اَنْ یُّعَمَّرَ، مُزَحْزِحِهٖ، کا فاعل ہے (یعنی اَنْ یُّعَمَّرَ) تعمیر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھتا ہے، یعملون، یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی ان کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَرَآءَ، یہ ظرف مکان ہے، یہ خلف کے معنی میں زیادہ اور امام کے معنی میں کم استعمال ہوتا ہے یہ اضداد میں سے ہے اور سِوٰی، اور بَعْدَ، کے معنی میں بھی مستعمل ہے، مفسر علام نے بعد کے معنی مراد لئے ہیں۔

قِوْلُہٗ: وَهُوَ الْحَقُّ، یہ مَا سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: مُصَدِّقًا حالٌ ثانیة مؤکِدَةٌ، یہ ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ حق صادق ہی ہوتا ہے جیسا کہ زیدٌ ابوك، عطوفًا، میں عطوفًا، ماقبل کی تاکید کے لئے ہے حال ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ تاکید کے اعتبار سے حال ثانی ہے ورنہ تو یہ حال ثالث ہے اس لئے کہ اول، ویکفرون، ہے۔

قولہ: قَتَلْتُمْ، مضارع کی تفسیر ماضی سے کرنے میں اشارہ ہے کہ انبیاء کا قتل نزول آیت کے زمانہ کے اعتبار سے زمانہ ماضی میں واقع ہوا ہے اور قرینہ اس پر (مِنْ قَبْلُ) ہے۔

قولہ: بِـمَـا فعَلَ اٰبَاءُ هم، اس میں اشارہ ہے کہ: تَقْتلون، میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ انبیاء کے قاتل ان کے آباء واجداد تھے نہ کہ وہ۔

قولہ: رضاهم یہ مجاز کے علاقہ کا بیان ہے اور وہ ملابست ہے، چونکہ موجودہ یہودی اپنے آباء کے قتل سے راضی تھے اسی لئے قتل کی نسبت ان کی طرف کردی گئی ہے۔

قولہ: بالمعجزات، بَیّنات کی تفسیر معجزات سے کرکے ان لوگوں پر رد مقصود ہے، جو بینات سے تورات مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ تورات واحد ہے اور بینات جمع ہے۔

قولہ: اِلٰهًا، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ اِتَّخذَ، کا مفعول ثانی محذوف ہے اور یہ اِتخذتُ سَیفًا ای صنعته سے ماخوذ نہیں ہے جو ایک مفعول کو چاہتا ہے اس لئے کہ اتخاذ عجل، سامری سے صادر ہوا تھا نہ کہ بنی اسرائیل سے اسی مضمون کو سوال وجواب کی صورت میں بھی بیان کرسکتے ہیں۔

سوال: اِلٰهًا، محذوف ماننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: اتخاذ، ابتداء صنعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: اِتخذتُ سیفا، ای صَنَعْتُهٗ، مفعول ثانی ذکر نہ کرنے سے اس معنی کی طرف ذہن منتقل ہوسکتا تھا، اس صورت میں مطلب ہوتا، صَنَعتم یا بنی اسرائیل عجلاً، حالانکہ عجل سازی کا عمل سامری سے صادر ہوا تھا، نہ کہ بنی اسرائیل سے۔

قولہ: بعد ذِهابِه، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں مِنْ بعده کا تعلق مضاف محذوف سے ہوگا، نہ کہ اِتخاذ سے یہ ان حضرات پر رد بھی ہے جن حضرات نے بعد ذهابِه کے بجائے مجیئه محذوف مانا ہے، ورنہ تو لازم آئے گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں عجل سازی ہوئی جو کہ غلط ہے۔

قولہ: عَلَى العملِ بِمَا فِي التَّوْرَاةِ، اس میں اشارہ ہے کہ: اخذ میثاق سے وہ عمومی میثاق مراد نہیں ہے جو ازل میں تمام اولاد آدم سے الست بربکم کی صورت میں لیا گیا تھا۔

قولہ: وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمْ، قد، مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ ماضی کا حال بننا صحیح ہے اگر قد مقدر مان لیا جائے، ماضی کے حال بننے کے لئے قَد کا ہونا ضروری ہے، خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

قولہ: حُبّه قلوبهم، اس میں اشارہ ہے کہ العجل سے پہلے حب مضاف محذوف ہے اس لئے کہ بچھڑا دل میں نہیں سما سکتا، مضاف کو حذف کرکے مبالغۃً مضاف الیہ کو اس کے قائم کردیا گیا ہے۔

قولہ: عِبَادَةُ العِجلِ، یہ مخصوص بالذم مقدر ہے۔

قولہ: کذلك انتم لَستُمْ بمؤمنین، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: آباء کی جنایت کی وجہ سے ابناء سے مؤاخذہ نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا آپ ﷺ کے زمانہ میں موجودین کو ان کے آباء کے فعل پر مذمت کس وجہ سے ہے؟

جَوَاب: ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود اپنے اسلاف کے فعل پر راضی اور اس سے متفق تھے، نہ کہ نادم و شرمندہ اس لئے کہ برائی پر راضی اور اس سے متفق ہونا بھی برائی ہے۔

قَوْلُہٗ: ای الـجـنـة، دار آخرت کی تفسیر جنت سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دار آخرت عام ہے، جس میں دوزخ اور جنت شامل ہے اور یہ لوگ صرف خود کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے۔

قَوْلُہٗ: کما زعمتم، ای بقولکم، "لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا".

قَوْلُہٗ: تَعَلَّقَ بتَمَنِّیه الشرطانِ الخ، اظہر یہ ہے کہ تعلق تمنیه بالشرطین کہا جائے، اس میں قلب ہے، یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے عطف کے بغیر جائز نہیں ہے اور یہاں یہی لازم آرہا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے نہیں ہے بلکہ ایک ہی شرط سے ہے اس لئے کہ اول شرط، ثانی کے لئے قید ہے مستقل شرط نہیں ہے۔

قاعدہ: قاعدہ یہ ہے کہ جب دو شرطیں جمع ہو جائیں اور ان کا جواب درمیان میں ہو تو اول شرط ثانی کے لئے قید ہوگی، بایں طور کہ اول ثانی کے معنی کے لئے متمم ہوگی اور جواب ثانی کا ہوگا تقدیر آیت یہ ہوگی: "اِنْ کُنْتُمْ صادقینَ فی زعمکُمْ اَنَّ الدَّارَ الآخِرةَ لکم خاصَّةً فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: فتمنوا الموت، ثانی کا جواب ہے اور اول کا جواب محذوف ہے جس پر اول کا جواب دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: المستلزم لِکِذْبِهِمْ، یہ شکل اول کا نتیجہ ہے، اِنْ کَانَتْ لکم الدَّارُ الآخرةُ، مقدم ہے فَتَمَنَّوُا الموتَ، تالی ہے اور لن یتمنوه ابدًا نقیضِ تالی ہے، نقیض تالی کا عدم مقدم کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے اور مقدم دار آخرت کو اپنے لئے خاص کرنا ہے، لہٰذا دار آخرت کی تخصیص کا دعویٰ معدوم ہو گیا اور یہ نقیض تالی کے عدم کی وجہ سے لازم آیا المستلزم لکذبهم، کا یہی مطلب ہے، یعنی یہود کا موت کی تمنا نہ کرنا، اپنے لئے دار آخرت کی تخصیص کے دعوے کے کذب کو مستلزم ہے۔

قَوْلُہٗ: لامُ قسمٍ، اس میں اشارہ ہے کہ وَلَتجدنهم، کا عطف لَنْ یَتَمَنَّوْہُ، پر ہے اور یہ عدم تمنائے موت کی تاکید ہے نہ کہ جملہ معترضہ جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ اس صورت میں لام تاکید کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یتمنی، یَوَدُّ، کی تفسیر یتمنی، سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصد ہے کہ: وِداد، موجود اشیاء میں ہوا کرتا ہے نہ کہ معدوم میں، اور درازیٔ عمر کی تمنا معدومات میں سے ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ وِداد تمنا کے معنی میں ہے اور تمنا معدوم اور موجود دونوں کی کی جاسکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: مُزَحزِحِهٖ، اسم فاعل واحد مذکر، دور کرنے والا، مصدر زَحزَحَةٌ، بروزن فَعْلَلَةٌ، دور کرنا ثلاثی مجرد زَحَّ، زَحًّا، (ن) دور کرنا۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ وَرَآءَ، وهو مِن ظروف مكانٍ، والمشهور انّه بمعنى خلفٍ وقد تكون بمعنى اَمَامٍ فهو من الاضداد.

❷ اِذَا سَبَقَ مَا الاستفهامية حرف جر حذفت الفها، وَنَزلت الكلمتان منزلة الكلمة الواحدة، فتقول: اِلامَ، حتامَ ،لِمَ ، بِمَ، عَمَّ.

❸ زُحْزِحَ، يستعمل متعدّيا ولا زمًا ، وتكرار الحروف بمثابة تكرارِ العمل.

❹ الكناية الف سنة وهى كناية عن الكثرة فليس المراد خصوص الف.

تَفْسِيْر وَتَشْرِيح

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا ، (الآية) یہ بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے اور یہ بات ان ہی سے کہی جارہی ہے کہ: آخری کتاب الٰہی، قرآن پر ایمان لاؤ، یہود چونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان پر نازل کردہ کتاب انجیل پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اس لئے اس دعوت ایمان میں انجیل اور قرآن دونوں شامل ہیں: "بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کے عموم سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اس کے جواب میں بنی اسرائیل کہا کرتے تھے، کہ ہماری قوم کے لئے جو کتاب نازل کی گئی ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے کسی دوسری کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ، یہود کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ سے باہر کسی اور نبی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ایک عرصہ تک الطاف الٰہی اور انعاماتِ خداوندی کے مورد خاص بنے رہے اور اسی نسل کے اندر مسلسل انبیاء کے مبعوث ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ: نبوت خاندان اسرائیل سے باہر نہیں جاسکتی۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، یہ یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں ہمیں کسی اور کتاب پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے، یعنی آپ ان سے کہئے کہ: تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے، اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہوتا تو تم انبیاء سابقین کو قتل نہ کرتے، اس لئے کہ تورات میں انبیاء کے قتل سے تم کو صراحۃً منع کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی تمہارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ، (الآية) یہ ان کے انکار وعناد کی دلیل کے طور پر کہا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام واضح معجزات اور دلائل قاطعہ اس بات پر لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ معبود صرف اللہ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تنگ کیا اور الٰہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنالیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ، (الآية) یہ یہود کے کفر وانکار کی انتہاء کا بیان ہے چونکہ پہاڑ سروں پر معلق تھا جان کے خوف

سے زبان سے تو اقرار کرلیا کہ سن لیا یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت تھی کہ ہم کو عمل کرنا نہیں ہے یا بعد میں کہہ دیا نہ مانیں گے۔

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ یہاں سے ان کے کفر و انکار کی وجہ بیان کی جا رہی ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ مدتوں مصر میں غلامانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے صورت پرستی ان کے دلوں میں بھی راسخ ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے ان کے قلوب زنگ آلود ہو کر قبولیت حق کی صلاحیت کھو چکے تھے، اس لئے کہ اول تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، دوسرے بچھڑے کی محبت کو اُشْرِبُوْا سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب سرایت کرتا ہے بہ نسبت کھانے کے، اس عصیان اور گاؤ پرستی کی وجہ ان کا وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

دعوتِ مباہلہ:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً، (الآیة) حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے یعنی یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ سے دعوائے محبت میں سچے ہو تو مباہلہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ: یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اسے موت سے ہمکنار کردے یہی دعوت انہیں سورۂ جمعہ میں بھی دی گئی ہے، نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آلِ عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہود بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لئے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت کی تمنا تو کجا؟ یہ دنیوی زندگی کے تمام لوگوں سے حتی کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی ان کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گی۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اپنے دعوؤں میں یکسر جھوٹے تھے، کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے سب جہنمی ہیں کیونکہ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو یقیناً وہ موت کی تمنا کرنے پر آمادہ ہوجاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہوجاتی موت کی تمنا سے اعراض اور گریز۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کرلیتے ہیں، لیکن وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ: اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا، جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لئے طے رکھا ہے۔

وَسَأَلَ ابنُ صُورِيَا النبيَّ صلى الله عليه وسلم أو عُمَرَ رضي الله عنه عَمَّن يَاتِي بِالوَحْيِ مِنَ المَلٰئِكَةِ فقَالَ جبرَئِيلُ فقَالَ هُوَ عدُوُّنَا يَاتِي بِالعذَابِ ولَو كَانَ مِيكَائِيلَ لآمَنَّا لِأَنَّهُ يَاتِي بِالخِصْبِ والسِّلْمِ فنزَلَ قُلْ لَهُم مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَلْيَمُتْ غَيظًا فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ اي القُرآنَ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ بِأَمرِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

قبلہ من الکتب **وَهُدًى** من الضلالۃ **وَّبُشْرٰى** بالجنۃ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ** بکسر الجیم وفتحھا بلا ہمزۃ وبہ وبیاء ودونھا **وَمِيْكٰلَ** عطف علی الملئکۃ من عطف الخاص علی العام وفی قراءۃ میکائیل بہمز ویاء وفی اُخری بلا یاء **فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾** اوقعہ موقع لہم بیانًا لحالھم **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** یا محمد **اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ** واضحات حال ردٌّ لقول ابن صُوریا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما جئتنا بشیء **وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾** کفروا بھا **اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا** اللہ **عَهْدًا** علی الایمان بالنبیّ ان خرج او النبی اَن لا یُعاونوا علیہ المشرکین **نَّبَذَهٗ** طرحہ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ** بنقضہ جواب کلّما وہو محلّ الاستفہام الانکاری **بَلْ** للانتقال **اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** محمد صلی اللہ علیہ وسلم **مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ** ای التورٰۃ **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** ای لم یعملوا بما فیھا من الایمان بالرسول وغیرہ **كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾** ما فیھا من انّہ نبیٌّ حقٌّ او انّھا کتاب اللّٰہِ.

ترجمہ: ابن صوریا نے نبی ﷺ سے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ جواب دیا جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، تو اس نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، اس لئے کہ وہ عذاب لے کر آتا ہے اگر (وحی لانے والا) فرشتہ میکائیل ہوتا تو ہم ایمان لے آتے، اس لئے کہ وہ خوشحالی اور سلامتی لے کر آتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہہ دیجئے، جو جبرئیل کا دشمن ہو، تو اس کو چاہئے کہ غصہ میں مر جائے، بے شک اس (جبرئیل) نے ہی تو قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے جو (قرآن) سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنوں کو راہ ہدایت دکھانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے اور جو بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا، جبرئیل جیم کے کسرہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ ہے، بغیر ہمزہ کے اور مع ہمزہ کے اور یاء کے اور بغیر، یاء کے ہے اور میکائل کا دشمن ہو اس کا عطف ملائکہ پر عطف خاص علی العام کے طور پر ہے اور ایک قراءت میں میکائیل ہمزہ اور یاء کے ساتھ ہے اور دوسری میں بغیر یاء کے پس ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے، (لفظ کافرین) کو، لَھُمْ، ضمیر کی جگہ ان کی (حالت کفر) کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے آپ پر روشن دلیلیں نازل کی ہیں، (بَیِّنٰت) اٰیٰتٍ، سے حال ہے یہ ابن صوریا کی اس بات کا جواب ہے کہ آپ ہمارے پاس کوئی شئ لے کر نہیں آئے جن کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا، (صرف) فاسق ہی اس کا انکار کرتے ہیں ان لوگوں نے نبی پر ایمان لانے کے بارے میں اگر وہ ظاہر ہو جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا یا نبی سے عہد کہ اس کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے تو ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ کر پس پشت ڈال دیا (نَبَذَهٗ) کلّما کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل

ہے، بلکہ بَلْ انتقال (اضراب) کے لئے ہے۔ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے، اور جب ان کے پاس ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول (محمد ﷺ) اللہ کی طرف سے آیا، تو ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال دیا، یعنی اس میں رسول پر ایمان لانے وغیرہ کے جو احکام تھے، ان پر عمل نہ کیا، گویا کہ وہ یہ بات کہ یہ نبی برحق ہے یا یہ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جانتے ہی نہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ابن صوریا، عبداللہ بن صوریا، فدک کے باشندہ ایک یہودی عالم کا نام ہے۔ (روح البیان، جمل)

قَوْلُهُ: جبرئیل، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ایک مقرب فرشتے کا نام ہے، جبرئیل کے تلفظ میں تیرہ لغات ہیں مگر ان میں بیشتر شاذ ہیں:

❶ جِبْرِيْل، جیم کے زیر کے ساتھ،
❷ جَبْرِيْل، جیم کے زبر کے ساتھ،
❸ جَبْرَئِيْل، بروزن خَنْدَرِيْس،
❹ جَبْرَئِل، ہمزہ کے بعد یاء نہیں،
❺ جَبْرَئِلّ لام مشدد،
❻ جِبْرَائِل،
❼ جَبْرَال،
❽ جَبْرَئِلُ،
❾ جِبْرَيِيْل، دو یاء پہلی مفتوح،
❿ جَبْرِين،
⓫ جِبْرِيْلَ،
⓬ جبرائین.

(لغات القرآن)

جبریل، بمعنی عبداللہ، بندۂ خدا، جبر، بندہ، ایل، اللہ، یہ عجمی لفظ ہے، عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور میکائیل بمعنی عبیداللہ ہے۔

قَوْلُهُ: فَلْيَمُتْ غَيْظًا، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مَنْ كَانَ میں، مَنْ شرطیہ ہے، فَلْيَمُتْ، اس کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ، یہ علت جزاء ہے نہ کہ جزاء اس لئے کہ جزاء جب جملہ ہو، تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو موجود نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اى القرآن، نَزَّلَهُ کی ضمیر کے بارے میں چونکہ احتمال تھا کہ جبرئیل کی طرف راجع ہو، مگر یہ معنی کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس لئے اَلْقرآن کہہ کر مرجع متعین کر دیا اگرچہ ماقبل میں قرآن مذکور نہیں ہے، مگر المشهور كالمذكور کے قاعدہ سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَعَهٗ مَوقِعَ لَهُمْ، بَيَانًا لِحَالِهِمْ، یعنی عَدُوٌّ للکافرین، کہنے کے بجائے، عَدُوٌّلَّهُمْ کہنا کافی تھا، اس لئے کہ ان کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے، مگر چونکہ ان کی عادت شنیعہ اور خصلت قبیحہ کو بیان کرنا مقصود تھا کہ عداوت ملائکہ کی وجہ سے یہ کافر ہوگئے، اس لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے۔

قَوْلُہٗ: رَدٌّ لقولِ ابن صوريا الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد معطوف علیہ جو کہ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ہے اور معطوف جو کہ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ، ہے کے درمیان جملہ معترضہ کو لانے کے نکتے کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوِالنَّبِی، اس کا عطف، اللہ پر ہے اور اس کا مقصد دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کرنا ہے، یعنی یہود نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب نبی آخرالزماں کا ظہور ہوگا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ آپ کے خلاف مشرکین کا تعاون نہ کریں گے۔

قَوْلُہٗ: اَوَ کُلَّمَا، ہمزہ استفہام انکاری ہے واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، اس کی تقدیر یہ ہے، اَکَفروا بایات اللّٰہ البینات، کُلّما، ظرف زمان متضمن بمعنیٰ شرط۔

قَوْلُہٗ: نَبَذَ فَرِیْقٌ، جملہ ہو کر جواب شرط، کتابَ اللّٰہ، نَبَذَ، کا مفعول اول اور وَرَاءَ ظهورِهِمْ، مفعول ثانی ہے اس لئے کہ نَبَذَ، جَعَلَ کے معنی کو متضمن ہے، اور استفہام انکاری کا محل بھی یہی ہے، یعنی ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو پس پشت ڈالنا نہیں چاہئے تھا۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ، (الآية) اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے: "قال ابن جرير الطبری اجمع اهل التاويل جميعًا انّ هذه الآية، نزلت جوابًا على اليهود اِذَا زَعَمُوْا أن جبريل عدولهم وَان ميكال ولى لَهُمْ".

سبب نزول کے واقعہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ: اس آیت کے نزول کا سبب وہ گفتگو ہوئی جو نبی کریم ﷺ اور یہود کے درمیان ہوئی۔ احمد اور عبد بن حمید وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے ابوالقاسم ہمارے چند سوالوں کا جواب دیجئے، جن کا جواب سوائے نبی کے کوئی نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ کو جو مرضی ہو سوال کرو، چنانچہ جو چاہا سوال کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا پھر آخر میں ان لوگوں نے کہا: "مَنْ وَلِیُّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ" آپ ﷺ

نے جواب دیا: وَلِیِّیَ جِبْرِیْلُ میرے دوست جبرئیل ہیں، اور جبرئیل ہر نبی کے دوست رہے ہیں۔

تو یہود کی جماعت نے کہا ہم آپ کی بات نہیں مانتے اگر جبریل کے علاوہ اور کوئی فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ جماعت نے جواب دیا جبرائیل تو دشمن ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(فتح القدیر شوکانی)

اسی قسم کی ایک روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے، ابن ابی شیبہ اور احمد وغیرہ نے حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے جب آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی حال یہ کہ وہ ایک باغ میں تھے، تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں جن کا جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، ① قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ ② اور جنتیوں کو سب سے پہلے کیا کھانا ملے گا؟ ③ اور بچہ اپنے والد یا اپنی والدہ کے کس وجہ سے مشابہ ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا، جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ابھی ابھی تشریف لائے تھے، تو انہوں نے مجھے بتایا، عبداللہ بن سلام نے کہا، جبرئیل نے! آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو یہود کا دشمن ہے، تو آپ ﷺ نے یہ آیت: "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ" تلاوت فرمائی۔

مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات:

① قیامت کی شرط (نشانی) آگ کا مشرق کی جانب سے نکلنا ہے جو لوگوں کو مغرب کی جانب جمع کردے گی۔ ② جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کے کباب ہوں۔ ③ مرد اور عورت میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، تو عبداللہ بن سلام نے کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔

فائدہ: جبرئیل اسلامی اصطلاح میں ایک عظیم و باوقار فرشتے کا نام ہے انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ تک وحی پہنچانے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہے انسان خواہ کتنا ہی مقبول و برگزیدہ ہو بشر ہی ہوتا ہے جسم خاکی رکھتا ہے، ان کے محدود اور کثیف خاکی قوی علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہ راست تجلیات لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کر سکیں، اس غرض کے لئے عموماً لطیف الجسم نور سے بنے ہوئے فرشتوں سے سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے، یہود بھی وجود ملائکہ کے قائل تھے، حضرت جبرئیل کے متعلق ان کا خیال خام یہ تھا کہ وہ فرشتۂ عذاب ہے ان کا کام وحی نہیں بلکہ عذاب لانا ہے وحی لانا حضرت میکائیل کا کام ہے اپنے ان ہی مفروضہ مقدمات کی وجہ سے آپ ﷺ پر معترض تھے کہ یہ نئے نبی اپنی نبوت کے سلسلہ میں حضرت جبرئیل کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہاں ان کی اسی غلط اندیشی سے تعرض کیا جا رہا ہے، آج بھی یہود جبرئیل کو میکائیل کا ہمسر نہیں مانتے۔ (ماجدی ملخصًا)

"مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" (الآیۃ) اللہ تعالیٰ یہود کے جواب میں فرماتے ہیں، یہ سب میرے مقبول بندے

ہیں، جوان کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے، حدیث شریف میں ہے: "مَنْ عَادىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَادَرَنِيْ بِالْحَرْبِ". (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ، یعنی ان کی پرانی عادت ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد معاہدہ یا قول و قرار کرتے ہیں، تو ان میں کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے، بلکہ بہت سے یہودی ایسے بھی ہیں جو تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

وَاتَّبَعُوْا عطف على نبذ **مَا تَتْلُوا** اى تلت **الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى** عهد **مُلْكِ سُلَيْمٰنَ** من السحر وكانت دفنته تحت كرسيه لما نزع ملكه او كانت تسترق السمع وتضم اليه اكاذيب وتلقيه الى الكهنة فيدونونه وفشا ذلك وشاع ان الجن تعلم الغيب فجمع سليمن الكتب ودفنها فلما مات دلت الشياطين عليها الناس فاستخرجوها فوجدوا فيها السحر فقالوا انما ملككم بهذا فتعلموه ورفضوا كتب انبيائهم قال تعالى تبرئة لسليمن وردا على اليهود فى قولهم انظروا الى محمد يذكر سليمن فى الانبياء وما كان الا ساحرا **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ** اى لم يعمل السحر لانه كفر **وَلٰكِنَّ** بالتشديد والتخفيف **الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ** الجملة حال من ضمير كفروا ويعلمونهم **وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ** اى الهماه من السحر وقرئ بكسر اللام الكائنين **بِبَابِلَ** بلد فى سواد العراق **هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ** بدل او عطف بيان للملكين قال ابن عباس هما ساحران كانا يعلمان السحر وقيل ملكان انزلا لتعليمه ابتلاء من الله للناس **وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ** زائدة **اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ** له نصحا **اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ** بلية من الله للناس ليمتحنهم بتعليمه فمن تعلمه كفر ومن تركه فهو مؤمن **فَلَا تَكْفُرْ** بتعلمه فان ابى الا التعلم علماه **فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ** بان يبغض كلا الى الاخر **وَمَا هُمْ** اى السحرة **بِضَآرِّيْنَ بِهٖ** بالسحر **مِنْ** زائدة **اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته **وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ** فى الاخرة **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** وهو السحر **وَلَقَدْ** لام قسم **عَلِمُوْا** اى اليهود **لَمَنِ** لام ابتداء معلقة لما قبلها من العمل ومن موصولة **اشْتَرٰىهُ** اختاره او استبدله بكتاب الله **مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** نصيب فى الجنة **وَلَبِئْسَ مَا** شيئا **شَرَوْا** باعوا **بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ** اى الشارين اى حظها من الاخرة ان تعلموه حيث اوجب لهم النار **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۰۲﴾ حقيقة ما يصيرون اليه من العذاب ما تعلموه **وَلَوْ اَنَّهُمْ** اى اليهود **اٰمَنُوْا** بالنبى والقران **وَاتَّقَوْا** عقاب الله بترك معاصيه كالسحر وجواب لو محذوف اى لاثيبوا دل عليه **لَمَثُوْبَةٌ** ثواب وهو مبتدأ واللام فيه للقسم

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ خبرهٗ بِمَا شرَوْا به انفُسَهم لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ انّهٗ خيرٌ لَمَا اثرُوهُ عليه.

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے (یہود) (اِتَّبَعُوْا) کا عطف نَبَذَ، پر ہے اس (سحر) کے کہ جس کو شیاطین سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے عہد سلطنت میں پڑھا کرتے تھے، جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی حکومت ختم ہوگئی تو سحر (کی کتابوں) کو شیاطین نے سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا، یا اس کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین چوری سے سن لیا کرتے تھے اور اس میں (اپنی طرف سے) جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیا کرتے تھے اور وہ اس کو مُدَوَّن کر لیا کرتے تھے، اور اس بات کی شہرت ہوگئی، نیز مشہور ہوگیا کہ جنات غیب جانتے ہیں تو سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے (جادو کی) کتابوں کو جمع کر کے دفن کر دیا، چنانچہ جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہوگیا تو شیاطین نے لوگوں کو اس کی نشاندہی کر دی، چنانچہ لوگوں نے اس کو نکال لیا، تو اس میں جادو پایا، تو کہنے لگے (سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام) نے تمہارے اوپر اسی (جادو) کے بدولت حکمرانی کی، تو ان لوگوں نے اس جادو کو سیکھا اور اپنے انبیاء کی کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا، اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی براءت کرتے ہوئے اور یہود کی اس بات کو رد کرتے ہوئے: کہ محمد کو دیکھو سلیمان کو نبیوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ محض جادوگر تھے فرمایا اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے کفر نہیں کیا، یعنی عمل سحر نہیں کیا اس لئے کہ (عمل سحر) کفر ہے، لٰکِنَّ تشدید اور تخفیف کے ساتھ لیکن شیاطین نے کفر کیا، کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، جملہ (يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ) کفروا، کی ضمیر سے حال ہے اور (شیاطین) ان کو وہ علم سحر بھی سکھاتے تھے، اور جو ان دو فرشتوں پر نازل کیا گیا جو (شہر) بابل میں رہتے تھے، اور مَلِكَيْنِ کو لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، بابل وسط عراق میں ایک شہر ہے (ان فرشتوں کا نام) ہاروت اور ماروت تھا، یہ مَلَكَيْنِ، سے بدل یا عطف بیان ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا وہ دونوں جادوگر تھے، خود جادو سکھایا کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ دو فرشتے تھے، جو جادو کی تعلیم کے لئے اللہ کی جانب سے لوگوں کی آزمائش کے طور پر اتارے گئے تھے اور وہ دونوں (جادو) کسی کو نہیں سکھاتے تھے، مِنْ زائدہ ہے، مگر نصیحۃً یہ کہہ دیتے تھے، کہ: ہم اللہ کی جانب سے (لوگوں کی) آزمائش ہیں، تاکہ جادو سکھا کر اس کی آزمائش کریں لہٰذا جس نے جادو سیکھا اس نے کفر کیا اور جو سیکھنے سے باز رہا وہ مومن ہے، لہٰذا اس کو سیکھ کر کفر نہ کرو، پھر بھی اگر وہ سیکھنے پر مصر رہتا تو اسے سکھا دیتے، پھر لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ بیوی اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی کرا دیں بایں طور کہ آپس میں بغض رکھنے لگیں اور یہ جادو کرنے والے اس (جادو) کے ذریعہ کسی کو اللہ کے حکم (اور) ارادہ کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں، جو ان کو آخرت میں نقصان پہنچائے، نفع نہ پہنچائے، اور وہ جادو ہے اور یقیناً یہ یہود لَقَدْ میں لام قسمیہ ہے، بخوبی جانتے ہیں کہ جس نے اس (جادو) کو اختیار کیا یا کتاب اللہ سے بدلا، اس کا آخرت میں جنت سے کچھ حصہ نہیں ہے، لَمَنْ، میں لام ابتدائیہ ہے جو اپنے ماقبل کو عمل سے مانع ہے اور مَنْ موصولہ ہے، اور یقیناً جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا وہ چیز نہایت بری ہے، یعنی بیچنے والے ہیں اپنے (نفسوں) یعنی اس کے آخرت کے حصہ کو (برا ہے) اس کا

سیکھنا، اس لئے کہ اس سیکھنے نے ان کے لئے جہنم کو واجب کر دیا اگر یہ لوگ اس عذاب کی حقیقت کو جان لیتے، جس کی طرف یہ جارہے ہیں تو اس کو نہ سیکھتے، اور اگر یہ یہود نبی اور قرآن پر ایمان لے آتے اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرتے مثلاً (ترک) جادو کر کے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہترین ثواب ملتا، لَوْ، کا جواب محذوف ہے اور وہ لَاُثِیْبُوْا ہے جس پر لَمَثُوْبَةٌ (بمعنی ثواب) دلالت کر رہا ہے اور وہ مبتداء ہے اور اس میں لام قسمیہ ہے، اس سے جو انہوں نے اپنے لئے خریدا اگر وہ اس بات کو جان لیتے کہ یہ بہتر ہے، تو جادو کو اجر و ثواب پر ترجیح نہ دیتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَاتَّبَعُوْا، واؤ عاطفہ ہے، اِتَّبَعُوْا، (اِتِّبَاعٌ) (افتعال) سے ماضی جمع مذکر غائب ہے انہوں نے اتباع کی وہ پیچھے پڑ گئے، اس کا عطف نَبَذَ، پر ہے، اِتَّبَعُوْا، کے اندر ضمیر جو فریق کی طرف راجع ہے وہ اس کا فاعل ہے، مَا موصولہ اِتَّبَعُوْا کا مفعول ہے، تتلوا الشیطین فعل فاعل سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔

سُوَال: تَتْلُوْا، مضارع کا صیغہ ہے جو کہ حال پر دلالت کرتا ہے حالانکہ نزول آیت کے وقت شیاطین تلاوت نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شیاطین کے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگ گئی تھی۔

جَوَاب: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے گویا وہ معاملہ اس وقت نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی جواب کی طرف علامہ سیوطی نے تتلوا، کی تفسیر تَلَتْ سے کر کے اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوْ کَانَتْ تَسْتَرِقُ السَّمْعَ الخ، اَوْ تنویع کے لئے ہے، اس کا عطف معنوی طور پر مِنَ السحر پر ہے، اور تَتْلُوْا کے تحت ہے اور یہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے یعنی شیاطین لوگوں کو سحر پڑھ کر سنایا کرتے تھے، یا جن باتوں کو شیاطین آسمان پر جا کر چوری سے سن آیا کرتے تھے، ان کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

قِوْلَہٗ: علی عَهدِ سلیمان، ای فی عهد سلیمان، علیٰ بمعنی فی اور یہ بھی احتمال ہے کہ تتلوا، بمعنی تَتَقَوَّلُ (افتراء کرنا) ہو تو پھر علیٰ اپنے حال پر رہے گا اس لئے کہ تَقَوَّلَ کا صلہ علیٰ آتا ہے اس صورت میں متعلق محذوف ہوگا، اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "وَاتَّبَعُوا ما تَتَقَوَّلُهُ الشیطٰینُ علی اللّٰه زَمَنَ ملكِ سلیمانَ" اور مِنَ السحر، ما کا بیان ہے عائد محذوف ہوگا تقدیر یہ ہوگی تَتْلُوهُ۔

قِوْلَہٗ: لَمْ یَعْمَلِ السِّحْرَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ محض تعلیم سحر کفر نہیں ہے بلکہ عمل بالسحر، کفر ہے۔

قِوْلَہٗ: وَیُعَلِّمُوْنَهُمْ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ، یُعَلِّمُوْنَ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مَا موصولہ ہے اس کا عطف اَلسِّحْرَ، پر ہے اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، لہٰذا عطف الشئ علی نفسه کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قِوْلَہٗ: ای اُلْهِمَاهُ، یہ اُنْزِلَ کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُنْزِلَ سے وحی کے انزال کا طریقہ مراد نہیں ہے،

جس سے عظمت معلوم ہو بلکہ مطلقاً سکھانا مراد ہے۔

قِوْلَہُ: بِبَابِلَ، با بمعنی فی ہے، بابل، ایک عظیم الشان شہر کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں دریائے فرات کی دونوں جانب واقع تھا فرات اس کے درمیان سے گذرتا تھا، آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں اس کا عرض البلد شمالی ۳۲ درجہ ۳۰ دقیقہ ۴۱ ثانیہ اور طول البلد شرقی ۴۴ درجہ ۲۳ دقیقہ ۴۰ ثانیہ ہے یہ طویل مدت تک سلطنت عراق کا پایہ تخت رہا ہے اور بخت نصر کے زمانہ تک بڑی شان وشوکت کا شہر تھا، ۵۳۸ق قبل مسیح کے بعد سے اس پر ایسی تباہی آئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو گیا بابل سحر وساحری میں بہت مشہور ہے یہ عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اخفش نے کہا ہے کہ تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہُ: هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، یہ دو فرشتوں کے نام ہیں علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری قراءت کی بنا پر ان کو انسان کہا ہے مگر راجح اول ہے۔

قِوْلَہُ: لامُ ابتداءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا مِن العمل، لَمَن، میں لام ابتدائیہ ہے، یہ مبتداء پر داخل ہوتا ہے یا مضارع پر داخل ہوتا ہے لیکن جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو، قد، لفظاً یا معناً ضروری ہوتا ہے، البتہ جو لام ابتداء کو لام قسم قرار دیتے ہیں ان کے یہاں لام ابتداء کا تصور نہیں ہے۔ (روح المعانی) لَمَن، میں لام ابتداء نے اپنے ماقبل عَلِمُوا، کو عمل سے روک دیا ہے، اس لئے کہ عمل کی صورت میں لام ابتداء کی صدارت باطل ہو جائے گی۔

قِوْلَہُ: حَظَّهَا، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے حَظُّهُمْ ای حَظَّ اَنْفُسِهِمْ۔

قِوْلَہُ: اَنْ تَعَلَّمُوْهُ، مفسر علام نے یہ جملہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مخصوص بالذم بتاویل مصدر ہو کر محذوف ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ، ما، بمعنی شیئاً ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے، جس کی وجہ سے مخصوص بالذم واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ مخصوص کا معرفہ ہونا ضروری ہوتا ہے، اس کا جواب دیدیا کہ، ما، شیئًا کے معنی میں ہو کر بئس کے اندر مستتر، ھُوَ، ضمیر فاعل کی تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ تعلّموا، محذوف ہے۔

قِوْلَہُ: حَقِيقَةَ مَا يَصِيرُوْنَ اِلَيْهِ الخ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوال: سابق میں، وَلَقَد عَلِمُوا، سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم ہے اور لو كانوا يعلمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم نہیں ہے، دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

جَوَاب: یعنی اللہ کے عذاب کو جانتے ہیں، مگر حقیقت عذاب اور اس کی شدت کو نہیں جانتے، لہٰذا اب کوئی تنافی نہیں ہے اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے حقيقة ما يصيرون کا اضافہ فرمایا۔

قِوْلَہُ: مَا تعلَمُوْه، یہ لو كانوا يعلمون کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: جَوَابُ لَوْ محذوف، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سَوَال: لَوْ کے جواب کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے اور یہاں لَمَثُوْبَۃٌ جملہ اسمیہ جواب واقع ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔
جَوَاب: لَوْ، کا جواب لمثوبۃ نہیں ہے بلکہ جواب محذوف ہے اور وہ لَاُثِیْبُوْا ہے اور اس حذف پر لَمَثُوْبَۃٌ دلالت کر رہا ہے۔
قَوْلُہٗ: لَمَا آثَرُوْہُ، یہ لو کانوا یَعْلَمُوْنَ کا جواب محذوف ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

هـٰرُوتَ ومـٰرُوتَ "علمان اعجمیان بدلیل منع الصرف، ولو کانا من الهرت والمرت ای الکسر، کما زعم بعضهم لا نصرفا، وقد نُسِجَتْ حولها اساطیر طریفة یُرجع الیها فی المطوّلات.

تفسیر وتشریح

بنی اسرائیل کی شیطان کی پیروی:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ، ذکر چل رہا ہے بنی اسرائیل کی قباحتوں کا، یہ بھی ان کے فرد جرم کی فہرست میں ایک اور فرد جرم کا اضافہ ہے یعنی یہود نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پرواہ نہیں کی البتہ شیطانی علم کے پیچھے لگ گئے، نہ صرف یہ کہ خود جادو ٹونے میں لگ گئے، بلکہ یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ سلیمان (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی براءت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام عمل سحر نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ عمل سحر کفر ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام تھا، چاروں طرف اسی کا چرچا تھا، کہ بنی اسرئیل بھی اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال کر جادو ٹونے اور تعویذ گنڈوں میں لگ گئے تھے، جس کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے جادو کی کتابیں جمع کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیں، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے انتقال کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی قوت اور اقتدار کا راز یہی عمل سحر تھا اور اسی وجہ سے ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو سلسلۂ انبیاء سے نکال کر جادوگر اور کافر قرار دیا اس آیت میں اللہ نے اسی کی تردید فرمائی ہے۔
(ابن کثیر)

فن سحر میں یہود کی مہارت:

فن سحر و کہانت میں یہود کی مہارت ایک تاریخی حقیقت ہے ان کے اکابر اور مشاہیر اس کا فخر کے ساتھ برابر ذکر کرتے آئے ہیں، یہود کو ساحری کا شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی نہ صرف یہ کہ باقی تھا بلکہ معمول بہ بھی تھا، چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور ساحر لبید بن عاصم یہودی سے ملا اور کہا کہ ہم نے محمد ﷺ پر جادو کرنے کی بہت کوشش کر لی مگر ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ جادو میں مہارت تامہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ ہمارا یہ کام کر دیں اور جو چاہیں اجرت لیں چنانچہ لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں نے آپ ﷺ پر جادو کر دیا، جس کی تفصیل حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل پروفیسر مارگولیس جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، اپنی انگریزی کی کتاب سیرت رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔ یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔

(ص: ۹، ۱۰، تفسیر ماجدی)

یہود میں سحر دو طرف سے پھیلا:

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر سیکھنے کے پیچھے پڑ گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا، ایک تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں چونکہ جنات اور انسان ملے جلے رہتے تھے، تو انسانوں نے جنات سے علم سیکھا اور نسبت حضرت سلیمان کی طرف کر دی کہ ہم کو سحر ان ہی سے پہنچا ہے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت اسی سحر کی بدولت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: "مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ" یہ کام کفر ہے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر نہیں کیا۔

دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے پھیلا، یہ دونوں فرشتے تھے جو شہر بابل میں بصورت انسان رہتے تھے، وہ علم سحر سے واقف تھے، جو کوئی سحر سیکھنے کا طالب ان کے پاس جاتا اول تو وہ اس کو منع کرتے کہ اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے اس پر بھی اگر وہ باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعہ بندوں کی آزمائش منظور تھی جیسا کہ خوبصورت انسانی شکل میں فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو آزمایا تھا۔

ہاروت و ماروت کے واقعہ کی تفصیل:

احمد بن حنبل اور محمد بن حُمید نے اپنی اپنی مسانید میں ذکر کیا ہے، کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیفہ مقرر فرمایا، تو فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری تقدیس کرتے ہیں، اور آدم خاکی سے سوائے فساد اور خونریزی کے کچھ نہ ہوگا بارگاہ الٰہی

سے حکم ہوا کہ دوفرشتے زمین پر جا کر بنی آدم کے اعمال کی نگرانی کریں۔

اور بیہقی نے بیان کیا ہے کہ جب ملائکہ نے دیکھا کہ آدمی گناہ کرتے ہیں تو تعجب سے کہا کہ کیسے جاہل اور نافہم ہیں؟ پروردگار نے جواب دیا، اگر تم ان کی جگہ ہوتے اور ان کے جیسی خواہشیں تم میں ہوتیں، تو تم کو معلوم ہوجاتا، فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار بندہ کس طرح اپنے پروردگار کی نافرمانی کرسکتا ہے؟ اور ہم تو تیری تقدیس وتحمید کرتے ہیں ارشاد ہوا، اس کا امتحان ہونا چاہئے بحکم خداوندی تین فرشتے جو کہ عابد وزاہد اور نہایت متقی وپرہیزگار سمجھے جاتے تھے، منتخب کئے گئے، ان میں ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تیسرے کا نام عزابائیل تھا، ان تینوں کو انسان جیسی خواہشیں اور ضرورتیں عطا کی گئیں، عزابائیل یہ صورت حال دیکھ کر پروردگار کے حضور میں عرض کرنے لگے کہ مجھے آپ آسمان پر بلالیں میں اس امتحان کے لائق نہیں ہوں اور چالیس برس سجدہ میں پڑے رہے اور مارے حیاوشرم کے پھر کبھی سر نہ اٹھایا، مگر ہاروت وماروت دونوں زمین پر آکر رہے، ان کو شرک وقتل اور شراب نوشی سے ممانعت کردی گئی، یہ دونوں فرشتے مقدموں کا تصفیہ کیا کرتے تھے، اور رات کو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جایا کرتے تھے، ایک روز ایک نہایت ہی حسین وجمیل نوجوان دوشیزہ نے جس کا نام زہرہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ فارس کی شہزادی تھی ان کے پاس آکر اپنے شوہر کا جھگڑا پیش کیا، ان مذکورہ دونوں فرشتوں کے دل میں خواہش بشری بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے دامن تقویٰ وپرہیزگاری ہاتھ سے جاتا رہا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا تیرے دل کا بھی وہی حال ہے جو میرے دل کا ہے، اس نے کہا ہاں میرا بھی یہی حال ہے، ایک نے کہا کیا ہم فیصلہ اس کے شوہر کے خلاف کردیں تاکہ زہرہ راضی ہوجائے؟ تو دوسرے نے جواب دیا اللہ کا عذاب شدید ہے اس نے کہا وہ غفور ورحیم بھی تو ہے، چنانچہ انہوں نے زہرہ سے تعلقات استوار کرنے شروع کردیئے، زہرہ نے کہا یہ جب ممکن ہے جب تم میرے شوہر کو قتل کردو، تو ایک نے کہا اللہ کا عذاب سخت ہے دوسرے نے کہا اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، غرضیکہ ان دونوں نے اس کے شوہر کو قتل کردیا تاکہ اپنے جذبات کو تسکین دیں زہرہ نے کہا میرا ایک بت ہے تم اس کو سجدہ کرو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ زہرہ نے کہا تم مجھے وہ دعاء (اسم اعظم) سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر جاتے ہو زہرہ وہ دعاء سیکھ کر آسمان پر چلی گئی اور مسخ ہوگئی کہ یہ زہرہ وہی ہے جسے زہرہ ستارہ کہتے ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت نے پہلے شراب پی اور زہرہ سے ہم صحبت ہوئے، ایک شخص نے ان کی اس حرکت کو دیکھ لیا، انہیں غیرت آئی، اس بیچارہ کو قتل کر ڈالا جب ہوش آیا اور اپنی خطا پر شرمندگی وندامت ہوئی تو حضرت ادریس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیں، حضرت ادریس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی دعاء اور سفارش سے یہ حکم ہوا کہ سزا تو ضرور ملے گی مگر اس بات میں اختیار ہے کہ سزا دنیا کی قبول کریں یا آخرت کی، عذاب دنیا کو فانی اور کمتر سمجھ کر سر جھکا دیا اور عرض کیا جو حکم ہو حاضر ہیں، مگر خاتمہ بالخیر ہو، ان کے عذاب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے بالوں سے لٹکا دیئے گئے، اور بعض کہتے ہیں کہ الٹے لٹکا دیئے گئے اور لوہے کے گرزوں سے مارے جاتے ہیں۔

(خلاصة التفاسير، تائب لكهنوى، ملخصًا)

سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اور بنی اسرائیل:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا، سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ ۹۹۰ ق م، تا ۹۳۰ ق م ہے، سلیمان بن داؤد علیہما السلام اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ نامور حدا و بھی ہوئے ہیں، شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حدود حکومت جانب مشرق میں عراق میں دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں مصر تک وسیع تھیں، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی سلطنت کی عظمت وشوکت کے دوست ودشمن سب ہی معترف ہیں۔

بنی اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی رداء عصمت کو تار تار اور دامن بے داغ کو کفر وشرک کی گندگی سے داغدار کیا، بلکہ سلسلۂ نبوت سے خارج کرکے ان کو ساحر وکاہن قرار دیا اور محمد ﷺ کی تصدیق کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا: دیکھو تو سہی یہ تو سلیمان کو سلسلۂ نبوت میں شمار کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کے برخلاف نہ صرف یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو معصوم اور پاکیزہ کردار قرار دیا؛ بلکہ ان کی طرف سے صفائی پیش کرکے ان کے دامن پر بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے داغ دھبوں کو دھوکر ان کی پاکیزہ سیرت اور بے داغ کردار کی شہادت بھی دی۔

یہودی قصص وحکایات اور مسیحی آثار وروایات کو چھوڑیئے خاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف جن پر یہود ونصاریٰ کا ایمان ہے، اس مجموعہ میں آج تک صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے:

جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبود کی طرف مائل کیا اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا۔

(سلاطین ۱۱: ٤، ٦، ١٠)

یعنی محض غفلت یا بے توجہی کی بنا پر عمل کوتاہی یا عصیان کے مرتکب نہیں ہوئے؛ بلکہ صریح بدعقیدگی اور توحید کی طرف سے بے یقینی تھی، اور آگے ملاحظہ ہو:

سوا بس کہ ان کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا اس لئے خداوند آسمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ان اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے، مگر اس نے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا۔ (سلاطین ۱۱: ۹، ۱۰)

(معاذ اللہ) دیکھا آپ نے! خدا کا پیغمبر اور بقول بنی اسرائیل شرک وکفر میں مبتلا!!!

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

دنیا ہزاروں سالوں تک ان ہی یہودیانہ تحریفات اور افتراءات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو کافر ومشرک سمجھتی رہی، جب قرآن جو ہر زمانہ کے سچے پیغمبروں کی عزت وناموس کا محافظ ہے، آیا اور آکر بانگ دہل اعلان کیا کہ: سلیمان

عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہو، وہ تو کفر کے قریب بھی نہیں تھے، اس وقت قرآن کی صدائے حق صدائے صحراء ہو کر رہ گئی، جن کے کان تھے، انہوں نے گوشِ ہوش سے سنا اور باقی دنیا خواب غفلت میں پڑی رہی، اسی طرح صدیاں گذر گئیں۔

قرآن کا اعجاز:

جب تیرہ ساڑھے تیرہ صدیاں گذر گئیں، تو قدرت حق کا کرشمہ اور قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ بائبل کے پرستاروں کے قلم سے محققانہ اور فاضلانہ کتابیں اور مضامین شائع ہوتے ہیں وہ بائبل کے الزاموں کی تائید وتصدیق نہیں کرتیں بلکہ قرآن کے جواب صفائی کی تصدیق وتائید کر رہی ہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جو برطانوی کاوش وتحقیق کا لب لباب ہوتا ہے اسکے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان، سلیمان، نکال کر دیکھئے، آپ کو صاف لکھا ہوا ملے گا۔

سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ (جلد دوم، ص۹۵۲ طبع چہارم) (ماجدی) انسائیکلو پیڈیا ببلیکا، جو خاص مسیحی فضلا کی تحقیق وتدقیق کا ثمرہ ہے، میں لکھا ہے: بائبل کی وہ آیتیں جن میں سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی طرف کفر وشرک کی نسبت کی گئی ہے، وہ الحاقی ہیں۔ (بعد میں اضافہ شدہ ہیں)۔

مفسر ابن جریر طبری نے آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے اپنی تفسیر میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے یہ روایت درج کی ہے کہ آیت بالا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ یہود کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے، جو آپس میں کہتے تھے۔

قال بعض احبارِ الیہود الا تعجبون من محمد ﷺ یزعمُ ابن داؤد کان نبیاً واللّٰہ ما کان اِلّا ساحرًا فانزلَ اللّٰہ ذٰلك من قولِهم وَمَا كَفَرَ سليمان الخ. (تفسیر ماجدی ملخصًا)

اس نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو کہ ابن داؤد کو نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

امام جصاص رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مذکورہ حوالہ کے علاوہ ابن عباس اور سعید بن جبیر اور قتادہ تابعی کا بھی حوالہ دیا ہے۔

یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی فردِ جرم کے بیان کرنے کا سلسلہ مسلسل چل رہا ہے، خود کفر کرنا اور نسبت حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی جانب کرنا یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مذکورہ آیات میں بنی اسرائیل (یہود) کی مذمت بیان کی ہے، اور حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر الزام کی صفائی پیش کی گئی ہے، قرآنِ کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دور کئے ہیں، یہی ناشکر گزار اور احسان فراموش قومیں قرآن اور صاحب قرآن کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں۔

سحر کی حقیقت:

سحر کی حقیقت و ماہیت اور اقسام پر بعض قدیم مفسرین نے بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، خصوصاً ابوبکر جصاص رازی، اور امام فخر الدین اور ابن کثیر نے، اور زمانہ قریب کے مفسرین میں سے طنطاوی نے، یہاں مختصراً اتنا جان لینا کافی ہے کہ سحر نام ہے اسباب خفیہ کا مثلاً تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ سے کام لے کر تصرفاتِ عجیبہ کرنے کا، خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے، مشرک اور جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے ہی سے بہت تھا۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کی ایک مسلّم اور ناقابل انکار چیز ہے، خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے۔

انھوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گری اور جادوگری کی،
ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل سے غصہ ہوا اور اپنی نظر سے انھیں گرا کر دور کر دیا''۔

(۲، سلاطین ۱۷: ۱۷، ۲۱)

تاریخ قدیم کے جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عہد رسالت اور طلوع اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی، ایک حصہ وہ تھا جس نے بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں بود و باش اختیار کر لی تھی، دوسرا حصہ وہ جو ایک مدت دراز کے بعد بابل سے واپس آکر فلسطین میں مقیم ہو گیا تھا، آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر، یہود عرب فلسطین اور بابلی دونوں قسموں کے رذائل وخبائث کے جامع ہیں، تاریخ قدیم کے یہ وہ نازک اور دقیق حقائق ہیں، جو عام طور سے اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، یہ دقیق حقائق تاریخ کے کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں بلکہ (فداہ ابی و امی) عرب کے ایک امی کی زبان سے ادا کرائے جارہے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انزال و تنزیل کا اطلاق صرف احکام تشریعی ہی کے بارے میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جتنے بھی کام ہوتے ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے، ان کے لئے واسطہ اور ذریعہ فرشتے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات ان کی معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔

مَآ اُنْزِلَ میں ما موصولہ الذی کے معنی میں ہے، بعض مفسرین نے ما کو نافیہ قرار دیکر مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ پر عطف کیا ہے، لیکن محققین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے، اللہ کی طرف سے صرف کتاب حکمت، وحی و الہام ہی نازل نہیں ہوتے، قحط، بیماری، یا موت کا نزول بحیثیت مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، قرآنی محاورہ میں انزال کا لفظ رزق، پانی، لباس، لوہا، انعام کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے حتی کہ رجز (عذاب) کے لئے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہے، اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ. (عنکبوت)

لہٰذا انزالِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس کی قدوسیت کے منافی نہیں ہے، جن لوگوں نے ایسا سمجھا ہے وہ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں، ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے کائنات میں جو کچھ بھی اچھا برا، طاعت و معصیت وجود پذیر ہوتا ہے، سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے ہوتا ہے، اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ سے یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہئے کہ ہاروت و ماروت کی جانب نزول کی نسبت کرنے سے ان کا اکرام یا تعظیم مقصود ہے، اس لئے کہ اس انزال و نزول سے انبیاء و رسل والا نزول و انزال مراد نہیں ہے، جس میں عظمت و اکرام مقصود ہوتا ہے، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے مفسر علام نے وَاُلْهِمَاهُ کے لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، ایک دوسری قراءت میں مَلِکَیْن لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ قراءت بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، ابن عباس، ضحاک، حسن بصری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کی روایت ہے۔

چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بناء پر بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ہاروت و ماروت اصلاً فرشتے نہ تھے، بشر تھے، مراد بادشاہ یا شہزادے، ان ہی کو دوسری روایتوں میں مجازاً ملک (فرشتہ) کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ صفات ملکوتی کے حامل تھے (قیل رجلانِ سُمِّیا مَلَکَیْنِ باعتبارِ صَلاحِهِمَا) (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول فرشتہ ہونے ہی کا ہے۔

نظامِ تکوینی اور نزولِ سحر:

نظام تکوینی میں فرشتوں کے اوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت اور معصومیت کے منافی نہیں ہے، خصوصاً جبکہ نزول کا مقصد اصلاح خلق ہو یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا اور ان کی حقیقت سے واقف کرانا نہ کہ اس پر آمادہ کرنا۔

مجرموں کو پکڑنے یا جرائم کے طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے دیکھا گیا ہے کہ انسپکٹر اور خفیہ پولیس کے افراد جرائم کی عملی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ سب طریقے استعمال کرتے ہیں جو ایک مجرم اختیار کرسکتا ہے، مثلاً رشوت خور افسر کو پکڑنے کے لئے نشان زدہ سکے یا نوٹ رشوت میں افسر کو دیتے ہیں تاکہ رشوت خور کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے، چور کو پکڑنے کے لئے چوروں کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد خود جرم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی مکمل واقفیت سے مجرموں کو جرم سے باز رکھنا ہوتا ہے، نہ کہ رشوت لینے کے راستے اور طریقے بتانا۔

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ: یہ بابل میں مقیم دو فرشتوں کے نام ہیں، جو اپنی اصلیت کے اعتبار سے فرشتے ہی تھے، لیکن جب ایک خاص مقصد اور غرض کے لئے انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لئے بھیجے گئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل وشباہت رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں کا سا ہوگا، اور ان کی عادتیں اور جذبات بھی بالکل انسانوں ہی جیسے ہوں گے، بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک اسرائیلی قصہ عراق کی مشہور رقاصہ زہرہ کا بیان کیا، جس کی تفصیل گذر چکی ہے، اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں، دوسرے خود محدثین و محققین مفسرین نے اس کی صحت سے بالکل انکار کیا ہے، اور صاف لکھ

دیا ہے کہ یہ قصہ گھڑا ہوا، لغو اور مردود ہے، اس گروہ میں قاضی عیاض مالکی، امام رازی، شہاب الدین عراقی، وغیرہ شامل ہیں، اور ابن کثیر نے تو بڑی لمبی بحث کے بعد یہ کہہ دیا ہے کہ اگرچہ یہ قصہ بڑے بڑے تابعین نے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند حدیث صحیح سے ذرا بھی نہیں ملتی، بلکہ اسرائیلیات پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر بالفرض صحیح ہو بھی تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتے کو پیکر انسانی اور جذبات بشری دیئے گئے ہوں تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے تو اس میں نہ تو شرعی استحالہ ہے اور نہ عقلی۔

یُعَلِّمَانِ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بناء پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس دیا کرتے تھے، اس لئے کہ تعلیم کے معنی سکھانے اور درس دینے کے علاوہ اعلام یعنی جتلانے اور بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔

وَالتعلیم رُبَّما یُستعمل فِی معنی الإعلام. (راغب)

چنانچہ ماہرین قرآن کی ایک جماعت نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (**والتعلیم بمعنی اِعلام**) (معالم) **وقالت طائفة هو معنا بمعنی یُعْلِمَان بالتخفیف فهو من باب الإعلام** (بحر) اور ایک قراءت بھی مصدر اعلام کے ساتھ منقول ہے (**وَقَرأ طلحة بن مصرف یُعلِمان بالتخفیف مِنَ الإعلام.** (روح)

سحر اور معجزے میں فرق:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء اللہ کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃً نہیں ہو سکتے، اسی لئے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے، بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں، اس لئے بعض ناواقف کاروں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جہلاء معجزہ اور جادو میں فرق نہیں کر پاتے تھے اور دونوں کو ایک سمجھنے کی وجہ سے ساحروں اور جادوگروں کی بھی ویسی عزت و توقیر کرتے تھے جیسی کہ انبیاء علیہم السلام کی، معجزے اور جادو کے فرق کو ہی واضح کرنے کے لئے ہاروت و ماروت کو بابل میں بھیجا گیا تھا۔

یہ فرق ایک تو حقیقت کے اعتبار سے ہے اور ایک ظاہری آثار کے اعتبار سے، حقیقت کا فرق تو یہ ہے کہ جادو سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں وہ دائرۂ اسباب سے خارج نہیں ہوتیں، فرق صرف اسباب کے ظہور و خفا کا ہے، جہاں اسباب ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ان اسباب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کوئی تعجب کی چیز نہیں سمجھی جاتی لیکن جہاں اسباب مخفی ہوں تو وہ تعجب خیز چیز ہوتی ہے اور عوام اسباب کو نہ جاننے کی وجہ سے اس کو خرقِ عادت سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت دیگر تمام عادی امور کی طرح کسی جن یا شیطان یا کسی مخفی سبب کے اثر سے ہوتے ہیں، اگر ایک خط مشرق بعید سے آج ہی کا لکھا ہوا اچانک سامنے آگرے تو دیکھنے والے اس کو خرقِ عادت کہیں گے، حالانکہ جنات و شیاطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے، اگر ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر خرقِ عادت نہیں رہے گا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فیکس کے اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو یہ خرقِ عادت ہوں گے، اور

جب ان کے اسباب کا پتہ چل گیا تو اب کوئی حیرت وتعجب کی بات معلوم نہیں ہوتی، دواؤں کی حیرت انگیز تاثیر، عمل تنویم، مقناطیسی کشش، مسمریزم، تاثیر کواکب اگران کے اسباب معلوم نہ ہوں تو یہی چیزیں خرق عادت معلوم ہوں گی، اور جب ان کے اسباب معلوم ہو جائیں تو یہ چیزیں خرقِ عادت نہ رہیں گی۔

معجزہ:

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے آتش نمرود کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ٹھنڈی ہو جا، مگر ٹھنڈی اتنی کہ ٹھنڈک سے تکلیف نہ ہو۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر دوائیں استعمال کرکے آگ پر چل کر کرشمہ دکھاتے ہیں وہ معجزہ نہیں بلکہ دواؤں کا اثر ہوتا ہے، اور دواؤں کے مخفی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خرق عادت کا دھوکہ ہوتا ہے، یہ بات کہ معجزہ کا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے خود قرآن عزیز کی صراحت سے ثابت ہے، ارشاد فرمایا: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) معجزہ اور سحر کی حقیقت کا مذکورہ فرق کہ معجزہ بلاواسطہ اسباب طبعیہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور جادو اسباب طبعیہ خفیہ کا اثر ہوتا ہے، حقیقت سمجھنے کے لئے تو کافی ہے مگر عوام الناس کی نظر میں نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کی شناخت کے لئے بھی حق تعالیٰ نے کئی فرق ظاہر فرمائے ہیں۔

سحر کی وجہ سے انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں؟

امام راغب، ابوبکر جصاص انکار کرتے ہیں معتزلہ کا بھی یہی خیال ہے مگر جمہور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انقلاب اعیان میں نہ عقلی امتناع ہے اور نہ شرعی مثلاً جسم حیوانی پتھر بن جائے، یا ایک نوع سے دوسری نوع تبدیل ہو جائے، قرآن میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخییل قرار دیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخییل ہے اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو مؤطا امام مالک میں بروایت قعقاع منقول ہے، لو لا کلمات، اقولهن لجعلنی الیهود حمارًا (اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے) گدھا بے وقوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں ہے، وہ کلمات یہ ہیں: اعوذ باللّٰه العظیم الذی لیس شیٔ اعظم منه وبکلمات اللّٰه التامات التی لا یجاوزهن برٌ ولا فاجر وباسماء اللّٰه الحسنی کلها ما علمتُ منها وما لم اَعلم من شر ما خلق وبرء وذرء. اخرجه فی الموطأ

باب التعوذ عند النوم اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ، طہارت، پاکیزگی اخلاق واعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک اور اللہ اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں، یہ چیزیں ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر معجزہ اور سحر میں فرق کو پہچان سکتا ہے۔

کیا سحر کا اثر انبیاء علیہم السلام پر ہوسکتا ہے؟

سحر کا اثر انبیاء پر بھی ہوسکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ سحر دراصل اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثر سے متاثر ہوتے ہیں، یہ تاثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں، جیسے ان کا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ظاہری اسباب سے سب جانتے ہیں، اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے بھی انبیاء علیہم السلام متاثر ہوسکتے ہیں اور متاثر ہونا نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر یہودی لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں کا سحر کرنا اور آپ ﷺ کا اس سے متاثر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور ازالہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے، آیات يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى اور فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو ہی کا اثر تھا۔ (معارف القرآن ملخصًا)

سحر کے احکام:

قرآن وسنت میں جس سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا، اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کچھ اقوال یا اعمال کفر وشرک کے اختیار کئے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر وشرک کے اقوال وافعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب تو کفر عملی سے خالی نہ رہا، قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں ہوتا تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا، اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔
(شامی، عالمگیری)

تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات وشیاطین سے استمداد ہو تو حرام ہے، اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنیٰ معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

اگر محض مباح اور جائز امور سے کام لیا جائے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں، مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو حرام ہے۔ (معارف)

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا للنبیّ امرٌ من المُراعاة وکانوا یقولون له ذلك وہی بلغة الیهود سبٌّ من الرُّعونة فسُرّوا بذلك وخاطبُوا بها النبیَّ فنُهی المؤمنون عنها وَقُوْلُوْا بدلها اُنْظُرْنَا ای انظر الینا وَاسْمَعُوْا ما تؤمرون به سماعَ قبولٍ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مؤلمٌ ہو النار مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ من العرب عطفٌ علی اهلِ الکتب ومن للبیان اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ زائدةٌ خَیْرٍ وحیٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ حسدًا لکم وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ نبوّته مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾ ولمّا طعن الکُفّار فی النسخ وقالوا اِنّ محمّدًا یأمُرُ اصحابَه الیومَ بامرٍ وینهی عنه غدًا نزل مَا شرطیّة نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ ای نُزِل حُکمَها امّا مع لفظِها اوْلا وفی قراءة بضمّ النون من اَنْسَخ ای نأمرك او جبرئیلَ بنسخها اَوْ نُنْسِهَا نؤخّرها فلا نُزِل حُکمَها ونرفعُ تلاوتها او نؤخّرها فی اللّوحِ المحفوظ وفی قراءة بلا همزٍ من النّسیان ای نُنْسِکها ونَمحُها من قلبك وجوابُ الشّرط نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ انفع للعباد فی السُّهولة او کثرةِ الاجرِ اَوْ مِثْلِهَا فی التّکلیف والثواب اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ ومنه النّسخ والتبدیلُ والاستفهامُ للتّقریر اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یفعلُ فیهما ما یشاءُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیرِه مِنْ زائدةٌ وَّلِیٍّ یحفظُکم وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ یمنعُ عذابَه عنکم اِن اتاکم ونزل لمّا سألَه اهلُ مکّة ان یوسّعها ویجعلَ الصّفا ذهبًا اَمْ بل تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی ای سألَه قومُه مِنْ قَبْلُ من قولِهم ارنا اللّٰه جهرةً وغیر ذلك وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ ای یأخُذْه بدلَه بترك النّظر فی الآیات البیّنات واقتراحِ غیرِها فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ اخطأ طریقَ الحقّ والسّواءُ فی الاصل الوسطُ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نبی کو راعنا نہ کہا کرو (رَاعِنَا) مُرَاعَاةٌ سے امر کا صیغہ ہے (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ سے یہ لفظ کہا کرتے تھے، اور یہ (لفظ) یہودی زبان میں گالی ہے، رعونۃ سے مشتق ہے، یہود اس سے خوش ہوتے تھے، اور خود بھی اس کلمے سے (آپ ﷺ کو) خطاب کرتے تھے، مومنوں کو اس (کلمے کے کہنے) سے منع کردیا گیا، اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی ہمارا خیال رکھئے، اور توجہ سے سنا کرو جس بات کا حکم دیا جائے عمل کی نیت سے اور کافروں

کے لئے دردناک عذاب ہے، تکلیف دہ اور وہ آگ ہے، یہ لوگ جنھوں نے حسد کی وجہ سے (دعوت حق قبول کرنے سے) انکار کردیا، اہل کتاب ہوں یا مشرکین عرب اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تمھارے لئے تمھارے رب کی طرف سے کوئی خیر (مثلاً) وحی نازل ہو، (ولا المشرکین کا عطف) اھل الکتاب پر ہے، اور مِن بیانیہ ہے۔ (مِن خیرٍ) میں مِن زائدہ ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (یعنی) نبوت کے لئے خاص کرلیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور جب کفار نے نسخ میں طعن کیا اور کہا کہ محمد اپنے اصحاب کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں تو دوسرے دن اس سے منع کردیتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، ہم جس آیت کو منسوخ کردیں یعنی اس کے حکم کو زائل کردیں ما شرطیہ ہے، یا تو مع لفظ کے (یعنی تلاوت اور حکم دونوں کو) یا بغیر لفظ کے (صرف حکم کو) اور ایک قراءت میں نُنْسِخُ، اَنْسَخَ سے نون کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی تم کو یا جبرئیل کو اس نسخ کا حکم دیتے ہیں، یا اس کو مؤخر کردیں تو ہم اس کے حکم کو زائل (منسوخ) نہیں کرتے، اور اس کی تلاوت اٹھالیتے ہیں یا اس کو لوح محفوظ میں مؤخر (موقوف) کردیتے ہیں، اور ایک قراءت میں بغیر ہمزہ کے ہے (نُنْسِهَا) نسیان سے مشتق ہے، اور اس کو ہم آپ کے قلب سے مٹادیتے ہیں، اور جواب شرط، نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا ہے تو ہم اُس سے بہتر لاتے ہیں، (یعنی) جو بندوں کے لئے (عملاً) سہولت کے اعتبار سے یا کثرت اجر کے اعتبار سے زیادہ نافع ہو یا تکلیف و اجر میں اسی کے برابر ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی میں سے نسخ و تبدیل بھی ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے کیا تم نہیں جانتے کہ زمین و آسمان کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے ان میں جو (تصرف) چاہتا کرتا ہے، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی مولا ہے جو تمھاری حفاظت کرے اور نہ مددگار، جو تم سے عذاب کو روک سکے اگر تمھارے اوپر آئے (مِن غیرہٖ) میں مِن زائدہ ہے، اور جب اہل مکہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ (پہاڑوں کو ہٹا کر) مکہ میں وسعت کردو، اور (کوہ) صفا کو سونے کا بنادو، تو یہ آیت نازل ہوئی تو کیا تم اپنے رسول سے ایسے ہی سوال کرنا چاہتے ہو جیسے ماسبق میں موسیٰ علیہ السلام سے کئے جاچکے ہیں یعنی اُن کی قوم نے ان سے سوال کئے، مثلاً ان کا یہ سوال کہ ہم کو اللہ کا بچشم سر دیدار کرادو وغیرہ (سنو) سو جس نے ایمان کو کفر سے بدلا یعنی ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کیا، واضح آیتوں میں غور و فکر کو ترک کرکے، اور ان آیات کے علاوہ کی جستجو میں لگا، تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا، یعنی راہ حق سے خطا کرگیا، اور سَوَاء دراصل وسط شئ کو کہتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا، راعِ، مُراعَاۃٌ (مفاعلۃ) سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، نا ضمیر مفعول ہے، ہمارا خیال رکھئے، ہماری رعایت کیجئے، عبرانی زبان میں راعن بے وقوف کو کہتے ہیں، یہ رعونت سے مشتق ہے جس کے معنی حمق کے ہیں، الف ندا کا ہے، اے بے وقوف، راعی چرواہے کو بھی کہتے ہیں، یہود تحقیر و استہزاء کے طور پر زبان دبا کر جب راعنا

بولتے تھے تو رَاعِيْنَا ہوجاتا تھا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔

قَوْلُهُ: اُنْظُرْ اِلَيْنَا مفسر علام نے اُنظرنا کی تفسیر اُنظر الینا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ کلام حذف کے ساتھ ہے اس سے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا کہ اُنظر لازم ہے اور یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ نا اس کا مفعول ذکر کیا گیا ہے، اور ان لوگوں پر بھی رد ہوگیا جو اُنظرنا کو انتظرنا کے معنی میں لیتے ہیں۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُهُ: مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ یہ حذف مفعول کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: مَا يَوَدُّ، ما نافیہ ہے، یودُّ، مودۃٌ سے جمع مذکر غائب مجزوم، آرزو کریں گے، خواہش کریں گے۔

قَوْلُهُ: من العرب من العرب کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اہل الکتاب بھی مشرک تھے اس پر ولا المشرکین کا عطف کیا، یہ عطف الشیٔ علی نفسہٖ ہے۔

جواب: مشرکین سے غیر اہل کتاب مشرکین مراد ہیں جو کہ عرب ہیں۔

قَوْلُهُ: اَنْ يُنَزَّلَ یہ یَوَدُّ کا مفعول ہے۔

قَوْلُهُ: مَا شرطیہ مَا ننسخ کا مفعول مقدم ہے اور شرطیہ ہے نہ کہ موصولہ کہ اس کے صلہ میں ضمیر کی ضرورت ہو۔

قَوْلُهُ: نُزِلْ حُكْمَهَا یہ مِنْ آيَةٍ کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْ لَا یعنی کبھی صرف حکم منسوخ ہوتا ہے مگر تلاوت باقی رہتی ہے اور کبھی حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کردی جاتی ہیں۔

قَوْلُهُ: او جبرئیل جبرئیل کا عطف نَأمُرُكَ کے کاف پر ہے، یعنی ہم نسخ کا حکم آپ ﷺ کو یا جبرئیل علیہ السلام کو کرتے ہیں۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُهُ: نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ، نَنْسَخْ جمع متکلم مضارع مجزوم (ف) نَسْخًا مٹانا، زائل کرنا۔

قَوْلُهُ: وفی قراءۃ، نُنْسِخْ باب (افعال) سے مضارع جمع متکلم، اس صورت میں نُنْسِخُ متعدی ہوگا یعنی ہم مٹانے کا یا زائل کرنے کا حکم کرتے ہیں، مفسر علام نے نَأمُرُكَ او جبرئیل مقدر مان کر، اسی قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: نُنْسِهَا یہ انساءٌ (افعال) سے جمع متکلم مضارع ھا مفعول بہ، اصل میں نُنْسِيْهَا ہم اس کو فراموش کرادیتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وفی قراءۃ بلا ھمز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا جو نسخہ ہے وہ نَنْسَأْهَا، مع الهمزة والا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا بلا ھمز، ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اور یہاں ہمارے اطراف میں یہی نسخہ رائج ہے، وہ بلا ہمزہ والا ہی ہے۔ نَنْسَأْهَا یہ نساءٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں مؤخر کرنا، بولا جاتا ہے نَسَأَ اللّٰهُ فِيْ اَجَلِهٖ اللہ نے اس کی عمر مؤخر کردی یعنی عمر بڑھادی، یہ ہمزہ والی قراءت کی تفسیر ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: او نُنْسِكَهَا اگر نُنْسِهَا نسیان سے ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا، یعنی ہم اس کو بھول جاتے ہیں اور اگر انساءٌ سے ماخوذ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اس لئے کہ انساء متعدی بدو مفعول ہے، ایک مفعول، نُنْسِكَهَا میں ضمیر خطاب کاف ہے،

اور دوسرا مفعول ہا ضمیر ہے جو آیت کی طرف راجع ہے، ہم تم کو وہ آیت بھلا دیتے ہیں، مفسر علام نے وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ کا اضافہ کرکے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَائِدَة: اگر مفسر علام فی قراءةٍ بلاهمز کے بجائے وفی قراءةٍ بِضَمِّ النون والسِّین کہتے تو مرادزیادہ واضح ہوتی، اس لئے کہ مفسر علام کی عبارت میں ایک دوسری قراءت کا بھی احتمال ہے جو فاسد ہے، اور وہ نَنْسها بفتح النون والسین ہے، یہ صورت لفظاً اور معنیً دونوں طرح فاسد ہے، لفظاً تو اس لئے کہ یہ قراءت منقول نہیں، معناً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صدور نسیان کا متقضی ہے۔

قَوْلُهُ: مِنَ النِّسْیَانِ بہتر ہوتا کہ مِنَ الانساء کہتے، اس لئے کہ رباعی کا مصدر جو کہ زیر بحث ہے انساءٌ ہے نہ کہ نسیان۔ (جمل)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ اُنظرنا کہا کرو، رَاعِنَا کے معنی ہیں ہمارا خیال رکھئے، جب متکلم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کے ذریعہ متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، لیکن یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر بولتے جس کی وجہ سے اس کے معنی تبدیل ہو جاتے تھے، اس سے وہ اپنے جذبۂ عناد کی تسکین کرتے، مثلاً راعِنَا کو ذرا کھینچ کر بولتے تو رَاعِیْنَا ہو جاتا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا رَاعِنٌ حماقت اور بے وقوفی کو بھی کہتے ہیں، یہ رعونة سے مشتق ہے اور الف اس میں اشباع کا ہے، اس کے علاوہ یہود کی زبان میں راعِنَا گالی کا کلمہ بھی تھا، جیسا کہ یہود السلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم یہ کلمہ نہ کہا کرو، بلکہ ابتداء ہی سے بغور سنتے رہا کرو تا کہ اس کلمہ کے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

مذکورہ واقعہ بعض روایتوں میں کچھ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ منقول ہوا ہے، وَاَخْرَجَ ابو نُعیم فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رَاعِنَا یہودی زبان میں قبیح قسم کی گالی تھی، اور یہود اس لفظ کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا کرتے تھے، جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ لفظ سنا تو وہ بھی کلمہ تعظیم سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس کلمہ کا استعمال کرنے لگے، اب تک تو یہود اس کلمہ کا استعمال خفیہ طور پر کرتے تھے مگر جب یہود نے دیکھا کہ مسلمان بھی اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں تو یہود نے اس کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اعلانیہ کرنا شروع کر دیا، اور اس کلمہ کو استعمال کرکے آپس میں خوب ہنستے، سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ یہود کی

زبان سمجھتے تھے جب سعد بن معاذ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ کلمہ یہودیوں سے آپ ﷺ کی شان میں سنا تو کہا اگر آئندہ میں نے کسی سے یہ کلمہ سن لیا تو اس کی گردن ماردوں گا۔ (مظہری وفتح القدیر شوکانی) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (الآية) ما شرطیہ جازمہ ہے "نسخ" لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کو کہتے ہیں، بولا جاتا ہے نَسَخَتِ الشمس الظلَّ سورج نے سایہ زائل کردیا، ونسختُ الكتابَ میں نے کتاب نقل کرلی، اور اصطلاح میں انتہاء حکم کو بیان کرنے کو کہتے ہیں، نسخ کی تین صورتیں ہیں: ① تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں، مثلاً عَشَرَ رَضعات مَعْلُومَاتٍ يحرُمْنَ ② تلاوت منسوخ، حکم باقی، مثلاً الشيخ والشيخةُ اِذا زَنَيَا فارجموهما البتة ③ حکم منسوخ، تلاوت باقی، جیسا کہ كُتِبَ عليكم اِذا حضرَ اَحَدَكم الموتُ اِنْ تَرَكَ خيرَ اِلْوَصية لِلْوَالِدَيْنِ یہ آیت، آیت مواریث (يوصيكم الله في اولادكم، سورۂ نساء) اور آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے قول لَا وَصِيةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے۔

قَوْلُہٗ: نَامُرُكَ او جبرَئِيلَ دونوں میں تلازم ہے، جبرئیل کو نسخ حکم دینا آپ ﷺ کو حکم دینا ہے، اور آپ ﷺ کو حکم دینا جبرئیل کو حکم دینا ہے۔ (صاوی)

شانِ نزول:

یہودی تورات کو ناقابل تنسیخ سمجھتے تھے، اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے پر اعتراض کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی، اور فرمایا: زمین وآسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت وحکمت کے مطابق ہوتا ہے اسے نافذ کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے منسوخ کرتا ہے، یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے، بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابومسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کے بھی بعض متجددین نے یہود کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے، مذکورہ آیت میں اسی نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

احکامِ الٰہیہ کے نسخ کی حقیقت:

دنیا کی حکومتوں میں کسی حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم جاری کردینا مشہور ومعروف ہے، لیکن انسانوں کے احکام میں کبھی نسخ اس لئے ہوتا ہے کہ مثلاً پہلے کسی غلط فہمی کی وجہ سے ایک حکم جاری کردیا گیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی اور وہ حکم مناسب حال نہ رہا تو اس حکم کو بدل دیا، اور کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا تھا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آئندہ آنے والے حالات کا اندازہ نہیں تھا، جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا، یہ دونوں صورتیں احکام خداوندی میں نہیں ہوسکتیں۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے، اور اس وقت یہ حکم مناسب نہ ہوگا دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے بھی آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرار داد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر طبیب دوا تجویز کرتا ہے اور جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنی ہوگی۔

ماہر طبیب یہ بھی کر سکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام لکھ کر دیدے اور ہدایت کر دے کہ دو روز تک یہ دوا استعمال کرنا اور پھر تین روز تک فلاں دوا استعمال کرنا اور پھر ایک ہفتہ بعد فلاں دوا، لیکن یہ مریض کی طبیعت پر بلاوجہ ایک بار ڈالنا ہے، اس میں غلط فہمی کی وجہ سے خلل کا بھی اندیشہ ہے اس لئے طبیب پہلے ہی سے پوری تفصیل نہیں بتاتا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے، بعد میں نازل ہونے والی ہر کتاب نے سابقہ نبوت و شریعت کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے اور اسی طرح ایک ہی نبوت اور شریعت میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے، کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر بتقاضائے حکمت خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: لم تکن نبوة قط الا تناسخت (مسلم) یعنی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردو بدل نہ کیا ہو۔ (قرطبی، معارف)

نسخ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان فرق:

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیلی حکم کے ہیں اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکلیہ منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے میں ہے جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا، اسی طرح کسی مطلق یا عام حکم میں کسی قید و شرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، متقدمین نے نسخ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی بھی مثلاً قید و شرط یا استثناء وغیرہ اس میں شامل ہے، اسی لئے متقدمین کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی۔

حضرات متاخرین نے صرف اس تبدیلی کو نسخ کہا جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ سیوطی نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ قرار دیا، جن میں کوئی تطبیق تاویل بعید کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔

نسخ کے بارے میں جمہور کا مسلک:

جمہور کا مذہب وقوع نسخ کا ہے، گو ایک طبقہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے (ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمہور من المسلمین علی جواز النسخ ووقوعه (کبیر) والمسلمون کلهم متفقون علی جواز

النسخ فی احکام اللّٰہ تعالٰی لما لہ فی ذلک مِنَ الحکمۃِ البالغۃِ و کلھم قالوا بوقوعہ۔ (ابن کثیر)

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا (الآیۃ) اس آیت میں مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم) کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم یہود کے مانند اپنے پیغمبر سے ازراہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو اس میں اندیشہ کفر ہے بصورت یہ تھی کہ یہودی موشگافیاں کر کر کے طرح طرح کے سوالات مسلمانوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، اور انھیں اکسایا کرتے تھے کہ اپنے نبی سے یہ سوال کرو یہ پوچھو یہ معلوم کرو اس پر اللہ تعالٰی مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اس معاملہ میں یہودیوں کی روش اختیار کرنے سے بچو۔

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کا مخاطب یہود کو قرار دیا ہے نَزَلَتْ فی الیھود۔ (معالم)

اس آیت کے بارے میں تین قول نقل ہوئے ہیں: ① مخاطب مسلمان ہیں ② مخاطب اہل مکہ ہیں ③ مخاطب یہود ہیں۔ اختلفوا فی المخاطب بہ علی وجوہ احدھا انّھم المسلمون و القول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھذا القول اصح (کبیر) ورجّح انّھم الیھود۔ (بحر)

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ مصدریۃ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مفعول لہ کائنًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم ای حملتھم علیہ انفسھم الخبیثۃ مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ فی التوراۃ الْحَقُّ فی شان النبیّ فَاعْفُوا عنھم ای اترکوھم وَاصْفَحُوا اعرضوا فلا تجازوھم حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ فیھم من القتال إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ طاعۃ کصلوۃ وصدقۃ تَجِدُوهُ ای ثوابہ عِندَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾ فیجازیکم بہ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا جمع ھائد أَوْ نَصَارَىٰ قال ذلک یھود المدینۃ ونصری نجران لمّا تناظروا بین یدی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ای قال الیھود لن یدخلھا الا الیھود وقال النصری لن یدخلھا الا النصاری تِلْكَ المقولۃ أَمَانِيُّهُمْ شھواتھم الباطلۃ قُلْ لھم هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ حجتکم علی ذلک إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ فیہ بَلَىٰ یدخل الجنۃ غیرھم مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ ای انقاد لامرہ وخصّ الوجہ لانّہ اشرف الاعضاء فغیرہ اولی وَهُوَ مُحْسِنٌ موحّد فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ ای ثواب عملہ الجنۃ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ فی الآخرۃ۔

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں لو مصدریہ ہے کہ کسی طرح تمھیں ایمان سے کفر کی طرف پھیر دیں، اس حسد کی وجہ سے جو خود ان کی طرف سے ہے، حَسَدًا مفعول لہ ہے (یعنی بلاوجہ) حسد پر ان کو ان کے خبیث نفس نے آمادہ کیا ہے، اس کے باوجود کہ تورات میں نبی کی بابت ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے (اس کے باوجود) تم

عفو و درگذر سے کام لو، اور نظر انداز کرو اور ان سے بدلہ نہ لو، تا آں کہ ان سے قتال کے بارے میں خود اللہ کا حکم آجائے، بلاشبہ وہ ہر شئ پر قادر ہے، نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے لئے جو بھلائی مثلاً نماز، صدقہ، تم آگے بھیجو گے تو تم اس کو یعنی اس کے اجر کو اللہ کے پاس پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کی نظر میں ہے وہ اس کا تم کو اجر دے گا، ان کا کہنا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی نہ جائے گا، ھُود، ھائد کی جمع ہے، یہ بات مدینہ کے یہودیوں اور نجران کے نصاریٰ نے اس وقت کہی جب ان دونوں فریقوں نے آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ کیا، یہود نے کہا: یہود کے سوا جنت میں کوئی نہ جائے گا، اور نصاریٰ نے کہا: نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا، یہ باتیں ان کی تمنائیں ہیں (یعنی باطل خواہشیں ہیں) آپ ان سے کہئے کہ اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: وَدَّ ماضی واحد مذکر غائب (س) مصدر وَدٌّ، مَوَدَّةٌ چاہنا، آرزو کرنا۔

قِوْلَهُ: لَوْ مصدریة لو حرف مصدری ہے جب فعل کے بعد واقع ہوتا ہے تو تمنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَدَّ کثیرٌ ردّکم الخ رَدَّ چونکہ صَیَّرَ کے معنی میں ہے، دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، مفعول اول کم ہے، اور ثانی کُفَّارًا ہے۔

قِوْلَهُ: کائنًا مِن عِندِ انفُسِھم مفسر علام نے کائنًا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مِنْ عِندِ اَنْفُسِھم کائنًا محذوف کے متعلق ہو کر حَسَدًا کی صفت ہے۔

قِوْلَهُ: مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ، مِن بعدِ، وَدَّ کے متعلق ہے، اور مَا مصدریہ ہے ای بَعْدَ تَبْیِیْنِ الحقِّ لَھُمْ.

قِوْلَهُ: ھُوْدٌ جمع ھائِدٍ، ھائد بمعنی تائب ابتداءً اس شخص کو ھائد کہتے تھے جس نے گوسالہ پرستی سے توبہ کر لی تھی، بعد میں پوری قوم کے لئے علم کے طور پر استعمال ہونے لگا، اس میں ایک اعتراض کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اعتراض: مَن کانَ ھودًا. کان کے اندر ضمیر مفرد کان کا اسم اور ھُودًا کان کی خبر ہے، جو کہ جمع ہے حالانکہ اسم و خبر میں مطابقت ضروری ہے۔

جَوَابٌ: کان کے اسم کے مفرد لانے میں لفظ مَن کی رعایت کی گئی ہے، اور ھودًا کے جمع لانے میں مَن کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد سے جب لوٹ رہے تھے تو یہود کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، یہود نے کہا: کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہودی مذہب حق ہے؟ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب باطل ہے اگر محمد کا دین حق ہوتا تو ان کے اصحاب قتل نہ کئے جاتے، حالانکہ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ جب وہ قتال کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، تو عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ عہد شکنی کا تمہارے یہاں کیا حکم ہے، یہود نے جواب دیا: نہایت بری ہے، تو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں محمد ﷺ سے ان کی اتباع پر تا موت عہد کر چکا ہوں، یہود نے کہا: عمار بے دین ہو گیا، اور حضرت حذیفہ نے جواب دیا: رضیتُ باللّٰہِ ربًا، وبالاسلامِ دِینًا، والکعبۃ قبلۃً، والقرآن اماما، والمؤمنینَ اخوانًا چنانچہ یہ حضرات واپس پہنچے اور اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَصبتُما الخیرَ واَفلحتُما (تم خیر کو پہنچے اور کامیاب ہوئے) اس کے بعد وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ نازل ہوئی۔ (صاوی)

اے مسلمانو! تم کو واپس کفر کی طرف لیجانے کی یہود کی خواہش اور تمنا کسی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں سے عناد اور حسد کی وجہ سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان پر اسلام کا حق ہونا اور محمد ﷺ کا نبی برحق ہونا واضح ہو گیا ہے، اس کے باوجود ایمان نہیں لائے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ صبر اور عفو و درگذر سے کام لیتے رہیں، ان کے حسد و عناد کو دیکھ کر مشتعل نہ ہوں، ان سے بحث و مباحثہ کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں، اور صبر کے ساتھ دیکھتے رہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

عموماً مفسرین نے شان نزول کے مخصوص واقعہ کی وجہ سے یہاں اہل کتاب سے یہود یا احبار یہود مراد لئے ہیں، لیکن وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ کے قرآنی الفاظ عام ہیں، اس عموم میں یہود و نصاریٰ دونوں داخل ہیں، مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، سیاسی، معاشرتی، تاریخی غرضیکہ ہر قسم کا جاری رہتا ہے، وہ سب اسی حقیقت کے مظاہر ہیں، ان تمام سرگرمیوں اور کوششوں کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ مسلمان اگر مسیحیت اور یہودیت کو قبول نہ بھی کریں تو کم از کم اپنے دین کی طرف سے ضرور برگشتہ اور بدگمان ہو جائیں۔

تِلْکَ اَمَانِیُّہُمْ (الآیۃ) یعنی دراصل ان کی یہ باتیں ہیں تو محض ان کے دلوں کی خواہشیں اور آرزوئیں مگر وہ انہیں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ گویا فی الواقع اسی طرح ہونے والا ہے۔

اللہ کے یہاں قوم ونسل کی قیمت نہیں ایمان اور عمل صالح کی قیمت ہے:

کوئی بھی شخص محض قومیت کے زعم میں خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھ لے تو یہ صرف اس کی خود فریبی ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی قوم، نسل یا علاقہ اور وطن کی بنیاد پر مقبول ومقرب نہیں بن سکتی جب تک اس میں ایمان وعمل صالح کی روح موجود نہ ہو۔

پھر اصولِ ایمان تو ہر رسول کے زمانہ میں مشترک اور یکساں رہے ہیں، البتہ عمل صالح کی شکلیں ادلتی بدلتی رہتی ہیں، تورات کے زمانہ میں عمل صالح وہ سمجھا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور تورات کی تعلیم کے مطابق تھا، انجیل کے دور میں یقیناً عمل صالح وہی عمل تھا جو حضرت عیسیٰ اور انجیل کی تعلیم سے مطابقت رکھتا تھا، اور قرآن کے زمانہ میں وہی عمل صالح کہے جانے کا مستحق ہے جو نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے فرمان اور اللہ کی کتاب قرآن کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔

مطلب یہ کہ یہود ونصاریٰ کے اس اختلاف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں قومیں جہالت کی باتیں کر رہی ہیں، دونوں میں سے کوئی بھی جنت کا ٹھیکیدار نہیں اور نہ ہی دونوں کے مذہب بے بنیاد اور بے اصل ہیں، بلکہ دونوں مذہبوں کی صحیح بنیاد موجود ہے۔

غلط فہمی کا سبب:

غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے مذہب وملت کی اصل روح یعنی عقائد واعمال ونظریات کو چھوڑ کر نسلی یا وطنی بنیاد پر کسی قوم کو یہود ٹھہرایا اور کسی کو نصرانی سمجھا، جو یہود کی نسل سے تعلق رکھتا ہو یا یہود کے شہر میں بستا ہو یا مردم شماری میں خود کو یہود شمار کراتا ہو اس کو یہود سمجھ لیا گیا، اسی طرح نصرانیوں کی تشخیص وتعیین کی گئی، حالانکہ اصول ایمان کو توڑ کر اور اعمال صالحہ سے منہ موڑ کر نہ کوئی یہودی، یہودی رہتا ہے اور نہ نصرانی، نصرانی۔

قرآنِ کریم میں اس اختلاف اور اس فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ کہیں وہ بھی اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ہم تو پشتی مسلمان ہیں ہر دفتر اور رجسٹر میں ہمارا نام مسلمان کے خانہ میں درج ہے اور زبان سے بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں، اس لئے جنت کے نیز ان تمام انعامی وعدوں کے وہی مستحق ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں سے کئے گئے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ کوئی شخص نہ محض دعوے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے نہ مسلمان نام درج کرانے سے یا مسلمان کی صلب یا ان کے کسی شہر میں پیدا ہونے سے بلکہ مسلمان ہونے کے لئے اول اسلام ضروری ہے، اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو سپرد کر دینا دوسرے احسان، یعنی عمل سنت کے مطابق کرنا۔

لیکن قرآن کی اس تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان اسی یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہو گئے کہ خدا اور رسول اور آخرت وقیامت سے بالکل غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھنے لگے اور قرآن وحدیث میں فلاح دین وآخرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں خود وان کا مستحق سمجھ کر ان کے پورے ہونے کا انتظار کرنے لگے، اور جب وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو قرآن وحدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے، اس کو نہیں دیکھتے کہ قرآن نے محض نسلی مسلمانوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا، جب تک وہ اپنے تمام ارادوں کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع نہ کر دیں، یہی خلاصہ ہے آیت مذکورہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا۔

آج کل پوری دنیا کے مسلمان مصائب کا شکار کیوں؟

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب ومشکلات کا شکار ہیں، اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان آفات ومصائب کا سبب اسلام ہے، لیکن مذکورہ تحریر سے واضح ہو گیا کہ ان کا اصل سبب ہمارا اسلام نہیں بلکہ ترک اسلام ہے کہ ہم نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے، نہ اسلام کے عقائد ہمارے اندر نہ اخلاق نہ اعمال، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے وعدوں اور انعاموں کا ہم انتظار کریں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک (شبہ) سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم بھی کبھی کم از کم نام تو اسلام کا لیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے نام لیوا تو ہیں اور جو کفار کھلے طور پر اللہ ورسول کی مخالفت کرتے ہیں، اسلام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے وہ تو آج دنیا میں ہر طرح کی ترقی کر رہے ہیں، بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں، دنیا کی صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں: لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے، تو یہ شبہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اول تو اس لئے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا، دوست کو قدم قدم پر اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے، اور اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر تنبیہ کی جاتی ہے: لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا، اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعۃً پکڑ لیا جاتا ہے۔

مسلمان جب تک ایمان واسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت ومحبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے، اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے، بخلاف کافر کے کہ اس پر باغیوں کا قانون جاری ہے، دنیا کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے اس کا بار عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا، ان کو یک لخت عذاب میں پکڑا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے ''کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ مُعْتَدٍ بِه وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ مُعْتَدٍ بِه وكَفَرَتْ بِمُوسٰى وَهُمْ اى الفَرِيقَانِ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ المُنَزَّلَ عليهم وفِى كِتَابِ اليَهُودِ تَصْدِيقُ عِيسٰى وفِى كِتَابِ النَّصَارٰى تَصْدِيقُ مُوسٰى والجُملةُ حالٌ كَذٰلِكَ كَمَا قالَ هٰؤُلاءِ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اى المُشْرِكُونَ مِنَ العَرَبِ وغيرِهم مِثْلَ قَوْلِهِمْ بيانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ اى قَالُوا لِكُلِّ ذِى دِينٍ لَيْسُوا عَلٰى شَىْءٍ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ مِن امرِ الدِّينِ فيُدْخِلُ المُحِقَّ الجنةَ والمُبْطِلَ النَّارَ وَمَنْ اَظْلَمُ اى لَا احَدَ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ بِالصَّلٰوةِ والتَّسْبِيحِ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا بِالهَدْمِ او التَّعْطِيلِ نَزَلَتْ إِخْبَارًا عَنِ الرُّومِ الَّذِينَ خَرَّبُوا بَيْتَ المَقْدِسِ او فِى المُشْرِكِينَ لَمَّا صَدُّوا النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم عَامَ الحُدَيْبِيَةِ عن البَيْتِ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ خبرٌ بمعنى الأمرِ اى أَخِيفُوهُم بِالجِهَادِ فَلَا يَدْخُلُهَا احدٌ آمِنًا لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ هَوانٌ بالقَتْلِ والسَّبْىِ والجِزْيَةِ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ هُوَ النَّارُ ونَزَلَ لَمَّا طَعَنَ اليهودُ فِى نَسْخِ القِبْلَةِ او فِى الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ على الرَّاحِلَةِ فِى سَفَرٍ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اى الارضُ كُلُّهَا لانَّهُمَا نَاحِيَتَاهَا فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا وُجُوهَكم فِى الصَّلٰوةِ بِأَمْرِهِ فَثَمَّ هُنَاكَ وَجْهُ اللّٰهِ قِبْلَتُهُ الَّتِى رَضِيَهَا اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ يَسَعُ فَضْلُهُ كُلَّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ بِتَدْبِيرِ خَلْقِهِ وَقَالُوْا بِوَاوٍ ودُونَهَا اى اليَهُودُ والنَّصَارٰى ومَن زَعَمَ ان المَلٰئكةَ بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قال تعالٰى سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيهًا لَهُ عَنْهُ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِلْكًا وخَلْقًا وعَبِيدًا والمِلْكِيَّةُ تُنَافِى الوِلَادَةَ وعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيبًا لِمَا لا يَعْقِلُ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مُطِيعُونَ كُلٌّ بِمَا يُرَادُ مِنهُ وفِيهِ تَغْلِيبُ العَاقِلِ.

ترجمہ: یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، حالانکہ یہ دونوں فریق کتاب پڑھتے ہیں، اور یہود کی کتاب (تورات) میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور نصاریٰ کی کتاب (انجیل) میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور جملہ (وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ) حال ہے، اور جیسی بات یہ (دونوں فریق) کرتے ہیں، اسی طرح کی بات بے علم لوگ بھی کرتے ہیں، یعنی مشرکین عرب وغیرہ (مِثْلَ قَوْلِهِمْ) ذٰلكَ کے معنی کا بیان ہے، یعنی ان (مشرکوں) نے (آسمانی) دین والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا کہ ان کے پاس کچھ نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ان کے اختلاف کا فیصلہ کردے گا، بایں طور کہ اہل حق کو

جنت میں اور اہل باطل کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ کی مسجدوں (معبدوں) میں اللہ کے نام کی نماز و تسبیح پڑھنے سے روکے، اور ہدم و تعطیل کے ذریعہ ان کی ویرانی کے درپے ہو، (یہ آیت) ان رومیوں کی خبر دینے کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بیت المقدس ویران کیا، یا مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ ﷺ کو (صلح) حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا، ان کو تو چاہئے کہ اس میں قدم بھی نہ رکھیں، مگر ڈرتے ہوئے خبر بمعنی امر ہے یعنی ان کو جہاد کے ذریعہ (ایسا) خوف زدہ کردو کہ کوئی اس میں بے خوف داخل نہ ہو، ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے قتل و قید اور جزیہ کے ذریعہ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے، (اور) وہ آگ ہے، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے تحویل قبلہ کے بارے میں، یا سفر میں سواری پر جدھر سواری کا رخ ہو نفل نماز پڑھنے کے بارے میں طعن کیا، مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، یعنی پوری زمین، اس لئے کہ دونوں (مشرق و مغرب) زمین ہی کے دو کنارے ہیں، تم اس کے حکم سے نماز میں جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا رخ ہے یعنی اس کا قبلہ ہے جو اس کا پسندیدہ ہے، بلاشبہ اللہ بڑی وسعت والا ہے، کہ اس کا فضل ہر شئ کو حاوی ہے، اور اپنی مخلوق کی تدبیر سے واقف ہے (وقالوا میں) واؤ اور بغیر واؤ دونوں صورتیں ہیں، اور یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کا جو اللہ کے لئے بیٹیاں ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں کہنا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے، اللہ تعالیٰ نے اولاد سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا، وہ پاک ہے (اولاد سے) بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی اسی کی ملک ہے اور اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے، اور ولادت ملکیت کے منافی ہے، اور غیر ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے مَا سے تعبیر فرمایا، سب کے سب اس کے فرمانبردار ہیں یعنی ہر شئ اس مقصد کے لئے اس کے تابع فرمان ہے، جو اس سے مطلوب ہے اور اس میں ذوی العقول کو غلبہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ، كذلك اى مثل ذٰلكَ الَّذى سمعت به كاف محل میں نصب کے ہے، یا تو اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے جس کو افادۂ حصر کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے، اى قولًا مِثلَ ذٰلكَ القول بعينه لا قولًا مغايرًا لَهُ.

قِوْلَہُ: وغيرُهم، غيرُهم رفع کے ساتھ اس کا عطف مشركون پر ہے نہ کہ عرب پر یعنی مشرکین کے علاوہ دیگر کفار کا بھی یہی کہنا تھا۔

قِوْلَہُ: بَيَانٌ لمعنى ذٰلِكَ یعنی مثلَ قولهم، كذٰلكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کا بدل ہے۔

قِوْلَہُ: لَيْسُوْا، لَيْسُوا کی جمع کی ضمیر کل کی طرف باعتبار معنی کے راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَنْ اَظْلَمُ. مَنْ مبتدا محلاً مرفوع ہے. اَظْلَمُ اسم تفضیل اس کی خبر ہے، استفہام انکاری ہے، ای لا احدَ اظلمَ منه.

سُؤَال: یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فَمَنْ اَظْلَمُ کا کلمہ قرآن کے اندر بار بار آیا ہے، مثلاً وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهٖ. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ. وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ان میں سے ہر ایک کا تقاضا حصر کا ہے کہ اس میں مذکور سے بڑا ظالم کوئی نہیں، تو پھر دوسرا فریق اس سے بڑا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی اظلمیت کے ساتھ جب ایک فریق کو متصف کر دیا تو اب دوسرے فریق کو اظلمیت کی صفت کے ساتھ متصف کرنا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: ہر ایک اپنے صلہ کے معنی کے اعتبار سے خاص ہے، مثلاً کَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَحَدَ مِنَ المانِعِيْنَ اَظْلَمُ مِمَّنْ منع مَسَاجِدَ اللّٰهِ، وَلَا احدَ مِنَ المفسدين اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ، وَلَا احدَ مِنَ الكذّابِيْنَ اَظْلَمُ مِمَّنْ كذب على اللّٰه على هذا القياس. (جمل)

قَوْلُہٗ: مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ، مَسَاجِدَ، مَنَعَ کا مفعول اول ہے اور اَنْ يُّذْكَرَ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ہے. مساجد مسجدٌ کی جمع ہے، سجدہ کرنے کی جگہ، قاعدہ کے مطابق، مَفْعَلٌ کے وزن پر مَسْجَدٌ ہونا چاہئے، اس لئے کہ جس کا مضارع مرفوع العین ہوتا ہے اس کا ظرف مکان مَفْعَلٌ کے وزن پر آتا ہے یہاں خلاف قیاس جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

سُؤَال: مَسَاجِد کو جمع کیوں لایا گیا ہے؟ جبکہ مراد بیت المقدس ہے، اس لئے کہ بیت المقدس کو رومی بادشاہ بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، یا مراد مسجد حرام ہے جبکہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو صلح حدیبیہ کے سال عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔

جَوَاب: مذکورہ دونوں مسجدیں چونکہ سب سے زیادہ اہم اور بابرکت ہیں ان سے روکنا یا ان کو ویران کرنا گویا کہ تمام مساجد و ویران کرنا ہے۔

سُؤَال: مَنَعَ مساجد اللّٰه میں مَنَعَ کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حقیقت میں ممنوع لوگ ہیں۔

جَوَاب: مانعین کا فعل چونکہ مسجد سے متعلق تھا مثلاً مساجد میں گندگی وغیرہ ڈالنا یا ان کو منہدم کرنا اس لئے منع کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ اس میں اعراب کے اعتبار سے چار صورتیں ممکن ہیں، ① مَنَعَ کا مفعول ثانی ہے کما تقول مَنَعْتُهٗ كذا ② مَنَعَ کا مفعول لہ ہے، ای منع كراهة اَنْ يُّذْكَرَ يَمْنَعُ دخول مساجد اللّٰه ③ مساجد اللّٰه سے بدل الاشتمال ہے، ای مَنَعَ ذكر اسمه فِيْهَا ④ حذف حرف جر کی وجہ سے منصوب ہے، ای مَنَعَ مساجد مِنْ اَنْ يُّذْكَرَ.

قَوْلُہٗ: بالهَدم او التعطيل. هدم سے بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے، اس لئے اس کو بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، اور تعطیل سے مسجد حرام کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو روک کر گویا کہ مسجد حرام کو معطل اور ویران

کر دیا تھا، اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے۔

قولہ: فِی خَرَابِھَا ابوالبقاء نے کہا ہے کہ خراب اسم مصدر بمعنی تخریب ہے، اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے، جیسا کہ سَلام بمعنی تسلیم، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خَرِبَ کا مصدر ہے، جو خَرِبَ بالمکان سے مشتق ہے، یعنی اس کو بغیر نگہداشت کے چھوڑ دیا تا کہ وہ خود بخود ویران اور برباد ہو جائے۔

قولہ: خبر بمعنی الامر یعنی یہ جملہ لفظاً خبریہ اور معنی انشائیہ ہے، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: لَا یَدْخُلُوْھَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ میں خبر دی گئی ہے کہ تخریب کار بیت المقدس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوئے، حالانکہ وہ تو نہایت بے خوف ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے، ایک سال سے بھی زیادہ قابض رہے، ہاں البتہ مسلمان بیت المقدس میں اللہ سے ڈرتے ہوئے سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں داخل ہوئے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ خبر بمعنی امر ہے، معنی ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیت المقدس میں خوف خدا کے ساتھ داخل ہوں۔ (جمل) مگر یہ جواب پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تعبیر کَانَ کے ساتھ ہے، بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت کا مقصد مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے منع کرنا ہے۔ (معناہ النھی عن تمکینھم من الدخول فی المسجد). (جمل)

قولہ: اخیفوھم بالجھاد یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسجد حرام اور بیت المقدس میں داخل ہونے کو بذریعہ جہاد روکیں۔ (صاوی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظاً اور معنی جملہ خبریہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آنے والے حالات کی خبر دی ہو۔ (ھو الاقرب). (صاوی)

قولہ: مُطِیْعُوْنَ کُلٌّ بِمَا یُرَادُ مِنْہُ یعنی مخلوق کا ہر فرد اس مقصود کے تابع ہے جو اس سے مطلوب ہے، بِمَا میں باء بمعنی لام ہے۔

تفسیر و تشریح

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ یہود تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق موجود ہے: لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرتے ہیں، عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تورات کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہے اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ اہل کتاب کے دونوں فریقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہونے کو ظاہر کر رہا ہے۔

اہل کتاب کے مقابلہ میں عرب کے مشرکین ان پڑھ (اُمی) تھے اس لئے انھیں بے علم کہا گیا ہے: لیکن وہ بھی امی ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے، کہ وہی حق پر ہیں، اسی لئے وہ محمد ﷺ کو صابی یعنی

بے دین کہا کرتے تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ (الآیة) جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی رائے مختلف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ ان سے مراد عیسائی ہیں، جنھوں نے بادشاہِ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا، اس کی تخریب میں حصہ لیا، ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنھوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا اس طرح مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار ادا کیا، حالانکہ خانہ کعبہ میں عبادت سے کسی کو روکنے کی اجازت نہیں تھی۔

تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا یہی تخریب ہے۔

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ یہ الفاظ خبر کے ہیں یعنی لفظوں کے اعتبار سے جملہ خبریہ ہے، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تمکن و غلبہ عطا کرے تو ان مشرکوں کو اس میں صلح اور جزیہ کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، تو نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ آئندہ سال کسی مشرک کو کعبۃ اللہ کا حج کرنے اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ عبادت گاہیں اس قسم کے ظالموں کے ہاتھوں میں ہوں اور یہ ان کے متولی اور پاسبان ہوں، خدا پرست اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار رہنا چاہئے، تاکہ یہ شریر لوگ اگر وہاں جائیں بھی تو انھیں خوف ہو کہ اگر شرارت کریں گے تو سزا پائیں گے۔

شانِ نزول:

مذکورہ دو آیتوں میں دو اہم مسئلوں کا بیان ہے پہلی آیت ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کردیا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے ایک مجوسی بادشاہ طیطوس کے ساتھ مل کر شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کرکے ان کو قتل کرڈالا، تورات کے نسخے جلا دیئے، بیت المقدس میں نجاست اور خنزیر ڈال دیئے، اس کی عمارت کو منہدم کردیا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران و منہدم پڑا تھا۔

فائدہ: بعض حضرات مفسرین نے اس مجوسی بادشاہ کا نام بخت نصر بتلایا ہے، اس سے معروف بخت نصر مراد نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت پہلے ہے، یہ ممکن ہے کہ بعد میں کسی بادشاہ کو بخت نصر ثانی کہنے لگے ہوں۔ (معارف)

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب عراق و شام فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر

کرائی گئی مدت دراز تک پورا ملک شام اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پھر اس کو فتح کیا۔

رومی نصاریٰ کی اس گستاخانہ حرکت پر کہ تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب و برباد کرکے اس کی بے حرمتی کی تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے۔

اور حضرت ابن زید وغیرہ دوسرے مفسرین نے آیت کا شانِ نزول یہ بتلایا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روک دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے اور وہاں تلاوت و ذکر سے روکا جائے، یا مسجد میں شور و شغب کرکے یا قرب و جوار میں باجے وغیرہ بجا کر ذکر و نماز میں خلل ڈالے یہ بھی اللہ کے ذکر سے روکنے میں داخل ہے، اسی طرح جبکہ لوگ نماز و تسبیحات میں مشغول ہوں، کوئی شخص بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ سے روکنے کے مترادف ہے۔ (معارف ملخصًا)

دوسری آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (الآیة) میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے اور بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے نہ آپ کے غمگین ہونے کی کوئی وجہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی خاص سمت میں محدود نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبۃ اللہ کو قبلہ بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے اسی لئے جب کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا اس میں فضیلت تھی اور جب سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا تو اب اس میں فضیلت ہے لہٰذا آپ دل گیر نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔

الغرض آیت مذکورہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت واضح کر دی کہ اس کا منشا بیت المقدس یا بیت اللہ کی معاذ اللہ پرستش نہیں اور نہ ان دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط ہے اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے۔

آیت مذکورہ کے اس مضمون کو واضح کرنے ہی کے لئے غالباً آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ہجرت کے اوائل میں سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم دے کر عملی طور پر یہ بتلا دیا گیا کہ ہماری توجہ ہر طرف ہے، اور نوافل میں اس حکم کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا کہ سفر میں کوئی شخص سواری مثلاً اونٹ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارہ سے نفلی نماز پڑھ لے اس کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا

بھی ضروری نہیں جس طرف اس کی سواری چل رہی ہو اسی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

مذکورہ حکم ان سواریوں کا ہے جن پر سوار ہو کر چلتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار ہو اور جن سواریوں پر سوار ہو کر قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار نہیں ہے، جیسے ریل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر کا ہے، اگر ان میں نفل نماز بھی پڑھنی ہو تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے، البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لئے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو یا رات کی تاریکی میں اندازہ نہ ہو سکے اور نہ کوئی بتلانے والا ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ہو کہ جس سے سمت قبلہ کا تعین ہو سکے تو اندازہ اور تخمینہ سے سمت قبلہ متعین کر کے نماز ادا کر لے، اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ نماز غلط رخ پر پڑھی گئی تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں وہی نماز کافی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ، اِتَّخَذَ وَلَدًا کا ترجمہ ہے، لے رکھا ہے ایک بیٹا، بنا رکھا ہے ایک بیٹا، یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل کیا جا رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے بلکہ کہا جا رہا ہے خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، مطلب یہ کہ خدا نے کسی کو متبنّٰی بنا رکھا ہے۔

فرقۂ اتخاذی:

ایک فرقہ اتخاذیوں (ADOPTIONISTS) کے نام سے گذرا ہے ان کے مرکزی عقیدہ کے لئے اصطلاحی لفظ تبنیت یا اتخاذیت (ADOPTIONISM) ہے، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خلیفہ خدا نہیں، وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ شروع سے خود بخود بنے بنائے خدا نہیں ہیں؛ بلکہ اصلاً و خلقۃً وہ انسان ہی تھے، البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا، اس لئے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے کہ روح الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنّٰی بنا کر شریک الوہیت کر لیا، اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الٰہی میں شریک و سہیم ہے، اس عقیدہ کا وجود ۱۸۵ء میں ملتا ہے آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم نے اس عقیدہ کو الحاد اور زندقہ قرار دیا، بارھویں صدی میں اس عقیدہ نے پھر زور پکڑا، پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

اللہ کے لئے ولد عقلاً و نقلاً ممکن نہیں:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ! (کیا مہمل بات ہے) بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کو بیان فرما رہے ہیں۔

دلیل بطلان:

اگر اللہ کی اولاد مانی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہوگی اور یا ہم جنس ہوگی، اگر غیر جنس ہو تو اولاد کا ناجنس ہونا عیب ہے، اور حق تعالیٰ عیب سے پاک ہے، اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ جو صفاتِ کمال لوازمِ ذات واجبہ سے ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص اور غیر اللہ میں معدوم ہیں اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے، لہٰذا ہم جنس ہونا بھی باطل ہوا۔

بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت اور مملوکیت مطلقہ کا ہے نہ کہ فرزندی اور دل بندی کا، مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شئ اللہ کی مملوک ہے کوئی ہستی اس سے خارج نہیں اور مملوکیت وابنیت میں تضاد وتنافی ہے جو مملوک ہے وہ ابن نہیں اور جو ابن ہے وہ مملوک نہیں ہوسکتا، غرضیکہ وہ بشریت کی ہر قسم کی رشتہ داریوں سے پاک ومنزہ ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُوجِدُهُمَا لَا عَلٰى مِثَالٍ سَبَقَ وَاِذَا قَضٰٓى اَرَادَ اَمْرًا اى اِيجادَهٗ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ اى فَهُوَ يكونُ وفى قراءةٍ بالنَّصبِ جوابًا لِلْاَمْرِ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اى كفارُ مكّةَ للنبى صلى الله عليه وسلم لَوْلَا هَلَّا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ انّكَ رسولُهٗ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ مِمّا اقترحناه على صدقِكَ كَذٰلِكَ كَمَا قالَ هٰؤُلَاءِ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ كُفّارِ الأُمَمِ الماضيةِ لِاَنبيائِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ مِنَ التَّعَنُّتِ وطَلَبِ الاٰياتِ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ فِى الكُفرِ والعِنادِ، فيه تسليةٌ للنّبى صلى الله عليه وسلم قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ يعلمونَ انّها اٰياتٌ فيؤمنونَ بها فاقتراحُ اٰيةٍ مَعَها تَعَنُّتٌ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ يا محمدُ بِالْحَقِّ بالهُدىٰ بَشِيْرًا مَن اَجابَ اِلَيهِ بالجنّةِ وَّنَذِيْرًا مَن لم يُجِبْ اِلَيهِ بالنّارِ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ النارِ اى الكُفّارِ مَالَهُمْ لَمْ يُؤمِنُوا اِنّما عليكَ البَلاغُ وفى قراءةٍ بجزمِ تسئلْ نَهيًا وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ دينَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الاسلامَ هُوَ الْهُدٰى وَمَا عَداهُ ضَلالٌ وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ التى يَدْعُونَكَ اِلَيها فَرَضًا بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الوحيِ مِنَ اللهِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ يحفظُكَ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ يمنعُكَ منهُ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مبتدأٌ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اى يقرءونَهٗ كَمَا اُنزِلَ والجملةُ حالٌ وحقَّ نُصِبَ على المصدرِ، والخبرُ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ نزلتْ فى جماعةٍ قَدِمُوا مِنَ الحبشةِ واَسلَمُوا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ اى بالكتابِ المُؤتَى بِاَنْ يُّحَرِّفَهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ لِمَصيرِهِمْ الى النّارِ المؤبّدةِ عليهِم۔

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا بغیر سابقہ نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے، اور جب کسی شئ کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور ایک قراءت میں (یکونَ) جواب امر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، نادان (ان پڑھ) یعنی کفار مکہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، یا آپ (ﷺ) کی صداقت پر جو نشانی ہم تجویز کریں ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح یعنی جیسا کہ یہ کہتے ہیں ان سے پہلے امم سابقہ کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں سے ان کے جیسی بات کہی یعنی سرکشی اور طلب معجزات کی، کفر و عناد میں ان کے قلوب یکساں ہیں، اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے، یقین لانے والوں کے لئے تو ہم صاف صاف نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں، جو جانتے ہیں، کہ یہ معجزات ہیں تو ان پر ایمان لے آتے ہیں، پھر ان نشانیوں کے ساتھ مزید معجزے کا مطالبہ کرنا سرکشی ہے، بلاشبہ اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو ہدایت کے ساتھ جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر بھیجا، اس کو جس نے آپ کی دعوت قبول کی، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا جس نے آپ کی دعوت قبول نہ کی، جہنمیوں یعنی کفار کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے اور ایک قراءت میں تُسْئَلْ جزم کے ساتھ ہے نہی ہونے کی وجہ سے، اور یہود و نصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے، جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی (صحیح) راستہ ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی ہیں، اور قسم ہے لام قسمیہ ہے، آپ کے پاس وحی کا علم آجانے کے بعد اگر بالفرض آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں، تو اللہ کے پاس آپ کا نہ کوئی ولی ہوگا جو آپ کی حفاظت کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو آپ کو اس سے بچا سکے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (الذین اتینھم الکتاب) مبتداء ہے، (اور) وہ اس کو اس کے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں یعنی جس طرح نازل کی گئی ہے اسی طرح پڑھتے ہیں یہ جملہ حال ہے اور حقَّ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور خبر (اُولٰئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ہے) یہی ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں (یہ آیت) اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آئی تھی اور اسلام قبول کیا، اور جو اس عطا کردہ کتاب کا منکر ہے بایں طور کہ اس میں تحریف کرتا ہے تو یہی زیاں کار ہیں، ان کے دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، بَدِیْعٌ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مُبْدِعٌ بغیر کسی سابق نمونہ اور مادہ کے پیدا کرنے والا۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ والارض ای ھُوَ بدیع السمٰوٰتِ "بَدِیْع" اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِذَا قَضٰی، اَرَادَ مفسر علام نے قضٰی کی تفسیر اَرَادَ سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: قَضٰى کے معنی اتمام شئی کے ہیں خواہ قولاً ہو، جیسے وَقَضٰى رَبُّكَ یا فعلاً جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اور اتمام شئی کے بعد اس کے لئے کن کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ درست بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے، جو کہ ممنوع ہے اور مکوِّن واحد کے لئے دو کون یا کہئے کہ موجود واحد کے لئے دو وجودوں کا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ مخاطب بننے کے لئے موجود ہونا ضروری ہے ورنہ تو معدوم کو خطاب لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے اور دوسرا کن کہنے کے بعد موجود ہوگا ورنہ تو امر بے کار ہوگا۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ قضٰى بمعنی اَرَادَ ہے مجازاً۔

سَوَال: فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی معدوم کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے کن کہہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معدوم موجود ہو جاتا ہے، اس سے معدوم کو مخاطب کرنا لازم آتا ہے۔

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے ارادہ ہی سے وہ معدوم موجود کے حکم میں ہو جاتا ہے، لہٰذا خطاب کرنا درست ہے، نیز كُنْ فيكونُ سے مقصد سرعت ہے نہ کہ ایجاد۔

قَوْلُهٗ: فهو يكونُ اس جملہ کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سَوَال: مضارع جب فاء کے بعد واقع ہو اور اس کے ماقبل امر یا نہی ہو تو اس پر نصب واجب ہے حالانکہ یہاں فيكونُ پر رفع ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: حذف مبتدا کی وجہ سے یہ جملہ اسمیہ ہے تقدیر عبارت فَهُوَ يكونُ ہے، جملہ اسمیہ ہو کر جواب امر ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ فيكونُ جملہ مستانفہ ہے اور هو مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں فيكونَ نصب کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں فاء سببیہ کے بعد اَنْ مقدر ماننا ہوگا۔

قَوْلُهٗ: اَى كفار مكة.

سَوَال: اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کی تفسیر کفار مکہ سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

جَوَاب: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے مگر یہ آیت مکی ہے، مگر یہ جواب بعید ہے۔

دُوْسَرا جَوَاب: یہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ سوال کفار مکہ نے یہود مدینہ کی معرفت آپ ﷺ سے کیا ہو۔

قَوْلُهٗ: فى قراءة بجزم تَسْئَل نهيًا یعنی ایک قراءت میں لا تُسْئَلُ کے بجائے لَا تَسْئَلْ ہے یعنی آپ جہنمیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھیے ان کا بہت بُرا حال ہوگا۔

قَوْلُهٗ: وَحَقَّ نُصِبَ عَلَى المصدرية حَقَّ، تلاوتِهٖ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے يتلونهٗ تلاوةً حقًّا صفت کو مقدم کر کے موصوف کی طرف اضافت کر دی گئی ہے۔

تفسیر وتشریح

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ وہی ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی مالک ہے، ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادہ اور نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کو جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے لئے کُنْ کہہ دیتا ہے وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے، ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ (الآية) الذين لا يعلمون سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا یا تو خود ہمارے سامنے آکر کہے کہ یہ میری کتاب ہے تم لوگ اس کی پیروی کرو یا پھر ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھائی جائے جس سے ہمیں یقین آجائے کہ محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی آج کے گمراہوں نے کوئی اعتراض اور کوئی مطالبہ ایسا پیش نہیں کیا جو ان سے پہلے گمراہ پیش نہ کر چکے ہوں، قدیم زمانہ سے آج تک گمراہی کا ایک ہی مزاج رہا ہے اور وہ بار بار ایک ہی قسم کے شبہات اور اعتراض اور سوالات دہراتی رہتی ہے یعنی مشرکین عرب کے دل کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ (الآية) یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان بر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا، یہ دراصل امت محمد یہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لئے وہ بھی ایسا کام نہ کریں نہ دین میں مداہنت اور نہ بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى: الخ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی خواہ کتنی بھی رعایت کریں مگر یہ آپ ﷺ سے راضی ہونے والے نہیں ہیں اس لئے کہ ان کی ناراضگی کی وجہ عناد اور حسد ہے جس کا کوئی علاج نہیں، آپ ﷺ نے ان کی رعایت بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے میں موافقت کر کے دیکھ لی آخر حسد و عناد میں اضافہ کے سوا کیا نتیجہ نکلا؟ ان لوگوں کی ناراضگی کا سبب یہ تو ہے نہیں کہ وہ سچے طالب حق ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے، بلکہ ان کی خواہش اور تمنا تو یہ ہے کہ آپ بھی ان کی طرح گندم نمائی اور جو فروشی کیوں نہیں کرتے؟ جو خود ان کا شیوہ ہے یہ لوگ تو صرف ایک ہی صورت سے راضی ہو سکتے ہیں کہ آپ ان ہی کے رنگ میں رنگ جائیں اور خدا پرستی کے پردے میں نفس پرستی اختیار کر لیں، اور اگر خدانخواستہ ان کو راضی کرنے کے لئے آپ نے خلاف شرع کوئی بھی قدم اٹھایا تو پھر نہ آپ کا کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ (الآية) اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کی ضروری تفصیل کے بعد اس آیت میں اہل کتاب کے ان صالح عنصر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دیانت اور راستی کے ساتھ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، اس لئے

جو حق ہوتا ہے اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۲۲﴾ تقدم مثله **وَاتَّقُوْا** خافوا **يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ** تغني **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ** فيه **شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ** فداء **وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ**﴿۱۲۳﴾ يمنعون من عذاب الله **وَ** اذكر **اِذِ ابْتَلٰٓى** اختبر **اِبْرٰهٖمَ** وفي قراءة ابراهام **رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ** باوامر ونواهٍ كلّفه بها قيل هي مناسك الحج وقيل المضمضة والاستنشاق والسواك وقص الشارب وفرق الرأس وقلم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة والختان والاستنجاء **فَاَتَمَّهُنَّ** اداهن تامات **قَالَ** تعالى له **اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** قدوة في الدين **قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ** اولادي اجعل ائمة **قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي** بالامامة **الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۲۴﴾ الكفرين منهم دل على انه ينالهٗ غير الظالم **وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ** الكعبة **مَثَابَةً لِّلنَّاسِ** مرجعا يثوبون اليه من كل جانب **وَاَمْنًا** مأمنا لهم من الظلم والاغارات الواقعة في غيره كان الرجل يلقى قاتل ابيه فيه فلا يهيجه **وَاتَّخِذُوْا** ايها الناس **مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ** هو الحجر الذي قام عليه عند بناء البيت **مُصَلًّى** مكان صلوة بان تصلوا ركعتي الطواف وفي قراءة بفتح الخاء خبر **وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ** امرناهما **اَنْ** اي بان **طَهِّرَا بَيْتِيَ** من الاوثان **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ** المقيمين فيه **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ**﴿۱۲۵﴾ جمع راكع وساجد المصلين **وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا** المكان **بَلَدًا اٰمِنًا** ذا امن وقد اجاب الله دعاءه فجعله حرما لا يسفك فيه دم انسان ولا يظلم فيه احد ولا يصاد صيده ولا يختلى خلاه **وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ** وقد فعل بنقل الطائف من الشام وكان اقفر لا زرع به ولا ماء **مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** بدل من اهله وخصهم بالدعاء لهم موافقة لقوله لا ينال عهدي الظلمين **قَالَ** تعالى **وَ** ارزق **مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ** بالتشديد والتخفيف في الدنيا بالرزق **قَلِيْلًا** مدة حياته **ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ** الجئه في الاخرة **اِلٰى عَذَابِ النَّارِ** فلا يجد عنها محيصا **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ**﴿۱۲۶﴾ المرجع هي.

ترجمہ: اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور میں نے تم کو اقوام عالم پر فضیلت عطا کی تھی، اس جیسی آیت سابق میں گذر چکی ہے اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اور نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائیگا، اور نہ کوئی سفارش ہی کسی کو فائدہ دے گی اور نہ (مجرموں) کو کہیں سے مدد ہی پہنچ سکے گی، کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکیں اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں سے آزمایا اور ایک قراءت میں ابراہام ہے (اور وہ باتیں) جن کا اس کو مکلف بنایا اوامر ونواہی تھیں، کہا گیا ہے کہ وہ مناسک حج تھے، اور کہا گیا ہے کہ وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور مسواک کرنا اور مونچھوں کو کاٹنا اور سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، اور ناخن تراشنا، اور بغل کے بال اکھاڑنا، اور

زیر ناف کے بال لینا، اور ختنہ کرانا، اور پانی سے استنجاء کرنا تھیں، چنانچہ (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ان باتوں کو مکمل طور پر ادا کیا (تو) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو دین میں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنائیے، اللہ نے جواب دیا: پیشوائی کا میرا وعدہ ان میں سے ظالموں کافروں سے نہیں ہے اس سے معلوم ہوا جو ظالم نہیں ہیں ان سے وعدہ ہے اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع (مرکز) بنایا، ہر جانب سے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ظلم سے اور دوسری جگہ ہونے والی غارت گری سے امن کی جگہ بنائی آدمی بیت اللہ میں اپنے باپ کے قاتل سے ملتا تھا مگر (باپ کا قتل) اس کو (قاتل کے قتل پر) برانگیختہ نہیں کرتا تھا، اور اے لوگو! تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو اور وہ وہی پتھر ہے جس پر تعمیر بیت اللہ کے وقت (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کھڑے ہوتے تھے، مُصلّٰی بمعنی جائے نماز، بایں طور کہ اس کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز پڑھو، اور ایک قراءت میں اِتَّخَذُوا خاء کے فتح کے ساتھ ہے اور ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے بتوں سے پاک رکھو، یعنی اس میں قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے (یعنی) نماز پڑھنے والوں کے لئے، رُکّع راکع کی اور السجود ساجد کی جمع ہے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار تو اس جگہ کو امن والی بنا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول فرمائی چنانچہ اس کو محترم بنادیا کہ نہ اس میں انسان کا خون بہایا جاتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ اس میں شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جاتا ہے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا کر چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے منتقل کر کے ایسا ہی کردیا حالانکہ وہ بنجر بے آب وگیاہ زمین تھی ان کے لئے جو ان میں سے اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر مَنْ آمَنَ، اھلہ سے بدل ہے اور ان کو دعاء کے لئے خاص کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لاینال عھدی الظّٰلمین کے موافق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو لوگ کفر کریں گے ان کو بھی قدرے یعنی ان کی حیات کی مقدار نفع پہنچاؤں گا، پھر آخرت میں ان کو جبراً دوزخ کی طرف لیجاؤں گا کہ وہ اس سے رہائی نہ پاسکیں گے اور وہ (دوزخ) بدترین ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ، فِیْهِ، لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عن نفسٍ جملہ ہو کر یَوْمًا کی صفت ہے، اور صفت جب جملہ ہو تو عائد ضروری ہوتا ہے فِیْهِ کا اضافہ عائد کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے وَاذکر اِذ ابتلٰی ابراھیم میں ایک قراءت ابراھام بھی ہے، ابراہیم سریانی زبان میں أَبٌ رحیمٌ کو کہتے ہیں، یعنی مشفق ومہربان باپ، یہاں اُذکر محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اِذْ، اذکر فعل محذوف کا معمول ہے نہ کہ ابتلٰی کا، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اِذْ، اِبتَلٰی کا معمول ہے، اس لئے کہ اس میں معمول کا عامل پر مقدم ہونا لازم آتا ہے۔

قَوْلُہٗ: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یہ جملہ مستانفہ ہے، اور ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے تمام اوامر ونواہی کو حسن وخوبی انجام دیدیا تو کیا ہوا؟

جواب: میں فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا دینی پیشوا بناؤں گا۔

قولہ: قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ کا عطف بتاویل بعض جاعلك کے کاف پر ہے، جیسا کہ مِنْ تبعیضیہ دلالت کر رہا ہے۔

سوال: ضمیر متصل پر بغیر اعادۂ ضمیر یا فصل کے عطف صحیح نہیں ہے، لہٰذا مِن ذُرِّیّتی کا عطف کاف ضمیر پر کیسے درست ہے؟

جواب: جاعِلُكَ میں جاعِل کی کاف کی طرف اضافت لفظیہ ہے اور انفصال کے درجہ میں ہے، لہٰذا عطف درست ہو گیا۔

سوال: اس عطف میں ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف لازم آرہا ہے، اس لئے کہ اِنِّی جَاعِلُكَ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے، اور وَمِنْ ذُرِّيَّتِی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

جواب: ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف جائز ہے جیسا کہ تیرا وَزَیْدًا اس کے جواب میں کہنا جو تجھ سے کہے سَأُکْرِمُكَ تو کہے وَزَیْدًا یعنی زید کا بھی اکرام کر، اس کو عطف تلقین کہتے ہیں، جیسا کہ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا، یہ بھی ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف کے قبیل سے ہے، جس میں کوئی قباحت نہیں ہے، حاصل یہ کہ خبر بمعنی طلب ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: الکعبة، اَلْبَیْت کی تفسیر الکعبۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ البیت میں الف لام عہد کا ہے، اور یہ اسماء مغالبہ میں سے جیسے الثریا مطلق ستارہ کو کہتے ہیں، اب ایک مخصوص ستارہ کا نام ہو گیا ہے، اسی طرح البیت جب مطلق بولا جاتا ہے تو بیت اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔

قولہ: مَثَابَةً، ثاب یثوبُ سے ظرف مکان ہے، لوٹنے کی جگہ، مرجع، مرکز، ثوبًا کے معنی ہیں، اصلی حالت کی طرف لوٹنا، ھاء اس میں مبالغہ کے لئے ہے جیسا کہ علامة ونسّابة میں ہے۔

قولہ: مَامَنًا لَّھُمْ یہ مصدر میمی بمعنی ظرف مکان ہے، موضع امن، اَمْنًا کو مَامَنًا کے معنی میں لینے کی وجہ سے اَمْنًا کا اَلْبَیْت پر حمل بھی درست ہو گیا ورنہ مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا تھا۔

قولہ: وَکَانَ الرجل یَلْقی الخ یہ اغارات وغیرہ سے امن کے معنی کا بیان ہے۔

قولہ: وَاتَّخِذُوْا اس کا عطف جعلنا پر ہے، اور یہ قول محذوف کا مقولہ ہے ای قلنا لھم اتخذوا مِن مقام ابراھیمَ مصلّٰی.

قولہ: بفتح الخاء خبرٌ اس کا عطف بھی جَعَلْنَا پر ہے، یہ بیان حال کے لئے ہے، یعنی لوگوں نے اس کو اپنا مصلّٰی بنالیا۔

قولہ: اَمَرْنَاھُمَا، عَھِدْنَا کی تفسیر اَمَرْنَا سے کر کے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال: عَھِدَ کا صلہ جب الٰی آتا ہے تو اس کے معنی توصیة کے ہوتے ہیں جو ذات باری کے مناسب نہیں ہیں۔

جواب: عَھِدْنَا بمعنی اَمَرْنَا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: بِاَنْ اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ، فعل امر پر بیان ماموربہ کے لئے داخل ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ سابق میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بنی اسرائیل اولادِ یعقوب کو کہا جاتا ہے، ماقبل میں بنی اسرائیل کی ایک طویل فردِ جرم شمار کرانے اور ان کی موجودہ حالت جو نزول قرآن کے وقت تھی بے کم وکاست بیان کرنے کے بعد ان کو بتایا جارہا ہے کہ تم ہماری ان نعمتوں کی انتہائی ناقدری کر چکے ہو جو ہم نے تم کو عطا کی تھیں، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصب امامت کا حق ادا نہیں کیا بلکہ خود بھی حق وراستی سے پھر گئے، اور اب ایک نہایت قلیل عنصر صالح کے سوا تمہاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

اور اب یہ بتایا جارہا ہے کہ امامت اور پیشوائی کسی نسل یا قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس سچی اطاعت وفرماں برداری کا پھل ہے، جس میں ہمارے اس بندے (ابراہیم) نے اپنی ہستی کو گم کردیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقہ پر خود چلیں اور دنیا کو اس پر چلانے کی خدمت انجام دیں، چونکہ اے بنی اسرائیل! تم اس طریقہ سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے ہو، لہٰذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اسی کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی کہ اب ہم نے نسل ابراہیم کی دوسری شاخ بنی اسماعیل میں وہ رسول پیدا کیا کہ جس کے لئے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی، لہٰذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں، جو اس رسول کی پیروی کریں گے۔

تبدیلی امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویل قبلہ کا اعلان بھی ضروری تھا، جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا، بیت المقدس مرکز دعوت رہا اور وہی قبلۂ اہل حق بھی رہا، مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کردیئے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت خود بخود ختم ہوگئی، لہٰذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دین الٰہی کا مرکز ہے جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے اور چونکہ ابتداء میں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا، اس لئے اہل کتاب اور مشرکین کسی کے لئے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہنچتا ہے، ہٹ دھرمی کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعراض کئے چلے جارہے ہیں۔

امت محمد ﷺ کی امامت اور کعبے کی مرکزیت کا اعلان کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انیسویں رکوع سے آخر سورت تک مسلسل اس امت کو ہدایات دی ہیں جن پر انہیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آزمائش:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ (الآیة) قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن سے گذر کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں بنی نوع انسان کا امام بنادیا

جائے، جس وقت سے حق ان پر منکشف ہوا اس وقت سے لے کر دم واپسیں تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی، دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو۔

حسن نے کہا: حضرت ابراہیم کو سات چیزوں کے ذریعہ آزمایا گیا ① کواکب ② قمر ③ شمس ④ ہجرت ⑤ ذبح ولد ⑥ ختنہ ⑦ نمرود کی آگ، اور بعض حضرات نے تیس کی تعداد شمار کرائی ہے۔ (مظہری) یہ وہ تمام آزمائشیں ہیں جن سے حضرت ابراہیم گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب وکامران رہے، جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کئے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں یہودی اور عیسائی حتی کہ مشرکین عرب سب ہی میں انکی شخصیت محترم اور پیشوا مانی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اعلانِ امامت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن آزمائشوں سے گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب وکامران رہے جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، ارشاد ہوا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواہش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی میری ذریت میں بھی یہ منصب عطا ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو قبول فرمایا، جس کا ذکر سورۂ عنکبوت آیت ۲۷، میں اس طرح فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں رکھ دی، اس کے ساتھ ہی خبردار کر دیا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں سے نہیں ہے، اس سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ اتنی قدر ومنزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے جو نا خلف اور ظالم ومشرک ہوں گے ان سے میرا کوئی وعدہ نہیں ہے، اور یہ بتا دیا کہ اگر ایمان اور عمل صالح نہیں ہے تو پیغمبر زادگی اور پیرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہ الٰہی میں کوئی حیثیت نہیں، نبی ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ بَطَأَ عَمَلُهٗ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (صحیح مسلم) جس کو اس کے عمل نے پیچھے چھوڑ دیا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بزرگ اور قابل صد احترام ہیں بلکہ یہود اور نصاریٰ حتی کہ مشرکین عرب کے نزدیک بھی جلیل القدر ہیں، تورات میں آپ کا نام ابرام اور ابراہیم آیا ہے، سریانی زبان میں ابراہیم کے معنی مہربان باپ کے ہیں جسے عربی میں اَبٌ رَحِیْمٌ کہا جاتا ہے، تورات کی روایت کے مطابق آپ اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دس پشتوں کا فاصلہ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہویں پشت میں تھے، لیکن خود تورات کے

شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بناء پر یہ ہے کہ توارت میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا سن ولادت:

آپ کا سن ولادت سر چارلس مارٹن محقق اثریات کی جدید تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے، اور عمر شریف تورات کے بیان کے مطابق ۱۷۵ رسال ہے اس حساب سے آپ کا سال وفات ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے، والد کا نام تارخ تھا، عربی زبان میں اس کا تلفظ آزر ہے، قرآن میں بھی آزر استعمال ہوا ہے، قدیم زبانوں میں نام کا تلفظ چونکہ مختلف طریقہ سے ہوتا تھا اس لئے نام میں اختلاف ہے، مسلمانوں کے لئے قرآنی نام آزر کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا وطن:

آپ کا آبائی وطن بابل یا کلدانیہ ہے (انگریزی تلفظ کالڈیا ہے) جدید جغرافیہ میں اسی کو عراق کہتے ہیں، جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں اُر (UR) آیا ہے، مدتوں سے یہ شہر نقشہ سے غائب تھا اب کھدائی کے بعد از سر نو نمودار ہوا ہے، کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی ۱۹۹۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیق مہم برٹش میوزیم اور پنسیلو ینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال جاری رہا، رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق سرکار کے محکمہ آثار قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں شامل کر کے ان کھنڈرات کو محفوظ کر دیا ہے، یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت سے جو بیت اللہ کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہیں، ایک مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ اور دوسرے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ (یعنی) مرکز، دوسری خصوصیت امن کی جگہ یعنی یہاں کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی حدود حرم میں کسی دشمنِ جان سے بھی انتقام نہیں لیتے تھے، اسلام نے ان کے اس احترام کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کر دی حتی کہ حرم میں خود رَو گھاس وغیرہ بھی اکھاڑنا ممنوع قرار دیدیا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام تعمیر کعبہ کرتے تھے، اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قدموں کے نشانات ہیں، اب اس پتھر کو شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں یہ نماز واجب ہے اور شافعیہ کے یہاں سنت۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام واسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے گھر کو پاک رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس

پاکی سے کیا مراد ہے؟ ابن جریر کہتے ہیں (هو تطهيرهُ مِنَ الاَصْنَامِ وعبَادَةِ الاَوثَان فيه ومن الشرك بالله) یعنی تطہیر سے مراد بتوں اور بت پرستی سے پاک کرنا ہے، حقیقت میں تو معنوی اعتقادی نجاست سے پاکی کا حکم ہے، ضمناً ظاہری طہارت کا حکم بھی اس میں داخل ہے، طَهِّرَا بَيْتِیَ میں بیت سے اگرچہ بیت اللہ (کعبہ) مراد ہے مگر اس سے ہر مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔

دَخَلَ فيه بالمعنى جميع بيوته تعالىٰ (قرطبی) اَنْ طَهِّرَا میں اَنْ تفسیر یہ ہے یعنی بمعنی اے۔

وَ اذكر **اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ** الاُسسَ اَو الجُدرَ **مِنَ الْبَيْتِ** يَبْنِيهِ مُتعَلِّقٌ بِيَرفَعُ **وَاِسْمٰعِيْلُ** عَطفٌ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ يَقُولَانِ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا** بناءَ نَا **اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلقولِ **الْعَلِيْمُ**﴿۱۲۷﴾ بالفعلِ **رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ** مُنقَادَينِ **لَكَ وَ** اجْعَلْ **مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ** اولادِنَا **اُمَّةً** جماعةً **مُّسْلِمَةً لَّكَ** وَمِنْ لِلتَّبعِيضِ وَاَتَى بِهِ لِتَقَدُّمِ قَولِهِ لا ينال عهدى الظّلمين **وَاَرِنَا** عَلِّمنَا **مَنَاسِكَنَا** شَرائعَ عبادتِنَا او حَجِّنَا **وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۲۸﴾ سألاهُ التَّوبَةَ مَعَ عِصْمَتِهِما تواضُعًا وتعليمًا لِذُرِّيَّتِهِما **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ** اى اهلِ البَيتِ **رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** مِن اَنْفُسِهِم وقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ** القراٰنَ **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** القراٰنَ **وَالْحِكْمَةَ** ما فيه مِنَ الاحكام **وَيُزَكِّيْهِمْ** يُطَهِّرُهُم مِنَ الشِّركِ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ** الغالبُ **الْحَكِيْمُ**﴿۱۲۹﴾ فى صُنعِهِ.

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر کی بنیادیں یا دیواریں اٹھا رہے تھے یعنی اس کی تعمیر کر رہے تھے مِنَ الْبَيْت، يَرْفَعُ کے متعلق ہے، اور اِسْمَاعِيْلُ کا عطف اِبْرَاهِيْمُ پر ہے، دونوں دعاء کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری طرف سے اس تعمیر کو قبول فرما تو باتوں کا سننے والا اور کاموں کا جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت اٹھا کہ جو تیری فرمانبردار ہو، اور مِنْ تبعیضیہ ہے، اور سابق میں لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ آجانے کی وجہ سے مِنْ تبعیضیہ لائے ہیں، اور تو ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، یعنی ہماری عبادت کے احکام، یا ہمیں ہمارے حج کا طریقہ سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، بے شک تو بڑا معاف کرنے والا ہے، دونوں کے معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا سوال کرنا تواضعاً اور اپنی ذریت کی تعلیم کے لئے تھا، اے ہمارے پروردگار! ان میں یعنی اہل بیت میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی شکل میں ان کی دعا قبول فرمالی، جو انہیں تیری آیات قرآنی سکھائے اور انہیں کتاب قرآن وحکمت جس میں احکام ہوں سکھائے اور انہیں شرک سے پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: عطف علی ابراهیم یہ عبارت اس شبہ کا دفعیہ ہے کہ واسمٰعیل جملہ مستانفہ ہے، اس لئے کہ اگر اسمٰعیل کا ابراہیم پر عطف ہوتا تو اسمٰعیلُ کو اَلْقَوَاعِدَ مفعول سے مقدم کرتے۔

جواب: اسمٰعیل کو اس لئے مؤخر کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں بانی نہیں ہیں بلکہ معاون ہیں، بانی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، لیکن چونکہ تعمیر اور بناء میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی حصہ تھا اس لئے اصل بانی پر معاون کا عطف کردیا۔

قولہ: یَقُوْلَانِ، یقولان کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِبْرَاهِیمَ واسمٰعِیلَ سے حال واقع ہے، حالانکہ حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا دعا ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے، اور جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہوسکتا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے یقولان محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ جملہ خبریہ ہوگیا، لہٰذا حال واقع ہونا صحیح ہوگیا، یَقُوْلَانِ مقدر ماننے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یَقُوْلَانِ مقدر نہ مانیں تو خطاب واحد میں شئی واحد کا بغیر عطف کے غائب ومتکلم ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ یَرْفَعُ ابراهیمُ القواعدَ الخ غائب ہے، اور رَبَّنَا تَقَبَّلْ الخ متکلم ہے، اور جب یَقُوْلَانِ مقدر مان لیا تو دونوں جملے غائب ہوگئے۔

قولہ: ومِنْ للتبعیض، وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا میں مِنْ کو تبعیضیہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ وعدۂ امامت پوری ذریت سے نہیں بلکہ صرف ان سے ہے جو مومن اور صالح ہوں گے، اگر مِنْ کو تبعیضیہ نہ مانا جائے تو لاینالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ اور وَمِنْ ذریتنا میں تعارض ہوگا، اس لئے کہ مِنْ ذریتنا کا مطلب ہے بغیر استثناء پوری ذریت کے لئے امامت کی دعاء فرمائی۔

سوال: مِنْ ذُرِّیَّتِنَا میں من تبعیضیہ لینے کی صورت میں دعاء میں بخل لازم آتا ہے، یعنی سب کے لئے دعا نہیں کی بلکہ بعض کے لئے دعا کی۔

جواب: مِنْ کو ابتدائیہ لینا چونکہ ماقبل میں مذکور لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کے معارض ومنافی ہے، اس لئے مِنْ کو تبعیضیہ لیا ہے۔

سوال: اَرِنَا یہ رَاٰی سے ماخوذ ہے، جو متعدی بدو مفعول ہے اور جب باب افعال سے لایا گیا تو متعدی بسہ مفعول ہوگیا حالانکہ یہاں صرف دو مفعول ہی مذکور ہیں، ایک نا اور دوسرا مَنَاسِكَ۔

جواب: اَرٰی بمعنیٰ عَلِمَ وَاَبْصَرَ ہے، جو متعدی بیک مفعول ہے، باب افعال میں آنے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہوگیا۔

قولہ: سألاه التوبةَ الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا توبہ قبول کرنے کی درخواست کرنا یہ ان کی معصومیت کے خلاف ہے، حالانکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔

جَوَاب: تواضعاً اور تعلیماً لِلامَّةِ توبہ کی درخواست کی۔

قَوْلَہُ: اهل البیت اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ وابعث فیهم میں هم ضمیر ذریة کی طرف راجع ہے، حالانکہ ذریة مؤنث ہے، لہٰذا فیها ہونا چاہئے۔

جَوَاب: ذریة سے مراد اهل البیت ہیں جو کہ ذریة سے مفہوم ہیں، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر وتشریح

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ یعنی ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری یہ تعمیری خدمت قبول فرما، تو سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم (جماعت) اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور خود اسی قوم میں سے ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے تو بڑا قادر وحکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی یہ آخری دعا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی، اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا میں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ (فتح الربانی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد یہ قول ہے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ اور والدہ کے خواب سے وہ خواب مراد ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس نے ملک شام کے محلات کو جگمگادیا۔

البیت العتیق:

عبادت خانوں میں قدیم ترین بلکہ سب سے قدیم کعبۃ اللہ ہے، اس کا دوسرا نام البیت العتیق بھی ہے، جب البَیْت مطلق بولا جاتا ہے تو خانہ کعبہ ہی مراد ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جس طرح الکتاب سے قرآن اور النبی سے محمد ﷺ مراد ہوتے ہیں۔

قابل غور بات:

یہاں یَرْفَعُ کا لفظ استعمال کیا گیا یُؤَسِّسُ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس کا مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ سابقہ رکھی ہوئی بنیاد کو اٹھایا، بنیاد تو غالبًا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے اپنے زمانہ میں رکھی تھی، مسیحیوں کو قدامت کعبہ سے جو ضد اور کد ہے وہ ظاہر ہے، خانہ کعبہ کی قدامت کے خلاف زبان وقلم سے ہر امکانی کوشش کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔

بعض حق گو محققین کی شہادت:

ضد اور تعصب کی تاریکیوں میں بعض اوقات راست گوئی اور حق پسندی کی روشنی نمودار ہو کر ضد وتعصب کی ظلمت کے دامن کو تار تار کر کے مینارۂ نور کھڑا کر دیتی ہے، مخالفوں اور دشمنوں کی شہادت زیادہ وزنی ہوا کرتی ہے، سنئے! جارج سیل (SALE) مترجم قرآن اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''مکہ جسے بکہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں، یقینًا دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، اور بعض کی رائے میں توریت کے (شہر) میسا سے یہی مراد ہے''

پھر وہی آگے لکھتا ہے:

''مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد ﷺ سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا ہے''

باسورتھ اسمتھ اپنے لکچرز ان محمد اینڈ محمڈن ازم میں لکھتا ہے:

''بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات اسماعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے بلکہ شیث وآدم علیہما السلام تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ نے تعمیر کیا ہے۔ (ماجدی)

سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:

''مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے عرب کا مرکز چلا آتا ہے، جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلم ہو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے۔ (ماجدی)

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ دعاء ابراہیمی واسماعیلی ابھی چل رہی ہے، جس میں عرض کیا جارہا کہ اے پروردگار! تو ہم دونوں کی نسل سے ایک امت مسلمہ پیدا فرما، اس کے معاً بعد مِنْهُمْ کا لفظ لاتے ہیں، اس سے کھلا اشارہ نسل اسماعیلی کی طرف ہے۔

رَسُوْلًا ایک تو صیغہ واحد کا، دوسرے تنوین، گویا کہ یہ اشارہ قریب بصراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا، متعدد نہ ہوں گے، چنانچہ حضرت اسماعیل کی نسل میں ایک ہی گوہر یتیم محمد ﷺ کی شکل میں مبعوث ہوا۔

یہود کا دعویٰ ہے اور نصاریٰ بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں، کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی یہ نیا پیغمبر بنی اسماعیل میں کیسے پیدا ہوگیا؟ لیکن ان ہی کی تورات باوجود ان کی تمام تحریفات کے اب تک شہادت ان کے دعوے کے خلاف دے رہی ہے، ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی بات کی طرف کان دھرو۔ (استثناء: ۱۸: ۱۵)

قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہیں نہ معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوتے رہے، جب کہ دعاء ایک نبی برپا کرنے کی فرمائی، اس کے علاوہ خود ''تیرے ہی بھائیوں میں'' سے اس کی تصریح بتارہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسماعیل ہیں، اگر اسرائیلی نبی کی خبر دینی مقصود ہوتی تو بجائے تیرے بھائیوں میں سے کے، عبارت ''تجھ ہی میں سے'' ہوتی، اب رہے تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں وغیرہ کے الفاظ تو یہ محض جذبہ انس اور موانست پیدا کرنے کے لئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اے میرے ہم قومو! جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا وہ بھی تمہارا غیر نہیں، تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔

اس کے دو ہی آیت بعد تورات میں بعینہ یہی مضمون براہِ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے، خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، میں ان کے لئے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء: ۱۸، ۱۸)

آپ ذرا غور کیجئے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے تمام آسمانی کتابوں میں اور کون ہے؟ دوسری کسی آسمانی کتاب کا کلام لفظی ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں اور نہ کوئی قائل، اس کے بعد لفظ ''تجھ سا'' پر غور کیجئے یعنی موسیٰ کے مانند ہونے کا مصداق تاریخ کی دنیا میں بجز ذات محمدی کے اور کون ہے؟

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے یعنی اللہ کا کلام پہنچانا، گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔

یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ رسول کا کام محض تبلیغ اور پیغام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ تبلیغ کے بعد تعلیم کا بھی ہے اس تعلیم میں کتاب کی شرح وترجمانی، تعمیم میں تخصیص اور تخصیص میں تعمیم سب داخل ہے اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کا منصب محض ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہے۔

وَالْحِكْمَةَ پھر رسول کا منصب صرف تعلیم کتاب ہی نہیں ہے بلکہ حکمت اور دانائی کی تلقین بھی منصب رسالت کے فرائض میں داخل ہے، احکام و مسائل دین کے قواعد اور آداب عوام و خواص سب کو سکھانا، یہی رسول کی ذمہ داری ہے، اور خواص کی رہنمائی اسرار و رموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہے۔

يُزَكِّيهِمْ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے، رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں ہے بلکہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے فرائض انجام دینا بھی ہے، گویا رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہے۔

وَمَنْ اى لا يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِمَ فيتركُها إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ جَهِلَ انها مخلوقةٌ لِلّٰهِ يجبُ عليها عِبادَتُهُ اواستخفَّ بها وامتهنَها وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ اخترناهُ فِي الدُّنْيَا بالرِّسالةِ والخُلَّةِ وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ الَّذِيْنَ لَهُمُ الدرجاتُ العلى واذكُرْ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ انقَدْ لِلّٰهِ وأَخلِصْ لهُ دِيْنَكَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى وفي قراءةٍ اوصى بِهَآ بالملةِ إِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ بَنِيهِ قَالَ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ دينَ الإسلامِ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ نَهيٌ عن تركِ الاسلامِ وأمرٌ بالثباتِ عليه الى مُصادفةِ الموتِ ولمّا قالَ اليهودُ للنبيِّ ألستَ تعلمُ أنّ يعقوبَ يومَ ماتَ اوصى بَنِيهِ باليَهُوديّةِ نَزَلَ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ حُضُورًا إِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ بدلٌ مِن اذ قبلَه قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ بَعْدَ مَوتِي قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ اٰبَآئِكَ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ عَدُّ إِسمٰعيلَ مِنَ الآباءِ تغليبٌ ولأنّ العمَّ بمنزلةِ الأبِ إِلٰهًا وَّاحِدًا بدلٌ مِن إِلٰهكَ وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ وأم بمعنى همزةِ الانكارِ اى لم تحضروهُ وقتَ موتِهِ فكيفَ تنسِبُون اليهِ مالا يليقُ به تِلْكَ مبتدأٌ والإشارةُ الى إبراهيمَ وبنيهِ وبنيها وأُنّثَ لتأنيثِ خبرِه أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ سَلَفَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ مِنَ العملِ اى جزاؤُهُ استينافٌ وَلَكُمْ الخطابُ لليهودِ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ كما لا يُسْأَلُوْنَ عن عملِكُم والجملةُ تاكيدٌ لِما قبلَها وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا او للتفصيلِ وقائلُ الأوّلِ يهودُ المدينةِ والثاني نصارى نجرانَ قُلْ لهم بَلْ نتّبعُ مِلَّةَ إِبْرٰهِمَ حَنِيْفًا حالٌ مِن ابراهيمَ مائلًا عنِ الأديانِ كلِّها الى الدينِ القيِّمِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْا خطابٌ للمؤمنين اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنَ القرآنِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرٰهِمَ مِنَ الصُّحُفِ العشرِ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ اولادِهِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى مِنَ التوراةِ وَعِيْسٰى مِنَ الإنجيلِ وَمَآ أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ مِنَ الكتبِ والآياتِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ فنؤمنُ ببعضٍ ونكفرُ ببعضٍ كاليهودِ والنصارى وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

تَرجَمہ: اور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو بے رغبتی کرے ملت ابراہیمی سے کہ اس کو ترک کردے مگر وہی جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا (یعنی بیوقوف شخص ہو) (اور) اس بات سے ناواقف ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے، اور یہ کہ اس پر اللہ کی عبادت واجب ہے، یا یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے نفس کی تحقیر کی ہے، اور اس کو ذلیل کر رکھا ہے، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی رسالت اور دوستی کے لئے منتخب کرلیا ہے، اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی ان صالحین میں ہوگا جن کے لئے مراتب عالیہ ہیں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس سے اس کے رب نے کہا سرتسلیم خم کردے یعنی اللہ کا فرمانبردار ہوجا اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر، تو اس نے فوراً ہی کہا میں نے رب العالمین کے سامنے سرتسلیم خم کردیا، اور اسی طریقے پر چلنے کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی اور ایک قراءت میں اَوْصٰی ہے، اور یعقوب نے (بھی) اپنے بیٹوں کو اسی کی وصیت کی، کہا: اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین اسلام پسند کیا ہے، لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا ترک اسلام سے منع فرمایا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا، اور جب یہود نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے روز اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی (تو یہ آیت) نازل ہوئی، کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام (اس دنیا سے) رخصت ہو رہے تھے، یہ اِذْ، سابقہ اِذْ سے بدل ہے، اس (یعقوب) نے (انتقال کے وقت) اپنے بچوں سے پوچھا تم میرے بعد یعنی میرے انتقال کے بعد کس کی بندگی کرو گے؟ جواب دیا: ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے، جو آپ کے آباء ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کا معبود ہے، اور اسماعیل علیہ السلام کو آباء میں شمار کرنا تغلیباً ہے، اور اس لئے بھی کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، اِلٰـھًا واحِداً، اِلٰھَكَ سے بدل ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، اور اَمْ بمعنی ہمزہ انکاری ہے، یعنی تم (یعقوب) کی موت کے وقت حاضر نہیں تھے، تو تم اس کی طرف ایسی بات کی نسبت کیوں کرتے ہو جو اس کی شایان شان نہیں ہے؟ وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی تِلْكَ مبتدا، اور اشارہ ابراہیم اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف ہے، اور (تلک) کو خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے مؤنث لائے ہیں، جو اعمال انہوں نے کئے ان کے لئے ہیں، یعنی اس کی جزاء ان کے لئے ہے یہ (جملہ) مستانفہ ہے اور جو تم کرو گے اس کی جزاء تم کو ملے گی، خطاب یہودیوں کو ہے ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ان سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جملہ ماقبل کی تاکید ہے، یہود کہتے ہیں یہودی ہوجاؤ، ہدایت پاجاؤ گے اور نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہوجاؤ ہدایت پاؤ گے، اَوْ تفصیل کے لئے ہے، اول (قول) کے قائل مدینہ کے یہود ہیں اور ثانی (قول) کے قائل نجران کے نصاریٰ ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کریں گے، جس میں کجی کا نام نہیں (حنیفاً) ابراہیم سے حال ہے، حال یہ کہ وہ تمام ادیان (باطلہ) سے دین مستقیم کی جانب مائل ہونے والے ہیں، اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے، کہو! یہ مومنین کو خطاب ہے

ہم تو اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے، قرآن (اس پر ایمان لائے) اور ان دس صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئے اور اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اسحٰق پر اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اس کی اولاد پر نازل ہوئے اور جو عطا کیا گیا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یعنی تورات اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یعنی انجیل اور جو کتابیں اور آیتیں ان کو عطا کی گئیں ان کے رب کی جانب سے (ایمان رکھتے ہیں) بایں طور کہ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے یہود و نصاریٰ کے مانند کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: وَمَنْ اى لا يَرْغَبُ. مَنْ استفہام انکاری مبتداء ہے، يَرْغَبُ خبر، اس کے اندر ضمیر ہے جو مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قِوْلَهُ: دين الاسلام اس میں اشارہ ہے کہ الدِّين میں الف لام عہد کا ہے اور دلیل فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہے۔

قِوْلَهُ: نهى عَن ترك الِاسلامِ اس سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سِوَال: فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ میں بظاہر موت سے نہی معلوم ہوتی ہے جو کہ بندہ کے اختیار میں نہیں۔

جَوَاب: موت سے نہی نہیں ہے بلکہ ترکِ اسلام سے نہی ہے اس لئے کہ جب مقید پر نفی داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے، اس لئے اگرچہ نہی موت پر داخل ہے اور مدخولِ نہی ہی مقصود عن النهى ہوتا ہے مگر چونکہ مدخول نہی اختیاری نہیں ہے اس لئے قید کی نہی مراد ہے۔

قِوْلَهُ: اَمَرَ بالثبات عليه اس عبارت سے یہ فائدہ ہے کہ نفس ایمان تو ان کو حاصل تھا، لہٰذا اس کے حاصل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، بلکہ اسلام پر دوام مراد ہے۔

قِوْلَهُ: بمنزلة الاب، اَلْعَمُّ صنوُ اَبيه. (الحديث)

قِوْلَهُ: والجملة تاكيد لما قبله یہ تکرار کے فائدہ کا بیان ہے۔

قِوْلَهُ: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصَارٰى، اَو تنویع مقال کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے، اس لئے کہ ہر فریق ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔

قِوْلَهُ: قائل الاول اليهود اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: کونوا هودًا اونصارى میں تناقض ہے، اللہ تعالیٰ کے قول ليست اليهود على شئ الخ سے۔

جَوَاب: کا ماحصل یہ ہے کہ دونوں کے قائل مختلف ہیں لہٰذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: حال من ابراهیم یعنی حنیفاً ابراہیم سے حال ہے، حالانکہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مضاف کی جگہ رکھنا درست ہو تو مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ ابراہیم کو ملة کی جگہ رکھنے کے بعد بھی مطلب صحیح رہتا ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ (س) رَغْبًا توقع کرنا، صلہ جب عَنْ ہو تو اعراض و بے رخی کرنا جیسا کہ یہاں مستعمل ہے، اور اگر صلہ الٰی یا فی ہو تو مائل ہونا، رغبت کرنا۔

روایت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے اپنے بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں ایک نبی مبعوث کرنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا، جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا وہ ملعون ہوگا، چنانچہ سلمہ ایمان لے آئے مگر مہاجر نے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (روح البیان)

یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرما رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے، اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ ملت ابراہیم سے اعراض و بے رخی بے وقوفوں ہی کا کام ہے، کسی عقلمند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرَاهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو اس دین کی وصیت فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے، اور دیگر مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئی ہے، مثلاً اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ یہود کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی، تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم موجود تھے تو کذب و زور ہے، اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ہوا، اس لئے کہ ان حضرات نے جو وصیت فرمائی وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وثنیت کی، تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقۂ کار میں کچھ اختلاف تھا، اسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: **اَلْاَنْبِیَاءُ اولادُ علّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی ودینهم واحد** (صحیح بخاری کتاب الانبیاء) انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، ان کی مائیں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور دین ایک ہے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی وصیت:

تلمود میں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی جو وصیت درج ہے وہ قرآن کے بیان سے مشابہ ہے، حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے وصیت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

خداوند! اپنے خدا کی بندگی کرتے رہنا، وہ تمہیں اسی طرح تمام آفات سے بچائے گا، جس طرح تمہارے آباء واجداد کو بچاتا رہا ہے، اپنے بچوں کو خدا سے محبت کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی تعلیم دینا تاکہ ان کی مہلت زندگی دراز ہو، کیونکہ خدا ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو حق کے ساتھ کام کرتے ہیں، اور اس کی راہوں پر ٹھیک چلتے ہیں، جواب میں ان کے لڑکوں نے کہا: جو کچھ آپ نے ہدایت فرمائی ہم اس کے مطابق عمل کریں گے، خدا ہمارے ساتھ ہو، تب یعقوب نے کہا: اگر تم خدا کی سیدھی راہ سے دائیں یا بائیں نہ مڑو گے تو خدا ضرور تمہارے ساتھ رہے گا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یعنی تم اگرچہ ان کی اولاد سہی مگر حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا نام لینے کا تمہیں کیا حق ہے جب تم ان کے راستہ سے پھر گئے؟ اللہ کے یہاں تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم خود کیا کرتے تھے، تمہیں اپنے انبیاء صالحین کی طرف نسبت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ ان ہی کو ملے گا تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی ملے گا جو کچھ تم کماؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے، اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى یہود مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو ہدایت ملت ابراہیمی کی پیروی میں ہے، جو حنیف تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا پرستار اور سب سے کٹ کر اس کی عبادت کرنے والا، اور وہ مشرک نہیں تھا جب کہ یہودیت اور عیسائیت میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔

قُوْلُوْآ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ (الآیة) یہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے یعنی کہ ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں ہے، ہمارا رشتہ اسماعیلی، اسرائیلی، ہر شریعت الٰہی سے بس اعتقادی وانقیادی ہے یعنی ایمان تو یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے جو کچھ ملا یا نازل ہوا سب پر ایمان لایا جائے کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ انبیاء کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا، البتہ عمل اب صرف قرآن پر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا تاریخی تعارف:

سابق میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا اسم گرامی بھی چونکہ آیا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کچھ تاریخی تعارف بھی ہو جائے، عیسیٰ ابن مریم بجائے والد کے والدہ کی طرف منسوب ہیں، بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں آپ پر اسرائیلی رسالت ونبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ولادت شام کے صوبہ (یہودیہ) کے قصبہ بیت اللحم یا بیت المقدس میں شام کے حاکم ہیرود کے زمانہ میں ہوئی شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا، سال ولادت اغلباً ۴ ق م ہے، یہ بات سننے میں بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوگی لیکن اس پر حیرت نہ کیجئے اس لئے کہ سن عیسوی جو اس وقت رائج ہے خود اس تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی ہے اور اس کا پتہ بعد میں چلا چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کی ولادت کا سال نہیں بلکہ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سن شروع ہوا، آپ کی عمر جب غالباً تینتیس (۳۳) سال تھی تو سن عیسوی ۳۰ تھا، کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد اور خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا اور سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا وہاں سے سزائے موت کا (بذریعہ صلیب) حکم صادر ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

فَإِنْ آمَنُوا ای الیہود والنصاری **بِمِثْلِ** مثل زائدۃ **مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا** عن الایمان بہ **فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ** خلافٍ معکم **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ** یا محمد شقاقہم **وَهُوَ السَّمِيعُ** لاقوالہم **الْعَلِيمُ** ﴿۱۳۷﴾ باحوالہم وقد کفاہ اللہ ایاہم بقتلِ قریظۃ ونفیِ النضیر وضرب الجزیۃ علیہم **صِبْغَةَ اللَّهِ** مصدرٌ مؤکدٌ لآمنا ونصبہٗ بفعلٍ مقدرٍ ای صبغنا اللہ والمرادُ بہا دینہُ الذی فطر الناس علیہ لظہور اثرہ علی صاحبہ کالصبغ فی الثوب **وَمَنْ** ای لا احد **أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً** تمییزٌ **وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ** ﴿۱۳۸﴾ قال الیہود للمسلمین نحن اہلُ الکتاب الاول وقبلتنا اقدمُ ولم یکن الانبیاءُ من العرب ولو کان محمد نبیًا لکان منا فنزل **قُلْ** لہم **أَتُحَاجُّونَنَا** تخاصموننا **فِي اللَّهِ** ان اصطفی نبیًا من العرب **وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** فلہٗ ان یصطفی من عبادہٖ من یشاءُ **وَلَنَا أَعْمَالُنَا** نجازی **وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ** تجازون بہا فلا یبعُدُ ان یکون فی اعمالنا ما نستحقُّ بہ الاکرام **وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ** ﴿۱۳۹﴾ الدین والعمل دونکم فنحنُ اولی بالاصطفاءِ والہمزۃُ للانکار والجُملُ الثلثُ احوالٌ **أَمْ** بل **تَقُولُونَ** بالیاء والتاء **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ** لہم **أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ** ای اللہ اعلمُ وقد برّأ منہما ابرہیم بقولہ ما کان ابراہیم یہودیًا ولا نصرانیًا والمذکورون معہٗ تبعٌ لہم **وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ** اخفی من الناس **شَهَادَةً عِنْدَهُ** کائنۃً **مِنَ اللَّهِ** ای لا احد اظلم منہ وہم الیہودُ کتموا شہادۃ اللہ فی التورٰۃ لابرہیم بالحنیفیۃ **وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ** ﴿۱۴۰﴾ تہدیدٌ لہم **تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ﴿۱۴۱﴾ تقدم مثلہ.

ترجمہ: سو اگر وہ یعنی یہود و نصاریٰ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوں گے

(لفظ) مثل زائدہ ہے اور اگر وہ اس پر ایمان لانے سے روگردانی کریں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں یعنی تمہاری مخالفت میں، لہٰذا اطمینان رکھو، اے محمد ﷺ! ان کی دشمنی میں اللہ عنقریب آپ کی کفایت کرے گا، وہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے حالات کو جاننے والا ہے، اور اللہ ان کے لئے کافی ہو گیا، بنی قریظہ کو قتل کرکے اور بنی نضیر کو جلاوطن کرکے اور ان پر جزیہ عائد کرکے اللہ کا رنگ اختیار کرو (صِبْغَةَ اللّٰہِ) مصدر ہے آمَنَّا کی تاکید کے لئے اور اس کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے، ای صَبَغَنَا اللّٰہُ صبغۃً اور مراد اس سے اللہ کا وہ دین ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا فرمایا، دین کے اثر کے دیندار پر ظاہر ہونے کی وجہ سے جیسا کہ رنگ (کا اثر) کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ زیادہ اچھا ہوگا؟ صیغہ تمیز ہے، ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں (جب) یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم اول اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبلہ سب سے اول قبلہ ہے اور عرب میں انبیاء نہیں ہوئے، اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو ہم میں سے ہوتے، تو آئندہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، اس وجہ سے کہ اس نے عرب میں سے نبی منتخب کرلیا، حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے منتخب کرے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں جن کی ہمیں جزا دیجائے گی اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں جن کی جزا تم کو دی جائے گی، لہٰذا یہ بعید نہیں کہ ہمارے اعمال میں ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے ہم اکرام کے مستحق ہوں، ہم تو اسی کے لئے دین وعمل کو خالص کرچکے ہیں، نہ کہ تم، لہٰذا انتخاب کے لئے ہم زیادہ اولیٰ ہیں، اور (اَتُحَاجُّوْنَنَا) میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے، اور تینوں جملے حال ہیں کیا تم کہتے ہو (یقولون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہود ونصاریٰ تھے، ان سے کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ یعنی اللہ زیادہ جاننے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی یہودیت اور نصرانیت دونوں سے براءت ظاہر فرمادی، اپنے قول مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا سے اور ان کے ساتھ جو حضرات مذکور ہیں وہ تو (ابراہیم) کے تابع ہیں، اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کے نزدیک ثابت شدہ شہادت کو لوگوں سے چھپایا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اور وہ یہود ہیں کہ انہوں نے تورات میں ابراہیم کے حنیفی ہونے کی شہادت کو چھپایا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے، یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے ہے تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہ ہوگا، ایسی ہی آیت اوپر گذر چکی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: مِثْل زائدہ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مسلمان اللہ پر ایمان لائے، اب یہود ونصاریٰ سے کہا جارہا ہے ''اگر وہ اس کے مثل پر ایمان لائیں جس پر مسلمان ایمان لائے ہیں'' تو اس سے تو اللہ کا مثل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے۔

جَوَابٌ: لفظ مثل زائد ہے، اس جواب کی شہادت وہ قراءت بھی دے رہی ہے جس میں بـمثـل مَا آمَنْتُمْ کے بجائے بِـمَا آمَنْتُمْ بِهٖ ہے۔ (ترویح)

قَوْلُهٗ: مؤكِّدٌ لِآمَنَّا، صِبغةً فعل مقدر کا مصدر ہے اور آمَـنَّا باللّٰهِ ومَا أُنْزِلَ الخ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے، اس لئے کہ مذکورہ جملہ میں دوسرے مضمون کا احتمال ہی نہیں ہے اسی وجہ سے اس کے عامل کو حذف کردیا گیا ہے، صبغة اللّٰه اصل میں صَبَغَنَا اللّٰهُ صِبْغَةً، تھا صِبْغَةَ اللّٰهِ میں حرف عطف کو ترک کرکے اشارہ کردیا کہ صَبَغَنَا اللّٰه اور آمَنَّا کا مدلول ایک ہی ہے جس سے تاکید کا مفہوم ظاہر ہے۔

قَوْلُهٗ: دونکم میں اشارہ ہے کہ نحن لهٗ مخلِصُونَ میں مسندالیہ کی تقدیم حصر کے لئے ہے۔

قَوْلُهٗ: والھمزة للانکار۔ یعنی اَتُحَاجُّوْنَ، میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اس سے اس کا جواب ہوگیا کہ استفہام اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: والجُمَلُ الثَّلٰثُ احوال اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: واؤ میں اصل عطف ہے لہٰذا مذکورہ تینوں جملوں میں واؤ عاطفہ ہوگا، اور معطوف علیہ اَتُحاجُّونَ ہے جو کہ جملہ انشائیہ ہے اور یہ تینوں جملے خبریہ ہیں، لہٰذا جملہ خبریہ کا عطف انشائیہ پر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: واؤ عطف کے لئے وہاں اصل ہوتا ہے جہاں عطف سے کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف کا لازم آنا ہے، لہٰذا یہاں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

فَإِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے کہ اگر یہ یہود و نصاریٰ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے، اور اگر وہ ضد اور عناد میں منہ موڑ لیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی کفایت و حمایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند ہی سالوں میں یہ وعدہ پورا ہوا اور بنوقینقاع اور بنونضیر کو جلاوطن کردیا گیا اور بنوقریظہ قتل کردیئے گئے۔

واقعہ:

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت کے وقت جو مصحف ان کی گود میں تھا جس کی وہ تلاوت فرما رہے تھے آپ کے خونِ ناحق کے دھبے جس آیت پر گرے وہ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ مصحف آج تک ترکی میں محفوظ ہے۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں، ہم خود ان سے

نمٹ لیں گے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمادیا، کہ آپ مخالفین کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں دین اسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر کے کہا گیا تھا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اس جگہ دین کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بتلادیا کہ دین درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی پیغمبر کی طرف اس کی نسبت مجازاً کردی جاتی ہے اور اس جگہ ملت کو صبغۃ کے لفظ سے تعبیر کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کردیا اول تو نصاریٰ کی تردید ہوگئی نصاریٰ کے یہاں ایک ضروری رسم یہ تھی کہ بچہ کو پیدائش کے ساتویں روز ایک زرد رنگ کے پانی میں نہلاتے تھے اور ختنہ کے بجائے اسی نہلانے کو بچہ کی طہارت اور دین نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے، نصرانیوں کی اصطلاح میں اس رسم کو ''بپتسمہ'' کہتے ہیں، اس آیت نے بتلادیا کہ یہ پانی کا رنگ دھل کر ختم ہوجاتا ہے اس کا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا، اصل رنگ تو دین اور ایمان کا ہے جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی کی ضمانت ہے، اور پائدار بھی، دوسرے دین کو رنگ فرما کر اس کی طرف اشارہ ہوگیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے ایمان کی علامت اس کے چہرہ بشرہ اور تمام حرکات وسکنات ومعاملات سے ظاہر ہونی چاہئے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ کے دو ترجمے ہوسکتے ہیں اول یہ کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کرلیا، دوسرا یہ کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً الخ یہ خطاب دراصل ان علماء یہود کو ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے کہ یہودیت اور عیسائیت اپنی موجودہ خصوصیات کے ساتھ بہت بعد میں پیدا ہوئی مگر اس کے باوجود وہ حق کو اپنے ہی فرقوں میں محدود سمجھتے تھے، نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم فاضل موجود تھے ان سب کو چیلنج دیکر ایک امی کی زبان سے کہلایا جارہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر صداقتوں کا گلا گھونٹ کر کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں جس کی تفصیل گذر چکی ہے وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی امی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ یہ آیت ابھی گذر چکی ہے اس کو مکرر لانے کی وجہ یہود کے ایک زعم باطل کی نفی کرنی ہے کہ ہمارے اعمال وعقائد خواہ کتنے ہی برے ہوں مگر ہماری پیغمبر زادگی اور ان سے ربط وتعلق کی وجہ سے ہمارے آباء واجداد ہم کو ضرور بخشوا لیں گے، اسی بیہودہ خیال کی تردید کے لئے اس آیت کو دوبارہ لایا گیا ہے۔



سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الجہال مِنَ النَّاسِ ای الیہود والمشرکین مَاوَلّٰهُمْ ای شیء صرف النبیَّ والمؤمنین عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا على استقبالها فی الصلوة وہی بیت المقدس والاتیان بالسین الدالة على الاستقبال من الاخبار بالغیب قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ای الجہات کلها فیأمر بالتوجه الی ای جهة شاء لا اعتراض علیه یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ہدایته اِلٰی صِرَاطٍ طریق مُّسْتَقِیْمٍ دین الاسلام ای ومنهم انتم دل على ہذا وَكَذٰلِكَ كما ہدیناكم الیه جَعَلْنٰكُمْ یا امة محمد اُمَّةً وَّسَطًا خیارًا عدولًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ یوم القیمة ان رسلهم بلغتهم وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا انه بلغكم وَمَا جَعَلْنَا صیّرنا الْقِبْلَةَ لك الآن الجهة الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَآ اولًا وہی الكعبة وكان صلى الله علیه وسلم یصلی الیها فلما ہاجر امر باستقبال بیت المقدس تألفا للیہود فصلى الیه ستة او سبعة عشر شهرًا ثم حوّل اِلَّا لِنَعْلَمَ علم ظهور مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ فیصدقه مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ای یرجع الی الكفر شكًا فی الدین وظنًا ان النبیَّ فی حیرة من امره وقد ارتد لذلك جماعة وَاِنْ مخففة من الثقیلة واسمها محذوف ای وانها كَانَتْ ای التولیة الیها لَكَبِیْرَةً شاقة على الناس اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ منهم وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ای صلاتكم الی بیت المقدس بل یثیبكم علیه لان سبب نزولها السؤال عمن مات قبل التحویل اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ المؤمنین لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾ فی عدم اضاعة اعمالهم والرأفة شدة الرحمة وقدّم الابلغ للفاصلة.

ترجمہ: نادان جاہل لوگ یعنی یہود و مشرکین عنقریب کہیں گے کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو؟ یعنی نبی اور مومنین کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے یعنی نماز میں اب تک جس قبلہ کی طرف رخ کرتے تھے اور وہ بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کو لانا اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اور کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے، یعنی تمام جہات اسی کی ملک ہیں، لہٰذا اس کو حق ہے کہ جس جہت کی جانب چاہے رخ کرنے کا حکم دے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں، وہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کو سیدھی (یعنی) دین اسلام کی راہ دکھا دیتا ہے اور ان میں (اے مومنو!) تم بھی ہو جن کو راہ مستقیم دکھائی، اور ہم نے اسی طرح جس طرح تم کو راہ مستقیم دکھائی، اے امت محمد ﷺ! تم کو خیر امت یعنی معتدل امت (بھی) بنایا تاکہ تم لوگوں کے لئے قیامت کے دن گواہ ہو، اس بات پر کہ ان کے رسولوں نے ان کو پیغام پہنچا دیا اور رسول تمہارے لئے گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا، جس سمت قبلہ پر تم پہلے تھے اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی دل جوئی کے لئے بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس کی طرف رخ کرکے سولہ یا سترہ مہینہ نماز پڑھی پھر (یہ حکم) تبدیل کر دیا گیا، اس کو ہم

نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تا کہ ہم علم ظہور کے طور پر ظاہر کر دیں کہ رسول کی کون اتباع کرتا ہے؟ (یعنی) اس کی تصدیق کرتا ہے، اور کون ہے، جو الٹا پھر جاتا ہے؟ یعنی دین میں شک کرتے ہوئے، اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ نبی قبلہ کے معاملہ میں مذبذب ہے، اور اسی وجہ سے ایک جماعت مرتد ہوگئی، گو تبدیل قبلہ کا یہ کام مشکل ہے یعنی لوگوں پر شاق ہے اِنْ مخففة عن المثقلة ہے، اور اس کا اسم محذوف ہے، (دراصل) وَاِنَّهَا تھا، مگر ان میں سے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا یعنی بیت المقدس کی جانب پڑھی ہوئی نماز کو (ضائع نہ کرے گا) بلکہ اس پر تم کو اجر دے گا، اس لئے کہ اس کا سبب نزول، ان لوگوں کے بارے میں سوال تھا جو تحویل قبلہ سے پہلے مر گئے، اللہ لوگوں مومنوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے، ان کے اعمال کو ضائع نہ کرے گا، اور رأفة شدتِ رحمت کو کہتے ہیں ابلغ (یعنی رؤف) کو فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: سُفَهَاءُ (واحد) سَفِيْهٌ بیوقوف، نادان، احمق، جاہل، (س)۔

قِوْلَہٗ: مَاوَلّٰهُمْ، مَا استفہامیہ مبتداء وَلّٰهُمْ خبر، وَلّٰی تَوْلِيَةً (تفعیل) پیٹھ پھیرنا، منہ موڑنا۔

قِوْلَہٗ: مِنَ النَّاسِ، سُفَهَاء سے حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے عامل سيقول ہے، یہ حال مبینہ ہے، یعنی دوسروں سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے اس لئے کہ سفاہت کے ساتھ جس طرح انسان متصف ہوتا ہے، غیر انسان بھی متصف ہوتا ہے حتی کہ غیر حیوان بھی متصف ہوتا ہے، گدھے کی بے وقوفی تو زبان زد عام و خاص ہے جماد کی جانب بھی سفہ کی نسبت کی جاتی ہے، بَقَلَةُ الحمقاء بے وقوف دانہ، خرفہ کو کہتے ہیں، خرفہ ایک دانہ ہے دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اس کو بے وقوف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی پر بہتے ہوئے بھی اُگ آتا ہے جب کہ سیلاب میں بہنے کے وقت بے اطمینانی کی کیفیت ہوتی ہے، ایسی حالت میں اس کا برگ و بار نکالنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی مسافر حالت سفر میں اپنا مکان بنانا شروع کر دے، اور خرف (س، ک) خرفًا بڑھاپے کی وجہ سے عقل کا فاسد ہو جانا۔

قِوْلَہٗ: قِبلة بروزن جلسة بیان حالت کے لئے ہے، جیسے جلستُ جِلسةَ القاری، میں قاری کی طرح بیٹھا قِبْلَةً استقبال کی حالت کو کہتے ہیں عرف شرع میں نماز میں قبلہ کی جانب رخ کو کہتے ہیں، قبلة، جعلنا کا مفعول اول ہے اور التی کنت عَلیهَا تقدیر موصوف کے ساتھ مفعول ثانی ہے، تقدیر یہ ہے الجهة التی کنت علیها۔

قِوْلَہٗ: علی عقِبَیهِ اس کا واحد عقبٌ ایڑھی کو کہتے ہیں، مراد انقلاب علی عقبیہ سے حق سے باطل کی طرف پلٹ جانا، مرتد ہو جانا۔

قِوْلَہٗ: لِاَنَّ سبب نُزُولِهَا السوال الخ اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کیوں کی؟

جَوَاب: یہود کی جانب سے چونکہ سوال نماز ہی کے بارے میں تھا اس لئے ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کی ہے۔

قَوْلَهُ: وقُدّم الا بلغ للفاصلة یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: عام طور پر ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہوتی ہے نہ کہ بالعکس، جیسے کہتے ہیں عالمٌ نحریرٌ، نحریرٌ عالمٌ نہیں کہتے، اسی قاعدے کے مطابق یہاں رحیمٌ رؤف کہنا چاہئے تھا۔

جَوَاب: فواصل کی رعایت کے لئے پورے قرآن میں ایسا کیا گیا ہے، اگرچہ رحیم کے مقابلہ میں رؤف میں شدت رحمت ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو یہ ممکن تھا کہ بیک وقت کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی جانب رخ ہو جائے اس لئے کہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس مکہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہیں، مگر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت ممکن نہ رہی اس لئے کہ بیت المقدس مدینہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہے، اور بیت اللہ جانب جنوب میں بدرجہ مجبوری یہود کی دلجوئی کے لئے بحکم خداوندی آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنالیا جو یہود کا بھی قبلہ تھا، سولہ یا سترہ مہینہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی مگر آپ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہی ہو جائے اس لئے کہ دعوت اسماعیلی کا وہی مرکز تھا اور آپ ﷺ وحی کے انتظار میں بار بار نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے، آخر کار آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ کے ذریعہ نازل ہو گیا۔

جب تحویل قبلہ ہوا تو یہود اور مشرکین نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، کبھی بیت المقدس ہوتا ہے تو کبھی بیت اللہ، تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ دراصل یہ نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے، یہ لوگ سمت ومقام کے پرستار بندے بنے ہوئے تھے، ان کا خیال تھا کہ خدا کسی خاص سمت میں مقید ہے اس لئے ان کے جاہلانہ اعتراض کے جواب میں فرمایا گیا، مشرق ومغرب اللہ کے ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اسی طرف ہے، لہٰذا یہ کوئی نہ بحث کی بات ہے اور نہ جھگڑنے کی کہ پہلے تم اس طرف عبادت کرتے تھے اب اس طرف کیوں کرنے لگے؟

امت محمدیہ امت وسط ہے:

وسط سین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور معتدل کے معنی میں ہے اور افضل اشیاء کو وسط کہا جاتا ہے، ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی روایت میں وسط کی تفسیر عدل مروی ہے جو بہترین کے معنی میں ہے جس کے نتیجہ میں امت محمدیہ کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ تمام انبیاء کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام کی امتیں جب اپنے انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَام کی ہدایت وتبلیغ سے انکار کردیں گی اس وقت امت محمدیہ انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَام کی جانب سے گواہی میں پیش ہوگی، اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَام نے ہر زمانہ میں اللہ کا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا، مدعیٰ علیہم امتیں امت محمدیہ پر یہ جرح کریں گی کہ امت محمدیہ ﷺ کا تو ہمارے زمانہ میں وجود ہی نہیں تھا لہٰذا یہ ہمارے معاملہ میں گواہی کس طرح دے سکتی ہیں؟

امت محمدیہ اس جرح کا جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہیں تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبریں ہمیں صادق المصدوق محمد ﷺ نے جو ہمارے نزدیک ہمارے عینی مشاہدہ سے بھی زیادہ وقیع اور قابل اعتماد ہیں، دی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا تزکیہ:

اس وقت رسول اللہ ﷺ پیش ہوں گے اور امت محمدیہ کا تزکیہ وتوثیق کریں گے، بیشک انہوں نے جو کچھ کہا سب وہ صحیح ہے۔

واقعۂ تحویل قبلہ کی تاریخ وتفصیل:

تحویل قبلہ کا یہ حکم رجب یا شعبان ۲ھ میں نازل ہوا، ابن سعد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ بشر بن براء بن معرور کے یہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے، وہاں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھا چکے تھے، تیسری رکعت میں یکایک وحی کے ذریعہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اسی وقت آپ ﷺ کی اقتداء میں تمام لوگ بیت المقدس سے کعبے کی طرف پھر گئے، اس کے بعد مدینہ اور اطراف مدینہ میں عام منادی کرادی گئی، براء بن عازب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں پہنچی کہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، حکم سنتے ہی سب کے سب اسی حالت میں کعبے کی طرف پھر گئے، انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کہتے ہیں کہ بنی سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت پہنچی، لوگ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، خبردار رہو! قبلہ بدل کر کعبے کی طرف کردیا گیا ہے، سنتے ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل دیا۔

اس بات کا خیال رہے کہ بیت المقدس مدینہ منورہ سے عین شمال میں ہے اور کعبہ بالکل جنوب میں، نماز باجماعت پڑھتے

ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہوگا بلکہ مقتدیوں کو بھی کچھ نہ کچھ چل کر صفیں وغیرہ درست کرنی پڑی ہوں گی، تفصیل روایات میں موجود ہے۔

قَدْ للتحقيق نَرٰى تَقَلُّبَ تصرف وَجْهِكَ فِي جهة السَّمَآءِ متطلعًا الى الوحي ومتشوقًا للامر باستقبال الكعبة وكان يود ذلك لانها قبلة ابرهيم ولانه ادعى الى اسلام العرب فَلَنُوَلِّيَنَّكَ نحولنك قِبْلَةً تَرْضٰىهَا تحبها فَوَلِّ وَجْهَكَ استقبل في الصلوة شَطْرَ نحو الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اى الكعبة وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ خطاب للامة فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ في الصلوة شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اى التولي الى الكعبة الْحَقُّ الثابت مِنْ رَّبِّهِمْ لما في كتبهم من نعت النبي صلى الله عليه وسلم من انه يتحول اليها وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ بالتاء ايها المؤمنون من امتثال امره وبالياء اى اليهود من انكار امر القبلة وَلَئِنْ لام قسم اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ على صدقك في امر القبلة مَّا تَبِعُوْا اى لا يتبعون قِبْلَتَكَ عنادًا وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ قطع لطمعه في اسلامهم وطمعهم في عوده اليها وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اى اليهود قبلة النصارى وبالعكس وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ التي يدعونك اليها مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الوحي اِنَّكَ اِذًا ان اتبعتهم فرضا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اى محمدًا كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ بنعته في كتابهم قال ابن سلام لقد عرفته حين رأيته كما اعرف ابني ومعرفتي لمحمد اشد، رواه البخاري. وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ نعته وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ هذا الذي انت عليه اَلْحَقُّ كائنًا مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ الشاكين فيه اى من هذا النوع فهو ابلغ من لا تمتر.

ترجمہ: قد تحقیق کے لئے ہے، ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف وحی کی طلب اور استقبال کعبہ کے شوق میں بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور آپ (کعبہ) کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ (کعبہ) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ تھا، اور اس لئے بھی کہ کعبہ کو قبلہ قرار دینا عربوں کو اسلام کی طرف بلانے میں زیادہ موثر (اپیل کرنے والا) تھا، سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جس کو آپ پسند کرتے ہیں آپ اپنا رخ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی جانب پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو یہ امت کو خطاب ہے، اپنے چہرے کا (رخ) نماز میں اسی طرف کیا کریں اہل کتاب کو قطعی علم ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کے رب کی جانب سے قطعی حق ہے اس لئے کہ ان کی کتابوں میں محمد ﷺ کی صفات کے بارے میں یہ موجود ہے کہ وہ (نماز میں) رخ کعبہ کی طرف کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں یاء اور تاء کے ساتھ، اے مومنو! امتثال امر وغیرہ جو تم کرتے ہو اور یہود قبلہ کے

حکم کا جو انکار کرتے ہیں (اللہ اس سے غافل نہیں ہے) اور اگر چہ آپ ﷺ لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے، قبلہ کے معاملہ میں اپنی صداقت پر تمام دلیلیں پیش کر دیں تب بھی وہ دشمنی کی وجہ سے آپ کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، یہ ان کے اسلام کے بارے میں آپ ﷺ کی امید کو منقطع کرنا ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے قبلہ کی طرف لوٹنے کی امید کو منقطع کرنا ہے، اور نہ یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی اتباع کرنے والے ہیں، یعنی نہ یہود نصاریٰ کے قبلہ کی اور برعکس اور اگر آپ ﷺ، آپ کے پاس علم آجانے کے باوجود ان کی ان خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں جن کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں (یعنی) بالفرض اگر آپ ان کی اتباع کریں تب تو آپ یقیناً ظالموں میں سے ہوں گے، جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ تو محمد ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کے موجود ہونے کی وجہ سے، عبد اللہ بن سلام نے کہا: جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں آپ کو اس طرح پہچان گیا، جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ محمد ﷺ کی شناخت اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ البخاری) بلاشبہ ان میں ایک جماعت آپ کی صفات کو چھپاتی ہے باوجود یکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ (طریقہ) جس پر آپ ﷺ ہیں حق ہے جو آپ کے رب کی جانب سے ہے، سنو! آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوجانا یعنی شک کرنے والوں کی قسم سے نہ ہوجانا۔ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (طرز خطاب) میں لا تَمْتَرِ سے زیادہ بلیغ ہے۔

تَحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: قَدْ تحقیق کے لئے ہے کما صرح المفسر العلام، اور بعض کے نزدیک تکثیر کے لئے ہے اور یہ کثرت آپ ﷺ کی نسبت سے ہے، یعنی ہم آپ کی نظر کو بکثرت آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں، یہاں قَدْ تقلیل کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ تقلب اس کی نفی کرتا ہے اس لئے کہ تقلب کثرت کا تقاضہ کرتا ہے۔

قِوْلَهُ: نُوَلِّيَنَّكَ مضارع جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ، مصدر تَوْلِيَةً کاف ضمیر مفعول ہے ہم آپ کو ضرور پھیر دیں گے، مراد اس سے تحویل قبلہ ہے جو غزوۂ بدر سے دو ماہ قبل ماہ رجب میں بروایت براء بن عازب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ زوال آفتاب کے بعد عصر کی نماز میں ہوئی، مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ صحابہ کو بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔

قِوْلَهُ: اَيُّهَا المؤمنون الخ یہ تعلمون کی صورت میں ہے۔

قِوْلَهُ: قَطْعٌ لطمعِهِ فی اِسلامِهِم وطمعِهِمْ فی عودِهَا اِلَيْهَا ان میں لف ونشر مرتب ہے۔

قِوْلَهُ: اليهود قبلةَ النصارىٰ وبالعكس یہود کا قبلہ صخرۃ البیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا صخرہ کی مشرق کی جانب۔

قِوْلَهُ: فرضًا فرضًا کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: لَئِنْ اَتَيْتَ میں اِنْ استعمال ہوا ہے جو کہ غیر یقینی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے حالانکہ آپ ﷺ کا ان کے قبلہ کی اتباع نہ کرنا اور ان کا آپ ﷺ کے قبلہ کی اتباع نہ کرنا یقینی تھا۔

جَوَاب: علی سبیل الفرض تسلیم کرتے ہوئے، اِنْ کا استعمال کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: هٰذا الذی انتَ علیه الحقُّ هٰذا اسم اشارہ، الذی انت علیه موصول صلہ سے مل کر مشارالیہ جملہ ہو کر مبتداء الحقُّ اس کی خبر۔

قَوْلُهُ: الممترین، اِمتِرَاءٌ (افتعال) سے اسم فاعل جمع مذکر، اس کا واحد اَلْمُمْتَرِی شک میں پڑنے والا، شک کرنے والا۔

قَوْلُهُ: مِن هٰذا النوع یعنی آپ شکیوں میں سے نہ ہوں، اس لئے کہ بعض اوقات انسان شک نہیں کرتا مگر شکی ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا کہ شک کرے اور شکی نہ ہو یعنی شکی کے لئے شک لازم نہیں مگر شک کے لئے شکی ہونا لازم ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

قَوْلُهُ: ابلغ مِن لَاتَمْتَرِ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اور اعتراض یہ ہے کہ ایجاز کا قاعدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ لَاتمترِ کہا جائے، اختصار کو ترک کر کے اطناب کیوں اختیار کیا گیا۔

جَوَاب: یہاں اطناب بے فائدہ نہیں ہے اسی لئے اِطناب اختصار سے ابلغ ہے، اس لئے کہ فَلَا تَمْتَرِ زمانِ مستقبل میں حدوث امتراء سے منع ہے، اس لئے کہ یہ فعل مضارع ہے اور مُمترِین حدوث اِمتراء اور بقاء امتراء دونوں سے مانع ہے، اس کے اسم ہونے کی وجہ سے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وحی خفی سے ثابت شدہ حکم کا کتاب اللہ سے نسخ:

جصاص رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ قرآن کریم میں کہیں اس کی تصریح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قبل از ہجرت یا بعد از ہجرت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، البتہ اس کا ثبوت صرف سنت نبوی سے ہے تو جو حکم سنت نبوی سے ثابت ہوا تھا اس کو آیت قرآنی سے منسوخ کر کے آپ کا قبلہ بیت اللہ کو قرار دیدیا گیا۔

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حدیث رسول بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی ہے اور یہ کہ کچھ احکام وہ بھی ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں صرف حدیث سے ثابت ہیں اور قرآن ان کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ اسی آیت کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو نمازیں بامر رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں وہ عند اللہ معتبر ہیں بخاری و مسلم اور تمام معتبر کتب حدیث میں

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے عصر کی نماز جانب بیت اللہ پڑھی اور بعض روایات میں اس جگہ عصر کے بجائے ظہر کی نماز مذکور ہے (ابن کثیر) بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر باہر گئے اور دیکھا کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب سابق بیت المقدس کی جانب نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے آواز دے کر کہا کہ اب قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو گیا ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آئے ہیں ان لوگوں نے درمیان نماز ہی میں اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا، نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ جو عورتیں پچھلی صفوں میں تھیں وہ اگلی صفوں میں اور مرد جو اگلی صفوں میں تھے وہ پچھلی صفوں میں ہو گئے اس کے بعد صفوں کی ترتیب درست ہوئی۔

بنوسلمہ کے لوگوں نے تحویل قبلہ پر عصر ہی کی نماز میں عمل کیا، مگر قباء میں یہ خبر اگلے روز صبح کی نماز میں پہنچی جیسا کہ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے، اہل قباء نے بھی اپنا رخ نماز ہی میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔ (ابن کثیر، وجصاص)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ:

مائک (لاؤڈ اسپیکر) پر نماز جائز ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اتباع لاؤڈ اسپیکر کا نہیں ہوتا، بلکہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب امام رکوع کرے رکوع کرو اور جب سجدہ کرے سجدہ کرو، لاؤڈ اسپیکر تو محض امام کی آواز کو بلند کرنے کا واسطہ ہے نہ کہ مقتدی، اس لئے کہ مائک کی آواز بعینہ امام کی آواز ہوتی ہے نہ کہ حکایت ونقل لہٰذا مائک پر نماز کے جواز میں کوئی اشکال نہیں۔ (معارف ملخصاً)

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ اس آیت سے متعلق ضروری مضمون سابق تشریح کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ استقبالِ قبلہ:

اگرچہ تمام جہتیں اللہ ہی کی ہیں وہ کسی خاص جہت میں محدود نہیں ہے، لیکن مصالح امت کے لئے بتقاضائے حکمت کسی ایک جہت کا تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے لئے قبلہ بنا کر سب میں ایک دینی وحدت کا عملی مظاہرہ مقصود تھا، وہ جہت بیت المقدس بھی ہو سکتی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کی تمنا و خواہش کے مطابق بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اسی کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے قرآن مجید میں جہت قبلہ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اللہ تعالیٰ نے فَوَلِّ وَجْهَكَ اِلَى الْكَعْبَةِ کی مختصر تعبیر کو چھوڑ کر شطر المسجدِ الحرامِ کی طویل تعبیر اختیار فرمائی، اس تعبیر سے استقبال قبلہ کے کئی مسائل واضح ہو گئے۔

❶ اول یہ کہ اگرچہ اصل قبلہ بیت اللہ ہے جس کو کعبۃ اللہ کہا جاتا ہے جو کہ ایک چھوٹی سی مربع عمارت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ عین بیت اللہ کا استقبال اس جگہ تک تو ممکن ہے جہاں تک بیت اللہ نظر آتا ہے، لیکن وہ لوگ جو بیت اللہ سے دور ہیں جن کو بیت اللہ نظر نہیں آتا ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ عین بیت اللہ کی طرف رخ ضروری ہے تو اس میں بہت دشواری ہوگی، خاص آلات اور حساب کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے جو نہ ہر شخص کو دستیاب اور نہ ان کے استعمال پر قادر شریعت محمدیہ ﷺ کا مدار چونکہ سہولت پر ہے اس لئے بجائے بیت اللہ یا کعبہ کے مسجد حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ بیت اللہ کے مقابلہ میں کافی وسیع ہے اس کی طرف رخ کرنا دور دراز کے لوگوں کے لئے آسان ہے۔

❷ دوسری سہولت لفظ شطر اختیار کرکے دیدی گئی ورنہ اس سے مختصر لفظ الی المسجد الحرام تھا، شطر کے دو معنی ہیں ایک نصف اور دوسرے سمت باتفاق مفسرین یہاں سمت کے معنی مراد ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ بلاد بعیدہ میں یہ ضروری نہیں کہ خاص مسجد حرام ہی کی طرف ہر ایک کا رخ ضروری ہے بلکہ سمت مسجد حرام کافی ہے۔ (بحر محیط، معارف)

مثلاً مشرقی ممالک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کے لئے جانب مغرب مسجد حرام کی سمت ہے اور چونکہ موسم سرما و گرما میں سمت مغرب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے اس سمت کو سمت مغرب و قبلہ قرار دیا ہے جو دونوں موسموں کے درمیان ہے۔

قواعد ریاضی کے اعتبار سے سمت قبلہ:

قواعد ریاضی کے حساب سے صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ مغرب صیف اور مغرب شتا کے درمیان ۴۸ ڈگری تک سمت قبلہ قرار دی جائے گی، یعنی ۲۴ ڈگری تک بھی اگر انحراف ہو جائے تب بھی سمت قبلہ فوت نہیں ہوگی۔ (شرح چغمینی، معارف)

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ والمَغْرِبِ قبلة (ترمذی) آپ کا یہ ارشاد مدینہ طیبہ والوں کے لئے تھا اس لئے کہ ان کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان جانب جنوب واقع تھا، اس حدیث سے گویا کہ لفظ شطر کی تشریح ہوگئی۔

وَلِكُلٍّ من الامم وِّجْهَةٌ قبلة هُوَ مُوَلِّيهَا وجهه في صلاته وفي قراءة مُوَلَّاها فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ بادروا الى الطاعات وقبولها أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا يجمعكم يوم القيامة فيجازيكم باعمالكم إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ لسفر فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ بالتاء والياء تقدم مثله وكرره لبيان تساوي حكم السفر وغيره وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ كرّرهٔ لِلتاكِيد لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ اليهود او المشركين عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اى مُجادلةٌ فى التَّولّى الى غيرها اى لِتَنْتَفِى مُجادلتُهم لكم من قول اليهود يجحد دينَنا ويتبع قبلتنا وقول المشركين يدّعى مِلّة ابراهيم ويُخالف قبلتَه إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ بالعناد فانّهم يقولون ما تحوّل اليها الّا ميلاً الى دينِ ابائه والاستثناء مُتّصلٌ والمعنى لايكون لاحدٍ عليكم كلامٌ الّا كلامُ هؤلاء فَلَا تَخْشَوْهُمْ تخافوا جدالهم فى التولّى اليها وَاخْشَوْنِي بامتثال امرى وَلِأُتِمَّ عطفٌ على لئلا يكون نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ بالهداية الى معالم دينكم وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ الى الحق كَمَا أَرْسَلْنَا متعلقٌ باتمّ اى اتمامًا كاتمامها بارسالنا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ محمدًا صلّى اللّٰه عليه وسلّم يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا القران وَيُزَكِّيكُمْ يُطهّرُكم من الشرك وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ القران وَالْحِكْمَةَ ما فيه من الاحكام وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي بالصلوة والتسبيح ونحوه أَذْكُرْكُمْ قيل معناه أُجازيكم وفى الحديث عن اللّٰه من ذكرنى فى نفسه ذكرتُه فى نفسى ومن ذكرنى فى ملأ ذكرتُه فى ملأٍ خيرٍ من ملئه وَاشْكُرُوا لِي نعمتى بالطّاعة وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ بالمعصية۔

ترجمہ: ہر امت کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت میں رخ کرتی ہے اور ایک قراءت میں مُوَلّٰاهَا ہے (جس کی طرف پھیرا گیا ہے) نیکیوں کی طرف سبقت کرو یعنی طاعتوں اور اس کے قبول کی جانب جلدی کرو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم کو جمع کرلائے گا (یعنی) روزِ قیامت تم کو جمع کرے گا، اور تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اے محمد ﷺ!) آپ جہاں سے بھی سفر شروع کریں (نماز میں) رخ مسجد حرام کی جانب کریں، یہی آپ کے رب کا فیصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے تاء اور یاء کے ساتھ، اسی جیسی آیت گذر چکی ہے، سفر و حضر میں حکم کی یکسانیت کو بیان کرنے کے لئے (آیت) مکرر ذکر کی ہے، اور (اے مسلمانو! تم بھی) جس جگہ سے سفر شروع کرو اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، تاکہ لوگوں (یعنی) یہود یا مشرکین کو، تمہارے ساتھ کوئی نزاع نہ رہے (ان کے) قبلہ کی مخالف جانب رخ کرنے کی وجہ سے، یعنی تاکہ تمہارے ساتھ ان کی حجت بازی ختم ہوجائے، اس بات میں کہ یہود کہتے ہیں کہ (محمد) ہمارے دین کا (تو) انکار کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی اتباع کرتے ہیں، اور مشرکوں کا کہنا یہ ہے، کہ محمد ملت ابراہیمی کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے ان میں سے بوجہ عناد کے ظلم کیا، ان کا کہنا ہے کہ کعبہ کی جانب رخ محض اپنے آباء کے دین کی طرف میلان کی وجہ سے کیا ہے اور (لِلنَّاس) استثناء متصل ہے، اور معنی یہ ہیں کہ تم پر کسی کا کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر (ظالم) لوگوں کا لہٰذا تم کعبہ کی جانب رخ کرنے میں ان کے

جھگڑنے سے نہ ڈرو، میرا حکم بجالا کر مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ میں تم کو تمہارے دین کے احکام کی طرف رہنمائی کر کے تمہارے اوپر اپنی نعمت کی تکمیل کر دوں، اور اس لئے تاکہ تم حق کی طرف ہدایت پاؤ جس طرح ہم نے تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) بھیجا (کَمَا اَرْسَلْنَا) اُتِمَّ سے متعلق ہے، یعنی اس طرح نعمت کی تکمیل کر کے جس طرح ہم نے تم ہی میں سے رسول بھیج کر نعمت کی تکمیل کی، جو تم کو ہماری قرآنی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور تم کو کتاب یعنی قرآن اور حکمت سکھاتا ہے جس کے اندر احکام ہیں اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے، جس سے تم ناواقف تھے، لہٰذا تم نماز و تسبیح کے ذریعہ میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا، کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں میں تم کو جزاء دوں گا، اور حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں اور میری نعمتوں کا طاعت کے ذریعہ شکر ادا کرو اور معصیۃ کے ذریعہ ناشکری نہ کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ مفسر علام نے مِنَ الْاُمَمِ محذوف مان کر حذف مضاف الیہ کی طرف اشارہ کیا ہے حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں بھی عام ہے، لِکُلٍّ ای لکُلِّ اُمَّةٍ یعنی ہر دین و دھرم والوں کے لئے خواہ دین حق ہو یا باطل ایک مرکزی رخ ہوتا ہے جس کو ان کا قبلہ کہا جا سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ مُوَلِّيهَا، هو سے فریق مراد ہے، جو اُمَمٌ سے مفہوم ہے، کُلٌّ کی مناسبت سے هو لایا گیا ہے، اگر مفسر علام امم کے بجائے فریق سے تعبیر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: مُوَلِّيهَا. مُوَلِّيْ اسم فاعل ہے، هَا مفعول اول ہے وَجْهَةٌ مفعول ثانی ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، وفی قراءةٍ مُوَلَّاهَا بصیغہ اسم مفعول اس کا نائب فاعل مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: قِبْلَةٌ مفسر علام نے وِجْهَةٌ کی تفسیر قِبْلَةٌ سے کر کے دو اعتراضوں کا جواب دیا ہے:

❶ وِجْهَةٌ مصدر ہے بمعنی توجہ، اس صورت میں معنی درست نہیں ہیں اس لئے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ ہر امت کے لئے توجہ ہے بلکہ مراد متوجہ الیہ ہے، یعنی جس کی جانب توجہ کی جائے، قِبْلَة کا اضافہ کر کے جواب دیدیا، کہ معنی مصدری مراد نہیں ہیں، مراد ظرف مکان ہے جس کو قبلہ کہا جاتا ہے۔

❷ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جِهَةٌ ہو اس لئے کہ تاء واؤ کے عوض میں ہے جیسا کہ عِدَةٌ میں کہ اصل وِعْدٌ تھا، واؤ حذف کر کے آخر میں تاء کا اضافہ کر دیا جِهَةٌ ہو گیا، وِجْهَةٌ میں عوض اور معوض دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔

جَوَاب: وِجهَةٌ اگرچہ اصل میں مصدر ہے لیکن متوجہ الیہ کا نام ہوگیا ہے اور وہ قبلہ ہے اس میں واؤ کو باقی رکھنا شاذ نہیں ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: اليهود او المشركين اس میں اشارہ ہے کہ للناس میں لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای مُجَادَلَة، حُجَّةٌ کی تفسیر مجادلة سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں حجۃ سے دلیل و برہان مراد نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی حجۃ و برہان نہیں تھی بلکہ منازعت اور مجادلۃ بالباطل مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: من قول اليهود الخ یہ مجادلة کا بیان ہے یعنی یہود یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں اور مشرکین یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: الی غَيْرِه، غيره کی ضمیر تولّی کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! ہم نے تم کو سمت کعبہ کی طرف رخ کرنے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ رخ کرنے میں نزاع ہی ختم ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: الِاستثناء متصل اس لئے ہے کہ مستثنیٰ منہ بھی ظالمین ہی ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ ہر قوم راست راہ دینے قبلہ گاہ ہے۔
یعنی ہر قوم، ہر امت اپنی نماز و عبادت حتی کہ پوجاپاٹ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی مرکزی رخ رکھتی ہے۔
سو امت اسلامیہ کے لئے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر قوم و امت کے لئے مختلف قبلہ ہوتے چلے آئے ہیں خواہ منجانب اللہ ہو یا خود ساختہ، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ہر قوم و ملت کا کوئی نہ کوئی قبلہ ہوتا ہے کوئی کسی کے قبلہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتا، اس لئے اپنے قبلہ کے حق ہونے پر ان لوگوں سے بحث و مباحثہ فضول ہے، لہٰذا اس فضول بحث کو چھوڑ کر اپنے اصل کام میں لگ جانا چاہئے، اور وہ اصل کام ہے نیک کاموں میں دوڑ دھوپ مسابقت میں لگ جانا، فضول بحثوں میں الجھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مسابقت الی الخیرات میں سستی اور آخرت سے غفلت ہوتی ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ الخ قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے، یا چونکہ یہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا اس لئے ذہنی خلجان دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کردیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا، ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی ایک جگہ اسے بیان کیا گیا، دوسری علت ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لئے ایک مستقل مرکز کا وجود درکار ہے، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے لہٰذا تیسری مرتبہ دہرایا گیا۔ (فتح القدیر شوکانی)

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ ''خانہ کعبہ'' لکھا ہوا

ہے اور بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یہاں ظلموا سے معاندین مراد ہیں یعنی اہل کتاب میں سے جو معاندین ہیں وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور حسد وعناد کہیں گے کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہوگیا، اور بعض کے نزدیک اس سے مشرکین مراد ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا على الاخرةِ **بِالصَّبْرِ** علَى الطَّاعةِ والبلاءِ **وَالصَّلٰوةِ** خصَّها بالذِّكر لتكرُّرِها وعظمِها **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** بالعون **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هم **اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ** هم **اَحْيَآءٌ** ارواحُهم في حواصِلِ طُيُورٍ خُضرٍ تسرحُ في الجنّةِ حيثُ شاءَتْ لحديثٍ بذلك **وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** تعلمُون ماهم فيه **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ** العدُو **وَالْجُوْعِ** القحط **وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ** بالهلاكِ **وَالْاَنْفُسِ** بالقتلِ والامراضِ والموتِ **وَالثَّمَرٰتِ ؕ** بالجوائح اى لنختبرَنَّكُمْ فننظرُ أتصبرُونَ ام لا **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ** على البلاءِ بالجنّةِ هم **الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ** بلاءٌ **قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ** ملكًا وعبيدًا يفعلُ بنا مايشاءُ **وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ** في الأخرةِ فيُجازينا في الحديث من استَرجَعَ عِندَ المُصيبةِ اجرَهُ اللّٰهُ فيها وَاَخلَفَ عليهِ خيرًا وفيهِ انّ مِصْباحَ النبي صلّى اللّٰهُ عليهِ وسلّمَ طَفِيَ فاستَرجَعَ فقالَتْ عائشةُ رضي اللّٰه تعالى عنها اِنّما هٰذا مِصباحٌ فقالَ كُلُّ ما ساءَ المؤمنَ فهو مُصيبةٌ رواه ابوداؤد في مراسيلِه **اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ** مغفرةٌ **مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ** نعمةٌ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ** الى الصوابِ **اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ** جبلانِ بمكّةَ **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ** اعلامِ دينِه جمعُ شعيرةٍ **فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ** اى تلبَّسَ بالحجِّ او العُمرةِ واصلُهما القصدُ والزيارةُ **فَلَا جُنَاحَ** اثمَ **عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ** فيهِ ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الطّاءِ **بِهِمَا ؕ** بأن يسعى بينهما سبعًا نزلت لمّا كرِهَ المسلمُونَ ذلك لأنّ اهلَ الجاهليّةِ كانُوا يطوّفُون بهما وعليهما صنمانِ يمسحُونهما وعن ابنِ عبّاسٍ رضي اللّٰه تعالى عنهما انّ السعيَ غيرُ فرضٍ لِما اَفادَهُ رفعُ الاثمِ مِن التخييرِ وقالَ الشافعي وغيرُه رُكنٌ وبيّنَ صلى اللّٰه عليه وسلم وُجُوبَهُ بقولِه انّ اللّٰهَ كتبَ عليكمُ السّعيَ رواه البيهقي وغيرُهُ وقالَ اِبدَءُوا بِما بدأَ اللّٰهُ به يعني الصّفَا رواه مسلم **وَمَنْ تَطَوَّعَ** وفي قراءةٍ بالتحتانيةِ وتشديدِ الطّاءِ مجزومًا وفيه ادغامُ التّاءِ فيها **خَيْرًا ۙ** اى بخيرٍ اى فعلَ مالم يجب عليه من طوافٍ وغيرِه **فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ** لعملِه بالاثابةِ عليهِ **عَلِيْمٌ** به.

ترجمہ: اے ایمان والو! طاعت اور مصیبت پر صبر اور نماز سے آخرت کے لئے مدد چاہو نماز کو اس کے بار بار آنے اور اس کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر مکرر ذکر کیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا مدد کے ذریعہ ساتھ دیتا ہے

اور راہ خدا کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں گھومتی ہیں، اس مضمون کی حدیث کی وجہ سے، لیکن جس کیفیت میں وہ ہیں تم نہیں سمجھ سکتے اور ہم تم کو دشمن کے خوف اور قحط کی فاقہ کشی اور مال کے ضیاع کے ذریعہ نقصان نیز جانوں میں قتل اور امراض اور موت کے ذریعہ ضرور آزمائیں گے، اور پھلوں میں رمت سے نقصان کے ذریعہ تمہاری ضرور آزمائش کریں گے، تاکہ ہم دیکھ لیں آیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں اور مصیبت پر صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیدو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ملکیت اور عبدیت کے اعتبار سے اللہ کے ہیں اس کو اختیار ہے وہ ہمارے ساتھ جو چاہے کرے اور ہم آخرت میں اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں تو وہ ہم کو جزاء دے گا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا چراغ گل ہو گیا تو آپ ﷺ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا (یا رسول اللہ) یہ چراغ ہی تو ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ چیز جو مومن کو تکلیف پہنچائے وہ مصیبت ہے، اس کو ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے۔

یہی ہیں وہ لوگ جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور نوازشیں ہوں گی اور ایسے ہی لوگ راستی کی طرف ہدایت یافتہ ہیں، یقیناً صفا اور مروہ مکہ کے دو پہاڑ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کے دین کی نشانیاں ہیں، شَعَائِرْ، شَعِیْرَۃ کی جمع ہے، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا یعنی حج و عمرہ کا احرام باندھا، اور حج کے اصلی معنی قصد و زیارت کے ہیں، تو اس کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، یَطَّوَّفَ میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے، اس طریقہ پر کہ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے (سعی بین الصفا والمروۃ) ناپسند سمجھا، اس لئے کہ اہل جاہلیت ان کا طواف کیا کرتے تھے اور ان پر دو بت تھے، اور ان کو مس کرتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سعی فرض نہیں ہے، اس لئے کہ رفع اثم سے تخییر مستفاد ہوتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے فرمایا کہ (سعی) رکن ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعْیَ سے اس کا وجوب بیان فرمایا، (رواہ بیہقی وغیرہ) اور فرمایا جس سے اللہ نے ابتداء فرمائی تم بھی اسی سے ابتداء کرو، یعنی صفا سے (رواہ مسلم) اور جو شخص اختیاری طور پر (کوئی) کار خیر کرے، یعنی طواف وغیرہ یعنی کوئی ایسا کار خیر کرے جو اس پر واجب نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے اس کے عمل کا قدر دان ہے، اس سے باخبر ہے، تَطَوَّعَ میں ایک قراءت یاء تحتانیہ کے اور طاء کی تشدید کے ساتھ مجزوم ہے، اور اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِالْعَوْنِ، بِالْعَوْنِ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ عون سے نصرت خاصہ مراد ہے، اس لئے کہ عمومی معیت تو اللہ تعالیٰ کی ہر شئ کے ساتھ ہے، لہٰذا اس میں صابرین کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے، مفسر علام نے بِالْعَوْنِ کہہ کر اسی شبہ کو دفع کیا

ہے، اس دفع کا حاصل یہ ہے کہ معیت دو قسم کی ہوتی ہے اور ان میں سے یہ معیت متقین و محسنین و صابرین کے ساتھ خاص ہے، اس میں صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ امر بالاستعانت کی علت بھی ہے، صلوٰۃ صبر سے اولیٰ ہے، لہٰذا مصلین کے ساتھ معیت خاصہ بطریق اولیٰ ہوگی۔

قِوْلَہٗ: فی الحواصل، حَوَاصِل، حوصِلَةٌ کی جمع ہے، فارسی میں سنگدانِ مرغ کو کہتے ہیں، اور اردو میں اس کا ترجمہ ہے پوٹا۔

قِوْلَہٗ: لحدیث بذلك. (المسلم والمشكوة)

قِوْلَہٗ: بالجوائح یہ جائحةٌ کی جمع ہے، پھلوں کے روگ کو کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: هُمْ اَمْوَات، هُمْ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اَمْوَاتٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس لئے کہ اَمْوَات مقولہ ہے اور مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے۔

قِوْلَہٗ: بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ مفسر علام نے هُمْ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا ہے کہ اَحْيَاءٌ کا عطف اَمْوَات پر عطف مفرد علی المفرد نہیں ہے کہ لا تَقُوْلُوْا کے تحت میں ہو، اور معنی ہوں بل قولوا اَحْيَاءٌ اور نہ هم اموات پر عطف ہے کہ عطف جملہ علی الجملہ ہو اس لئے کہ یہ قول کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ جملہ تقولوا پر معطوف ہے، اس جملہ کے ذریعہ نہی سے اِخبار کی جانب اضراب ہے، اس لئے کہ مقصد، ان کے لئے اثبات حیات ہے نہ یہ کہ ان کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم ان کی شان میں انهم اَحْيَاءٌ کہو۔

قِوْلَہٗ: مَاهُمْ فِيهِ، تَشْعُرُوْنَ بمعنی تعلمون کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلَہٗ: مُصِيبَةٌ یہ اِصَابَةٌ (افعال) سے اسم فاعل مؤنث ہے، تکلیف پہنچانے والی، مُصیبَة دراصل صفت کا صیغہ ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اس کا موصوف محذوف ہے، مثلاً رَمْيَة مُصيبة نشانہ پر لگنے والی تیراندازی، جیسا کہ کثرت استعمال کی وجہ سے مویز منقّیٰ بیج نکالا ہوا مویز۔ منقّیٰ کے معنی ہیں، بیج صاف کیا ہوا، مویز دواؤں میں چونکہ بیج نکال کر ہی استعمال ہوتا ہے گویا کہ بیج نکالنا لازم ہے، لہٰذا موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام کردیا، اور صرف منقّیٰ کہا جانے لگا۔

قِوْلَہٗ: نِعمَة، رحمَة کی تفسیر، نعمة سے کرکے اشارہ کردیا کہ رحمة کے لازم معنی مراد ہیں اور وہ ہیں نعمت، اس لئے کہ رحمة کے اصلی معنی رقت قلبی کے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں۔

قِوْلَہٗ: مجزومًا یعنی یاء کی صورت میں يَطَّوَّعْ جزم عین کے ساتھ ہوگا، مجزومًا کے اضافہ کا مقصد ایک وہم کو دور کرنا ہے، وہم یہ ہے کہ جس طرح تَطَوَّعَ کی صورت میں عین کے فتحہ کے ساتھ ہے لہٰذا یاء کی صورت میں بھی عین کے فتحہ کے ساتھ ہوگا، حالانکہ یاء کی صورت میں مضارع ہوگا، اور مضارع بغیر ناصب کے منصوب نہیں ہوسکتا، بخلاف تاء کی صورت کے کہ ماضی کا صیغہ ہے، اور مجزوم ہونے کی وجہ جزاء ہونا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

امت کو منصب امامت پر فائز کرنے کے بعد، اب کچھ ضروری ہدایات دی جارہی ہیں، سب سے پہلے جس بات پر متنبہ کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ منصب امامت کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے جس پر آپ حضرات لٹائے جارہے ہیں، یہ تو ایک عظیم الشان اور پر خطر خدمت ہے جس کی ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے اور جب صبر وثبات اور عزم واستقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے راہ خدا میں بڑھتے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارشیں ہوں گی۔

طاقت کا سرچشمہ:

اس بھاری خدمت کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے توانائی کہاں سے حاصل ہوگی؟ اس کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اسی قوت کی نشان دہی اور اسی سوال کا جواب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ سے دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ توانائی تم کو دو چیزوں سے حاصل ہوگی، ایک صبر اور دوسرے نماز، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کلید کامیابی ہیں، جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، صبر ایک سلبی کیفیت کا نام ہے اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے، ان دونوں کلیدی لفظوں سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے ایک معاصی سے حفظ واجتناب اور دوسرے اوامر کا امتثال واتباع۔

صبر کے معنی:

صبر کے لفظی معنی ہیں تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھنا اَلصَّبْرُ اَلْاِمْسَاکُ فِی ضِیْقٍ (راغب) اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے، اَلصَّبْرُ حَبْسُ النفس علی مَایَقْتَضِیْهِ العقلُ والشرعُ (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے، بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہونا، درد کی تکلیف سے کراہنا، اور رنج کے وقت آہِ سرد بھرنا، عزیز وقریب کی موت پر دل گیر اور رنجیدہ ہونا، ان میں سے کوئی شئی بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں، قرآنی فرمان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو، دل کو بس میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔

صبر کے تین شعبے:

صبر کے معنی تو نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں، مگر قرآن وسنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں، (۱) اول اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا (۲) دوسرے طاعات اور عبادات کی پابندی پر نفس کو مجبور کرنا (۳) تیسرے مصائب وآفات پر صبر کرنا، اس کے باوجود اگر تکلیف و پریشانی کے وقت کوئی کلمہ اظہار پریشانی کا منہ سے نکل جائے تو یہ صبر کے منافی نہیں۔ (ابن کثیر عن سعید بن جبیر)

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں بعض روایات حدیث میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گذرے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی۔

اس نسخہ کامیابی کا دوسرا جز نماز ہے، اگرچہ صبر کی تفسیر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نماز اور دیگر عبادات صبر ہی کی جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادات میں نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جو صبر کا مکمل نمونہ ہے، کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت وطاعت پر مجبوس کیا جاتا ہے اور تمام معاصی ومکروہات سے بلکہ تمام مباحات سے بھی نفس کو بحالت نماز روکا جاتا ہے، اس لئے نماز صبر کی ایک مکمل تمثیل ہے۔

نماز کی تاثیر یقینی ہے:

اس کے علاوہ نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو، جیسے دواؤں میں بہت سی ادویہ مؤثر بالخاصہ ہوتی ہیں مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، جیسے درد گردہ کے لئے فرنگی دانہ ہاتھ یا منہ میں رکھنا بالخاصہ مفید ہے مگر اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں، یا مثلاً مرگی کے لئے عود صلیب گلے میں ڈالنا مفید ہے مگر سبب معلوم نہیں ہے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچنے میں مؤثر بالخاص ہے مگر آج تک اس کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی اور جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ صرف تخمین وظن ہے، اسی طرح نماز تمام انسانی ضروریات کی کفالت اور تمام مصائب سے نجات دلانے میں مؤثر بالخاص ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح آداب وخشوع کے ساتھ پڑھا جائے، ہماری نمازیں جو غیر مؤثر نظر آتی ہیں اس کا سبب ہمارا قصور ہے نہ کہ نماز کا، کہ نماز کے آداب اور خشوع میں کوتاہی ہوتی ہے ورنہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرمادیتے تھے۔ (معارف)

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ، بالعون معیت کی مختلف قسمیں ہیں عامہ، خاصہ، زمانی، مکانی، معنوی، یہاں معیت سے معیت بالنصرة مراد ہے، قَالُوْا المعِيَّةُ هُنَا مَعِيَّةُ المعونَة. (المنار)

اللہ تعالیٰ کی معیت عامہ تو کافر، مؤمن، فاسق، صالح، اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

یہاں یہ معیت عامہ مراد نہیں ہے بلکہ خصوصی معیت مراد ہے اسی معیت خاصہ کی طرف مفسر علام نے بالعون کہہ کر اشارہ کیا ہے، معیت خاصہ کے آثار، حفاظت، اعانت، اور توجہ خاص ہیں، یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو بے پناہ قوت وجرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا، اور حق یہ ہے کہ یقین معیت خاصہ سے بڑھ کر نہ کوئی روح کے لئے لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لئے کوئی مرہم تسکین، یہی وہ تصور ہے کہ جو ہر ناگوار کو خوشگوار، اور ہر تلخ کو شیریں اور ہر زہر کو قند اور ہر مشکل کو آسان بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

شانِ نزول:

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ غزوۂ بدر میں جب چند صحابہ شہید ہو گئے جن کی تعداد چودہ تھی چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے تو نافہم منافقوں اور کافروں نے کہنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی، اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مردہ سمجھ رہے ہو اس معنی کے اعتبار سے وہ سرے سے مردہ ہی نہیں بلکہ زندوں سے کہیں زیادہ لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں، اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں، برزخی زندگی اپنے عام معنی میں تو سب ہی کے لئے ہے لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوتی ہے جو آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہے، بقول حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شہید کی اس حیات کی قوت کا اثر اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور جسد زندہ کے مانند صحیح وسالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات ہیں اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم شہیدوں سے بھی زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ حیات روحانی ہوتی ہے لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی اور روحانی دونوں ہوتی ہے، رہی شہداء کو مردہ نہ کہنے کی تلقین تو یہ ان کے اعزاز وتکریم کے لئے ہے، یہ زندگی برزخی زندگی ہے جس کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں یہ زندگی علی قدر المراتب انبیاء، شہداء، مومنین حتی کہ کفار کو بھی حاصل ہے، شہیدوں کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (سینہ) میں جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے۔ (ابن کثیر، آل عمران)

شہداء کو اگرچہ دیگر مردوں کی طرح مردہ کہنے کی ممانعت کی گئی ہے مگر بعض احکام مثلاً غسل وغیرہ کے علاوہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں، ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے، ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں اور یہی حیات ہے کہ جس میں حضرات انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ شہداء سے بھی زیادہ ممتاز اور قوی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج سے دوسرے نکاح نہیں کر سکتے۔

شبہ کا دفع:

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر شہادت کا مدار ہے، اور بالفرض اگر ایسا شہید خاک خوردہ پایا جائے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل تواتر وغیرہ سے ثابت ہو تو اس کی وجہ میں یہ کہا جائے گا کہ حدیث میں جو تصریح ہے وہ زمین کے اجسام شہداء کو خراب نہ کرنے کی ہے، مگر زمین میں اجزاء ارضیہ کے علاوہ دیگر عناصر بھی موجود ہیں، مثلاً پارہ، گندھک، تیزاب، ان کے علاوہ دیگر اکالہ اجزاء موجود ہیں، ممکن ہے ان اجزاء نے جسم کو خراب کر دیا ہو، یہ صورت حدیث کے منافی نہیں ہے، یا زمانہ دراز تک صحیح وسالم محفوظ رہنا مراد ہے، یہ بھی عام جسموں کے اعتبار سے فضیلت اور کرامت کی بات ہے، لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ اجزاء ارضیہ کے علاوہ اگر دیگر اجزاء سے اجسام شہداء متاثر ہو جائیں تو ان سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جس میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔ (معارف ملخصًا)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے لیکن قرآن کے الفاظ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا سے بعض صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ ان لایطَّوَّف بهِمَا اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے اس آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا کہ انصار قبول اسلام سے پہلے مناۃ طاغیہ (بت) کے نام کا تلبیہ پکارتے تھے جس کی وہ مشلل پہاڑی کے اوپر عبادت کرتے تھے، اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا ومروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں کہا گیا ہے کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج)

بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت جس کا نام اساف اور مروہ پر ایک دوسرا بت جس کا نام نائلہ تھا، رکھ لئے تھے، جنہیں وہ سعی کے دوران چھوتے اور بوسہ دیتے تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرما دیا، اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (ایسر التفاسیر)

ایک فقہی مسئلہ:

سعی بین الصفا والمروہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت مستحب ہے اور امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب اس کے ترک سے ایک بکری ذبح کرنا لازم ہے۔

ونَزَلَ في اليهود ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ﴾ الناسَ ﴿مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ﴾ كآيةِ الرَّجم ونعتِ محمد ﴿مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ﴾ التوراةِ ﴿أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ﴾ يُبعِدُهم مِن رَحمَتِه ﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ الملائكة والمؤمنون او كلُّ شيءٍ بالدُّعاءِ عليهم باللَّعنةِ ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ رَجعُوا عن ذٰلك ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ عمَلَهم ﴿وَبَيَّنُوا﴾ ما كتَمُوه ﴿فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ﴾ اَقبَلُ توبَتَهم ﴿وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ بالمؤمنين ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ حالٌ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ اى هُم مُستحِقُّوا ذٰلك في الدُّنيا والآخرةِ والناسُ قِيلَ عام وقيل المؤمنون ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ اى اللَّعنةِ او النّارِ المدلولُ بها عليها ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ طرفة عين ﴿وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ يُمهَلونَ لِتَوبةٍ ومعذِرةٍ ونَزَلَ لمَّا قالُوا صِف لنا رَبَّك ﴿وَإِلَٰهُكُمْ﴾ اى المستحِقُّ للعبادة مِنكُم ﴿إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ لانظيرَ لهُ فِي ذَاتِهِ ولافِي صِفاته ﴿لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ هو ﴿الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾.

ترجمہ: اور یہود کے بارے میں اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ (الآیۃ) نازل ہوئی، بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت مثلاً آیت رجم اور محمد ﷺ کی صفات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان لوگوں کے لئے کتاب تورات میں بیان کردیا ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے یعنی اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (اور وہ) فرشتے اور مومنین ہیں یا ہر شئ جو ان کے لئے لعنت کی بددعاء کرتی ہے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے توبہ کرلی یعنی اس حرکت سے باز آگئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلی اور جو انہوں نے چھپایا تھا اس کو ظاہر کردیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ میں جن کی توبہ کو قبول کرتا ہوں اور میں بڑا درگذر کرنے والا ہوں اور مومنوں پر رحم کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور حالت کفر ہی میں مرگئے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، یعنی یہ لوگ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں، النَّاس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عام لوگ مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ مومنین مراد ہیں لعنت میں یا آگ میں جو کہ لعنت کا مدلول ہے ہمیشہ رہیں گے، (لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا) اور نہ ان کے عذاب میں پلک جھپکنے کی مقدار تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو توبہ اور معذرت کی مہلت ہی دی جائے گی، اور جب (مشرکین) نے کہا تم ہمارے لئے رب کا

وصف بیان کرو، تو یہ آیت نازل ہوئی وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ تمہارا خدا جو کہ تمہاری عبادت کا مستحق ہے ایک ہی خدا ہے ذات وصفات میں اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں وہی رحمٰن ورحیم ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: وَنَزَلَ فی الیهودِ اس میں اشارہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ میں موصول عہد کے لئے ہے، (کما قال صاحب الکشاف) اور مِنَ البینٰتِ میں الف لام بھی عہد کا ہے اس لئے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور فی الکتاب اس کا قرینہ ہے اس لئے کہ کتاب سے تورات مراد ہے۔

قِوْلَہُ: الناس یہ یَکْتُمُوْنَ کا مفعول ثانی ہے اور البینٰت سے احکام مراد ہیں جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے یعنی رجم وغیرہ اور ھُدٰی سے مراد آپ ﷺ کی صفات ہیں، جو آپ ﷺ کی اتباع کی جانب رہنمائی کرنے والی ہیں، لہٰذا ھدٰی بمعنی ھادٍ ہے، مبالغہ کے طور پر ھادٍ کو ھُدًی سے تعبیر کر دیا ہے۔

قِوْلَہُ: اَللّٰعِنُوْنَ واؤ اور نون کے ساتھ جمع لانے میں اشارہ ہے کہ لعنت کرنے والوں سے ذوی العقول مراد ہیں۔

قِوْلَہُ: اَو کُلُّ شیٍٔ اس میں اشارہ ہے کہ اَللّٰعِنُوْن میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قِوْلَہُ: ای اَللَّعْنَةُ او النار اس عبارت کا مقصد فیھا کے مرجع میں احتمال کو بیان کرنا ہے یعنی ہمیشہ رہیں گے لعنت میں یا آگ میں۔

قِوْلَہُ: المدلول بِها علیها یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: فیھا کا مرجع النار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ماقبل میں اس کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا؟

جَوَاب: النار اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر ضمناً مذکور ہے اس لئے کہ النار، اللَّعْنَة کا مدلول ہے یعنی جو شخص دائمی لعنت کا مستحق ہوگا اس کے لئے نار لازم ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ (الآیة) یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، علماء یہود نے کتاب اللہ یعنی تورات کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو رَبَّانیون اور مذہبی پیشواؤں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقہ میں مقید کر دیا، عام خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے اور عوام اور کمزور طبقے سے مال وصول کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں انہیں چھپانا اتنا بڑا ظلم اور جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر مخلوق بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔

مَسْئَلَہٌ: آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے، وہ جو مال کھاتا ہے وہ گویا اپنے پیٹ میں انگارے بھر رہا ہے اس لئے کہ اس عمل کا انجام یہی ہے، اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے، اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔

(معارف)

وطلبوا آية على ذلك فنزل **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** وما فيهما من العجائب **وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بالذهاب والمجيء والزيادة والنقصان **وَالْفُلْكِ** السفن **الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ** ولا ترسب موقرة **بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ** من التجارات والحمل **وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ** مطر **فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ** بالنبات **بَعْدَ مَوْتِهَا** يبسها **وَبَثَّ** فرق ونشر به **فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ** لأنهم ينمون بالخصب الكائن عنه **وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ** تقليبها جنوبا وشمالا حارة وباردة **وَالسَّحَابِ** الغيم **الْمُسَخَّرِ** المذلل بأمر الله يسير إلى حيث شاء الله **بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ** بلا علاقة **لَاٰيٰتٍ** دالات على وحدانيته تعالى **لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ** ﴿۱۶۴﴾ يتدبرون **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ** أي غيره **أَنْدَادًا** أصناما **يُحِبُّونَهُمْ** بالتعظيم والخضوع **كَحُبِّ اللّٰهِ** أي كحبهم له **وَالَّذِينَ اٰمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ** من حبهم للأنداد لأنهم لا يعدلون عنه بحال ما والكفار يعدلون في الشدة إلى الله **وَلَوْ يَرَى** تبصر يا محمد **الَّذِينَ ظَلَمُوا** باتخاذ الأنداد **إِذْ يَرَوْنَ** ببنائه للفاعل والمفعول يبصرون **الْعَذَابَ** لرأيت أمرا عظيما وإذ بمعنى إذا **أَنَّ** أي لأن **الْقُوَّةَ** القدرة والغلبة **لِلّٰهِ جَمِيعًا** حال **وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ** ﴿۱۶۵﴾ وفي قراءة يرى بالتحتانية والفاعل فيه قيل ضمير السامع وقيل الذين ظلموا فهي بمعنى يعلم وأن وما بعدها سدت مسد المفعولين وجواب لو محذوف والمعنى لو علموا في الدنيا شدة عذاب الله وأن القدرة لله وحده وقت معاينتهم له وهو يوم القيامة لما اتخذوا من دونه أندادا **إِذْ** بدل من إذ قبله **تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا** أي الرؤساء **مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا** أي أنكروا إضلالهم **وَ** قد **رَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ** عطف على تبرأ **بِهِمُ** عنهم **الْأَسْبَابُ** ﴿۱۶۶﴾ الوصل التي كانت بينهم في الدنيا من الأرحام والمودة **وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً** رجعة إلى الدنيا **فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ** أي المتبوعين **كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا** اليوم ولو للتمني ونتبرأ جوابه **كَذٰلِكَ** كما أراهم شدة عذابه وتبرؤ بعضهم من بعض **يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ** السيئة **حَسَرٰتٍ** حال ندامات **عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِينَ مِنَ النَّارِ** ﴿۱۶۷﴾ بعد دخولها

تَرْجَمَہ: اور مشرکین نے جب اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو یہ آیت ان فی خلق السماوات الخ اتری بلاشبہ

آسمانوں اور زمین کی ساخت میں اور ان کے عجائبات میں اور رات و دن کی آمد و رفت اور بڑھنے گھٹنے کے ذریعہ تغیر میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان تجارت اور بوجھ لے کر چلتی ہیں، اور بوجھل ہونے کے باوجود ڈوبتی نہیں ہیں اور اس پانی میں جسے آسمان سے بارش کی شکل میں اللہ نے برسایا ہے پھر اس پانی سے نباتات کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کیا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلایا اس لئے کہ ان کا نشو و نما اس سبزے سے ہوتا ہے جو پانی سے پیدا ہوتا ہے اور ہواؤں کو جنوباً و شمالاً اور گرم و سرد بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو اللہ کے حکم کے تابع ہیں (اور) زمین و آسمان کے درمیان بغیر کسی بندھن کے معلق ہیں (اور) جدھر اللہ چاہتا ہے اُدھر چلتے ہیں ان میں عقلمندوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں اللہ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ (یعنی) بتوں کو (اللہ کا) ہمسر ٹھہراتے ہیں، تعظیم اور عاجزی کے ذریعہ ان سے ایسی گرویدگی کا معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کے ساتھ اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں، ان کے شرکاء کی محبت کے مقابلہ میں، اس لئے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار مصیبت کے وقت (اپنے شریک کردہ شرکاء کو چھوڑ کر) اللہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور اے محمد ﷺ! اگر آپ ان لوگوں کو دیکھیں جنہوں نے شریک ٹھہرا کر ظلم کیا ہے جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے (یَـــرَوْنَ) معروف و مجہول دونوں ہیں، تو آپ ایک امر عظیم (ہولناک منظر) دیکھیں گے اور اذ بمعنی اذا ہے، اس لئے کہ پوری قدرت اور غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ (جَمِيعًا) كائنةً (مقدر) سے حال ہے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے، اور ایک قراءت میں یَرَی تحتانیہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ یری کا فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور کہا گیا ہے کہ الَّذِينَ ظَلَمُوْا ہے اور یَرَی بمعنی یعلم ہے، اور أنّ اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور لَوْ کا جواب محذوف ہے، اور معنی یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ دنیا میں جان لیں، قیامت کے دن ان کے عذاب کو دیکھنے کے وقت اللہ وحدہ کی قدرت اور شدت عذاب کو تو اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، إذْ، سابقہ إذْ سے بدل ہے، جبکہ پیشوا یعنی سردار اپنے ماتحتوں سے اظہار لاتعلقی کریں گے، یعنی ان کو گمراہ کرنے کے الزام سے انکار کر دیں گے حالانکہ عذاب کو (بچشم خود) دیکھ لیں گے، اور تمام رشتے ناتے منقطع ہو جائیں گے یعنی وہ تعلقات جو ان کے درمیان قرابت اور دوستی کے دنیا میں تھے (ختم ہو جائیں گے) تَقَطَّعَتْ کا عطف تَبَرَّأ پر ہے، اور ماتحت لوگ کہیں گے کاش ہم کو دنیا میں واپسی کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان متبوعین سے اسی طرح اظہار لاتعلقی کریں گے جس طرح آج انہوں نے ہم سے اظہار لاتعلقی کیا ہے، اور لَـــوْ تمنی کے لئے ہے فَنَتَبَرَّأَ جواب تمنی ہے، اسی طرح جیسا کہ دکھلائی ان کو اپنے عذاب کی شدت اور بعض کی بعض سے اظہار بیزاری دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے برے اعمال حال یہ کہ ان کے اوپر ندامت طاری ہوگی اور وہ داخل ہونے کے بعد آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں، حَسَرَاتٍ بمعنی ندامات، هُمْ ضمیر سے حال ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَطَلَبُوْا آیَةً عَلٰی ذٰلِكَ مشرکین کی جانب سے صفاتِ باری کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ فرمایا، تو مشرکین نے قرآن کے اس دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیة) نازل فرمائی، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ کائِنَةً کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم ہے اور لَآیَاتٍ لِقَوْمٍ یَعْقِلُوْنَ اس کا اسم مؤخر ہے۔

قولہ: فُلْكِ الَّتِی تَجْرِی. فُلْكٌ جب مفرد ہو تو مذکر ہے اور اگر جمع ہو تو جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے یہاں فُلْكِ مؤنث ہے اور قرینہ الَّتِی تجری اس کی صفت ہے۔

سوال: جمع مکسر مفرد میں تغیر کر کے بنائی جاتی ہے، جیسے رَجُلٌ سے رِجَالٌ مگر یہاں مفرد اور جمع دونوں ایک ہی وزن پر ہیں جمع میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو پھر یہ جمع مکسر کیسے ہوئی؟

جواب: اس میں تغیر معنوی ہوا ہے اس لیے کہ جب فُلك قُفْلٌ کے وزن پر ہو تو مفرد ہوگا اور جب اُسُدٌ کے وزن پر ہو تو جمع ہوگا۔

قولہ: من التجارات اس میں اشارہ ہے کہ بِمَا یَنْفَعُ میں ما موصولہ ہے ای تجری فی البحر بالذی ینفع الناس اور بعض نے مَا کو مصدریہ بھی کہا ہے، ای تجری فی البَحرِ بِنَفْعِ الناس.

قولہ: بلاَ عِلاقة عین کے کسرہ کے ساتھ محسوس رابطہ جیسے تلوار کا پٹکا اور عین کے فتحہ کے ساتھ معنوی یعنی غیر محسوس رابطہ جیسے عشق و محبت کا رابطہ یا حسد و عداوت کا تعلق۔

قولہ: تَبَصَّرُ مفسر علام نے یَرَیٰ کی تفسیر تَبَصَّرُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یَرَی سے رویت بصری مراد ہے نہ کہ قلبی اس لئے کہ رویت قلبی کے لئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہیں۔

قولہ: اِذْ بمعنی اِذَا یہ دو سوالوں کا جواب ہے۔

سوال: ❶: لَو اور اِذْ ماضی پر داخل ہوتے ہیں نہ کہ مضارع پر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اِذْ یَرَوْنَ العذابَ میں رویت کا وقوع چونکہ یقینی ہے لہٰذا مضارع پر اِذْ داخل کر دیا تا کہ بتاویل ماضی ہو کر یقینی الوقوع ہونے پر دلالت کرے۔

سوال: ❷: تو پھر مضارع کے بجائے ماضی کا صیغہ لانا چاہئے تھا تا کہ حقیقۃ یقینی الوقوع پر دلالت کرتا۔

جواب: چونکہ رویت درحقیقت مستقبل یعنی روز قیامت میں ہوگی اس کی طرف مضارع کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا۔

قولہ: لِاَنَّ یہ جواب شرط محذوف کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فَهِیَ بمعنی یَعْلَمُ. یَرٰی کو یَعلَمُ کے معنی میں اس لئے لیا ہے کہ ظالموں کا اللہ کے عذاب کی شدت کو دنیا میں بچشم سر دیکھنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ عذاب کا تحقق آخرت میں ہوگا، لہٰذا رویت سے رویت قلبی مراد ہے یعنی یَـرٰی. یَعْلَمُ کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وفی مُعَایَنَتِهِمْ یہ اَنَّ اللّٰه شدید العذاب کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: وقَدْ، قد کو محذوف ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے، اور قـد رأوا العذابَ، الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا اور الَّـذِیْنَ اتَّبَعُوْا دونوں کی ضمیر سے حال ہے ای رَائِین جیسے لَـقِیْتُ زیدًا رَاکِبَیْنِ اور چونکہ ماضی بغیر قد کے حال واقع نہیں ہوسکتی قد خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، لہٰذا یہاں قَدْ کو مقدر مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَو للتَّمَنِّی، لَوْ تمنی کے لئے ہے اور فَنَتَبَرَّأَ اس کا جواب ہے، یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

سَوَال: ① لَو کا جواب لام کے ساتھ ہوتا ہے، نہ کہ فاء کے ساتھ، حالانکہ یہاں فَنَتَبَرَّأَ، فا کے ساتھ ہے۔

سَوَال: ② فَنَتَبَرَّأَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ ناصب نہ لفظاً ہے اور نہ تقدیراً۔

جَوَاب: مفسر علام نے لـو لـلـتـمـنـی کہہ کر ان دونوں اعتراضوں کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں باتیں لَـو شرطیہ کے لئے ضروری ہیں اور یہ لَـو تمنیہ ہے، لَـو تمنیہ کے بعد اِن مقدر ہونے کی وجہ سے جواب تمنی منصوب ہوتا ہے۔ (کما لا یخفٰی علٰی مَن له درایة فی علم النحو).

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اِنَّ فِـیْ خَـلْـقِ السَّـمٰـوٰتِ وَالْاَرْضِ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عمدہ سند متصل کے ساتھ حضرت ابن عباس رَضَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے نقل کیا ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا: خدا سے دعا کرو کہ کوہِ صفا کو ہمارے لئے سونے کا بنا دے تاکہ اس کی وجہ سے ہم کو دشمن پر قوت حاصل ہو، تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمایا: میں ایسا کرسکتا ہوں لیکن اگر اس کے بعد بھی کفر کیا تو میں ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا، تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میری قوم کو اسی حالت پر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ یہ لوگ کوہِ صفا کو سونے کا بنانے کا مطالبہ کس طرح کر رہے ہیں حالانکہ وہ میری قدرت کی نشانیوں میں سے اس سے کہیں زیادہ عظیم و عجیب نشانیاں کائناتِ عالم میں دیکھ رہے ہیں۔

مشرکین کی جانب سے صفاتِ رب کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَاِلٰـهُـكُـمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الـرَّحْـمٰـنُ الـرَّحِـیْـمُ نازل فرمائی تو مشرکین نے دعوائے وحدت والوہیت پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اس کے جواب میں اِنَّ

فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیة) نازل فرمائی، یہ آیت اس معنی کے اعتبار سے بڑی اہم اور عظیم ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت والوہیت وقدرت پر یکجا دس نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

یعنی تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان ورحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی وعلامت درکار ہے، تو جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے مسلسل ادلنے بدلنے میں نیز ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمانوں سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش اور ان کے رخ بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بیشمار نشانیاں ہیں۔

یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانہ کو جو شب وروز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل وخرد سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آرہے ہیں، اس نتیجے پر پہنچانے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق، حکیم کے زیر فرمان ہے، تمام اقتدار واختیار بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کا اس میں قطعاً دخل نہیں۔

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا، آگے مشرکین کے شرک اور اس پر وعید کا بیان ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کی صفات میں شریک بنا لیتے ہیں، اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہئے انسانوں میں مظاہر پرستی اور نافع وضار چیزوں کو معبود ومسجود بنانے کا رجحان زمانِ قدیم سے ہے اور موجودہ زمانہ میں بھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے خود اپنی ہی بنائی ہوئی چیزوں اور خود تراشیدہ بتوں کی بندگی اور پوجا پاٹ شروع کردی۔

ہندوستان میں جب شروع شروع میں ریل نکلی تو دیہاتیوں نے اس کی بھی پوجا شروع کردی اور ریل کے انجن کے سامنے ناچتے گاتے ہوئے جانور کی بلی چڑھائی، اس طرح اپنے ہزاروں دیوتاؤں میں ایک انجن دیوتا کا اور اضافہ کرلیا۔

(ماجدی، ملخصاً واضافۃ)

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (الآیة) یعنی ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اللہ کی رضا ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو اور کسی چیز کی عقلی محبت انسان کے دل میں یہ مرتبہ ومقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان نہ کرسکتا ہو وَلَوْ تَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور کیا خوب ہوگا اگر یہ ظالم مشرکین جب دنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کرکے یہ سمجھ لیا

کرتے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اور دوسرے سب عاجز اور بے بس ہیں نہ اس مصیبت کو کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے، ایسے وقت میں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے، اور اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ وہ دارالجزاء ہے سخت ہوگا، تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ بتوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت منکشف ہو کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے۔

ربط آیات:

اوپر عذاب کی شدت کا بیان تھا یہاں شدت کی کیفیت کا بیان ہے، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا یہاں اس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، جب قیامت میں مشرکین کے خواص علماء اور امراء اپنے عوام اور اپنے متبعین اور رعایا سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو ایک موقع دنیا میں واپسی کا دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم بھی دنیا میں ان سے بیزار ہو کر اور ٹکا سا جواب دے کر دکھا دیتے۔

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں استاذی شاگردی یا ہم نسبتی اور قرابت کے یا ہم وطنی اور دوستی کے یہ سب اس دنیا تک محدود ہیں، آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ اور معائنہ کا وقت ہوگا سب ایک دوسرے سے بے تعلق بلکہ مخالف نظر آئیں گے اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ.

(سورۂ الزخرف)

ونزل فیمن حرّم السوائب ونحوہا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا حال طَيِّبًا ۖ صفۃ مؤکدۃ او مستلذا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طرق الشَّيْطٰنِ ۭ ای تزیینہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ بین العداوۃ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ الاثم وَالْفَحْشَاۗءِ القبیح شرعًا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ من تحریم ما لم یحرم وغیرہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ای الکفار اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ من التوحید وتحلیل الطیبات قَالُوْا لا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا وجدنا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ من عبادۃ الاصنام وتحریم السوائب والبحائر قال تعالیٰ أ یتبعونہم وَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا من امر الدین وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ الی الحق والہمزۃ للانکار وَمَثَلُ صفۃ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ومن یدعوہم الی الہدی كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ یصوت بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ ای صوتا لا یفہم معناہ ای ہم فی سماع الموعظۃ وعدم تدبرہا کالبہائم تسمع صوت راعیہا ولا تفہمہ ہم صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ الموعظۃ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ حلالات مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ علی ما احل لکم اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ای اکلها اذ الکلام فیه و کذا ما بعدها وہی مالم تُذك شرعا واُلحق بہا بالسُّنةِ ما اُبِینَ مِن حیٍّ وخُصَّ منہا السمكُ والجرادُ وَالدَّمَ ای المسفوحَ کما فی الانعام وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ خُصَّ اللحم لانہٗ معظمِ المقصُود وغیرہ تبع لہٗ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ای ذُبِحَ علی اسم غیرہ تعالٰی والاہلال رفعُ الصَّوتِ وکانوا یرفعُونه عندَ الذّبح لِاٰلِہَتِہِمْ فَمَنِ اضْطُرَّ ای الجأتہ الضرورۃُ الی اکل شئ مما ذکر فاَکَلَهٗ غَيْرَ بَاغٍ خارج علی المُسْلِمِیْنَ وَّلَا عَادٍ مُتعدٍ علیہمْ بقطع الطریقِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فِی اکلِہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِاَوْلیائہ رَّحِيْمٌ﴿۱۷۳﴾ باَہلِ طاعتِہ حیثُ وسَّعَ لہُم فی ذلك وخرَجَ الباغِی والعَادِی ویُلحقُ بِہِمَا کُلُّ عاصٍ بسفرہٖ کالاٰبق والمکّاس فلَا یحلُّ لہُم اکل شیءٍ مِن ذلك مَالَمْ یتُوبُوا وَعَلیہِ الشَّافِعِیُّ.

ترجمہ: اور (یہ آیت) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے سوائب وغیرہ (بتوں کے نام پر آزاد کئے ہوئے جانور) کو حرام کرلیا تھا، لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ (پیو) طَیِّبًا، حَلَالًا کی صفت مؤکدہ ہے، یا بمعنی مُتَلَذَّذاً ہے، (یعنی مرغوب و پسندیدہ) اور شیطان کے نقش قدم پر (یعنی طریقہ) پر نہ چلو یعنی اس کے آراستہ راستہ پر، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے وہ تمہیں صرف گناہ اور فحش یعنی شرعاً قبیح بات کا حکم کرتا ہے اور اس بات کا حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جن کو تم نہیں جانتے یعنی جو چیزیں حرام نہیں کی گئیں ان کو حرام کرنا وغیرہ، اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو توحید اور پاکیزہ چیزوں کی حلت نازل کی ہے اس کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے اور بتوں کی بندگی ہے اور وہ سوائب و بحائر کو حرام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ ان کی اتباع کریں گے؟ اگرچہ ان کے آباء (واجداد) دین کے معاملہ میں کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ حق کی طرف راہ یافتہ ہوں، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور کافروں کی مثال اور ان لوگوں کی جو ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اس شخص کے جیسی ہے جو اس کو آواز دیتا ہو جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہ سنتا ہو یعنی آواز کو کہ جس کے معنی نہ سمجھتا ہو، مطلب یہ کہ (یہ کافر) نصیحت سننے اور اس پر غور کرنے میں جانوروں کے مانند ہیں جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں مگر اس کو سمجھتے نہیں ہیں، وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں جو نصیحت کو نہیں سمجھتے، اے ایمان والو! جو حلال چیزیں ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ پیو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حرام کی گئی ہیں (ان میں ایک) مردار ہے یعنی اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ گفتگو کھانے ہی کے بارے میں ہے، اور اسی طرح اس کے بعد مذکور (چیزوں کا کھانا بھی حرام ہے) اور مردار وہ ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو، اور بحکم حدیث مردار میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی شامل کرلیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، اور مردار سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ

کر دیا گیا ہے اور بہتا خون ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے، اور خنزیر کا گوشت (حرام کیا گیا ہے) اور) (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں وہی مقصودِ اعظم ہے دوسری چیزیں (مثلاً رگ، پٹھے وغیرہ) اس کے تابع ہیں، اور وہ جانور (بھی حرام ہے) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (اھلال) آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں، اور مشرکین ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام بآواز بلند پکارتے تھے، سوا گر کوئی مجبور ہو جائے یعنی ضرورت نے اس کو مذکورہ چیزوں میں سے کھانے پر مجبور کر دیا ہو درانحالیکہ وہ باغی نہ ہو یعنی مسلمانوں کیخلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ رہزنی وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا ہو، تو ایسے شخص کے لئے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اپنے دوستوں پر مہربان ہے اپنے اطاعت گذاروں پر کہ ان کو اس معاملہ میں وسعت (سہولت) دیدی اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے اور (باغی اور ظالم) کے ساتھ ہر وہ شخص شامل ہے جو سفر معصیت کر رہا ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام، اور ظالمانہ طور پر مال وصول کرنے والا۔ ایسے لوگوں کے لئے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا حلال نہیں ہے، جب تک کہ توبہ نہ کر لیں، اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا یہی مذہب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا اس آیت کے مخاطب مکہ کے مشرکین ہیں، سورۃ کے مدنی ہونے کی وجہ سے اور سورت کا نزول اگرچہ مدنی ہے لیکن نزول مدنی ہو اور خطاب اہل مکہ کو ہو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

قولہ: حالٌ یعنی حلالاً، مِمَّا فی الارْضِ سے حال ہے، کلوا کا مفعول بہٖ نہیں ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لئے کہ اس صورت میں مِـمَّـا فِی الارضِ، حلالاً سے صفت یا حال ہوگا اور صفت کی تقدیم موصوف پر اور حال کی تقدیم ذوالحال پر خلافِ ظاہر ہے، گو بعض حضرات نے حَلَالاً کو کُـلُوا کا مفعول بہٖ بھی قرار دیا ہے، اور مِـمَّـا فـی الارضِ کو حلالاً سے حال مقدم قرار دیا ہے، ذوالحال کے نکرہ ہونے کیوجہ سے حال مقدم کر دیا گیا ہے۔

قولہ: السّوائب یہ سائبۃٌ کی جمع ہے، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو کسی بت وغیرہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور تعظیماً اس سے کسی قسم کا استفادہ نہ کیا جائے۔

قولہ: ونحوھا نحو سے بَحائر وغیرہ مراد ہیں، بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو غیر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا ہو اور علامت کے طور پر اس کے کان چیر دیئے گئے ہوں۔

قولہ: طیّبًا. صفة مؤکدة اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: جب حلالاً سے شرعاً پاکیزہ چیز مراد ہے تو پھر اس کے بعد طیّبًا کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اس لئے کہ جو چیز شرعاً حلال ہوتی ہے وہ پاک ہی ہوتی ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ طیبًا صفت مؤکدہ ہے نہ کہ احترازیہ۔
قَوْلُہٗ: او مُسْتَلَذًّا مفعول کے صیغہ کے ساتھ یعنی جو چیز مرغوب اور پسندیدہ ہو، اس صورت میں طیبًا صفت مقیدہ ہوئی، جس سے ناپسندیدہ مثلاً کڑوی اور بدمزہ اشیاء خارج ہوجائیں گی، مُسْتَلَذًّا صفت مخصصہ اس صورت میں ہوگی جب کہ او کے ساتھ ہو اور بعض نسخوں میں و مُستلذًّا واؤ کے ساتھ ہے، اس صورت میں طیبا صفت مؤکدہ ہوگی یعنی نفس مومن کو مرغوب شئی۔
قَوْلُہٗ: ای تزیینہٗ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، اور تزئین سے شیطانی وسوسے مراد ہیں۔
قَوْلُہٗ: یا مرکم بالسُّوء یہ اِنَّہٗ لکم عدوٌّ مُبین کے لئے علت کے مانند ہے، یعنی وہ تمہارا دشمن اس لئے ہے کہ وہ تم کو بری اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے، السُّوْء ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس سے خدا ناراض ہو خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور اَلْفَحْشَاء سے مراد کبیرہ گناہ ہیں، گویا یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مگر مفسر علام کے کلام سے دونوں میں تساوی مستفاد ہو رہی ہے۔
قَوْلُہٗ: مِن تحریم مَالَمْ یُحرَّمْ الخ یہ مالا تعلمُونَ میں ما کا بیان ہے۔
قَوْلُہٗ: اَیَتَّبِعُوْنَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور وَلَوْ کَانَ فعل مقدر کے معمول سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیَتَّبِعُونَھُم فی حالِ فرضِھِم غیر عاقلین ولا مھتَدِین ہمزہ انکار تعجب کے لئے ہے، مفسر علام نے اَیَتَّبِعونَھُم میں ہمزہ کے بعد فعل مقدر مان کر ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔
سَوَالٌ: اَوَلَوْ کَانَ میں لَو شرطیہ ہے، لہٰذا اس کے لئے جوابِ شرط کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں جواب شرط موجود نہیں ہے۔
جَوَابٌ: لَو پر جو واؤ داخل ہے وہ حالیہ ہے لہٰذا لَوْ کو اس صورت میں جواب کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شرط تب ہی حال واقع ہوتی ہے جب اس سے شرطیت کے معنی سلب کر لئے جاتے ہیں، اس لئے کہ جملہ مقدمہ محذوفہ کی صورت میں لَوْ میں معنی شرطیت باقی نہیں رہتے، لہٰذا اس کو جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ (ترویح الارواح)
قَوْلُہٗ: صفۃ یعنی مثل بمعنی صفت ہے نہ کہ بمعنی مشابہ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔
اعتراض: کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ میں کافِ تشبیہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مثل کے ذکر کے بعد کافِ تشبیہ بلا وجہ تکرار ہے۔
جَوَابٌ: پہلے مثل کے معنی تشبیہ کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی صفت کے ہیں، لہٰذا اب کوئی تکرار نہیں۔
قَوْلُہٗ: النعق والنعیق، صوت الراعی بالغنم چرواہے کی بکریوں کو ہانک۔
قَوْلُہٗ: وَمَنْ یَدْعُوھُمْ اِلَی الْھُدٰی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سَوَالٌ: آیت میں کفار کو ناعق (چرواہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اور کافروں کی مثال اس ناعق (چرواہے) کی ہے جو بہائم کو پکارتا ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ناعق داعی (ہدایت کی

طرف بلانے والے رسول یا مسلمان ہیں) اور کفار منعوق، مدعو (مثل بہائم) ہیں۔

جَوَابٌ: یہاں معطوف محذوف ہے اور وہ مَنْ یَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى ہے، لہٰذا کفار اور ان کے داعی کو، چرواہے اور بہائم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی کفار اور ان کے داعی مشبہ ہیں اور بہائم اور ان کا چرواہا مشبہ بہ ہیں، گویا کہ یہ تشبیہ مرکب بالمرکب ہے، جس میں ایک مجموعہ کو دوسرے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

سُوَالٌ: اگر اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے جیسا کہ قاضی وغیرہ نے مضاف محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَلُ دَاعِي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ اب مطلب یہ ہوگا، کہ داعی کی مثال ناعق (چرواہے) جیسی ہے یعنی داعی کو ناعق سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مطلب تو صحیح ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں تشبیہ داعی (مسلمان یا رسول) کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ہوگی نہ کہ مدعو کی حالت کو بیان کرنے کے لئے حالانکہ مقصود دونوں کی حالت کو بیان کرنا ہے اور اہم مدعو (کفار) کی حالت کو بیان کرنا ہے، جیسا کہ خود مفسر علام نے اس بات کی طرف اپنے قول هم في سماع الموعظة الخ سے اشارہ کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر مظہری جلد اول: ص ۱۶۷ کی طرف رجوع کریں)۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

يَأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ یہ آیت ثقیف اور خزاعہ اور عامر ابن صعصعہ اور بنی مدلج کے بارے میں نازل ہوئی تھی، کہ ان لوگوں نے اپنے اوپر حرث، انعام، البحیرہ، اور سائبہ اور الحام اور وصیلہ کو حرام کرلیا تھا۔ (مظہری)

ونزلت في قوم حرموا على انفسهم رفيع الاطعمة والملابس یعنی مذکورہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جنہوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور اچھا لباس حرام کرلیا تھا، (روح البیان) سبب نزول اگرچہ خاص بھی ہو لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان کے دام فریب میں آکر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو جس طرح مشرکین کہ بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو حرام کرلیتے تھے، لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ میں اتباع شیطان سے منع کیا جارہا ہے کہ خواہش اور نفس شیطانی کے اغواء سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ سمجھو، اور زمین (دنیا) میں حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں استعمال کرو اور اغواء شیطانی کے شکار نہ ہو کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے لگو اس لئے کہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے وہ ہمیشہ بدی اور فحش کا ہی حکم کرتا ہے۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ الخ شیطان کے حکم سے مراد وسوسہ ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ آدم کے بیٹے کے قلب میں ایک شیطانی الہام واثر ہوتا ہے اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے، شیطانی وسوسہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ برے کام کے فوائد اور مصالح سامنے آتے ہیں اور فرشتہ کے الہام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خیر اور نیکی پر انعام وفلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب مطمئن ہوتا ہے۔

مَسْئَلَہ: سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا اور کوئی جانور مثلاً مرغا، بکرا وغیرہ کسی بزرگ یا کسی پیر پیغمبر کے نام نامزد کر دیا جاتا ہے اس کی حرمت کا بیان بھی عنقریب وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں انشاء اللہ آنے والا ہے، اس آیت یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا الخ میں ایسے جانوروں کے حرام ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے بلکہ اس فعل کی حرمت وممانعت مقصود ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانوروں کو آزاد چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت وتقرب سمجھنا اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا عہد کر لینا یہ تمام افعال ناجائز اور گناہ ہیں۔

مَسْئَلَہ: اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے لئے نامزد کر کے آزاد کر دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس حرمت کے خیال سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے، تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا۔ (معارف)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا (الآیۃ) اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید واتباع کی مذمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح جائز تقلید واتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہو گیا جس کی طرف دو لفظوں سے اشارہ فرمایا: لَا یَعْقِلُوْنَ اور لَا یَهْتَدُوْنَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء واجداد کی تقلید واتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انہیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد احکام ہیں جو اللہ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے ہیں، اور عقل سے مراد وہ احکام ہیں جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے ہوں۔

آباء واجداد کے اتباع وتقلید کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی نصوصِ قطعیہ سے احکام کا استنباط کر سکیں، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ اس کے پاس قرآن وسنت کا علم ہے اور اس کو درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحۃً قرآن وسنت میں نہ ہوں ان کو نصوصِ قرآن وسنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے تو ایسے عالم کی تقلید واتباع جائز ہے، اس لئے نہیں کہ یہ اس کا حکم ماننا اور اس کی اتباع کرنی ہے بلکہ اس لئے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے مگر چونکہ ہم براہِ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتے اس لئے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو سکے۔

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق:

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیت پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس

سے مراد باطل عقائد واعمال میں آباء واجداد کی تقلید کرنا ہے، عقائد صحیحہ واعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورۂ یوسف میں اس طرح آئی ہے: اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ. وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ.

''میں نے ان لوگوں کی ملت اور مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کا''۔ اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

امام قرطبی نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید سے متعلق بھی مسائل واحکام بیان کئے ہیں، فرمایا:

تعلق قوم بهذه الآية فی ذم التقليد (الی) وهذا فی الباطل صحيح امّا التقليد فی الحق فاصل من اصول الدين وعَصمة من عصم المسلمين يلجاءُ اَلَيْهَا الجاهِلِ المقصر عن درك النظر.

(قرطبی: ص۱۹٤، ج۲۔ معارف)

''کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے، اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے، اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے''۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ (الآیة) اوپر اکل طیبات کے معاملہ میں مشرکین کو غلطی پر تنبیہ اور اصلاح مقصود تھی، اس آیت میں اہل ایمان کو اس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اس غلطی میں مشرکین کی موافقت نہ کریں، اس کے ضمن میں اہل ایمان پر اپنے انعامات کا بھی ذکر ہے، اور اس پر ادائے شکر کی تعلیم بھی ہے۔

ربط آیات:

اوپر تو اس کا بیان تھا کہ حلال کو حرام مت کرو آگے اس کا ذکر ہے کہ حرام کو حلال مت سمجھو مثلاً مردار جانور اور ایسے جانور جن کو غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو، اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کی توفیق اور دعا قبول ہونے میں اکل حلال کو بڑا دخل ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور مومنین کو وہی حکم کرتا ہے جو مرسلین کو کرتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر طے کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے یا ربِّ یا ربِّ اشعثَ اَغْبَرَ، مَطْعَمُهٗ حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغُذی بالحرام فانّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلك (رواہ مسلم) بہت سے لوگ طویل سفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام،

ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہو سکتی ہے؟

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ابوجعفر نے اَلْمَيِّتَةُ یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

سَوال: اِنَّمَا کلمہ حصر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں جو مذکور ہیں حرام ہیں، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جو دیگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک اِنَّمَا کے بارے میں نحاۃ کوفہ کا قول معتبر ہے جس میں انہوں نے کہا اِنَّ کلمۃ اِنَّمَا لَيْسَتْ للقصر بل هِیَ مرکبة من اِنَّ للتحقیق و مَا الکافة اور اگر اِنَّمَا کا کلمہ حصر ہونا تسلیم کرلیا جائے تو حصر اضافی ہوگا، اور یہ حصر ان چیزوں کے اعتبار سے ہوا جن کو کفار نے حرام کرلیا تھا، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔

اَلْمیتة مردار اور یہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا ذبح کرنا ضروری ہو، اور اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو، لہٰذا مچھلی اور ٹڈی اس میں داخل نہیں ہیں، یا ان دونوں کو حدیث کی وجہ سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے، (قال رسول اللہ ﷺ اُحل لَنَا میتتان ودَمَان السَّمك والجَرَاد والکبد والطحال) (اخرجه ابن ماجه والحاکم من حدیث ابن عمر) اور ان ہی کے ساتھ گوشت کے اس ٹکڑے کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، عن ابی واقد اللیثی قال قال رسول اللہ ﷺ: مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وهیَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ. (اخرجه ابو داؤد والترمذی)

آگے اس آیت میں جن چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے وہ چار چیزیں ہیں: مردار، خون، لحم خنزیر، اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

مردار: اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے از روئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ وغیرہ مار کر مار دیا جائے، تو وہ مردار اور حرام ہے، مگر خود قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائی جانوروں کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ اسی بناء پر حدیث میں بھی مچھلی اور ٹڈی کو میتہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، البتہ وہ مچھلی جو خود بخود مر کر پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے۔ (جصاص)

مَسْئَلَہ: اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کرلیا جائے تو اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ دھاری دار چیز سے زخم لگا دیا جائے اور قابو میں آنے سے پہلے مر جائے تو بغیر ذبح کے حلال ہو جاتا ہے، مگر زخمی دھاری دار آلہ سے ہونا چاہئے، لہٰذا پھاڑنے والے یا جلانے والے آلہ مثلاً گولی سے زخمی شدہ بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔

مَسْئَلَہ: اگر بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل الذبح مر جائے تو وہ حلال نہ ہوگا، اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کرلیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

مَسْئَلَہ: اگر بندوق کی گولی نوکدار ہو جیسا کہ آج کل ایسی گولی بنائی گئی ہے تو بعض علماء کا خیال ہے کہ ایسی گولی تیر کے حکم میں ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک ایسی گولی بھی جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح حلال نہیں۔

مَسْئَلَہ: مردار جانور کے تمام اجزاء حرام ہیں، مگر جانور کے وہ اجزاء جو کھانے کی چیز نہیں، مثلاً بال، سینگ، کھر، ہڈی وغیرہ یہ پاک ہیں، ان کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ان پر نجاست نہ لگی ہو۔

مَسْئَلَہ: مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں نہ ان کا استعمال جائز اور نہ خرید وفروخت۔

مَسْئَلَہ: یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں مثلاً صابون، کریم، لپ اسٹک وغیرہ جن میں چربی ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے، مگر مردار یا حرام جانور کی چربی کا یقینی علم نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام مثلاً ابن عمر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت کو بھی جائز رکھا گیا ہے۔ (جصاص، معارف)

مَسْئَلَہ: دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال ہوتی ہے جس کو عربی میں اِنفحة کہا جاتا ہے، یہ جانور کے پیٹ سے نکالی ہوئی ایک چیز ہوتی ہے اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے، اگر انفحة شرعی طریقہ سے مذبوحہ جانور کا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن غیر مذبوح کے پیٹ سے حاصل کیا ہوا انفحہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام اعظم، امام مالک اس کو پاک کہتے ہیں اور امام ابو یوسف امام محمد اور سفیان ثوری اس کو ناپاک کہتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

خون: دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے، اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر سورۂ انعام کی آیت میں مسفوح کی قید بھی ہے یعنی بہنے والا خون، لہٰذا جو خون منجمد ہو جیسے کلیجی، تلی، گردہ، پھیپھڑا وغیرہ یہ حلال اور پاک ہیں۔

مَسْئَلَہ: ذبح کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون ناپاک نہیں ہے، اگر زیادہ ہو تو اس کو بھی دھونا چاہئے۔

مَسْئَلَہ: جس طرح خون کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ، تحقیق اس کی یہ ہے کہ انسانی خون انسان کا جز ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ بھی نجس ہے، اس کا اصل تقاضہ تو یہی ہے، لہٰذا قاعدہ اور ضابطہ کی رو سے دوسرے کا خون چڑھانا جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اضطراری اور مجبوری کی صورت میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے:

خون اگرچہ انسانی جز ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور داخل کیا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کاٹ چھانٹ کے نکلتا ہے اور دوسرے انسان کا جز بنتا ہے، شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ کو بچے کی غذا قرار دیا ہے، اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی اجازت ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بان يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربهٗ للدواء. (عالمگیری: ص ٤، معارف)

''اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے، یا پینے میں استعمال کیا جائے''۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے اور جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے، صرف فرق یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک ہے، لہٰذا جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی اس لئے کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود دوسرے انسان کے بدن کا جزء بنتا ہے، اب صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج اور دوا کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں، مگر علاج اور دوا کے طور پر اضطراری حالت میں بلا شبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان خطرہ میں ہو اور کوئی دوسرا طریقہ مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو، اور خون دینے سے مریض کی جان بچنے کا گمان غالب ہو ان شرطوں کے ساتھ خون دینا اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے۔

خنزیر کی حرمت:

تیسری چیز جس کی حرمت اس آیت مذکورہ میں ہے وہ لحم خنزیر ہے اس کے نجس العین ہونے پر اتفاق ہے، قرآن میں خنزیر کے ساتھ لحم کی قید یا تو اس لئے ہے کہ اعظم مقصود گوشت ہی ہے بقیہ چیزیں اس کے تابع ہیں اور لحم کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ خنزیر دیگر حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ ذبح کے بعد اگرچہ کھانے کے لئے حرام ہی رہتے ہیں مگر وہ پاک ہو جاتے ہیں، البتہ خنزیر ذبح کرنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا، صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ (جصاص، قرطبی)

ائمہ کا مسلک:

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ خنزیر کے بالوں کا استعمال ضرورت کے پیش نظر صرف چمڑا سینے کے لئے جائز ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ممنوع قرار دیتے ہیں، اور امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مکروہ قرار دیا ہے اگر خنزیر کا بال پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لحم خنزیر کی مضرت:

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر فطرتِ سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے نظافت طبعی اس کی طرف رغبت کرنے سے کراہت کرتی ہے، خنزیر کا گوشت بکثرت استعمال سے اخلاقی خرابیاں اور بے حیائی کا پیدا ہونا ایک مسلم حقیقت ہے جن قوموں میں اس کو

کثرت سے کھانے کا رواج ہے ان کی بے حیائی کسی سے پوشیدہ نہیں، اس کے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین و مددگار ہوتا ہے اس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بہت کچھ لکھ چکے ہیں، سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن اور عیاں ہے کہ بعض قدیم قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہودیوں کے یہاں بھی خنزیر حرام تھا، آج مسیحی قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت کھاتی ہیں اور اس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کراہت کیسی؟ عجب نہیں کہ کچھ فضائل مسیحیت میں اس جانور کے وارد ہوئے ہوں، حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

بائبل میں سور کی حرمت اور نجاست:

اور سور کہ اس کا کھر دو حصہ (چرا ہوا) ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔

(احبار ۱۱:۷)

اور سور کہ کھر اس کے چرے ہوئے ہیں، یہ جگالی نہیں کرتا، بھی تمہارے لئے ناپاک ہے، تم اس کا گوشت نہ کھائیو نہ اس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔ (استثناء ۱۴:۸)

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ:

یہ چوتھی چیز ہے جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے، یہ وہ جانور ہے جس کو غیر اللہ کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کی تین صورتیں متعارف ہیں: اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح غیر اللہ ہی کا نام لیا جائے، یہ صورت باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور مردار ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں، اس لئے کہ یہ صورت آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی مدلول صریح ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ کا لیا جائے، جیسا کہ بہت سے ناواقف مسلمان پیروں اور بزرگوں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں، جیسے ربیع الثانی کے مہینہ میں گیارہویں شریف کے موقع پر (بقولِ جہلاء) غوث پاک کا خصی، ماہ محرم میں سیدنا حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام کا مرغا، اور شیخ سدو کے نام کا بکرا یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کے کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم لغیر اللہ کے طور پر چھوڑا جائے نہ اس سے کام لینے اور نہ اس کو ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کو حرام جانیں یہ جانور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں؛ بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فعل تو بنص قرآنی حرام ہے، جیسا کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ سے معلوم ہوتا ہے۔

مگر ان کے اس حرام عمل سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے سے یہ جانور حرام نہیں ہو جاتا، اس لئے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے، مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اگرچہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میری مِلک سے خارج ہو کر غیر اللہ کے لئے وقف ہو گیا، اس کا یہ عقیدہ باطل ہے وہ جانور بدستور اس کی مِلک میں ہے، اب اگر وہ شخص اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا ہبہ کر دے تو اس کے لئے یہ جانور حلال ہے جیسا کہ ہندو بکثرت اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام بکرا، گائے وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں، اور مندر کے پجاری کو اختیار دیدیتے ہیں، کہ جو چاہیں کریں، مندر کے پجاری ان کو فروخت کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض ناواقف مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا ہی عمل کرتے ہیں کہ بکرا مرغا وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں اور مجاوروں کو اختیار دیدیتے ہیں جن کو وہ فروخت کر دیتے ہیں ان مجاوروں سے ان جانوروں کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا وغیرہ سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:

یہاں ایک چوتھی شکل اور ہے جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً مٹھائی، کھانا وغیرہ، جن کو غیر اللہ کے نام پر منت کے طور پر ہندو بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراکِ علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام قرار دیا ہے، کتب فقہ مثلاً بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

اضطرار اور مجبوری کے احکام:

آیت مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے، فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس استثنائی حکم میں اتنی سہولت کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قانون شکنی کا داعیہ اور نہ قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کو کھا لینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں، بلکہ نہ کھانے میں گناہ ہے اگر نہ کھا کر مر گیا تو گناہ گار کی موت مرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کو کھانے کی اجازت دی گئی ہے، ایک

شرط مضطر ومجبور ہونا، مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو مثلاً کوئی شخص بھوک اور پیاس کی وجہ سے ایسی حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اگر نہ کھائے پیے تو اس کی جان جاتی رہے، اس لئے حرام چیز کو استعمال کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا ضرورت سے زیادہ کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

فائدہ: اضطرار اور مجبوری جس طرح داخلی ہوتی ہے خارجی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی شخص حرام چیز کھانے یا پینے پر مجبور کرے کہ اگر نہ کھاؤ گے نہ پیو گے تو تم کو قتل کر دیں گے یا کوئی عضو ضائع کر دیں گے تب بھی یہی حکم ہے، معمولی زدوکوب کا یہ حکم نہیں ہے۔

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر:

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی دو تفسیریں منقول ہیں ایک تو وہ ہے جس کو صاحب جلالین علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ باغ کا مطلب ہے امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور عاد کے معنی رہزنی کرنے والا، یا فساد فی الارض برپا کرنے والا، یعنی جو شخص امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور رہزنی کرنے والا ہو اور وہ حالت اضطرار میں آجائے تو اُسے اس حالت اضطرار کی سہولت حاصل نہیں ہوگی۔

بیضاوی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، بغوی نے کہا ہے کہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کا بھی یہی قول ہے، نیز مجاہد اور سعید بن جبیر بھی اسی کے قائل ہیں، ان حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ مسافر معصیت کو مضطر کی سہولیات حاصل نہ ہوں گی، بخلاف امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے، مگر زیادہ مفسرین کا رجحان اس طرف ہے کہ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا تعلق، اکل سے ہے، یعنی مضطر کا مقصد لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، اور نہ بقدر سدرمق سے تجاوز کرے، البتہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے، امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت امام احمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کی بھی ایسی ہی ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا راجح مذہب یہ ہے کہ اگر قریبی زمانہ میں حلال کھانا ملنے کی توقع ہو تو سدرمق سے زیادہ کھانا جائز نہیں، اور اگر امید نہ ہو تو پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے بلکہ بطور توشہ ساتھ بھی لے سکتا ہے۔ (مظہری ملخصًا)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ المشتمل علی نعت محمد صلی اللّٰه علیه وسلم وهم الیهود وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا من الدنیا یاخذونه بدله من سفلتهم فلا یظهرونه خوف فوته علیهم اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ لانها مآلهم وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غضبًا علیهم وَلَا یُزَکِّیْهِمْ یطهرهم

مِن دَنَسِ الذُّنُوبِ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** (۱۷۴) مُؤلِمٌ هُوَ النارُ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى** اَخَذُوهَا بَدَلَهُ فِي الدنيا **وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ** المُعَدَّةِ لَهُمْ في الاخرةِ لو لَمْ يَكتُمُوا **فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ** (۱۷۵) اى ما اَشَدَّ صَبْرَهُمْ وهُوَ تَعجِيبٌ للمؤمنينَ مِن ارتكابِهم مُوجِبَاتِهَا مِن غيرِ مُبالاةٍ وَالّا فَاَيُّ صَبرٍ لَهُمْ **ذٰلِكَ** الذى ذُكِرَ مِن اَكلِهِمُ النارَ وَمَا بعدَهُ **بِاَنَّ** بسببِ اَنَّ **اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ** متعلق بنَزَّلَ فَاختلفُوا فيه حيثُ اٰمَنُوا ببعضِه وَكَفَرُوا ببعضِه بكَتمِه **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ** بذٰلِكَ وهُمُ اليهودُ وقيلَ المشركونَ في القراٰنِ حيثُ قالَ بعضُهُمْ شِعرٌ وبعضُهم سِحرٌ وبعضُهم كَهَانَةٌ **لَفِىْ شِقَاقٍ** خِلافٍ **بَعِيْدٍ** (۱۷۶) عن الحَقِّ.

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کتاب (تورات) کو جو اللہ نے نازل کی ہے جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے (اور چھپانے والے) یہود ہیں اور اس کے عوض دنیوی قلیل قیمت لیتے ہیں اور چھپانے کے بدلے اپنے عوام سے قلیل ثمن وصول کرتے ہیں، اور اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے اندیشہ سے حضور ﷺ کی صفات کو ظاہر نہیں کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں، اس لئے کہ دوزخ انکا انجام ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر غضبناکی کی وجہ سے ان سے کلام نہ کرے گا، اور نہ ان کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ آگ ہے اَلِیْمٌ بمعنی مُولِمٌ ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے یعنی دنیا میں ہدایت کے بجائے گمراہی لے لی ہے، اور عذاب کو مغفرت کے عوض لیا ہے (یعنی) وہ مغفرت جو ان کے لئے تیار کی گئی تھی اگر وہ کتمان نہ کرتے، تو یہ لوگ کس قدر آگ پر صبر کرنے والے ہیں (یعنی) کس قدر سخت ہے ان کا صبر، اور لاپرواہی سے ان کے موجباتِ نارِ جہنم کے ارتکاب کرنے پر مسلمانوں کو تعجب دلانا ہے ورنہ انھیں صبر کیسا؟ اور یہ آگ کا کھانا اور اس کا مابعد اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب (تورات) کو حق کے ساتھ نازل کیا (بالحق) نَزَّلَ کے متعلق ہے، تو اس میں انھوں نے اختلاف کیا، اس طریقہ پر کہ کچھ حصہ پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کر دیا اس کو چھپا کر اور جن لوگوں نے کتاب میں مذکورہ طریقہ پر اختلاف کیا بلاشبہ وہ یہود ہیں، اور کہا گیا ہے کہ قرآن میں اختلاف کرنے والے مشرکین ہیں، اس طریقہ پر کہ ان میں سے بعض نے کہا (قرآن) شعر ہے اور بعض نے کہا جادو ہے، اور بعض نے کہا کہانت ہے، بلاشبہ یہ لوگ اختلاف میں (حق سے) بہت دور ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مِنَ الْكِتَابِ یہ ضمیر محذوف سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَنزَلَهُ اللّٰهُ كَائِناً مِنَ الكِتَابِ.

قَوْلُهُ: مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ، فِی بُطُونِهِم کے اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ

اکل مجازاً غصب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے، اَکَلَ فُلانٌ اَرضی فلاں شخص میری زمین کھا گیا، یعنی غصب کرلی، جیسا کہ طَائِر یَطِیْرُ بجناحیه میں بھی یَطِیْرُ بجناحیه کا اضافہ احتمال مجاز کو دفع کرنے کے لئے ہے۔ اگر اکل نار سے جہنم میں اکل نار مراد ہے تو نار کے حقیقی معنی مراد ہوں گے یعنی درحقیقت آگ کھائیں گے اور اگر دنیا میں اکل نار مراد ہو مجازاً نار مراد ہوگی یعنی سبب نار مراد ہوگا، اس لئے کہ رشوت کا مال نار جہنم کا سبب ہوگا، اور اگر نار سے بالقوہ نار مراد ہو تو دنیا میں بھی نار کے حقیقی معنی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ماچس بالقوہ آگ ہوتی ہے، مفسر علام نے لِاَنَّهَا مَآلُهُمْ کا اضافہ کر کے معنی مجازی کی جانب اشارہ کیا ہے۔

قولہ: فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ یہ صیغہ تعجب ہے ای مَا اَصْبَرَهم علی اعمال اهلِ النار اور تعجب سے مراد تعجیب یعنی تعجب میں ڈالنا ہے، اور تعجب بندوں کی نسبت سے ہے اس لئے کہ تعجب کا منشا سبب سے ناواقفیت ہے، تعجب کہتے ہیں انفعال النفس مما خفی سببُهٗ تعجب نام ہے نفس کا ایسی چیز سے منفعل ہونے کا جس کا سبب مخفی ہو اور یہ شانِ باری کے لئے محال ہے اور بعض حضرات نے مَآ اَصْبَرَهُمْ میں مَا کو استفہامیہ برائے توبیخ کہا ہے: ای اَیُّ شیئٍ اَصْبَرَهم علی عملِ النارِ۔ (فتح القدیر ملخصًا)

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتَابِ یہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو احکام تورات و اور خاص طور پر آپ ﷺ کی صفات کو عوام سے چھپاتے تھے بلکہ ان صفات کے خلاف ظاہر کرتے تھے اور عوام سے ہدیئے تحفے وصول کرتے تھے، علماء یہود کا خیال تھا کہ آخری نبی ان ہی میں سے ہوگا، مگر جب بنی اسماعیل میں آگیا تو حسد اور بقاء ریاست اور ہدایا و تحائف کے لالچ کی وجہ سے آپ ﷺ کی ان صفات کو جو تورات میں مذکور تھیں چھپالیا۔

وَقَدْ اَخْرَجَ ابن جریر عن عکرمة فی قوله (اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) قَالَ: نَزَلَتْ فِی یهود واخرج ابن جریر عن السدّی قال: کَتَمُوا اسم محمد ﷺ، وَاَخَذُوْا علیه طَمَعًا قلیلًا فهو الثمن القلیل.

فی لباب النقول اَخْرَجَ الثعلبی من طریق الثعلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما، قال: نَزَلَتْ هذه الآیة فی رؤساء الیهود وعلمائهم کانوا یصیبونَ من سفلتهم الهدایا والفضل وکانوا یرجُونَ اَن یکونَ النبی المبعوث منهم فَلَمَّا بعثَ اللّٰهُ محمدًا ﷺ مِن غیرهم خافوا ذِهَابَ ما کلتهم وزوال ریاستهم فعَمَدُوا الی صفة ﷺ فغیّروها ثم اَخرَجُوها الیهم وقالوا هذه نعت النبی

الذی یخرج فی آخر الزمان لا یشبه نعت هذا النبی ، فانزل اللّٰه اِنّ الذِینَ یکتُمُونَ مَا انزل اللّٰه من الکتاب. (حاشیه بیان القرآن)

آیت مذکورہ کا شانِ نزول اگرچہ خاص واقعہ ہے مگر اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص کتمان حق کرے گا اور دین فروشی کرے گا تو وہ بھی اسی وعید کا مستحق ہوگا، خلاصہ یہ کہ عوام میں جتنے غلط توہمات اور رسم و رواج جنم لیتے ہیں، ان کی ذمہ داری ان علماء پر ہے جنکے پاس کتاب الٰہی کا علم ہے مگر وہ عوام تک اس علم کو نہیں پہنچاتے اور جب لوگوں میں جہالت کی وجہ سے غلط رسم و رواج پھیلنے لگتے ہیں تو یہ علماء سوء اس وقت بھی گونگے کا گڑ کھائے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اپنا فائدہ اسی میں سمجھتے ہیں کہ صحیح احکام پر پردہ ہی پڑا رہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فی الصلوة قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ نَزَلَ رَدًّا علَى اليهودِ والنصارى حيثُ زَعَمُوا ذلك وَلٰكِنَّ الْبِرَّ اى ذَا البرِّ وقُرِئَ البَارُّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ اى الكتب وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى مع حُبِّهٖ له ذَوِى الْقُرْبٰى القرابة وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ المسافر وَالسَّآئِلِيْنَ الطالبينَ وَفِى فكِّ الرِّقَابِ المكاتبين والاسرى وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ المفروضة وما قبله فى التطوع وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا الله او الناس وَالصّٰبِرِيْنَ نصبٌ على المدح فِى الْبَاْسَآءِ شدةِ الفقر وَالضَّرَّآءِ المرض وَحِيْنَ الْبَاْسِ وقت شدةِ القتال فى سبيلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الموصوفون بما ذُكر الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فى ايمانهم او ادّعاءِ البرِّ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ الله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرض عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ المماثلةُ فِى الْقَتْلٰى وصفًا وفعلاً اَلْحُرُّ يُقتَلُ بِالْحُرِّ ولا يُقتَلُ بالعبد وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى وبيّنتِ السُّنّةُ اَنّ الذكرَ يُقتَلُ بها وانّه تُعتبَرُ المماثلةُ فى الدِّين فلا يُقتل مُسلمٌ ولو عبدًا بكافرٍ ولو حُرًّا فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ من القاتلينَ مِنْ دم اَخِيْهِ المقتولِ شَىْءٌ بان تُركَ القصاصُ منه وتنكير شئ يفيدُ سقوطَ القصاص بالعفوِ عن بعضِه ومن بعضِ الورثة وفى ذكر اخيه تعطّفٌ داعٍ الى العفوِ وايذانٌ بانّ القتلَ لا يَقطَعُ اُخُوّةَ الايمان ومَن مبتدأ شرطيّةٌ او موصولة والخبرُ فَاتِّبَاعٌ اى فعلى العافى اتّباعُ القاتلِ بِالْمَعْرُوْفِ بان يُطالبَه بالدِّية بلا عنفٍ وترتيب الاتّباعِ على العفوِ يفيد اَنّ الواجبَ احدُهما وهو احدُ قولَى الشافعى رحمة الله عليه والثانى الواجبُ القِصاصُ والدِّيةُ بَدلٌ عنه فلو عفا ولم يُسمِّها فلا شئ ورُجّحَ وَ على القاتل اَدَآءٌ للدِّية اِلَيْهِ الى العافى وهو الوارثُ بِاِحْسَانٍ بلا مطلٍ ولا بخسٍ ذٰلِكَ الحكمُ المذكورُ من جوازِ القِصاصِ والعفوِ عنهُ على الدِّية تَخْفِيْفٌ تسهيلٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عليكم وَرَحْمَةٌ بكم حيثُ وسّعَ فى ذلك ولم يحتِمْ واحدًا منهما كما حتَمَ على اليهودِ القصاصَ وعلى النصارى الدية

فَمَنِ اعْتَدٰى ظلمَ القاتلَ بان قتلَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ اى العفو فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ مُؤلمٌ فى الأخرة بالنار او الدنيا بالقتل وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اى بقاءٌ عظيمٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ ذوى العقول لِأنَّ القاتل اذا علم أنَّهُ يُقتلُ ارتدَعَ فاحيى نفسَهُ ومن ارادَ قتلهُ فشرع لكم لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ القتلَ مخافةَ القَودِ.

ترجمہ: تمام تر اچھائی نماز میں مشرق ومغرب کی طرف رخ کرنے ہی میں نہیں یہ آیت یہود ونصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ وہ اس قسم کا اعتقاد رکھتے تھے، بلکہ اچھا یعنی نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھنے والا ہو، اور البِرّ کے بجائے البَار بھی پڑھا گیا ہے، اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوالیوں کو دے اور مکاتبوں کو اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے اور نماز کی پابندی کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے ماقبل (میں مذکور زکوٰۃ) سے نفلی صدقہ مراد ہے (اور نیک وہ لوگ ہیں) کہ جو اللہ سے یا لوگوں سے عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں اور الصَّابرینَ منصوب بالمدح ہے اور تنگی (یعنی) شدید حاجت اور تکلیف میں یعنی مرض میں اور راہ خدا میں شدتِ قتال کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہ لوگ یعنی مذکورہ صفات کے حاملین اپنے ایمان میں اور نیکی کا دعویٰ کرنے میں سچے ہیں، اور یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں وصفاً اور فعلاً مماثلت (برابری) فرض کی گئی ہے آزاد آزاد کے بدلے قتل کیا جائے، اور غلام کے عوض (آزاد) قتل نہ کیا جائے، اور غلام، غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض (قتل کی جائے) اور سنت نے بیان کیا کہ مردوں کو عورتوں کے عوض قتل کیا جائے گا، اور یہ کہ دین میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا مسلمان اگرچہ غلام ہو کافر کے عوض اگرچہ آزاد ہو قتل نہیں کیا جائے گا، ہاں! قاتلین میں سے کسی کو اپنے مقتول بھائی کے خون کی کچھ معافی دیدی جائے، اس طریقہ سے کہ اس سے قصاص معاف کردیا جائے، اور شَیٌٔ کی تنکیر بعض ورثاء کی طرف سے قصاص کا مطالبہ اور بعض کی طرف سے قصاص کی معافی کی صورت میں قصاص کے ساقط ہونے کا فائدہ دیتی ہے، اور بھائی کا ذکر کرنے میں معافی کی داعی شفقت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ قتل اخوۃ ایمانی کو قطع نہیں کرتا، اور مَنْ مبتداء ہے شرطیہ ہے یا موصولہ اور فَاتِّبَاعٌ خبر ہے، تو معاف کرنے والے کا قاتل کا معروف طریقہ پر تعاقب (مطالبہ) کرنا ہے، اس طریقہ پر کہ سختی کے بغیر (نرمی سے) مطالبہ کرے، اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ واجب ان دونوں میں سے ایک ہے، اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے ایک ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب قصاص ہے، اور دیت اس کا بدل ہے چنانچہ اگر مقتول کے وارث نے معاف کردیا اور دیت کا تذکرہ نہ کیا تو مقتول کے ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہے، اور یہی قول راجح قرار دیا گیا ہے، اور قاتل پر معاف کرنے والے یعنی وارث کے پاس دیت کو خوبی کے ساتھ پہنچا دینا ہے بایں طور کہ بغیر ٹال مٹول اور کمی کے پہنچا دے یہ حکم (یعنی) جواز

قصاص اور دیت کے عوض قصاص سے معافی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سہولت اور رحمت ہے اس لئے کہ اس میں وسعت کردی ہے، اور (متعین طور پر) ان دونوں میں سے ایک واجب نہیں کیا جیسا کہ یہود پر (صرف) قصاص واجب کیا تھا، اور نصاریٰ پر (صرف) دیت واجب تھی پھر جس نے قاتل پر زیادتی کی بایں طور کہ معاف کرنے کے بعد اس کو قتل کردیا تو اس کے لئے آخرت میں آگ کا دردناک عذاب ہے یا دنیا میں قتل ہے، اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے یعنی بقاء عظیم ہے اس لئے کہ قاتل کو جب یہ علم ہوگا کہ وہ بھی قتل کیا جائے گا تو وہ (قتل) سے باز رہے گا، تو اس نے خود اپنی جان بچائی اور جس کے قتل کا ارادہ کیا تھا اس کی بھی، لہٰذا تمہارے لئے قانون قصاص مشروع کیا گیا ہے تا کہ تم قصاص کے خوف سے قتل سے بچو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَیْسَ الْبِرَّ لَیْسَ ماضی جامد فعل ناقص ہے اس کا مضارع مستعمل نہیں ہے اس لئے کہ لَیْسَ اگرچہ صیغہ ماضی کا ہے مگر اس کے معنی نفی للحال کے ہیں، لَیْسَ اصل میں لَیِسَ بروزن فَعِلَ تھا، اگر لَیِسَ کے لئے یاء ساکنہ لَیْتَ کے مانند لازم نہ ہوتی تو لَیِسَ میں یاء ساکن ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء الف سے بدل جاتی تو لاسَ ہوجاتا۔

قَوْلُہٗ: البرَّ بالنصب، البرَّ لَیْسَ کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَنْ تُوَلُّوْا بتاویل مصدر ہو کر لَیْسَ کا اسم مؤخر ہے، اور بعض قراء نے البرُّ کو اسم لیس قرار دے کر مرفوع بھی پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تُوَلُّوْا تم رخ کرو تَوْلِیَۃً سے مضارع جمع مذکر حاضر، نونِ اعرابی عامل ناصب اَنْ کی وجہ سے گر گیا، یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی رخ کرنے اور منہ پھیرنے، دونوں کے آتے ہیں۔

فَائِدَہ: لَیْسَ البرَّ پر سورۂ بقرہ نصف ہوگئی، نصف اول اصول دین اور بنی اسرائیل کے بیان پر مشتمل ہے اور نصف ثانی کا غالب حصہ احکام فرعیہ تفصیلیہ سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: فی الصلوٰۃ، فی الصلوٰۃ کے ساتھ مقید کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خارجِ صلوٰۃ کدھر بھی رخ کرنا کسی کے یہاں مطلوب و محمود نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ردًّا علی الیھود والنصاریٰ.

تَنْبِیْہ: یہ تردید نصاریٰ کے بارے میں تو درست ہے اس لئے کہ وہ عبادت میں مشرق کی جانب رخ کرتے ہیں مگر یہود کے بارے میں درست نہیں ہے اس لئے کہ یہود عبادت میں بیت المقدس کی جانب رخ کرتے ہیں، نہ کہ مغرب کی طرف، اور بیت المقدس مدینہ سے جانب شمال میں ہے نہ کہ جانب مغرب میں (فیہ ما فیہ) لہٰذا اگر یہود و نصاریٰ کی تخصیص نہ کرتے ہوئے مطلق

جہت مراد لی جائے بایں طور کہ عبادت میں کوئی جہت مقصود و مطلوب نہیں ہے، اصل مطلوب امتثال امر ہے، متعدد بار تحویل قبلہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذَا البرّ وقُرِئَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا ترجمہ ہے ''نیکی وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا'' حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: یہ کہ مصدر کے ماقبل ذو محذوف مانا جائے ای ذَا البــــرِّ اس طرح مصدر اسم فاعل بن جائے گا اور ترجمہ یہ ہو جائے گا، نیکی والا (یعنی) نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔

دوسرا جواب: یہ دیا ہے کہ بِرٌّ مصدر بَارٌّ اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں حمل مصدر علی الذات کا اعتراض ختم ہو جائے گا، بعض حضرات نے ایک تیسرا جواب دیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے مصدر جانب خبر میں محذوف مانا جائے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: لکنَّ البرّ برُّ مَن امَن اس صورت میں بھی کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

قَوْلُہٗ: وَآتَی الْمَالَ عَلٰی مع حُبِّہٖ لہٗ، علی بمعنی مع ہے، اس لئے کہ یہاں استعلاء کے معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: حُبِّہٖ لہٗ، لہٗ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں: ① مال کی طرف راجع ہو یعنی مال کی حاجت وضرورت کے باوجود اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ② اللہ کی طرف راجع ہو یعنی اللہ کی محبت کی وجہ سے راہِ خدا میں مال صرف کرتے ہیں، ③ آتَی سے جو اِتیان مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہو یعنی راہِ خدا میں دینے کو محبوب سمجھتے ہوئے حاجت مندوں کو دیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی حُبِّہٖ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ذوالحال آتَی کی ضمیر ہے (ای آتی المال حال محبتہٖ لہٗ).

قَوْلُہٗ: القربیٰ مصدر ہے، نہ تو قریبٌ کی جمع ہے اور نہ اَقْرَبُ کی مؤنث ہے، اور قرینہ اس کا ذو کی اضافت ہے اگر قربیٰ قریب کی جمع یا اقربُ کی مؤنث ہو تو ذو کی اضافت درست نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: والموفون بعهدهم اس کا عطف مَن آمَنَ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: نَصبُ علی المدح اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: والصَّابِرُونَ رفع کے ساتھ ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ الموفون پر عطف ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ الموفون پر عطف کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ الصَّابرونَ رفع کے ساتھ ہو لیکن نصب دیا گیا تا کہ مقصد بدرجہ اتم مکمل ہو، لہٰذا اَمْدَحُ مقدر کی وجہ سے الصابرینَ منصوب ہے، اختصار کو چھوڑ کر اطناب کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام، مقام مدح ہے اور جب مقام مدح میں صفات کثیرہ ذکر کی جاتی ہیں تو احسن طریقہ یہ ہے کہ ان کا اعراب مختلف ہو اس لئے کہ اعراب کا اختلاف انواعِ متعددہ پر دلالت کرتا ہے اور اتحاد فی الاعراب نوعِ واحد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جب اعراب میں اختلاف ہوگا تو مقصد حمد و مدح بطریق اکمل پورا ہوگا، گویا کہ والصابرون صفت

مقطوع عن الموصوف ہے اور موصوف الموفون ہے، اور صفت کا قطع موصوف سے جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں ہے۔

قِوْلَہٗ: أُولٰئِكَ مبتداء الَّذِينَ صدقُوا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر اول، أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ جملہ ہو کر خبر ثانی، یہ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلْقَتْلٰى قتیل کی جمع ہے بمعنی مقتول۔

قِوْلَہٗ: وَصْفًا وفعلاً مماثلت فی الوصف کا مطلب یہ ہے کہ حر و عبد کا تفاوت نہ ہو، اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ اور جس آلہ سے مقتول کو قتل کیا گیا ہے قاتل کو بھی اسی طرح قصاصاً قتل کیا جائے، اگر جلا کر قتل کیا ہے تو قاتل کو بھی جلا کر قتل کیا جائے، اور غرق کر کے قتل کیا ہے تو قاتل بھی غرق کر کے قتل کیا جائے علیٰ ھذا القیاس۔

قِوْلَہٗ: المماثلة اس لفظ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ قصاص کا صلہ فی نہیں آتا، مگر یہاں صلہ فی استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: قصاص، مماثلت کے معنی کو متضمن ہے اس لئے فی صلہ لانا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: تنكير شيءٍ يُفيدُ سقوطَ القصاص الخ یعنی شیٔ میں فاعل کے معنی ہونے کی وجہ سے اصل تعریف ہے مگر نکرہ لا کر اشارہ کر دیا کہ اگر کسی وارث نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

قِوْلَہٗ: فی ذکر اخیهِ الخ لفظ اخ سے اشارہ کر دیا کہ قاتل نے اگر چہ قتل کر کے بڑا ظلم کیا ہے اور مقتول کے ورثاء کو بہت تکلیف پہنچائی ہے مگر ہے تو پھر بھی تمہارا بھائی لہٰذا اس پر رحم کرو۔

قِوْلَہٗ: وايذان بان القتل لا يقطعُ اخوةَ الايمان اس سے معتزلہ پر رد مقصود ہے، قتل ناحق چونکہ گناہ کبیرہ ہے جو انسان کو معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور کافر اور مسلمان میں کوئی اخوۃ نہیں ہوتی، مگر مِنْ دمِ اخِيهِ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ قتل ناحق اگر چہ گناہ کبیرہ ہے مگر اسلام سے خارج نہیں کرتا ورنہ تو اس کو اخ نہ کہا جاتا۔

قِوْلَہٗ: وَمَنْ مبتداء ہے خواہ شرطیہ ہو یا موصولہ اور فَاتِّبَاعٌ بالمعروفِ اس کی خبر ہے، جواب شرط ہونے کی وجہ سے فا داخل ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء نے قاتل سے قصاص معاف کر دیا اور دیت پر رضامند ہو گئے تو قاتل کو یہ ہدایت ہے کہ دیت بحسن وخوبی ادا کر دے بلا وجہ ٹال مٹول نہ کرے، ادھر معاف کرنے والے ورثاء کو یہ ہدایت ہے کہ دیت وصول کرنے کے لئے قاتل کے پیچھے نہ پڑ جائیں بلکہ نرمی اور سہولت سے تقاضا کریں یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے قصاص معاف کر دیا ہے تو قاتل پر بڑا احسان کر دیا، اس لئے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قِوْلَہٗ: فَعَلَى العَافِى مفسر علام نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے:

اعتراض: مَن شرطیہ ہو یا موصولہ، جواب شرط کا پہلی صورت میں اور صلہ کا دوسری صورت میں جملہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ صلہ حکم میں جزاء کے ہوتا ہے۔

جَوَابِ: کا حاصل یہ ہے کہ فاتباع بھی جملہ ہے اس لئے کہ اتباع مبتداء ہے اور اس کی خبر عَلَی العَافِی خبر مقدم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: فَعَلَی العَافی اِتباع بالمعروف.

قَوْلَہٗ: وترتیب الاتباع علی العفو الخ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ دیت قصاص کا بدل یا تابع نہیں ہے بلکہ مستقل واجب ہے کہ قرآن کریم میں اتباع یعنی مطالبہ دیت کو عفو قصاص پر مرتب کیا ہے یعنی اول درجہ قصاص کا ہے اگر قصاص کسی وجہ سے ساقط ہو جائے تو دیت خود بخود واجب ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ دیت قصاص کا بدل نہیں ہے کہ اگر قصاص معاف ہو جائے تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے، بلکہ ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور مقدم قصاص ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا یہ قول اول ہے، اگر فقط قصاص واجب ہوتا اور دیت اس کا بدل ہوتا جیسا کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا قول ثانی ہے، تو بلا عوض یا مطلقاً قصاص معاف کرنے سے دیت بلا ذکر واجب نہ ہوتی حالانکہ دیت بلا ذکر واجب ہوتی ہے۔

قَوْلَہٗ: والثانی الواجب القصاص والدیة بدل عنه یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے قول ثانی کا بیان ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے اگر مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کا کوئی ذکر نہ کیا تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے گی اور یہی قول راجح ہے اس لئے کہ تعیین کے ساتھ قصاص کے وجوب پر نصوص موجود ہیں۔

قَوْلَہٗ: وعلی القاتل اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد سابق اعتراض کا دفعیہ ہے وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ باحسان کا عطف چونکہ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ پر ہے لہٰذا جو اعتراض وہاں ہوتا ہے وہی یہاں ہوتا ہے، اعتراض و جواب کی تقریر سابق میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے۔

قَوْلَہٗ: الحکم المذکور اس عبارت کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ذٰلك اسم اشارہ واحد ہے حالانکہ اس کے مشار الیہ تین ہیں: ① جواز قصاص ② العفو عنه ③ دیت۔

جَوَابِ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذٰلك کا مرجع الحکم المذکور ہے، جس میں یہ تینوں احکام آ جاتے ہیں۔

قَوْلَہٗ: عذابٌ الیمٌ مؤلم، مؤلِمٌ میں لام کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں فتحہ میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

لَیْسَ البِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ مشرق و مغرب کا ذکر تو محض تمثیل کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ اصل مقصد سمت پرستی کی تردید ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کرانا ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ پری کر دینا ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی وہ ہے جس کو لٰکِنَّ البِرَّ مَنْ آمَنَ سے بیان فرمایا ہے، بعض مفسرین کو مشرق و مغرب کے لفظ سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ خود صاحب جلالین علامہ سیوطی کو مغالطہ ہوا ہے کہ مشرق سے مراد نصاریٰ کا قبلہ اور مغرب سے مراد یہود کا قبلہ لیا ہے، اس لئے کہ مغرب کی سمت یہود کا قبلہ نہیں ہے ان کا قبلہ بیت المقدس ہے جو

مدینہ سے شمال کی جانب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے بے شمار گمراہیوں میں سے ایک گمراہی سمت پرستی بھی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی، اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جمالیا تھا کہ فلاں سمت مثلاً مشرق کی سمت بھی مقدس ہے یا مثلاً مغرب کی سمت قابل پرستش ہے قرآن کریم یہاں شرک کی اسی مخصوص قسم کی تردید کررہا ہے، فرماتا ہے کہ کوئی سمت وجہت، سمت وجہت ہونے کے اعتبار سے ہرگز قابل تقدیس نہیں اور نہ طاعت وبر سے اس کا کوئی تعلق، بعض مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے، انھوں نے جہت مشرق ومغرب سے مخصوص سمت سمجھ لی حالانکہ مطلقاً سمت پرستی کی تردید مقصود ہے۔

اسلام نے بھی کسی سمت کو بحیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کیا، اسلام نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے خواہ کسی سمت میں پڑ جائے جیسا کہ مشاہدہ ہے، کعبہ مصر وطرابلس اور حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے اور ہندوستان پاکستان چین وافغانستان وغیرہ سے مغرب میں، شام وفلسطین ومدینہ سے جنوب میں اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اگر یہ حقیقت پیش نظر رہے تو تمام اشکالات خود بخود رفع ہوجاتے ہیں، اور نہ کسی تاویل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

(ماجدی)

مشرق یعنی سورج دیوتا، دنیائے شرک کا معبودِ اعظم رہا ہے، سورج چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لئے عموماً جاہلی قوموں نے سمت مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا اور عبادت کے لئے مشرق رخی کو متعین کرلیا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ (الآیة) مشرکانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگانے کے بعد قرآن نے اصلاح عقیدہ کی طرف توجہ فرمائی جو کہ ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے، عقیدہ کی صحت کے بغیر نہ کوئی عمل معتبر ہے اور نہ عبادت مقبول، عقائد میں سب سے پہلی چیز ایمان باللہ ہے، اس کا ذکر مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ میں آگیا، ایمان کے بقیہ اجزاء کا ذکر وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ میں آگیا، اس کے بعد عبادات کا درجہ ہے جن کا ذکر وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ میں کیا گیا، اس کے بعد تیسرا درجہ معاملات کا ہے جس کا ذکر وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ الخ سے فرمادیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (الآیة) قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا ہو اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے اس پر زیادتی جائز نہیں۔

شانِ نزول:

زمانہ جاہلیت میں کوئی نظم وقانون تو تھا نہیں اس لئے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے ظلم کرتے، ظلم کی ایک شکل یہ تھی کہ کسی طاقتور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہوجاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بعض اوقات پورے قبیلے ہی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتا۔

ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی طرفین کے بہت

سے آدمی آزاد و غلام اور مرد و عورت قتل ہوئے، ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو کہ زیادہ قوت و شوکت والا تھا، اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے مرد قتل نہ کیا جائے۔

ان کے اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (الآیۃ) جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کی تردید کرنا تھا، چنانچہ اس ظالمانہ مطالبہ کو رد کرتے ہوئے اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلہ میں قتل کرنا، اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ قصاص میں مساوات رہے گی اور خون سب کا برابر سمجھا جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اونچے شخص کی جان کو معمولی شخص کی جان سے زیادہ قیمتی سمجھا جائے جیسا کہ عرب جاہلیت کے دور اور یہود عرب کا دستور یہ تھا کہ اعلیٰ قبیلے کے مقتول کے عوض ادنیٰ قبیلے کے دو شخصوں سے قصاص لیا جاتا تھا، اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل قوم کے پچاس آدمیوں کو قتل کریں گے، امریکہ تو آج تک بھی ایک گورے کا خون، کالے کے خون سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھتا ہے۔

اسلام نے اس ظالمانہ دستور کو مٹا کر اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی اور امت کے ہر فرد کی یکساں قابل احترام ہے۔

مَسْئَلَہ: مقتول اگر کافر ذمی ہے تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا اگرچہ قاتل مسلم ہو، البتہ کافر اگر حربی ہو تو چونکہ وہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے اس کے قتل میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

مَسْئَلَہ: قتل عمد میں آزاد کے عوض آزاد تو قتل کیا ہی جائے گا غلام کے عوض میں بھی قتل کیا جائے گا، اسی طرح عورت کے عوض عورت تو قتل کی ہی جائے گی لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا۔

مَسْئَلَہ: اگر قتل عمد میں مقتول کے ورثاء نے قاتل کو پوری معافی دیدی، مثلاً مقتول کے وارث صرف دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا، اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کر دیا مگر دوسرے نے معاف نہیں کیا تو قاتل سزائے قصاص سے تو بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت دلائی جائے گی، دیت کی مقدار شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار، یا دس ہزار درہم ہیں، اور درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے آٹھ ماشے چاندی ہوگی۔

مَسْئَلَہ: جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی قدر مال پر مصالحت ہو جائے تب بھی قصاص

ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے مگر کچھ شرطوں کے ساتھ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ (معارف)

مَسْئَلَہ: مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص و دیت کے مالک بقدر اپنے حصۂ میراث کے ہوں گے اور اگر قصاص کا فیصلہ ہوا تو قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہوگا مگر چونکہ قصاص ناقابل تقسیم ہے اس لئے اگر کوئی حصہ دار بھی اپنا حق قصاص معاف کر دے گا تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا، البتہ ان کو دیت (خون بہا) کی رقم سے حسب استحقاقِ وراثت حصہ ملے گا۔

مَسْئَلَہ: قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے مگر باجماع امت ان کو یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ خود ہی قاتل کو قتل کر دیں، بلکہ اس حق کو حاصل کرنے کیلئے حکم سلطانِ مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔

فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ بھائی کا لفظ فرما کر نہایت لطیف طریقہ سے نرمی کی سفارش بھی کر دی ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور قاتل کے درمیان جانی دشمنی ہی سہی مگر ہے تو وہ تمہارا انسانی بھائی، لہٰذا اگر اپنے ایک خطاکار بھائی کے مقابلہ میں انتقام کے غصہ کو پی جاؤ تو یہ تمہاری انسانیت کے زیادہ شایانِ شان ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی قانونِ تعزیرات میں قتل تک کا معاملہ قابل راضی نامہ ہے مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کر دیں، اور اس صورت میں عدالت کے لئے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے پر اصرار کرے، البتہ جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوا معافی کی صورت میں قاتل کو خون بہا ادا کرنا ہوگا۔

ایک طرف قصاص کی یہ سختی اور دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی یہ حسن امتزاج اور اعتدال و توازن یہ اسی قانون کا حصہ ہو سکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں حکمت مطلق سے نکلا ہو۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ مطلب یہ ہے کہ جب قصاص معاف ہو کر دیت پر بات طے ہو گئی تو اب دونوں فریقوں کو چاہئے کہ کسی طرح کی زیادتی نہ کریں، مثلاً یہ کہ مقتول کے وارث خون بہا وصول کر لینے کے بعد پھر انتقام کی کوشش کریں، یا قاتل خون بہا کی رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے ورثاء نے جو اس کے ساتھ احسان کیا ہے اس کا بدلہ احسان فراموشی سے دے "فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ" کا یہی مطلب ہے۔

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یہ ایک دوسری رسمِ جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے جس طرح اہل جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے معاملہ میں افراط کی طرف چلا گیا تھا اسی طرح دوسرا گروہ عفو کے معاملہ میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اس قدر شور مچایا ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے بہت سے ملکوں نے سزائے موت کو منسوخ بھی کر دیا ہے، قرآن اسی پر اہل عقل و خرد کو مخاطب کر کے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی معاشرہ کی زندگی ہے جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے، اور ایک قاتل کی جان بچا کر

بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں پڑ سکتی ہے، قصاص میں عدل و مساوات کا قانون ہے اس قانون کو یکسر منسوخ کرا دینے کی تبلیغ و تحریک سرتاسر نامعقول اور خلافِ حکمت ہے۔

كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** اى اسبابُهُ **إِنْ تَرَكَ خَيْرًا** مالاً **الْوَصِيَّةُ** مرفوعٌ بكُتِبَ ومتعلقٌ باذا ان كانت ظرفيةً ودالٌ على جوابها ان كانت شرطيةً وجوابُ ان محذوفٌ اى فليُوصِ **لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ** بالعَدل بان لا يزيدَ على الثُلث ولا يُفَضِّلَ الغنيَّ **حَقًّا** مصدرٌ مؤكدٌ لمضمون الجملة قبلهُ **عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾** اللهَ وهذا منسوخ باية الميراث وبحديث لا وصيّة لوارثٍ رواهُ الترمذى **فَمَنْ بَدَّلَهُ** اى الايصاءَ من شاهدٍ ووصيٍّ **بَعْدَمَا سَمِعَهُ** علمَهُ **فَإِنَّمَا إِثْمُهُ** اى الايصاءِ المُبَدَّل **عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ** فيه اِقامةُ الظاهر مقامَ المُضمَرِ **إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ** لقولِ المُوصِى **عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾** بفعلِ الوَصيِّ فمجازٍ عليه **فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ** مخففًا ومُثقلاً **جَنَفًا** مَيلاً عن الحق خطأً **أَوْ إِثْمًا** بان تعمّد ذلك بالزيادة على الثلث او تخصيصِ غنيٍّ مثلا **فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ** بينَ المُوصِى والمُوصى له بالامر بالعدل **فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ** فى ذلك **إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾**

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے یعنی موت کی علامات ظاہر ہوں اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے (الوَصِیَّةُ) کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اِذَا سے متعلق ہے اگر اِذَا ظرفیہ ہے، اور دال علی الجزاء ہے اگر (اذا) شرطیہ ہے، اور اِن کا جواب محذوف ہے، اور وہ فَلْيُوصِ ہے، انصاف کے ساتھ اس طریقہ پر کہ ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، اور مالدار کو ترجیح نہ دے، یہ حق ہے خوف خدا رکھنے والوں پر (حَقًّا) اپنے سابقہ جملہ کے مضمون کے لئے مصدر موکد ہے، اور یہ (وصیت کا حکم) آیت میراث اور لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے (رواہ الترمذی) لہٰذا جس شخص نے اس کو (یعنی) ایصاء کو بدل دیا علم ہونے کے بعد گواہ ہو یا خود وصی، تو وصیت کی تبدیلی کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی بات (وصیت) کو سننے والا اور وصی کے فعل سے باخبر ہے تو وہ اس پر جزاء دینے والا ہے، سو اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے حق سے نادانستہ یا دانستہ طور پر پھر جانے کا اندیشہ ہو (مُوصٍ) مخفف اور مشدد دونوں ہیں، بایں طور کہ ثلث سے زیادہ کی (وصیت) کا ارادہ کرے یا مثلاً مالدار کی تخصیص کرے، تو انصاف کا حکم دے کر ان کے یعنی موصی اور موصی لہ کے درمیان (کوئی شخص) صلح کرا دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کُتِبَ ای فُرِضَ، کتابت کے اصل معنی لکھنے کے ہیں، مگر علیٰ کے قرینہ سے جو کہ التزام پر دلالت کرتا ہے فرض کے معنی لئے گئے ہیں جیسا کہ کُتِبَ علیکم القصاص میں کہا ہے۔

قولہ: ای اسبابُہٗ مفسر علام نے مضاف محذوف مان کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے:

سوال: آیت میں کہا گیا ہے کہ جب کسی شخص کی موت حاضر ہو جائے تو اس پر وصیت کرنا فرض ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ حضور موت کے وقت انسان مرجاتا ہے۔

جواب: موت سے علامات موت مراد ہیں، یا مجازاً قرب کو حضور سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قولہ: اَحَدَکُمْ اس سے فرض عین کی طرف اشارہ ہے یعنی قانون میراث نازل ہونے سے پہلے وصیت کرنی فرض تھی۔

قولہ: مرفوعٌ بکُتِبَ یہ ان لوگوں کے قول کے رد کی جانب اشارہ ہے جنہوں نے کہا ہے کہ الوَصِیَّةُ مبتداء ہے اور للوالدین اس کی خبر ہے، اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اگر الوَصِیَّةُ، کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو کُتِبَ کو کُتِبَتْ مؤنث ہونا چاہئے۔

جواب: فعل اور فاعل کے درمیان اگر فاصلہ واقع ہو تو فعل اور فاعل میں مطابقت ضروری نہیں رہتی۔

قولہ: اِنْ تَرَكَ، اِنْ حرفِ شرط کے جواب کے بارے میں اختلاف ہے، کہ کیا ہے؟ اخفش نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں، جواب شرط الوَصِیَّةُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ تَرَكَ خیرًا فالوَصیةُ واجبَةٌ مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ جزاء جب جملہ اسمیہ ہوتی ہے تو اس پر فاء لانا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے اور حذف بلاضرورت جائز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ شرط سے پہلے جواب شرط محذوف مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ای کُتِبَ الوَصِیَّةُ للوَالِدَیْنِ والاَقربینَ اِنْ تَرَكَ خیرًا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ الوصیة کو کُتِبَ کا نائب فاعل مانا جائے، اور دونوں شرطوں کے لئے جزاء محذوف مان لی جائے جیسا کہ مفسر علام نے کہا ہے، اور عدم مطابقت کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ الوَصِیَّةُ بمعنی ایصاءٌ ہے اور بعض دیگر حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ جب فاعل مؤنث مجازی ہو تو فعل کو مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز ہے، اگر اِذا ظرفیت محض کے لئے ہو تو الوَصِیَّةُ کا ظرف ہوگا، اور اگر متضمن بمعنی شرط ہو تو دال علیٰ جواب الشرط ہوگا، اور دونوں شرطوں کا جواب محذوف ہوگا۔ (کما صرَّحَ المفسر علیہ الرحمة)۔

قولہ: ومتعلق باذَا اس اضافہ سے ان حضرات کے قول کی تضعیف مقصود ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اِذَا، کُتِبَ سے

متعلق ہے نہ کہ الوصیّۃُ سے ان قائلین حضرات کی دلیل یہ ہے کہ الوصیّۃُ اسم ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، لہٰذا اپنے معمول مقدم میں عمل نہیں کرسکتا، وجہ ضعف یہ ہے کہ اِذا ماضی کو مستقبل کے معنی میں کردیتا ہے، اور کُتِبَ فعل ماضی ہے جو کہ زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ مستقبل ماضی کا ظرف نہیں ہوسکتا، اور بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ الوَصیّۃُ اسم عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ الوَصیّۃُ اسم مصدر ہے نہ کہ اسم جامد اور تحقیق یہ ہے کہ اسم مصدر ظرف مقدم میں عمل کرسکتا ہے اس لئے کہ ظرف میں عمل کرنے کے لئے فعل کی بو کافی ہے اور اسم مصدر میں فعل کی بو ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَدَالٌّ علی جوابِھَا اِن کانت شرطیۃً.

سَوَال: مفسر علام نے دال علی الجزاء کہا ہے یہ کیوں نہیں کہا کہ الوصیۃ جزاء ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے اور الوَصیّۃ جملہ نہیں ہے اس لئے خود الوَصیّۃ جزا نہیں بن سکتا۔

قَوْلُہٗ: وَجواب اِن محذوف، محذوف، جواب کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ الوَصیّۃُ، اِذا کے جوابِ محذوف پر دال ہے اگر اِذا، شرطیہ ہو اور اِنْ کے جواب محذوف پر بھی دال ہے، اور وہ فلیُوْصِ ہے۔

قَوْلُہٗ: حقًّا مصدرٌ مؤکِّدٌ لمضمون الجملۃ قبلہٗ، حقًّا سابق جملہ کے مضمون کی تاکید ہے، سابق جملہ سے مراد کُتِبَ عَلَیْکُمْ ہے، اور کُتِبَ علیکم کا مضمون ہے حُقَّ علیکم لہٰذا حقًّا اس کی تاکید ہے اور تقدیر عبارت ہے حُقَّ علیکم حقًّا جس طرح مفعول بغیر لفظہ سابق مضمون جملہ کی تاکید کرتا ہے اسی طرح حقًّا بھی مضمون جملہ کی تاکید کررہا ہے۔ اور سابق جملہ میں حقَّ علیکم کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بآیۃ المیراثِ آیت میراث سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ہے، یعنی آیت وصیت کا حکم منسوخ ہے تلاوت باقی ہے۔

قَوْلُہٗ: ای الایصاء اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے:

اعتراض: بَدَّلَہٗ کی ضمیر الوصیّۃ کی طرف راجع ہے جو کہ مؤنث ہے، لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: الوصیّۃ سے جو ایصاء مفہوم ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اِقامَۃَ الظَّاھِرِ مقام المضمر یعنی فاِنَّما اِثْمُہٗ علَیْھِم کہنا کافی تھا، مگر ضمیر کے بجائے اسم لانے میں علت اثم کی جانب اشارہ ہے یعنی گنہگار ہونے کی وجہ شاہد یا وصی کا وصیت میں تبدیلی کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَیلًا عن الحق خطأً، جَنَفٌ لغت میں مطلقاً جھکنے اور مائل ہونے کو کہتے ہیں، یہاں حق سے بلا ارادہ پھر جانا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل بالاِثم آیا ہے، اثم کہتے ہیں بالقصد و بالارادہ حق سے پھر جانے کو۔

تفسیر وتشریح

قولہ: اَلْوَصِیَّۃُ وصیت لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا مرنے کے بعد لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد جس کے کرنے کا حکم ہو، خیر کے بہت سے معانی آتے ہیں ان میں سے ایک معنی مال کے بھی ہیں یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

ابتداء اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے باقی جو کچھ رہ جاتا وہ سب اولاد کا حق تھا اس آیت میں یہی حکم مذکور ہے۔ (معارف)

وصیت کا مذکورہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، اب یہ منسوخ ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہ قد اعطیٰ کلَّ ذی حقٍّ حقَّہٗ فلا وصیّۃ لوارث (ابن کثیر، اخرجہ السنن) اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں، البتہ ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہ خیر میں خرچ کرنے کی کی جاسکتی ہے مگر اس کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔

غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا لازم اور فرض نہیں ہے صرف مستحب یا مباح ہے لہٰذا فرضیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہے، فرضیت کی ناسخ وہ حدیث متواتر ہے جس کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ایک لاکھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع کے سامنے فرمایا:

اِنّ اللّٰہ اعطیٰ لکل ذی حق حقّہٗ فلا وصیّۃ لوارث، اخرجہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث حسن صحیح

اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق خود دیدیا اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں اِلّا ان تجیزہ الورثۃ کے الفاظ بھی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ورثاء اجازت دیں تو وصیت جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے ذمہ دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو، اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لئے وصیت واجب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِن الأُمَمِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** المعاصي فإنه يكسر الشهوة التي هي مبدؤها **اَيَّامًا** نُصِبَ بالصيام أو بصوموا مقدرا **مَّعْدُوْدٰتٍ** أي قلائل أي مُوَقَّتَاتٍ بعدد معلوم وهي رمضان كما سيأتي وقلّله تسهيلاً على المُكَلَّفِيْنَ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ**

حین شہودہ **مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ** ای مسافرًا سفر القصر واجهده الصوم فی الحالین فافطر **فَعِدَّةٌ** فعلیه عدة ما افطر **مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ** یصومها بدله **وَعَلَى الَّذِينَ** لا **يُطِيقُونَهُ** لکبر او مرض لا یرجی برؤه **فِدْيَةٌ** هی **طَعَامُ مِسْكِينٍ** ای قدر ما یاکله فی یومه وهو مد من غالب قوت البلد لکل یوم وفی قراءة باضافة فدیة وهی للبیان وقیل لا غیر مقدرة وکانوا مخیرین فی صدر الاسلام بین الصوم والفدیة ثم نسخ بتعیین الصوم بقوله فمن شهد منکم الشهر فلیصمه قال ابن عباس الا الحامل والمرضع اذا افطرتا خوفًا علی الولد فانها باقیة بلا نسخ فی حقهما **فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا** بالزیادة علی القدر المذکور فی الفدیة **فَهُوَ** ای التطوع **خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا** مبتدأ خبره **خَيْرٌ لَّكُمْ** من الافطار والفدیة **إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ** ﴿۱۸۴﴾ انه خیر لکم فافعلوه تلك الایام **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ** من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا فی لیلة القدر **هُدًى** حال هادیًا من الضلالة **لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ** آیات واضحات **مِّنَ الْهُدَىٰ** مما یهدی الی الحق من الاحکام **وَ** من **الْفُرْقَانِ** مما یفرق بین الحق والباطل **فَمَن شَهِدَ** حضر **مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ** تقدم مثله وکرر لئلا یتوهم نسخه بتعمیم من شهد **يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** ولذا اباح لکم الفطر فی المرض والسفر ولکون ذلك فی معنی العلة ایضًا للامر بالصوم عطف علیه **وَلِتُكْمِلُوا** بالتخفیف والتشدید **الْعِدَّةَ** ای عدة صوم رمضان **وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ** عند اکمالها **عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ** ارشدکم لمعالم دینه **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ﴿۱۸۵﴾ الله علی ذلك وسأل جماعة النبی صلی الله علیه وسلم اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فنناديه فنزل **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ** منهم بعلمی فاخبرهم بذلك **أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ** بانالته ما سأل **فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي** دعائی بالطاعة **وَلْيُؤْمِنُوا** یداوموا علی الایمان **بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ** ﴿۱۸۶﴾ یهتدون.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم معاصی سے بچو بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو کہ معصیت کا سرچشمہ ہے (ایّاما) صیاما کی وجہ سے یا یصوموا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، جو معدودے چند روزے ہیں جن کی تعداد معلوم ہے اور وہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ عنقریب آنے کا، ماہ رمضان کے روزوں کو مکلفین پر سہولت کے لئے قلیل قرار دیا ہے، پس تم میں سے جو ماہ رمضان کی آمد کے وقت مریض یا مسافر ہو یعنی سفر قصر کی مسافت کا مسافر ہو اور دونوں صورتوں میں اس کو روزے سے مشقت ہو تو وہ افطار کر سکتا ہے، اس پر چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد کے مساوی دوسرے دنوں میں تعداد کو پورا کرنا لازم ہے، کہ ان کے بدلے روزے رکھے، اور جو لوگ بڑھاپے کی وجہ سے یا ایسے مرض کی وجہ سے جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو روزہ نہ رکھ سکیں تو ان پر فدیہ

واجب ہے (اور) وہ ایک مسکین کی خوراک ہے یعنی اتنی مقدار کہ جو ایک روز کی خوراک ہو اور وہ بقدر ایک مُد ہے، روزمرہ شہر کی عام خوراک سے، اور ایک قراءت میں فدیہ کی اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ لا مقدر نہیں ہے. اور ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ میں اختیار تھا، پھر اللہ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ اختیار منسوخ کر دیا گیا، ابن عباس رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا نے فرمایا، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا اختیار منسوخ نہیں ہوا، جب کہ اپنے بچے کے بارے میں (نقصان) کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے فدیہ ان دونوں کے حق میں بلانسخ باقی ہے، پھر جو شخص فدیہ کی مقدار مذکور میں بخوشی اضافہ کرے تو یہ بخوشی اضافہ اس کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھنا افطار اور فدیہ سے تمہارے لئے بہتر ہے اَنْ تَصُوْمُوْا مبتداء اور خَيْرٌ لَكُمْ اس کی خبر ہے، اگر تم سمجھو، کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے تو تم ان دنوں کے روزے رکھو ماہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا گیا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے اور ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں جو حق یعنی احکام کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی ماہ رمضان کو پائے تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے اس جیسا حکم سابق میں بھی گذر چکا ہے اور اس حکم کو مکرر لایا گیا ہے تاکہ فَمَنْ شَهِدَ کے عموم سے (حکم قضا کے) منسوخ ہونے کا وہم نہ ہو، اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے سختی کا نہیں اسی لئے تمہارے لئے حالت مرض وسفر میں افطار کو مباح قرار دیا، اور يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ کے بھی امر بالصوم (یعنی فَلْيَصُمْهُ) کی علت کے معنی میں ہونے کی وجہ سے وَلِتُكْمِلُوا الخ کا يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ پر عطف کیا گیا ہے. (وَلِتُكْمِلُوْا) تخفیف وتشدید کے ساتھ، اور تاکہ تم رمضان کے روزوں کے عدد کو پورا کرو اور روزوں کو پورا کرنے کے بعد اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی (یعنی) اپنے دین کے احکام کی طرف رہنمائی فرمائی، اللہ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم اس ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرو اور کچھ لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارا پروردگار آیا قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا بعید ہے کہ اس کو زور سے پکاریں، تو آیت نازل ہوئی، اور جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو واقعہ یہ ہے) کہ میں ان سے باعتبار میرے علم کے بلاشبہ قریب ہوں آپ ان کو یہ بات بتا دیجئے دعا کرنے والے کی دعا اس کا مطلوب عطا کرکے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ اطاعت کرکے میری بات مان لیا کریں، اور مجھ پر ایمان رکھیں (یعنی) ایمان پر دائم وقائم رہیں تاکہ وہ راہ راست پائیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلصِّيَام (ن) صومًا وصيامًا لغت میں مطلقاً رکنا، اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور جماع سے روزہ کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروبِ شمس تک رکنا۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الْاُمَمِ کا اضافہ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کے عموم کو ظاہر کرنے کے لئے اور ان لوگوں کی تردید ہے جو اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں، الصیام مصدر ہے بمعنی روزہ رکھنا۔

قَوْلُہٗ: المعاصی کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ تتقون سے لغوی معنی مراد ہیں اور المعاصی اس کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: نُصِبَ بالصِّیامِ او بصُومُوْا مُقدّرًا، کی تقدیر سے ایّامًا کے منصوب ہونے کی دو صورتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ ایامًا، الصّیام مذکور کی وجہ سے منصوب ہے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ عامل اور معمول کے درمیان کما کتب علی الذین من قبلکم کا فصل بالاجنبی ہے، لہٰذا الصِّیام عامل نہیں ہوسکتا، جواب اس کا یہ ہے کہ رضی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے کہا ہے کہ اگر معمول ظرف ہو تو فصل بالاجنبی کے باوجود عمل درست ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ صُوْمُوْا مقدر مان لیا جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُہٗ: ای قلائلَ، معدُوداتٍ کی تفسیر قلائلَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ معدودات سے مراد قلیل مقدار ہے اس لئے کہ عرب قلیل کو جو کہ چالیس سے کم ہو ''معدود'' سے اور کثیر کو ''موزون'' سے تعبیر کرتے ہیں قلیل مال کو کہتے ہیں یُعَدُّ عدًّا اور کثیر کو یُصَبُّ صَبًّا بولتے ہیں، ای یُوزَنُ وزنًا.

قَوْلُہٗ: ای موقتاتٍ بعددٍ ای محدوداتٍ. بعدد یہ قلائل کی تفسیر ہے معنی ہیں معدودے چند۔

قَوْلُہٗ: قَلَّلَهٗ تسہیلاً علی المکلفین ماہِ رمضان کے روزے اگرچہ بنفسہ کثیر ہیں مگر نفسیاتی طور پر متاثر کرنے کے لئے تشجیع کے طور پر قلت سے تعبیر کردیا ہے تاکہ مکلفین کے لئے اداءِ صوم میں سہولت اور آسانی ہو۔

قَوْلُہٗ: حینَ شہودِہٖ یعنی رمضان کی آمد کے وقت مریض ہو یا مسافر اس میں احتراز ہے اس صورت سے جب کہ حالت سفر یا حالت مرض میں روزہ شروع ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: ای مسافِرًا سفر القصر اس میں سفر شرعی کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اَجْھَدَہُ الصومُ فی الحالین فَافطَرَ ای فی حالۃ المرض والسفر دونوں صورتوں میں افطار کی اجازت کے لئے مشقت کی شرط امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے قول کے مطابق ہے احناف کے نزدیک سفر میں مشقت کی شرط نہیں ہے سفر اگر آرام دہ بھی ہو تب بھی افطار کی اجازت ہے، مرض میں افطار کے لئے جہد ومشقت کی شرط ہے، اس لئے کہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے نہ کہ مضر، بخلاف سفر کے کہ سفر ہی کو قائم مقام مشقت مان لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ھُدًی حال ہے بمعنی ھادِیًا، نہ کہ القرآن کی صفت اس لئے کہ ھدًی نکرہ اور القرآن معرفہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وکَرَّرَہٗ لِئلّا یُتَوَھَّمَ نسخہ بتعمیم مَن شہِدَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: مذکورہ آیت کو مکرر لانے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، مریض ہو یا مسافر، مرضعہ ہو یا حاملہ، حالانکہ اول دو کے علاوہ سب مستثنیٰ ہیں خواہ مقیم ہو یا تندرست، اس لئے کہ فَمَنْ

شہد عموم پر دلالت کرتا ہے، اسی وہم کو دفع کرنے کے لئے اس آیت کو مکرر لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: ولتكون ذلك في معنى العلة ايضا للامر بالصوم عُطِف عليه ولتكملوا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے:

اعتراض: اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسر الخ. فعدة من ايام اخر جملہ خبریہ ہے اور اس پر ولتكملوا العدّة کا عطف ہے، اور یہ جملہ انشائیہ ہے اور جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ پر عطف درست نہیں ہے۔

جَوَابْ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ معطوف علیہ یعنی يُرِيدُ اللّٰه بكم اليُسر الخ علت کے معنی میں ہے اور ولتكملوا بھی علت کے معنی میں ہے لہٰذا علت کا علت پر عطف درست ہے۔

قِوْلَہٗ: ولتكبّروا اللّٰه على ما هدكم امر بالقضاء کی علت ثالثہ ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، صیام روزہ رکھنا، باب نصر کا مصدر ہے، صوم کے لغوی معنی مطلقاً رکنے اور اصطلاح شرع میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے، جماع سے روزہ کی نیت کے ساتھ رکنا، روزہ کی نہ کسی شکل وصورت میں دنیا کے تمام مذہب وقوم میں پایا جاتا ہے قرآن چونکہ مشرکانہ مذاہب سے بحث نہیں کرتا اس لئے الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ سے اہل کتاب ہی مراد ہیں. كَمَا كُتِبَ یہ تشبیہ دوسری ملتوں کے ساتھ فرضیت صیام میں ہے نہ کہ تعداد اور شرائط وکیفیات صوم میں. فهو تشبيه في الفرضية ولا تدخل فيه الكيفية والكمية. (المنار)

روزہ کا جسمانی وروحانی فائدہ:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس جملہ سے روزہ کی اصل غرض وغایت کی طرف اشارہ ہے، روزہ کا مقصد تقویٰ کی عادت ڈالنا اور امت کے افراد کو متقی بنانا ہے، تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے، جس سے عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہوجاتی ہے روزہ سے جہاں بہت سی جسمانی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے وہیں بہت سی روحانی بیماریوں کا بھی کارگر اور مجرب علاج ہے، جدید وقدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج ہے اس کے علاوہ اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی عادت پیدا ہوتی ہے، روزہ رکھنے سے بھوک خوب کھل کر لگتی ہے خون صالح پیدا ہوتا ہے۔

مریض کا روزہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے، یا مرض میں اضافہ یا صحت میں تاخیر کا اندیشہ ہو، وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ کا یہی مطلب ہے۔

مسافر کا روزہ:

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یہ امر غور طلب ہے کہ مختصر لفظ مسافر کے بجائے علی سفر کا لفظ اختیار فرما کر تین اہم مسائل کی طرف اشارہ فرما دیا، اول یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی گھر یا بستی سے باہر نکلنے کا نام سفر نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے اس لئے کہ لفظ علی سفر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ بات خود بخود معلوم ہوتی ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلے جانا مراد نہیں، مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو قرآنی الفاظ میں مذکور نہیں، رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ کرام کے تعامل سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے اور بعد کے فقہاء نے میل کے حساب سے اڑتالیس (۴۸) میل بتائے ہیں، جس کی مقدار کلو میٹر کے حساب سے ۷۷،۲۴۸۳۶ کلو میٹر یعنی سوا ستتر کلو میٹر ہوتی ہے، عَلٰی سَفَرٍ کے لفظ سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ وطن سے نکل جانے والا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے، اور یہ ظاہر ہے کہ آرام یا کسی کام کے لئے ٹھہر جانا، مطلقاً اس کے سلسلہ سفر کو ختم نہیں کر دیتا، جب تک کہ کوئی معتد بہ مقدار قیام نہ ہو اور اسی معتد بہ قیام کی مدت نبی ﷺ کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں، جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ علی سفر نہیں کہلاتا، اسی لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں رہتا۔

مسئلہ: اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات پر ٹھہرنے کی کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت کا مستحق رہے گا، کیونکہ وہ علی سفرٍ کی حالت میں ہے۔

روزہ کی قضاء:

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ یعنی مریض و مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے فعلیہ القضاء کے مختصر جملہ کے بجائے مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کا طویل جملہ اختیار کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ فوت شدہ روزوں کی قضا صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اُتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے انتقال کر گیا تو اس پر قضا یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ میں چونکہ کوئی قید نہیں ہے اس لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ مسلسل اور ترتیب سے رکھے یا غیر مسلسل اور غیر مرتب طریقہ پر رکھے، روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے رکھے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اس کے بے تکلف معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ روزہ کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کریں وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہیں تھی اور لوگوں کو روزہ کا خوگر بنانا مقصود تھا، اس کے بعد والی آیت یعنی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جب نازل ہوئی تو اس حکم کو عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی باجماع امت باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں (جصاص) یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہ رہی ہو، جمہور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی یہی قول ہے۔ (جصاص، مظہری)

صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ میں تمام ائمہ حدیث نے سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے کا فدیہ دے پھر جب دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔

مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نماز کے معاملات میں بھی ابتداء اسلام میں تین تغیرات ہوئے اور روزہ کے معاملہ میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں، روزہ کی تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا رکھتے تھے، پھر رمضان کی فرضیت کے بارے میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ آیت نازل ہوئی، تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے، اور روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے روزہ ہی کے بارے میں ایک دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ نازل فرمائی اس آیت نے تندرست قوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا، مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو روزہ کے عوض فدیہ ادا کر دے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیت اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ نازل فرما کر یہ آسانی فرما دی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز فرما دیا۔ (ابن کثیر، معارف)

فدیہ کی مقدار:

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے مروجہ وزن کے اعتبار سے نصف صاع ایک کلو، ۵۷۵ گرام، اور ۱۴۰ ملی گرام، یعنی نصف صاع ایک کلو پانچ سو پچھتر گرام اور ایک سو چالیس ملی گرام کے مساوی ہوتا ہے۔ (امداد الاوزان) اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی مستحق کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے۔

مَسْئَلَۃ: ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں، جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر قنیہ سے نقل کیا ہے، امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں، شامی نے بھی فتویٰ اسی پر نقل کیا ہے، البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا

فدیہ ایک تاریخ میں ایک ہی شخص کو نہ دے، لیکن دینے کی گنجائش بھی ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ استغفار کرے اور دل میں ادا کرنے کی نیت رکھے۔ (معارف)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان میں نزولِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل کیا گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا، اور وہاں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا، وہاں سے حسب ضرورت ۲۳ سالوں میں اترتا رہا۔ (ابن کثیر)

قرآن کے رمضان میں نازل ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ قرآن کے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی اور سب سے پہلی قرآنی وحی سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں غارِ حراء میں اسی ماہِ رمضان میں کیم سن نبوی ۶۰۹ عیسوی میں نازل ہوئی۔

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے نبی ﷺ کے ساتھ جو صحابہ سفر میں جایا کرتے تھے ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا، اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا، خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا، ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بدحال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے، نبی ﷺ نے یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا روزہ سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نیکی نہیں ہے، جنگ کے موقع پر تو آپ ﷺ حکماً روزہ سے روک دیا کرتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ رمضان میں جنگ پر گئے، پہلی مرتبہ جنگ بدر میں اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دونوں مرتبہ ہم نے روزے نہیں رکھے۔

حالت سفر میں روزہ افضل ہے یا افطار:

حدیث نبوی سے ترجیح حالتِ سفر میں افطار کو معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تو ایسے لگتا ہے جیسے روزہ رکھنا مسافر کے لئے ایک جرم ہے حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ:

''فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان میں مکہ کی طرف چلے اور روزہ رکھا، یہاں تک کہ مقام کراع الغمیم پہنچ گئے، لوگ روزہ سے تھے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اس کے بعد آپ ﷺ نے پانی نوش فرمایا پھر آپ کو اطلاع ملی کہ بعض لوگ اب بھی روزہ سے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ گنہگار ہیں گنہگار ہیں''۔ (مسلم و ترمذی)

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث بخاری و مسلم اور موطا وغیرہ میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ ﷺ: صائم رمضان فی السفر کالمفطر فی الحضر. (ابن ماجہ)

''سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گھر میں بیٹھنے والا روزہ نہ رکھے''۔

بحیثیت مجموعی مسافر کے لئے بھی مریض کی طرح حکم شریعت یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلا زحمت معتد بہ ممکن ہو تو روزہ رکھ ہی لیا جائے، اگر زحمت اور تعب معتد بہ ہو تو قضا کر دینا جائز ہے، اور اگر نوبت ہلاکت کی آ جائے تو ترک صوم واجب ہو جائے گا۔

(ماجدی)

باقی اختلاف مذاق و مسلک اس باب میں شروع سے چلا آ رہا ہے، صوم و افطار دونوں کے مسافر کے لئے جواز کے تو سب قائل ہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ اس میں ہے کہ افضل کونسا پہلو ہے؟ سو بعض صحابہ اور اکثر ائمہ فقہ افضلیت صوم کے قائل ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بعض اجلہ صحابہ اور متعدد تابعین و فقہاء افضلیت افطار کی طرف گئے ہیں۔

وَاختلفوا فی الافضل فَذَهَبَ ابو حنيفة واصحابهُ ومالكٌ والشافعي رحمهم الله تعالى في بعض ما رُوِيَ عنهما إلى أن الصَّومَ افضل وبه قال من الصحابة عثمان بن ابي العاص الثقفي وانس بن مالكٍ رضي الله تعالى عنهم.

(بحر)

وَذَهَبَ الاَوزاعي واحمد واسحق رحمهم الله تعالى الى انّ الفطر افضلُ وبه قالَ مِنَ الصَّحابة ابن عمر وابن عباس رضي الله تعالى عنهم ومِنَ التابعين ابن المسيّب والشعبي وعمر بن عبدالعزيز ومجاهدٌ وقتادة رحمهم الله تعالى (بحر) نَقَلَ ذٰلك ابن عطية عن عُمَر وابنه عبد الله وعن ابن عباس انّ الفطر فى السفر عزيمةٌ. (بحر)

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ بمعنى الافضاء **إِلَىٰ نِسَائِكُمْ** بالجماع نزلَ نسخًا لِما كانَ فى صدر الإسلام مِن تحريمهِ وتحريم الاكلِ والشُرب بعدَ العشاءِ **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** كنايةٌ عن تعانُقِهما او احتياجِ كلٍّ منهما الى صاحبه **عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ** تخونونَ **أَنفُسَكُمْ** بالجماع ليلة الصيام وقعَ ذلك لِعُمَرَ وغيره رضي الله تعالى عنه واعتذَرُوا الى النبي صلى الله عليه وسلم **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قبلَ توبتكم **وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ** إذا أُحِلَّ لكم **بَاشِرُوهُنَّ** جامِعُوهُنَّ **وَابْتَغُوا** اُطلُبوا **مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** اى اباحَهُ مِن الجماعِ او قَدَّرَهُ مِنَ الولَدِ **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا** الليلَ كُلَّهُ **حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ** يظهرَ **لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** اى الصّادقِ بيانٌ لِلخَيْطِ الابيضِ وبيانُ الاسوَدِ محذوفٌ اى مِنَ الليلِ شُبِّهَ ما يَبدُوا مِنَ البياضِ وما يَمتَدُّ مَعَهُ مِنَ الغَبَشِ بِخَيْطَينِ أبيَضَ وأسوَدَ فى الامتدادِ **ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ** مِن الفجرِ **إِلَى اللَّيْلِ** اى إلى دُخوله بغُروب الشمسِ **وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ** اى نسائكم **وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ** مُقيمونَ بنيّة الاعتكافِ **فِي الْمَسَاجِدِ** متعلقٌ بعاكِفونَ نهيٌ لِمَنْ كانَ يخرجُ وهو مُعتكفٌ فيجامعُ امرأته ويَعودُ **تِلْكَ** الاحكامُ المذكورة **حُدُودُ اللَّهِ** حدَّها لِعبادِهِ ليقفُوا عندها **فَلَا تَقْرَبُوهَا** ابلَغُ مِن لا تعتدُوها المُعبَّرِ به فى آيةٍ أُخرىٰ **كَذَٰلِكَ** كما بَيَّنَ لكُم ما ذُكر

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ محارمه وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ اى لا ياكل بعضكم مال بعض بِالْبَاطِلِ الحرام شرعًا كالسرقة والغصب وَتُدْلُوْا تلقوا بِهَآ اى بحكومتها او بالاموال رشوة اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا بالتحاكم فَرِيْقًا طائفة مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ متلبسين بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ انكم مبطلون.

ترجمہ: اور حلال کردیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں تمہاری عورتوں سے جماع کے طور پر بے حجاب ہونا یہ حکم ابتداء اسلام میں عورتوں سے جماع اور عشاء کے بعد کھانے پینے کی حرمت کو منسوخ کرنے کے لئے نازل ہوا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، یہ کنایہ ہے باہمی معانقہ سے یا ایک دوسرے کا حاجتمند ہونے سے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم روزہ کی رات جماع کرکے اپنے ہی ساتھ خیانت کررہے ہو، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو پیش آیا تھا، اور ان لوگوں نے آپ ﷺ سے معذرت چاہی، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور تم سے درگذر کیا پس اب جب کہ تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے تو ان سے مباشرت کرسکتے ہو یا اس (اولاد) کو طلب کرسکتے ہو جو تمہارے لئے اللہ نے مقدر کردی ہے یعنی جماع جائز کردیا یا ولد مقدر کو طلب کرنا جائز کردیا اور رات کے ہر حصہ میں کھا پی سکتے ہو تا اینکہ فجر یعنی صبح صادق کا سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز ہوجائے (مِنَ الفجر) الخيط الابيض کا بیان ہے اور الاسود کا بیان محذوف ہے، (اور وہ من الليل ہے) ظاہر ہونے والی سفیدی کو اور اس تاریکی کو جو اس کے ساتھ ممتد ہوتی ہے سفید اور سیاہ دو دھاگوں کے ساتھ درازی میں تشبیہ دی گئی ہے پھر صبح صادق سے رات تک روزہ پورا کرو، یعنی غروب شمس کے ساتھ رات داخل ہونے تک، اور اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم اعتکاف کی نیت سے مسجدوں میں مقیم ہو فی المساجد، عاكفون کے متعلق ہے، یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو (مسجد میں) معتکف ہونے کی وجہ سے مسجد سے نکل گیا ہو، اور اپنی بیوی سے مجامعت کرکے واپس آیا ہو، یہ مذکورہ احکام اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا ان کے قریب بھی نہ جانا یہ تعبیر لا تعتدوها سے بلیغ تر ہے، جس کو دوسری آیت میں تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح جس طرح تمہارے لئے مذکورہ (احکام) بیان کئے گئے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ حرام کردہ چیزوں سے بچیں اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ یعنی باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، یعنی اس طریقہ پر جو شرعاً حرام ہے مثلاً چوری، غصب (وغیرہ) اور نہ پہنچاؤ مال کو یعنی مالی خصومت کو حکام کے پاس یعنی مالی نزاع کو حاکموں کے پاس یا مال کو بطور رشوت حکام کے پاس نہ پہنچاؤ تاکہ کھا جاؤ تم مرافعہ الی الحکام کرکے لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ آلودہ کرکے جب کہ تم جانتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ، الرَّفَثُ وہ گفتگو جو مرد اور عورت کے درمیان جماع کے وقت ہوتی ہے اور دوسرے وقت ناپسند کی جاتی ہے، رفث اور جماع کے درمیان عموماً لزوم ہونے کی وجہ سے رفث بول کر جماع مراد لیا گیا ہے۔ (اعراب القرآن) رَفَثَ يَرْفُثُ (ن) رَفثًا، فحش باتیں کرنا۔

سَوَال: رفث کا صلہ فی یا باء آتا ہے، یہاں الی استعمال ہوا ہے؟

جَوَاب: رفث چونکہ افضاء کے معنی کو مشتمل ہے لہٰذا صلہ الی لانا صحیح ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَيْلَةَ الصِّيَامِ ظاہر تو یہی ہے کہ لَيْلَةَ، أُحِلَّ کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے، مگر اس صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حلت تو اس وقت سے پہلے ہی ثابت تھی، اس ترکیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلت اسی وقت ہوئی۔

سَوَال: الرفثُ جو کہ بعد میں مذکور ہے وہ لَيْلَةَ کا ناصب ہو سکتا ہے؟

جَوَاب: الرفث چونکہ مصدر عامل ضعیف ہے جو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، اس لئے وہ عامل نہیں ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ لَيْلَةَ کا عامل محذوف مان لیا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی أَنْ تَرْفُثُوا لَيْلَةَ الصِّيَامِ.

قَوْلُہٗ: تخونون. تختانون کی تفسیر تخونون سے کر کے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اشکال: تختانون باب افتعال سے ہے جو کہ لازم ہوتا ہے حالانکہ یہاں انفسکم کی جانب متعدی ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے تختانون کی تفسیر تخونون سے کر کے اسی اشکال کا جواب دیا ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ افتعال مجرد کے معنی میں ہے اور باب افتعال کثرتِ خیانت کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا اس کا عطف باشِرُوْهُنَّ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: الغَبَش شین اور باء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی غلس بقية الليل یا آخر شب کی ظلمت۔

قَوْلُہٗ: الى دخوله بغروب الشمس اس میں اشارہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: شُبِّهَ مَا يَبْدُوا مِنَ البَيَاضِ وما يمتدُّ مَعَهٗ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال جواب ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ صبح صادق کو خیط ابیض سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ یہ تشبیہ صبح کاذب سے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ وہ دھاگے کی شکل میں عموداً ممتد ہوتی ہے نہ کہ صبح صادق۔ صبح صادق تو عرضاً پھیلی ہوئی ہوتی ہے، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح صادق جب ابتداءً نمودار ہوتی ہے تو اس کا بالائی کنارہ خیط ابیض کے مشابہ ہوتا ہے، معلوم ہوا تشبیہ ابتداءً نمودار ہونے والے کنارہ کے ساتھ ہے نہ کہ درمیان یا آخر کے ساتھ۔ فافهم.

قَوْلُہٗ: فلا تقربُوها اَبلَغُ مِن لا تعتَدُوها، هُوَ ابلَغُ الخ سے دو اشکالوں کا جواب دینا مقصود ہے:

❶ پہلا اشکال:

جن احکام کے قریب نہ جانے کا حکم کیا جارہا ہے ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مباح اور بعض حرام تو ان سب کے لئے یہ کہنا کہ ان کے قریب بھی مت جانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

❷ دوسرا اشکال:

دوسری آیت میں وارد ہوا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی حدود واحکام ہیں ان سے آگے نہ بڑھنا (تجاوز نہ کرنا) اِن دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد ہے، لہٰذا جمع وتوفیق کی کیا صورت ہوگی؟

❶ پہلے اشکال کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے احکام کو ان حدود کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو حق و باطل کے درمیان حاجز ہیں جو ان احکام پر عمل پیرا ہوگا وہ حق کا ادا کرنے والا ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ باطل میں واقع ہوگا، لہٰذا ان کے قریب جانے سے منع فرمادیا تا کہ باطل کے قریب نہ جائے گویا کہ قربان حدود سے نہی، قرب باطل سے نہی ہے۔

❷ دوسرے اشکال کا جواب:

فلا تقربُوهَا اور لَا تَعْتَدُوهَا دونوں کا مقصد باطل کے قریب جانے سے منع کرنا ہے، لا تعتدُوهَا میں صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور فلا تقربوها میں بطور کنایہ منع کیا گیا ہے، اور قاعدہ مشہور ہے کہ الکنایة ابلغ من التصریح.

قِوْلَہُ: ای لا یاکل بعضکم مال بعض اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنا مال باطل طریقہ سے نہ کھائے حالانکہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

جَوَابُ: یہ تقسیم جمع علی الجمع کے قبیل سے نہیں ہے جیسا کہ اِرکَبُوا دَوابکم یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے گھوڑے پر سوار ہوجائے، بلکہ یہ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے قبیل سے ہے، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، جیسا کہ بَيْنَكُم کے لفظ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

قِوْلَہُ: وَلَا تُدْلُوْا بِهَا، لا کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اس کا عطف لا تاکلوا پر ہے، لہٰذا جس طرح لا تاکلوا مجزوم بالجازم ہے اسی طرح تُدلوا بِهَا بھی مجزوم بالجازم ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں جازم مقدر ہے اور وہاں ظاہر تُدلوا، اِدلاءٌ سے ماخوذ ہے، اِدلا کے معنی رسی کے ذریعہ کنوئیں میں ڈول لٹکانا، اب وسیلہ اور ذریعہ کے معنی کے لئے مستعار لے لیا گیا ہے، یعنی

حکام کے پاس مالی خصومات ولیجی کرنا جو کہ طریقہ سے دوسروں کا مال کھانے کا ذریعہ بناؤ اور بالاموال رشوۃ. یہاں بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال سے مالی رشوت مراد ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

اُحلَّ لکُمر، اُحِلَّ لکُمر کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی۔ بخاری وغیرہ میں بروایت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں سے اختلاط کی صرف اس وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس میں مشکلات پیش آئیں۔

قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر مزدوری کر کے گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بیوی نے کہا میں کہیں سے کچھ انتظام کر کے لاتی ہوں، جب وہ واپس آئیں تو دن بھر کی تکان کی وجہ سے قیس بن صرمہ کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا اسی حالت میں اگلے روز کا روزہ رکھ لیا دو پہر کے وقت ضعف کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ (ابن کثیر)

اسی طرح بعض صحابہ سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ہو گئے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی روایات میں مذکور ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات دیر گئے آنحضرت ﷺ کے پاس سے لوٹ کر پہنچے تو اپنی بیوی سے ہم بستری کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا میں سو چکی ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم سو چکی ہو میں تو نہیں سویا اور یہ کہہ کر ہم بستری کی، حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی معذرت چاہی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حتّٰی یتبیّنَ لکُمر الخیطُ الابیضُ من الخیط الاسْود من الفجر، خیط ابیض سے صبح صادق کا ابتداء نمودار ہونے والا کنارہ اور خیط الاسود سے ظلمت شب بطور استعارہ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

امام بخاری وغیرہ نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب "وکلوا واشربوا حتی یتبیّن لکمر الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو بعض لوگوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ اپنے پیر میں سفید دھاگا اور کالا دھاگا باندھ لیتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ دونوں دھاگوں میں امتیاز نہ ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے "من الفجر" نازل فرمائی قرآن میں نازل ہونے والی یہ سب سے چھوٹی آیت ہے۔

صحیحین میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے تکیہ کے نیچے دو دھاگے رکھ لیا کرتے تھے ایک سفید اور دوسرا

کالا اوران دھاگوں کو دیکھتے رہتے اور کھاتے رہتے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: "انّ وسادك لعريض انما ذلك بياض النهار وسواد الليل" اور بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: انّك لعريض القفا انما ذلك بياض النهار من سواد الليل یعنی تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے کہ اس میں بیاض نہار اور سواد لیل آجاتی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم عريض القفا ہو۔ عریض القفا بیوقوف اور نا سمجھ کو کہا جاتا ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ جس کی گدی عریض ہوتی ہے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔

مَسْئَلَہ: اگر کوئی شخص صبح صادق کے ہونے نہ ہونے میں شک اور تذبذب کا شکار ہو تو اصل تو یہی ہے کہ کچھ کھانے پینے کا اقدام نہ کرے، مشکوک حالت میں صبح صادق کا یقین ہونے سے پہلے کسی نے کچھ کھا لیا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن بعد میں تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی تو قضا لازم ہوگی، امام جصاص کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس شخص کی آنکھ دیر میں کھلی اور صبح صادق یقینی طور پر ہو چکی تھی ایسی صورت میں اگر کچھ کھائے گا تو گنہگار بھی ہوگا اور قضا بھی لازم ہوگی اور اگر مشکوک حالت میں کھائے گا تو گنہگار تو نہیں ہوگا مگر قضا واجب ہوگی۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ، اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں خاص شرطوں کے ساتھ مسجد میں قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے لفظ المساجد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہوسکتا ہے فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اعتکاف ایسی مسجد میں درست ہوگا جس میں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو۔

حالت اعتکاف میں رات کو بھی وطی جائز نہیں ہے، ایک دن کے اعتکاف میں سابق رات بھی شامل رہے گی احناف کے یہاں ایک شب و روز سے کم کا اعتکاف نہیں اور اس میں بھی روزہ شرط ہے۔

مَسْئَلَہ: اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور یہ کہ بلاضرورت شرعی یا شری مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (الآية) تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے مت کھاؤ اس آیت میں مال حرام سے اجتناب کی تاکید فرمائی گئی ہے اس سے پہلی آیت میں رزق حلال کھانے کی تاکید فرمائی تھی آیت شریفہ میں اکل کے معروف معنی، خوردن، ہی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلقاً قبضہ کرنا اور استعمال کرنا مراد ہے۔

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قیس بن عابس کی بیوی امرءالقیس اور عبدان بن اشوع الحضرمی کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا امرءالقیس نے ارادہ کیا کہ قسم کھا کر معاملہ اپنی طرف کرالے تو اس وقت وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ (الآية) نازل ہوئی، مذکورہ آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم خود جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے تو محض اس لئے کہ اس کے پاس اپنی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے یا اس بناء پر کہ تم اس کو کسی ایچ پیچ یا چرب زبانی سے کھا سکتے ہو، اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ، ہوسکتا ہے کہ حاکم عدالت روداد مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلا دے مگر حاکم کا ایسا فیصلہ دراصل غلط بیانی اور غلط بنائی ہوئی روداد سے دھوکا کھانے کا نتیجہ ہوگا اس لئے عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے، عنداللہ وہ مال تمہارے لئے حرام ہی رہے گا، مفسر علام نے مذکورہ دونوں معانی کی طرف اشارہ کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اگر فی الواقع وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ یا محمد **عَنِ الْاَهِلَّةِ** جمعُ ہلالٍ لِمَ تَبْدُوا دَقِيقَةً ثم تزيدُ حتّى تَمتلِئَ نُورًا ثُمّ تعودُ كما بَدَتْ ولا تكونُ على حالةٍ واحدةٍ كالشمسِ **قُلْ** لهم **هِيَ مَوَاقِيْتُ** جمعُ ميقاتٍ **لِلنَّاسِ** يعلمونَ بها اوقاتَ زرعِهم ومَتَاجِرِهم وعِدَدِ نسائِهم وصيامِهم وإفطارِهم **وَالْحَجِّ** عطفٌ على النّاسِ اي يُعلمُ بها وقتُهُ فلو استمرّتْ على حالةٍ واحدةٍ لم يُعرفْ ذٰلك **وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا** في الإحرامِ بان تَنْقُبُوا فيها نَقبًا تدخُلونَ منهُ وتخرُجونَ وتترُكُوا البابَ وكانوا يفعلونَ ذٰلك ويزعمونَهُ برًّا **وَلٰكِنَّ الْبِرَّ** اي ذَا البرِّ **مَنِ اتَّقٰى** اللّٰهَ بتركِ مُخالفتِهِ **وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا** في الاحرامِ كغيرِهِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۸۹﴾ تفوزونَ ولمّا صُدَّ صلى اللّٰه عليه وسلم عنِ البيتِ عامَ الحُدَيبيةِ وصالحَ الكفّارَ على أنْ يعودَ العامَ القابلَ ويخلوا لهُ مكةَ ثلثةَ ايّامٍ وتجهّزَ لِعُمْرَةِ القضاءِ وخافوا أن لا تفِيَ قُريشٌ ويُقاتِلُوهم وكرهَ المسلمونَ قِتالَهم في الحَرَمِ والاحرامِ والشّهرِ الحرامِ نزلَ **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اي لإعلاءِ دينِهِ **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ** من الكفّارِ **وَلَا تَعْتَدُوْا** عليهم بالابتداءِ بالقتالِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** ﴿۱۹۰﴾ المُتجاوزينَ ما حُدَّ لهم وهذا منسوخٌ بآيةِ براءةٍ او بقولِهِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وجدتُموهم **وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ** اي من مكةَ وقد فُعِلَ بهم ذٰلك عامَ الفتحِ **وَالْفِتْنَةُ** الشركُ منهم **اَشَدُّ** اعظمُ **مِنَ الْقَتْلِ** لهم في الحَرَمِ والإحرامِ الذي استعظمتُموهُ **وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اي في الحَرَمِ **حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ** فيه **فَاقْتُلُوْهُمْ** فيه وفي قراءةٍ بلا ألِفٍ في الافعالِ الثلثةِ **كَذٰلِكَ** القتلُ والاخراجُ **جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۱۹۱﴾ **فَاِنِ انْتَهَوْا**

عن الكفر واسلموا **فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** بهم﴿۱۹۲﴾ **وَقٰتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ** توجد **فِتْنَةٌ** شرك **وَّيَكُونَ الدِّينُ** العبادة **لِلّٰهِ** وحده لا يعبد سواه **فَإِنِ انْتَهَوْا** عن الشرك فلا تعتدوا عليهم دل على هذا **فَلَا عُدْوَانَ** اعتداء بقتل او غيره **إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ**﴿۱۹۳﴾ ومن انتهى فليس بظالم فلا عدوان عليه **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** المحرم مقابل **بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ** فكما قاتلوكم فيه فاقتلوهم في مثله رد لاستعظام المسلمين ذلك **وَالْحُرُمٰتُ** جمع حرمة ما يجب احترامه **قِصَاصٌ** اى يقتص بمثلها اذا انتهكت **فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** بالقتال في الحرم او الاحرام او الشهر الحرام **فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** سمي مقابلته اعتداء لشبهها بالمقابل به في الصورة **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** في الانتصار وترك الاعتداء **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ**﴿۱۹۴﴾ بالعون والنصر.

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے چاند کی حالتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ باریک کیوں نمودار ہوتا ہے؟ (یعنی جب نمودار ہوتا ہے تو باریک ہوتا ہے) پھر بڑھتا ہے، یہاں تک کہ پُر نور ہو جاتا ہے، پھر (اپنی سابقہ حالت کی طرف) عود کرتا ہے (یعنی گھٹنا شروع ہو جاتا ہے) اور ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا نمودار ہوا تھا، اور سورج کے مانند ایک حالت پر نہیں رہتا، آپ ان سے کہئے یہ لوگوں کے لئے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے مواقیت میقات کی جمع ہے، یعنی لوگ ان کے ذریعہ اپنی کھیتی اور تجارت کے اوقات معلوم کرتے ہیں، اور اپنی عورتوں کی مدت اور اپنے روزوں (رمضان) اور افطار (شوال) کے اوقات معلوم کرتے ہیں اور حج کے لئے (شناخت وقت کا آلہ ہے) اس کا عطف الناس پر ہے یعنی چاند کے ذریعہ حج کا وقت معلوم کرتے ہیں اگر (چاند) ایک ہی حالت پر رہتا تو یہ باتیں معلوم نہ ہو سکتیں، اور حالت احرام میں گھروں کے پیچھے سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں (کی دیواروں) میں نقب لگاؤ، تا کہ تم اس نقب سے داخل ہو اور نکلو، اور دروازہ (سے نکلنا) چھوڑ دو (مشرکین عرب) ایسا کرتے تھے، اور اس کو نیکی سمجھتے تھے بلکہ نیکی یعنی نیک وہ ہے جو اللہ کی مخالفت کو ترک کر کے اللہ سے ڈرا، حالت احرام میں بھی بغیر حالت احرام کے مانند گھروں کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور جب رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا گیا اور کفار نے اس بات پر صلح کی کہ (آپ ﷺ) آئندہ سال آئیں گے، اور وہ (مشرکین) ان کے لئے تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیں گے اور آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے لئے تیاری فرمائی، اور مسلمانوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش اپنے عہد) کی پابندی نہ کریں اور مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمان ان سے حرم میں اور (حالت) احرام میں اور شہر حرام میں قتال کرنا ناپسند کریں، اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان کافروں سے جو تم سے قتال کریں، اس کے دین کے بلند کرنے کے لئے اور لڑائی کی ابتداء کر کے ان پر ظلم نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ مقررہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ حکم سورۂ براءت کی آیت یا اللہ کے قول "واقتلوهم

حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ" سے منسوخ ہے یعنی جہاں تم ان کو پاؤ وہیں قتل کرو اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا یعنی مکہ سے، اور فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا، اور فتنہ یعنی ان کا شرک قتل سے زیادہ شدید ہے ان کو حرم میں حالت احرام میں قتل کرنے سے جس کو تم عظیم سمجھتے ہو، اور مسجد حرام کے پاس یعنی حرم میں ان سے قتال نہ کرو تا آں کہ وہ خود تم سے اس میں قتال نہ کریں پس اگر وہ حرم میں تم سے قتال کریں تو تم بھی حرم میں ان سے قتال کرو اور ایک قراءت میں تینوں افعال بغیر الف کے ہیں، یہی قتل اور جلاوطنی ایسے کافروں کی سزا ہے، پس اگر وہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا ہے تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ شرک باقی نہ رہے اور عبادت اللہ وحدہ کی ہونے لگے اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو، پس اگر وہ شرک سے باز آجائیں تو ان پر تم زیادتی نہ کرو، اس حذف جزاء پر فَلَا عُدْوَانَ، دلالت کر رہا ہے تو قتل وغیرہ کے ذریعہ زیادتی ظالموں کے علاوہ پر جائز نہیں اور جو باز آگیا وہ ظالم نہیں، لہٰذا اس پر زیادتی بھی نہیں ہونی چاہئے. ماہ محترم عوض ہے ماہ محترم کا لہٰذا جس طرح انہوں نے اس میں تم سے قتال کیا تو تم بھی اس جیسے مہینہ میں قتال کرو اور یہ مسلمانوں کے اس مہینہ کو باعظمت سمجھنے کا رد ہے، اور احترام میں برابری ہے، حُرُمَاتٌ حرمۃ کی جمع ہے، جس کا احترام واجب ہو اور احترام کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا، یعنی اگر بے حرمتی کی جائے تو اس کے مثل بدلہ لیا جائے گا لہٰذا حرم میں یا احرام میں یا ماہ محرم میں قتال کے ذریعہ جو شخص تمہارے اوپر ظلم کرے تو تم بھی اس پر اتنا ہی ظلم کرسکتے ہو جتنا اس نے تم پر کیا ہے ظلم کی جزاء کو ظلم مقابلہ کے طور پر کہا گیا ہے، صورۃً اس زیادتی کے اپنے مقابل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اللہ سے ڈرتے رہو بدلہ لینے میں اور ترکِ زیادتی میں، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: جَمْعُ هِلَالٍ. اَهِلَّة، هِلَالٌ کی جمع ہے هلال تیسری رات تک کے چاند کو کہتے ہیں، هِلَال کو هِلَال، اس لئے کہا جاتا ہے کہ هِـلَال کے معنی آواز بلند کرنے اور شور مچانے کے ہیں نئے چاند کو دیکھ کر لوگ شور مچاتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں عید بقرعید کا چاند دیکھ کر بچے بڑے شور مچاتے ہیں، اسی لئے اس کو هِلَال کہا جاتا ہے۔

سَوَال: هلال تو ایک ہی ہوتا ہے پھر اس کی جمع کیوں لائی گئی ہے؟

جَوَاب: یا تو اس لئے کہ روزانہ کا چاند اپنے ماقبل کے دن کے چاند سے مختلف ہوتا ہے تو گویا وہ سابق چاند کا غیر ہے اس لئے متعدد چاند ہوگئے جس پر جمع کا اطلاق کرنا درست ہے، یا ہر ماہ کا چاند الگ ہوتا ہے، اس اعتبار سے بھی متعدد چاند ہوگئے لہٰذا جمع کا اطلاق درست ہے۔

سَوَال: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے مگر جواب میں اس کی حکمت اور فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابٌ: جواب میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت بیان کرکے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سائل کو چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت یا علت معلوم کرنے کے بجائے اس کی حکمتوں اور فائدوں کے بارے میں سوال کرنا چاہئے جو کہ ان کے کام کی اور فائدہ کی بات ہے۔ (کما فی المختصر المعانی)

قَوْلُهُ: لِمَ تبدوا دقیقة یہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں ہی تھا سوال میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ یَسْئلُونكَ عن حکمة الأهلّةِ اس صورت میں جواب سوال کے مطابق ہوگا، فلا اعتراض، اس جواب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن جریر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے قَالُوْا یَا رسولَ اللّٰه، لِمَ خُلِقَتِ الْاَهِلّةُ، فنزلَتْ یَسْئلونكَ عن الْاَهِلّةِ، یہ روایت چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے سوال کرنے کے بارے میں صریح ہے۔

قَوْلُهُ: جمعُ میقات، مَوَاقیت میقات اسم آلہ کی جمع ہے وقت پہچاننے کا آلہ۔

قَوْلُهُ: مَتَاجِرِهِمْ یہ مَتْجَر کی جمع ہے مصدر ہے نہ کہ ظرف زمان۔

قَوْلُهُ: عِدَدَ نِسَآئِهِمْ عِدَد، عِدَّة کی جمع ہے۔

قَوْلُهُ: عَطْفٌ علی الناس، مفسر علام کا اس اضافہ سے مقصد بعض لوگوں کے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ والحج کا عطف مَوَاقِیْتُ، پر ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مَوَاقِیْتُ کا حمل اَهِلّة کی ضمیر هی پر ہے ای الْاَهِلّةُ هِیَ المواقیتُ اگر الحج کا عطف مواقیت پر کردیا جائے تو اس کا حمل بھی هِیَ ضمیر پر ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی الْاَهِلّةُ هِیَ الحج، حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: فی الِاحرام.

سُؤَالٌ: فی الاحرام، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے

جَوَابٌ: دراصل فی الاحرام کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: لَیْسَ البِرُّ بِاَن تاتوا البُیُوْتَ مِن ظهورِهَا، اور ماسبق لِلنَّاسِ میں بظاہر کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جوڑ اور ربط ہے اور وہ یہ کہ مواقیت اوقات حج ہیں اور حالت احرام میں گھر کے پیچھے سے گھر میں داخل ہونا ان کے نزدیک افعال حج میں سے ہے لہٰذا ربط و تعلق ظاہر ہے۔

قَوْلُهُ: ای ذَالبرّ اس کے بارے میں سوال و جواب سابق میں گذر چکا ہے ملاحظہ فرمالیا جائے۔

قَوْلُهُ: بآیَةِ البراءة وَهِیَ فَاِذَا انسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ. (الآیة)

قَوْلُهُ: ای فی الحرم. عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تفسیر ای فی الحرم سے کرکے اشارہ کردیا کہ جزء بول کر کل۔ یعنی مسجد حرام بول کر پورا حرم مراد ہے اس لئے کہ قتال صرف مسجد حرام ہی میں ممنوع نہیں ہے بلکہ پورے حرم میں ممنوع ہے۔

قَوْلُہٗ: بلا الف فی الافعال الثلث وہ تین افعال یہ ہیں، لا تَقْتُلُوهم، يَقْتُلُوكم، فان قتلوكم

قَوْلُہٗ: توجَدُ، تكون کی تفسیر توجَدُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ کان تامہ ہے۔

قَوْلُہٗ: سُمّیَ مقابلتَه الخ سے ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: یہ ہے کہ ظالم سے اگر ظلم کا بدلہ لیا جائے تو اس کو ظلم نہیں کہا جاتا وہ تو اس کا حق ہے حالانکہ یہاں بدلہ لینے کو اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جَوَابٌ: صورةً یکساں ہونے کی وجہ سے جزاءِ اعتداء کو اعتداء سے تعبیر کردیا گیا ہے یہ جزاء السیئة سیئة کے قبیل سے ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

اَخرجَ ابن ابی حاتم عن ابی العالیه قال: بَلَغنا اِنّهم قالوا یا رسول اللّٰه لِمَا خُلقَتِ الْاَهِلّةُ فانزل اللّٰه تعالٰی، يَسْئلونَكَ عَنِ الْاَهِلّةِ، لوگوں نے آپ ﷺ سے معلوم کیا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا کس غرض سے ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں تھا، لہٰذا اس کا جواب بھی قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ کے ذریعہ بیان حکمت سے دیا گیا لہٰذا، الجواب علی اسلوب الحکیم کے تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اب رہی وہ روایت جو معاذ بن جبل رَضِحَالِللهُ تَعَالَى عَنهُ سے مروی ہے: "مَا بَالُ الهِلالِ يَبْدُوا دَقِيقًا ثمّ يزيدُ" الخ تو اس کی سند ضعیف ہے، کما فی روح المعانی نیز اس کا بھی سوال عن الحکمت پر محمول کرنا ممکن ہے۔

قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت:

سورج اپنے تشکل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے، گو مطالع اور مغارب اس کے بھی روزانہ بدلتے ہیں مگر اس کی شناخت ایک امر دقیق اور پیچیدہ ہے شمسی تاریخیں معلوم کرنے کے لئے تقویم (کیلنڈر) کے علاوہ کوئی صورت نہیں، اگر کوئی شخص شمسی تاریخ بھول جائے اور کسی ایسی جگہ ہو کہ جہاں (تقویم) کیلنڈر وغیرہ دستیاب نہ ہو اس کے لئے شمسی تاریخ معلوم کر لینا آسان نہ ہوگا، بخلاف چاند کے کہ روزانہ اس کے تشکلات بدلتے رہتے ہیں اس کے علاوہ ہر ماہ ایک ہی ضابطہ کے مطابق بدلتے ہیں اور اختلاف ایسا واضح ہوتا ہے کہ ہر کہ ومہ خواندہ و ناخواندہ دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے اسی وجہ سے شریعت نے اصالةً احکام وعبادات کا دار و مدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، بعض احکام میں تو قمری حساب کو لازم کردیا کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار جائز

ہی نہیں جیسے حج، روزۂ رمضان، عیدین، زکوٰۃ و عدت طلاق وغیرہ، ان کے علاوہ معاملات میں اختیار ہے چاہے جس حساب سے معاملہ کریں شریعت نے مجبور نہیں کیا کہ قمری تاریخوں ہی سے حساب رکھیں۔

احکام شرعیہ کے علاوہ میں گو قمری حساب کے علاوہ کی اجازت ہے مگر چونکہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ و صالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے، اور چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے قمری تاریخوں کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور انضباط کا آسان طریقہ یہی ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں قمری تاریخوں کا استعمال رکھا جائے۔

بدعت کی اصل بنیاد:

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا، زمانہ جاہلیت میں جہاں اور بہت سے رسم و رواج رائج تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ احرام باندھنے کے بعد اگر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو دروازہ سے داخل ہونے کے بجائے گھر کی پشت کی جانب سے دیوار میں نقب لگا کر یا دیوار پھاند کر داخل ہوتے اور اس کو کار ثواب سمجھتے اس آیت میں اسی بدعت کی تردید کی گئی ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام ضروری یا عبادت نہ سمجھتی ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیز کو فرض اور واجب کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا جاتا ہے اس آیت میں نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے بنیاد رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ تمام اوہام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے ان بے معنی رسموں کو نیکی سے کوئی واسطہ نہیں جو محض رسماً زمانہ قدیم سے آباء و اجداد کی تقلید میں چلی آ رہی ہیں اور جن کا انسان کی سعادت و شقاوت، نحوست و سعادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ذی القعدہ ۶ھ میں آپ ﷺ ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے اس وقت تک مکہ مشرکین کے قبضہ میں تھا، ان لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا، آخر کار بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال آکر عمرہ کریں چنانچہ ذی قعدہ ۷ھ میں قضائے عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن آپ کے اصحاب کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے حملہ آور نہ ہوں تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ماہ محترم میں قتال لازم آتا ہے اس لئے کہ ذی القعدہ چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے وہ چار محترم مہینے یہ ہیں۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، مسلمان، اس گومگو کی صورت حال سے پریشان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں، کہ ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ معاہدہ کی رو سے تم اپنی جانب سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو، لیکن اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو اور بے تکلف تم بھی ان سے لڑو۔

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ قتال صرف ان کافروں سے کریں جو مسلمانوں سے آمادۂ قتال ہوں مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں جو دنیا سے یکسو ہو کر مذہبی شغل میں لگے ہوں مثلاً راہب پادری اسی طرح اپاہج ومعذور یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہوں جو کافروں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے آیت میں جہاد کا حکم ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں، اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی شخص جنگ میں کافروں کی کسی طرح کی بھی مدد کریں تو ان کا قتل جائز ہے اس لئے کہ یہ لوگ ''اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ'' میں داخل ہیں۔ (مظہری، جصاص، معارف)

اسلام صرف ان ہی افراد کے مقابلہ میں قتال کا حکم دیتا ہے جو واقعی جنگ میں شریک ہوں غیر مقاتلین یا عام رعایا سے جنگ کا کوئی تعلق نہیں ہے آج کل عوام کے سروں پر بم برسا دینے پُر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے اور ان پر زہریلی گیس چھوڑنے بلکہ آگ لگانیوالے نیپام بم گرانے کے مہذب ترین آئین سے اسلام کا حربی قانون بالکل نا آشنا ہے سینکڑوں کو نہیں بلکہ ہزاروں بے گناہوں کو چشم زدن میں موت کی نیند سلا دینے کے بعد صرف (سوری Sorry) کہہ دینا آج کل کی مہذب دنیا کو ہی زیب دیتا ہے اسلام کو نہیں۔

جہاد کا مقصد خون بہانا نہیں:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (الآیۃ) آیت کا منشا یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی خون بہانا بہت برا فعل ہے لیکن جب کوئی جماعت یا گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے بجبر روکے اور اصلاح وتغیر کی جائز اور معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے ایسے گروہ کو بزور شمشیر راہ سے ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

مکی زندگی میں کافروں کے ذریعہ انتہائی اذیتیں برداشت کرنے کے باوجود مسلمانوں کو حکم تھا کہ عفو ودرگذر سے کام لیں مکی زندگی میں کوئی دن ایسا نہیں آتا تھا کہ سورج اپنے طلوع کیساتھ مسلمانوں کے لئے کوئی نئی مصیبت لے کر نہ آتا ہو مگر مسلمانوں کو تاکید تھی کہ عفو ودرگذر سے کام لیں، آیت کے عموم سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار جہاں کہیں ہوں ان کو قتل کرنا جائز ہے اول تو یہ حکم حالت جنگ کا ہے دوسرے یہ کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے اس لئے کہ ایک تخصیص تو اگلے جملہ میں آرہی ہے ''وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْکُمْ فِیْهِ''۔

مَسْئَلَۃ: حرم میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں، مگر اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حرم میں کوئی شخص دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتل کرنا جائز ہے۔ (معارف)

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، یعنی تم جس خدا پر ایمان رکھتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گنہگار کو

بھی معاف کر دیتا ہے جب کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے یہی صفت تم اپنے اندر بھی پیدا کرو تمہاری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہو تمہاری لڑائی کسی گروہ یا جماعت سے اسی وقت تک ہونی چاہئے جب تک وہ راہ خدا میں مزاحم ہو اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو تمہارا ہاتھ بھی اس پر نہ اٹھنا چاہئے۔

سابقہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ میں جو مظلوم مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی جارہی ہے وہ اچانک اور بلا سبب نہیں بلکہ دو چار مہینہ نہیں پورے تیرہ سال مکہ میں ہر طرح کے شدائد بلکہ شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اترنے کے بعد دفاع کی اجازت مل رہی ہے، ابھی وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ میں چین سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے، کہ جنگ بدر پیش آئی اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں نے جو کچھ کیا صرف اپنے دفاع میں کیا، دنیا خواہ کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہی ہے، خدا تربت ٹھنڈی کرے نو مسلم لارڈ ہیڈ لے کی کہ جس نے بات پتے کی کہی ہے، کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی؟ اور حملہ آور کون تھا؟ اور حفاظت خود اختیاری میں کون لڑ رہا تھا مکہ کے جنگ جو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر وشاکر مومنین؟

❶ غزوۂ بدر، بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

❷ غزوۂ احد، احد مدینہ سے کل ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

❸ جنگِ احزاب، اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا۔

غرضیکہ مذکورہ غزوات میں ہر مرتبہ قریش مکہ یا ان کے حلیف مدینہ پر چڑھ کر آئے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طاعته الجهاد وغيره **وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ** ای انفسكم والباءُ زائدة **اِلَى التَّهْلُكَةِ** الهلاكِ بالامساكِ عن النفقةِ فِی الجهادِ او تركِه لانه يقوى العدوّ عليكم **وَاَحْسِنُوْا** بالنفقةِ وغيرِها **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ** ای يُثيبُهم **وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ** اَدُّوهُما بحقوقِهما **فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ** مُنعتم عن اتمامِهما بعدوٍّ او نحوِه **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تيسّر **مِنَ الْهَدْيِ** عليكم وہو شاةٌ **وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ** ای لا تتحلّلوا **حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْیُ** المذكور **مَحِلَّهٗ** حيث يحلّ ذبحُه وہو مكانُ الاحصار عند الشافعي فيُذبحُ فيه بنيّة التحلّلِ ويُفرّقُ على مساكينه ويُحلقُ وبه يحصُلُ التحلّلُ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ** كقملٍ وصداعٍ فحلق فِی الاحرامِ **فَفِدْيَةٌ** عليه **مِّنْ صِيَامٍ** لثلثة ايامٍ **اَوْ صَدَقَةٍ** بثلثةِ اٰصُعٍ من غالبِ قوتِ البلدِ على ستّةِ مساكين **اَوْ نُسُكٍ** ای ذبحِ شاةٍ واَو للتخيير واُلحق به من حلق بغيرِ عُذرٍ لانّه اولى بالكفّارة وكذا من استمتع بغيرِ الحلقِ كالطيبِ واللبسِ والدہنِ لعذرٍ او غيرِه **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** العدوَّ بان ذہب او لم يكُن **فَمَنْ تَمَتَّعَ** استمتع **بِالْعُمْرَةِ** ای بسبب فراغه منها والتحلّلِ عنها بمحظوراتِ الاحرامِ **اِلَى الْحَجِّ** ای الاحرامِ به بان يكونَ احرم بها فی اشہرِه **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تيسّر **مِنَ الْهَدْيِ** عليه وہو شاةٌ يذبحُها بعد

الاحرام به والافضل يوم النحر **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الهدى لفقده او فقد ثمنه **فَصِيَامُ** اى فعليه صيام **ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ** اى فى حال احرامه فيجب حينئذ ان يحرم قبل السابع من ذى الحجة والافضل قبل السادس لكراهة صوم يوم عرفة للحاج ولايجوز صومها ايام التشريق على اصح قولى الشافعى **وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ** الى وطنكم مكة او غيرها وقيل اذا فرغتم من اعمال الحج وفيه التفات عن الغيبة **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ** جملة تاكيد لما قبلها **ذٰلِكَ** الحكم المذكور من وجوب الهدى او الصيام على من تمتع **لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** بان لم يكونوا على مرحلتين من الحرم عند الشافعى فان كان فلا دم عليه ولا صيام وان تمتع وفى ذكر الاهل اشعار باشتراط الاستيطان فلو اقام قبل اشهر الحج ولم يستوطن وتمتع فعليه ذلك وهو احد الوجهين عندنا والثانى لا والاهل كناية عن النفس والحق بالمتمتع فيما ذكر بالسنة القارن وهو من يحرم بالعمرة والحج معا او يدخل الحج عليها قبل الطواف **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فيما يامركم به وينهكم عنه **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿١٩٦﴾ لمن خالفه.

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو (یعنی) اس کی طاعت میں کہ وہ جہاد وغیرہ ہے اور تم جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کرکے اور جہاد ترک کرکے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس لئے کہ یہ (بخل وترک) دشمن کو تم پر جری کردے گا (بایدی) میں باء زائدہ ہے (راہ خدا میں) خرچ وغیرہ کے ذریعہ نیکیاں کرو، اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے یعنی ان کو اجر عطا کرتا ہے اور حج وعمرہ اللہ کے لئے پورے کرو، یعنی دونوں کو ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرو، پس اگر حج وعمرہ سے (یعنی) ان کے پورا کرنے سے دشمن یا اس جیسی کسی اور چیز کے ذریعہ تم کو روک دیا جائے تو جو ہدی (قربانی کا جانور) تم کو میسر ہو اور وہ بکری ہے اور اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ یعنی حلال نہ ہو تاوقتیکہ ہدی مذکور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے جہاں اس کا ذبح کرنا جائز ہے اور وہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک احصار کی جگہ ہے، لہٰذا حلال ہونے کی نیت سے اسی جگہ (ہدی) ذبح کردی جائے اور اس مقام کے مساکین پر (گوشت) تقسیم کردیا جائے، اور حلق کرالیا جائے، اس سے حلت حاصل ہوجائے گی، مگر جو شخص تم میں کا مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً جوں یا سر کا درد تو وہ حالت احرام میں حلق کرا سکتا ہے، تو اس پر فدیہ واجب ہے اور وہ تین دن کے روزے ہیں یا تین صاع کو مقامی عمومی خوراک سے چھ مسکینوں پر صدقہ کرنا ہے یا قربانی کرنا ہے یعنی بکری ذبح کرنا، اور او تخییر کے لئے ہے اور اسی حکم میں وہ شخص بھی شامل ہوگا جس نے بغیر کسی عذر کے حلق کرالیا ہو اس لئے کہ کفارہ کے وجوب کے لئے یہ زیادہ لائق ہے یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس نے حلق کے علاوہ کچھ اور استفادہ کیا مثلاً خوشبو لگائی یا تیل لگایا عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے، پھر جب تم دشمن سے مامون ہوجاؤ بایں طور کہ دشمن چلا گیا یا تھا ہی نہیں، تو جس شخص نے تم میں سے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر احرام کی ممنوعات سے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر فائدہ اٹھایا اس کے عمرہ

سے فارغ ہونے اور اس سے حلال ہونے کی وجہ سے تو اس پر جو میسر آئے قربانی واجب ہے اور وہ ایک بکری ہے کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرے، اور افضل یوم نحر ہے تو جس کو ہدی میسر نہ ہو، ہدی کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر تین روزے ہیں ایام حج میں یعنی حج کے احرام کی حالت میں، تو ضروری ہے کہ ساتویں ذی الحجہ سے پہلے (حج) کا احرام باندھے اور افضل چھٹی ذی الحجہ سے پہلے ہے یوم نحر میں حاجی کے لئے روزہ مکروہ ہے اور ایام تشریق میں امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے صحیح ترین قول کے مطابق روزہ جائز نہیں ہے اور سات روزے اس وقت جب کہ اپنے وطن واپس ہو وطن مکہ ہو یا غیر مکہ، اور کہا گیا ہے کہ جب تم ارکان حج سے فارغ ہو جاؤ اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے یہ دس روزے پورے ہیں یہ جملہ اپنے ماقبل کی تاکید ہے قربانی یا روزوں کے وجوب کا مذکورہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج تمتع کرے یا یہ رعایت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر بار مسجد کے قریب نہ ہوں اس طرح کہ حرم سے دو مرحلوں سے کم نہ ہو، یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے اور اگر دو مرحلوں سے کم ہے تو اس پر نہ دم ہے نہ روزہ اگرچہ حج تمتع کرے اور اھل کے ذکر کرنے میں وطن بنانے کی شرط کی طرف اشارہ ہے اور تمتع کی نیت کی، تو اس پر مذکورہ چیز (یعنی قربانی) واجب ہے اور یہ ہمارے (یعنی شوافع) کے نزدیک ہے اور تمتع کے ساتھ مذکورہ احکام میں حدیث کی وجہ سے قارن کو بھی ملا لیا گیا ہے اور قارن وہ ہے جو حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے، یا حج کو عمرہ پر داخل کر دے طواف عمرہ کرنے سے پہلے (یعنی عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے) اور ان چیزوں میں اللہ سے ڈرتے رہو جن کا تم کو حکم دیتے ہیں اور جن سے منع کرتے ہیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کا خلاف کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ. لَا تُلْقُوْا، اِلْقَاءٌ (افعال) سے صیغہ نہی جمع مذکر حاضر، تم نہ ڈالو۔

سوال: اَلْقَاءٌ متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں اِلٰی کے ساتھ تعدیہ کیا گیا ہے۔

جواب: اَلْقَاء انتہاء کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تعدیہ بالی جائز ہے۔

قولہ: تَہْلُکَۃ، (ض) یہ خلاف قیاس نادر مصادر میں سے ہے، ہلاکت میں ڈالنا، قاموس میں لام مثلث کے ساتھ لکھا ہے اَلتَّہْلُکَۃُ چونکہ مصادر نادرہ میں سے ہے، اس لئے اَلْہَلَاک، مصدر مشہور ہے اس کی وضاحت کر دی۔

قولہ: بِالنَّفَقَۃِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے، اَحْسِنُوْا. تفضلوا کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بالباء ہوتا ہے۔

قولہ: بالنفقۃ، کو ماسبق سے مربوط کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس لئے تہلکۃ، کی تفسیر افساك عن النفقۃ سے کی ہے

تو یہاں احسان کی تفسیر انفاق فی سبیل اللہ سے کرنا ہی مناسب ہے تاکہ دونوں میں ربط پیدا ہو جائے۔

قولہ: ای یُثِیْبُهُمْ، یُحِبّ کی تفسیر یثیب سے تفسیر باللازم ہے اس لئے کہ حبّ کے معنی میلان القلب کے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں متصور نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رحمت کی تفسیر احسان سے کرتے ہیں ورنہ تو رحمت کے معنی رقۃ القلب کے ہیں جو ذات باری میں متصور نہیں ہے۔

قولہ: اَدُّوْهُمَا، اس سے حج وعمرہ دونوں کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کے نزدیک دونوں واجب ہیں اور اگر لفظ اتِمُّوْا، کو ظاہری معنی پر ہی رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک نفلی عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

قولہ: بِعَدُوٍّ یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کے قول کے مطابق ہے اس لئے کہ ان حضرات کے یہاں احصار دشمن ہی کے ذریعہ صحیح ہے بخلاف احناف کے کہ دشمن کے علاوہ مرض وغیرہ سے بھی احصار درست ہے۔

قولہ: عَلَیْکُمْ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، جواب شرط ہے حالانکہ یہ جملہ تامہ نہیں ہے اور جواب شرط کے لئے جملہ ہونا شرط ہے۔

جواب: عَلَیْکُمْ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مَا مبتداء کی خبر محذوف ہے تاکہ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر شرط کی جزاء واقع ہو سکے تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلَیْکُمْ مَا اسْتَيْسَرْتُمْ.

قولہ: فَفِدْيَةٌ، فِدْيَة، مبتداء ہے اور عَلَيْهِ اس کی خبر محذوف ہے۔

قولہ: مِنْ صِيَامٍ یہ محذوف سے متعلق ہو کر فدیةٌ کی صفت ہے ای فِدْيَةٌ كائنةٌ من صيام.

قولہ: بِاَنْ ذَهَبَ اَوْ لَمْ يَكُنْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد، اَمِنْتُمْ کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کرنا ہے أَمِنْتُمْ، یا تو اَمَنَةٌ سے مشتق ہے اس کے معنی زوال خوف کے ہیں یا اَمْنٌ سے مشتق ہے اس کے معنی اَمْن یعنی ضد الخوف کے ہیں اگر اَمِنْتُمْ کو الْاَمَنَة، سے مشتق مانا جائے تو معنی ہوں گے فَاِذَا زَالَ عَنْكُمْ خوف العدوّ، تو اس صورت میں اس شخص کا حکم کہ جس کا احصار زائل ہو گیا ہو عبارۃ النص کے طور پر ثابت ہوگا اور اسی سے اس شخص کا حکم جو پہلے ہی سے مامون ہو دلالت النص کے طور سے مفہوم ہوگا، اور اگر أَمِنْتُمْ، الْاَمْن سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہوں گے کہ جب تم امن واطمینان میں ہو۔

(ترويح الارواح)

قولہ: نُسُكٍ یہ نَسِیْكٌ کی جمع ہے بمعنی قربانی، اور نُسُكٍ، مصدر بھی ہے قربانی کرنا۔

قولہ: فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، فاء رابطہ ہے جواب شرط کے لئے مَا، اسم موصولہ مبتدا، اس کی خبر محذوف، ای فعلیه مَا اسْتَيْسَرَ، اِسْتَيْسَرَ صلہ، جملہ ہو کر جواب شرط۔

قولہ: بِاَنْ لَمْ يَكُوْنُوْا على مرحلَتَيْنِ مِنَ الحرم عند الشافعي (رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى) اس عبارت کا مقصد متمتع پر

وجوب قربانی اور عدم وجوب قربانی کی دونوں صورتوں کو بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متمتع اگر آفاقی ہو تو اس پر دم تمتع واجب ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک آفاقی وہ ہے جو حرم سے کم از کم دو مرحلوں کی مسافت کا باشندہ ہو اور جو اس سے کم مسافت کا باشندہ ہو وہ ان کے نزدیک حضری ہے تو اس پر دم تمتع واجب نہیں ہے اور جب دم واجب نہیں تو اس کا نائب یعنی روزہ بھی واجب نہیں۔

قِوْلُہٗ: فی ذکر الأھل الخ اس عبارت کا مقصد لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تشریح ہے مطلب یہ ہے کہ دم تمتع ساقط ہونے کیلئے مقیم شرعی ہونا ضروری ہے اگر کسی شخص نے قبل اشھر الحرم مکہ میں قیام تو کیا ہے مگر وطن نہیں بنایا یعنی پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں کیا تو اس شخص سے دم تمتع ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ اقامت شرعی کی نیت کے بغیر وہ آفاقی ہی شمار ہوگا اور آفاقی پر دم تمتع واجب ہوتا ہے۔

تفسیر وتشریح

مالی ہنگامی ضرورت:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی بعض حقوق مالیہ فرض ہیں مگر وہ ہنگامی (ایمرجنسی) اور وقتی ضرورت کے لئے ہیں دائمی نہیں نہ ان کے لیے کوئی مقدار متعین ہے بلکہ جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں، جہاد کا خرچ اسی ہنگامی ضرورت میں شامل ہے۔

ترک جہاد قومی ہلاکت ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ، لفظی معنی تو ظاہر ہیں، کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اب رہی یہ بات کہ ہلاکت میں نہ ڈالنے سے یہاں کیا مراد ہے اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں امام جصاص رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا ان میں کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمادی تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال اور جائیداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی؟ جس نے یہ بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی قومی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے اس لئے حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ انصاری نے اپنی پوری عمر جہاد میں صرف کردی، یہاں تک کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جہاد کرتے ہوئے ۵۲ھ میں شہادت حاصل کی موصوف کی قبر آج بھی قسطنطنیہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کی قبر کے پاس ایک مسجد بھی تعمیر کردی گئی ہے۔

حضرت براء بن عازب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے آپ کو

ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ایسا اسراف جائز نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا: ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جب کہ یہ اندازہ ہو کہ ہم دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر منع ہے۔

وَاَحْسِنُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، اس جملہ میں ہر کام کو اچھا کرنے کی ترغیب ہے اور کام کو اچھا کرنا جس کو قرآن میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے دو طرح ہے ایک عبادت میں اور دوسرے معاملات و معاشرت میں، عبادت میں احسان کی تفسیر حدیث جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خود رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اس طرح عبادت کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو لازم ہی ہے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمد میں بروایت حضرت معاذ حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرو دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ (معارف)

حج کی فرضیت:

جمہور کے قول کے مطابق حج کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال یعنی غزوۂ احد کے سال سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ہوئی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ.

باتفاق مفسرین یہ آیت واقعہ حدیبیہ ۶ھ میں نازل ہوئی اس آیت کا مقصد حج کی فرضیت کو بتلانا نہیں اس لئے کہ حج تو پہلے ہی فرض ہو چکا ہے اس آیت کا مقصد حج کے کچھ احکام بیان کرنا ہے۔

اَتِمّوا الحج وَالعمرة للّٰه، یعنی اگر راستہ میں کوئی ایسا سبب پیش آجائے جس کی وجہ سے آگے جانا ممکن نہ رہے اور مجبوراً رک جانا پڑے تو اونٹ، گائے، بکری، میں سے جو جانور بھی میسر ہو اللہ کے لئے قربانی کردو اس امر میں اختلاف ہے کہ قربانی کے اپنی جگہ پہنچ جانے سے کیا مراد ہے؟ فقہاء حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد حرم ہے، یعنی محصر کے لئے اپنی قربانی کا جانور یا اس کی قیمت بھیج دے، تاکہ اس کی طرف سے حدود حرم میں قربانی کی جائے، اور امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں آدمی گھر گیا ہو تو وہیں قربانی کر دینا مراد ہے۔

اِحصار اور مجبوری سے کیا مراد ہے:

اس آیت میں دشمن کے حائل ہو جانے کی مجبوری تو صراحۃ مذکور ہے لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مجبوری صرف دشمن کے حائل ہونے کو مانتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے ساتھ اشتراک علت کی وجہ سے دیگر مجبوریوں مثلاً مرض وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔

اس آیت میں سر منڈانے کو احرام کھولنے کی علامت قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ حالت احرام میں سر منڈانا یا بال کٹانا ممنوع ہے اسی مناسبت سے اگلا حکم یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی بیماری وغیرہ کی مجبوری سے سر منڈانے کی ضرورت پیش آئے تو بقدر ضرورت جائز ہے مگر اس کا فدیہ دینا لازم ہوگا فدیہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، قربانی کے لئے حدود حرم کی جگہ متعین ہے روزہ اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہر جگہ ادا کر سکتا ہے قرآنی الفاظ میں روزوں اور صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی مگر حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کی ایک ایسی حالت میں یہ فرمایا تین روزے رکھیں یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گندم بطور صدقہ دیں۔ (صحیح بخاری)

عمرہ کا حکم:

ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد، بیہقی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ عمرہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا واجب تو نہیں لیکن کر لو تو بہتر اور افضل ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے۔

حج تمتع وقران کے احکام:

عرب جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کا وقت یعنی شوال شروع ہو جائے تو ان ایام میں حج وعمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج وعمرہ دونوں کو اشھر حج میں جمع کرنا ممنوع ہے کیوں ان کو اشھر حج کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا دشوار ہے اس لئے آفاقیوں یعنی دور کے رہنے والوں کے لئے حج وعمرہ کو جمع کرنا جائز ہے میقات وہ مقامات ہیں جو اطراف عالم سے آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام یہاں سے آگے بڑھنا جرم اور گناہ ہے "لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" کا یہی مطلب ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں

رہتے یعنی وہ حدود میقات کے اندر کا باشندہ نہیں ہے اس کے لئے حج وعمرہ کو حج کے زمانہ میں جمع کرنا جائز ہے۔
متمتع پر شکریہ کے طور پر دم تمتع واجب ہے خواہ اونٹ، گائے، بکری جو بھی میسر ہو اور جو شخص قربانی نہ کر سکے تو اس پر دس روزے واجب ہیں تین روزے ایام حج میں رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے، اور اگر کوئی شخص ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکا تو پھر اس پر امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور اکابر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے نزدیک قربانی ہی واجب ہے جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرادے۔

تمتع اور قران میں فرق:

تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، اور قران کے معنی ہیں ملانا، اشہر حج میں اگر میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھے یعنی احرام باندھتے وقت حج وعمرہ دونوں کی نیت کرلے تو یہ شخص قارن کہلاتا ہے یعنی حج وعمرہ کو ملانے والا، اس کا احرام درمیان میں کھلے گا نہیں آخر ہی میں دس ذی الحجہ کو کھلے گا۔

تمتع کا مطلب ہے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا ثواب حاصل کر کے فائدہ اٹھانا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاجی، میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھتا ہے مکہ جا کر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیتا ہے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منی جانے کے وقت حرم سے حج کا احرام باندھتا ہے اس کو اصطلاح میں حج تمتع اور ایسا کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں۔

اَلْحَجُّ وقتُہٗ **اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ** شوالٌ وذُوالقَعدَةِ وعشرُ لَيالٍ مِن ذِي الحِجَّةِ وقيلَ كُلُّهٗ **فَمَنْ فَرَضَ** على نفسِه **فِيْهِنَّ الْحَجَّ** بالاِحرامِ به **فَلَا رَفَثَ** جماعَ فيه **وَلَا فُسُوْقَ** معاصِيَ **وَلَا جِدَالَ** خِصَامَ **فِي الْحَجِّ** وفي قراءةٍ بفتحِ الاَوّلَينِ والمرادُ فِي الثلثة النَّهيُ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** كصَدَقَةٍ **يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ** فيُجازِيكم به ونَزَلَ فِي اہلِ اليَمَنِ وكَانُوا يَحُجُّوْن بلازادٍ فيَكُونُونَ كَلًّا علَى النَّاسِ **وَتَزَوَّدُوْا** ما يُبَلِّغُكم بسَفَرِكم **فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** ما يُتَّقٰى به سؤالَ النَّاسِ وغيرہ **وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ** ﴿۱۹۷﴾ ذوِي العُقُولِ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ** في **اَنْ تَبْتَغُوْا** تطلُبُوا **فَضْلًا** رزقًا **مِّنْ رَّبِّكُمْ** بالتِّجارةِ في الحج نَزَلَ رَدًّا لكَراہَتِہم ذٰلِك **فَاِذَآ اَفَضْتُمْ** دفَعتُم **مِّنْ عَرَفٰتٍ** بعدَ الوُقُوفِ بِها **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بَعدَ المَبِيتِ بمُزدَلِفَةَ بالتَّلبيَةِ والتَّهلِيل والدُّعاءِ **عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** ہو جبَلٌ فِي اٰخِرِ المُزدَلِفَةِ يقالُ لهٗ قُزَحُ وفِي الحديث انَّهٗ صلى الله عليه وسلمْ وقَفَ به يذكُرُ اللّٰهَ ويَدعُو حَتّٰى اسفَرَ جدًّا رواه مسلم **وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ** لمَعالِمِ دينِه ومَناسِكِ حجِّه والكافُ للتَّعليلِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ** قبلَ ہُداہُ **لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۱۹۸﴾ **ثُمَّ اَفِيْضُوْا** يا قريشُ **مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ** اي مِن عرَفَةَ بأن تَقِفُوْا بِها مَعَهُم وكَانُوا يَقِفُونَ بالمُزدلفةِ تَرَفُّعًا عن الوُقُوفِ معهم وثُمَّ للترتيبِ في الذِّكرِ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ من ذنوبكم اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ للمؤمنين رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ بهم فَاِذَا قَضَيْتُمْ اديتم مَّنَاسِكَكُمْ عبادات حجكم بان رميتم جمرة العقبة وحلقتم وطفتم واستقررتم بمنى فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتكبير والثناء كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ كما كنتم تذكرونهم عند فراغ حجكم بالمفاخر اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا من ذكركم اياهم ونصب اشد على الحال من ذكر المنصوب باذكروا اذ لو تاخر عنه لكان صفة له فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا نصيبنا فِى الدُّنْيَا فنؤتاه فيها وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ نصيب وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً نعمة وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً هي الجنة وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ بعدم دخولها وهذا بيانٌ لما كان عليه المشركون ولحال المؤمنين والقصدُ به الحثُّ على طلب خير الدارين كما وعد بالثواب عليه بقوله اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ ثوابٌ مِّنْ اجل مِّمَّا كَسَبُوْا عملوا من الحج والدعاء وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ يحاسب الخلق كلهم في قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديثٍ بذلك وَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتكبير عند رمي الجمرات فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اى ايام التشريق الثلاثة فَمَنْ تَعَجَّلَ اى استعجل بالنفر من منى فِيْ يَوْمَيْنِ اى فى ثانى ايام التشريق بعد رمى جماره فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ بالتعجيل وَمَنْ تَاَخَّرَ بها حتى بات ليلة الثالث ورمى جماره فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ بذلك اى هم مخيرون فى ذلك ونفى الاثم لِمَنِ اتَّقٰى الله فى حجه لانه الحاج على الحقيقة وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ فى الاخرة فيجازيكم باعمالكم.

ترجمہ: حج کا وقت متعین مہینے ہیں (اور وہ) شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہے تو جس نے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کرلیا تو نہ اس کے لئے (حالت) احرام میں فحش بات جماع جائز ہے اور نہ ارتکاب معاصی اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے اور ایک قراءت میں اول دونوں (رَفَث اور فُسُوْق) میں فتحہ ہے یعنی (مبنی برفتحہ) اور (نفی کے) تینوں صیغوں سے نہی مراد ہے اور جو بھی تم کار خیر کرتے ہو مثلاً صدقہ اللہ اس سے باخبر ہے تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا اور اہل یمن کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی جو بغیر زادراہ کے حج کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں پر بوجھ بنتے تھے اور اتنی مقدار زادراہ ہمراہ لے لیا کرو جو تمہارے سفر کے لئے کافی ہو بلاشبہ بہترین زادراہ خدا کا خوف ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں سے سوال وغیرہ (مثلاً چوری غصب وغیرہ) سے بچے، اور اے دانشمندو مجھ ہی سے ڈرو تمہارے لئے اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حج میں تجارت کے ذریعہ اپنے رب کا فضل (روزی) طلب کرو ان کے طلب رزق کو ناپسند کرنے کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور جب تم وقوف عرفہ کے بعد عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں رات گذارنے کے بعد مشعر حرام کے پاس تلبیہ اور تہلیل اور دعاء کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو (مشعر حرام) مزدلفہ کے آخر میں

ایک پہاڑ ہے، اس کو قزح کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس جگہ اللہ کے ذکر کے ساتھ قیام فرمایا، اور آپ دعاء کرتے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہوگیا (رواہ مسلم) اور اللہ کا ذکر کرو اس لئے کہ اس نے تم کو اپنے دین اور حج کے احکام کی ہدایت دی ہے اور بلاشبہ تم اِنْ مخففہ ہے، اس کی ہدایت سے پہلے گمراہوں میں سے تھے، اے قریشیو! تم بھی وہیں سے واپس ہوا کرو جہاں سے سب لوگ واپس ہوتے ہیں یعنی عرفات سے، اس طریقہ سے کہ تم بھی ان کے ساتھ وہاں قیام کرو، اور قریشی دیگر لوگوں پر برتری جتانے کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، ثمّ، ترتیب ذکری کے لئے ہے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک اللہ مومنوں کو معاف کرنے والا ہے ان پر رحم کرنے والا ہے جب تم اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، بایں طور کہ تم جمرہ عقبہ کی رمی کر چکو اور حلق کرا چکو اور منی میں قیام پذیر ہو جاؤ تو تکبیر و ثنا کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، یعنی جس طرح حج سے فارغ ہونے کے بعد تفاخر کے طور پر ان کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ذکر کرنے سے بھی بڑھ کر، اَشَدُّ، ذکرًا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ اگر (ذکرا) سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتا اور ان میں بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہم کو ہمارا حصہ دنیا ہی میں دیدے، تو اس کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطاء فرمانا اور وہ جنت ہے اور تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا اس میں داخل نہ کر کے یہ مشرکین کے طریقہ اور مؤمنین کے حال کا بیان ہے اور اس کا مقصد دارین کی خیر طلب کرنے کی ترغیب دلانا ہے، جیسا کہ اس پر (اللہ نے) اپنے قول "اُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ" سے وعدہ کیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اجر ہے ان کے اعمال کا جو انہوں نے حج اور دعاء کے ذریعہ کئے، اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے کہ پوری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں چکا دے گا، اس مضمون کی حدیث وارد ہونے کی وجہ سے اور جمرات کی رمی کے وقت تکبیر کے ذریعہ، چند دن یعنی ایام تشریق کے تین دنوں میں اللہ کا ذکر کرو اور جس نے جلدی کی یعنی منی سے روانہ ہونے میں عجلت سے کام لیا، یعنی ایام تشریق میں دوسرے دن رمی جمار کرنے کے بعد تو اس عجلت کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ تیسری رات گذاری اور اس دن کی رمی جمار کرلی تو اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی ان کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے حج میں اللہ سے ڈرتا ہو اس لئے درحقیقت وہی حاجی ہے اور اللہ سے ڈرو اور سمجھ لو کہ تم کو آخرت میں اس کی طرف جمع کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اَلحج وَقْتُهٗ

سَوْال: لفظ، وقتُهٗ، کا اضافہ کس مقصد سے کیا گیا ہے؟

جَوَابٌ: مضاف محذوف ہے ای وقتُ الحج، حج کا وقت. اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی، الحجُّ اشهُرٌ، حج مہینے ہیں، حالانکہ مہینے حج نہیں ہیں بلکہ حج کے اوقات ہیں مضاف محذوف ماننے سے مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلَهُ: وقيل كلّهُ، قيل کے قائل امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ اشہر حج میں شامل ہے۔

قَوْلَهُ: بالاحرام بهٖ.

سُوَال: بالاحرام بهٖ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: یہ ائمہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک صرف نیت اور احرام باندھنے سے حج لازم ہوجاتا ہے، مگر امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک تلبیہ یا سوق ہدی سے لازم ہوتا ہے۔

قَوْلَهُ: جماع فِيهِ، جماع کا اضافہ تو بیان معنی کے لئے ہے مگر فِيهِ کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: لَا رَفَثَ، فَمَنْ فَرَضَ شرط کی جزاء ہے اور جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ لا رفثَ جملہ تامہ نہیں ہے، اس لئے کہ لا نفی جنس ہے اور رَفَثَ اس کا اسم ہے اور خبر ندارد ہے لہٰذا جملہ ناقصہ ہوا، رَفَثَ کو جملہ تامہ بنانے کے لئے فيه محذوف ماننا ضروری ہے تاکہ جائزٌ وغیرہ کے متعلق ہوکر لائے نفی جنس کی خبر ہوسکے اور لائے نفی جنس اپنے اسم و خبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہوسکے۔

قَوْلَهُ: وفي قراءة اس اضافہ کا مقصد اختلاف قراءت کو بیان کرنا ہے، فلا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ میں چار قراءتیں ہوسکتی ہیں، مگر مفسر علام نے دو کی طرف اشارہ کیا ہے غالباً مفسر علام کے پیش نظر قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جس میں تینوں پر رفع ہے، اسی لئے فرمایا، کہ ایک قراءت میں پہلے دو پر فتحہ ہے اور جِدَالُ، پر رفع ہی ہے، وہ چار قراءتیں یہ ہیں، ① تینوں کا نصب ② تینوں کا رفع، ③ پہلے دو کا رفع اور تیسرے کا نصب ④ پہلے دو کا نصب اور تیسرے کا رفع۔

قَوْلَهُ: والمراد في الثلثة النهي، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: لا رفثَ ولا فسوقَ، ولا جدالَ یہ تینوں نفی کے صیغے ہیں ان میں خبر دی گئی ہے کہ حج میں نہ فحش بات کا وجود ہے اور نہ فسق اور لڑائی جھگڑے کا، حالانکہ مشاہدہ ہے کہ تینوں چیزیں حج میں واقع ہوتی ہیں حالانکہ خدائی کلام میں خلف اور کذب نہیں ہوسکتا۔

جَوَابٌ: نفی سے مراد نہی ہے اس لئے کہ مقصد، لا ترفثوا، لَا تفسُقوا، ولا تجادِلوا ہے یعنی حج میں مذکورہ تینوں کام نہ کرو۔

سُوَال: نہی کو نفی سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: دراصل نہی میں مبالغہ مقصود ہے اور اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ مذکورہ تینوں کام حج میں ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَا تفعلوا.

سُؤال: لَارَفَثَ، لَا ترفثوا، کے معنی میں ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے اور وَمَا تَفْعَلُوْا، جملہ خبریہ ہے حالانکہ وَمَا تَفْعَلُوا کا عطف وَلَا رَفَثَ پر ہے اور یہ عطف خبر علی الانشاء کے قبیل سے ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

جواب: مَا تَفْعَلُوا تاویل میں امر کے ہے ای اِفْعَلُوْا، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: والکاف للتعلیل یعنی کما ھداکم میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے ہے، یعنی تم اللہ کا ذکر اس لئے کرو کہ اس نے تم کو احکام دین کی ہدایت عطا فرمائی۔

قولہ: وَاِنْ مخففة، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو اِن کو نافیہ مانتے ہیں اس لئے کہ لَمِنَ الضَّالِّین، میں لام علامت ہے اس بات کی کہ اِنْ مخففہ عن المثقلة ہے ورنہ تو لَمِنَ الضالین کے لام کو اِلَّا، کے معنی میں لینا ہوگا جو کہ خلاف اصل ہے۔

قولہ: ثُمَّ لِلترتیب فی الذکر، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: اوپر عرفات سے روانہ ہونے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے قول فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ، پھر اس کے بعد ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النّاس میں مزدلفہ سے روانگی کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب خارجی اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اول عرفات سے روانگی ہوتی ہے اس کے بعد مزدلفہ سے ہوتی ہے۔

جواب: ثمّ ترتیب خارجی کے لئے نہیں بلکہ ترتیب ذکری کے لئے ہے۔

قولہ: ونصبُ اَشَدَّ، علی الحال، اس اضافہ کا مقصد اَشَدَّ، کے نصب کی وجہ بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اَشَدَّ ذِکْرًا، اذکروا کا مفعول مطلق سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر اشَدَّ ذِکْرًا، سے مؤخر ہوتا تو صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا، موصوف نکرہ پر جب صفت مقدم ہو جاتی ہے تو پھر وہ حال واقع ہوتی ہے، یہی صورت یہاں ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر وتشریح

اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ، حج کے ایام معلوم ومتعین ہیں اور وہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے اول دس دن ہیں مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال بھر میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص ایام ہی میں ہوسکتا ہے بعض ائمہ کے نزدیک تو حج کا احرام ایام حج سے پہلے باندھنا جائز ہی نہیں ایسے شخص کا حج ہی نہ ہوگا، امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے نزدیک حج تو ہو جائے گا، البتہ ایام حج سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔

احرام کی حالت میں نہ صرف یہ کہ تعلق زن وشو ممنوع ہے بلکہ ان کے درمیان کوئی ایسی گفتگو بھی نہ ہونی چاہئے جو رغبت شہوانی پر مبنی ہو۔

رَفَث:

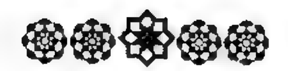
ایک جامع لفظ ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ مباشرت کی کھلی گفتگو کرنا بھی داخل ہے، تعریض و کنایہ میں مضائقہ نہیں۔

فسوق:

کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآن میں عدول حکمی اور نافرمانی کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے یہاں بھی فسوق کے عام معنی مراد لئے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ اس مقام کے یہی تفسیر مناسب ہے۔ (معارف)

جدال:

یہ لفظ بھی اپنے معنی کے اعتبار سے بہت عام ہے لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے بھی عام معنی مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے حج و احرام کی مناسبت سے ایک مخصوص معنی مراد لئے ہیں وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مقام وقوف میں اور اسی طرح اوقات حج میں اختلاف رکھتے تھے، کچھ لوگ عرفات میں وقوف ضروری سمجھتے تھے اور کچھ مزدلفہ میں اسی طرح کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے اور کچھ لوگ ذیقعدہ میں اور ان معاملات و مسائل میں نزاع اور جھگڑے کرتے تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہتے تھے، قرآن کریم نے لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ، کہہ کر جھگڑوں کا خاتمہ فرمادیا، اور جو بات صحیح اور حق تھی وہ بیان فرمادی۔



نقشه مقاماتِ حج

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی، بعض لوگ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لئے زادِ راہ ساتھ لے کر نکلنے کو ایک دنیادارانہ فعل سمجھتے تھے، اس معاملہ میں یمن کے لوگ زیادہ غلو کرتے تھے اور زادِ راہ ہمراہ لینے کو خلافِ توکل سمجھتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خود بھی تکلیف اٹھاتے تھے، اور دوسروں کے لئے بھی بار بنتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی تردید فرما دی اور بتادیا کہ زادِ راہ ہمراہ نہ لینا نہ کوئی خوبی ہے اور نہ تقوے کی بات۔ اصل خوبی اللہ کا خوف اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے اجتناب ہے، جس شخص کا باطن تقوے سے عاری ہوا گر وہ زادِ راہ ہمراہ نہ لے تو یہ محض ظاہر میں فقیری کی نمائش ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ایسا شخص خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں ذلیل ہوگا۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ، قدیم عربوں کا جاہلانہ تصور تھا کہ سفرِ حج کے دوران کسبِ معاش کے لئے کام کرنے کو برا سمجھتے تھے، قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ اگر خدا پرست خدا کے قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے معاش کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع محض ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لئے ہی نہیں، بلکہ فرد و ملت یعنی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کئے جانے چاہئیں، حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لئے آسان نہیں لیکن اس بین الاقوامی سالانہ کانفرس سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی اقتصادی ہر قسم کے فائدے وابستہ ہیں اور اس بین الاقوامی سالانہ بازار سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں ان کا اندازہ اور اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ حج کے اعمال، واجبات، سنن، مستحبات تو بہت سے ہیں لیکن ضروری تین ہیں، احرام پوشی، ۹/ ذی الحجہ کو عرفات میں حاضری اور طواف زیارت ان تینوں میں بھی اہم ترین رکن وقوف عرفات ہے۔

عرفات:

مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف جاتی ہے اس پر مکہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان ہے اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے سطح زمین سے اس کی بلندی تقریباً دوسو گز ہے ۸/ ذی الحجہ کی دوپہر تک حاجیوں کو منی پہنچ جانا چاہئے اور ۹/ ذی الحجہ کی صبح کو اشراق کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوجائے تاکہ منی اور عرفات کا درمیانی فاصلہ جو تقریباً ۸، ۹/ میل ہے، دوپہر تک طے ہوجائے، دوپہر سے عصر کے آخری وقت تک اسی میدان میں رہنا چاہئے اسی کو اصطلاح میں وقوف کہتے ہیں یہ عرفات کی حاضری حج کا رکن اعظم بلکہ حج کی جان ہے اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہوجاتا ہے، یہ سارا وقت توبہ واستغفار، عبادت، انابت الی اللہ ہی میں صرف ہونا چاہئے غروب کے بعد مزدلفہ (مشعر الحرام) کے لئے روانہ ہونا چاہئے، مغرب کی نماز کا وقت اگرچہ عرفات ہی میں ہوجاتا ہے مگر نماز ادا نہ کرنی چاہئے اور نہ راستہ میں ادا کرے بلکہ مزدلفہ میں جاکر مغرب اور عشاء دونوں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کرے جس

طرح میدان عرفات میں مسجد نمرہ میں عصر وظہر ایک ساتھ ادا کی تھیں۔

مزدلفہ مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، منی سے عرفات جانے کا ایک راستہ تو سیدھا ہے حاجی ۹/ ذی الحجہ کو عرفات اسی راستہ سے جاتے ہیں، واپسی میں حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے لوٹیں یہ راستہ ذرا چکر کا ہے اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے تقریباً دس بجے شب یہاں پہنچ جاتے ہیں وادی محسر کے سوا پورا مزدلفہ متبرک اور محترم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ، زمانۂ جاہلیت میں عرب حج سے فارغ ہونے کے بعد منی میں جلسے کرتے تھے، جن میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے باپ دادا کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے اور بڑائی کی ڈینگیں مارتے تھے، اس پر ان کو تاکید کی جارہی ہے کہ ان جاہلانہ باتوں کو چھوڑو، پہلے جو وقت فضولیات میں صرف کرتے تھے، اب اسے اللہ کی یاد میں صرف کرو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے عرب کا معروف طریقۂ حج یہ تھا کہ ۹/ ذی الحجہ کو منی سے عرفات جاتے تھے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، مگر بعد کے زمانہ میں قریش نے یہ طریقہ شروع کردیا کہ عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور دیگر لوگ عرفات چلے جاتے اور قریش دلیل یہ دیتے ہم چونکہ بیت اللہ کے مہنت اور پروہت ومجاور ہیں لہٰذا ہمارے لئے حرم سے باہر جانا مناسب نہیں ہے مقصد ان کا اپنے لئے شانِ امتیازی قائم کرنا اور دیگر قبیلوں پر اپنی فوقیت اور برتری جتانا ہوتا تھا پھر یہی امتیاز بنی خزاعہ اور بنی کنانہ کو بھی حاصل ہوگیا اس طرح ان قبیلوں کو دوسروں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہوگئی، اسی فخر وغرور کے بت کو اس آیت میں توڑا گیا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ، منی سے مکہ کی طرف روانگی کی دو صورتیں ہیں اور دونوں بالکل جائز ہیں اب اگر کوئی شخص ۱۰/ ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲/ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳/ تک منی میں قیام کرلے یہ بھی درست ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے یہاں اگر ۱۳/ تک ٹھہرتا ہے تو طلوع آفتاب سے قبل ہی رمی جمرات کرلے، فقہاء حنفیہ کے یہاں ۱۳/ کا قیام افضل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ولا يُعْجِبُكَ فى الاخرةِ لِمُخالَفَتِه لاعتقادِهِ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ اَنَّهُ موافِقٌ لقولِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ شديد الخُصُومَةِ لك ولأتباعِكَ لعَداوتِهِ لك وهو الاَخنسُ بن شَرِيقٍ كان منافقًا حُلْوَ الكلامِ للنبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلّم يَحلِفُ اَنَّهُ مؤمنٌ به ومُحِبٌّ لهُ فيُدني مَجلِسَهُ فاَكذَبَهُ اللّٰهُ تعالٰى في ذلك ومَرَّ بزرعٍ وحُمُرٍ لبعضِ المسلمين فاَحرَقَهُ وعَقَرَهَا ليلاً كما قال تعالٰى وَاِذَا تَوَلّٰى انصرفَ عنكَ سَعٰى مشٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ مِن جُمْلَةِ الفسادِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ اى لا يرضٰى به وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ في فِعلِكَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ حَمَلَتْهُ الانفةُ والحَمِيَّةُ على العَمَلِ بِالْاِثْمِ الذى اُمِرَ باِتِّقائِهِ فَحَسْبُهٗ كافِيهِ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ الفِراشُ هى وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ يبيعُ نَفْسَهُ اى يَبْذُلُها في طاعَةِ اللّٰهِ تعالٰى ابْتِغَآءَ طلبَ

مَرْضَاتِ اللّٰهِ رضاہُ وہو صُہیب رضی اللہ تعالٰی عنہ لمّا اٰذاہُ المشرکون ہاجر الی المدینۃ وترک لہم مالَہٗ **وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ**﴿۲۰۷﴾ حیثُ ارشدہم لما فیہ رضاہُ ونزلَ فی عبد اللہ بن سلام واصحابہ لمّا عظّموا السبتَ وکرہوا الابلَ والبانہا بعد الاسلام **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ** بفتح السین وکسرہا الاسلام **كَآفَّةً** حالٌ مِن السلم ای فی جمیعِ شرائعہ **وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ** طرق **الشَّيْطٰنِ** ای تزیینہ بالتفریق **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ**﴿۲۰۸﴾ بیّنُ العداوۃِ **فَاِنْ زَلَلْتُمْ** مِلتُم عن الدُّخول فی جمیعہ **مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ** الحججُ الظاہرۃ علی انہٗ حقٌّ **فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** لا یُعجزہٗ شیءٌ عن انتقامہ منکم **حَكِيْمٌ**﴿۲۰۹﴾ فی صُنعہ **هَلْ** ما **يَنْظُرُوْنَ** ینتظرُ التارکون الدُّخول فیہ **اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ** ای امرُہٗ کقولہ اَوْ یاتی امرُ ربّک ای عذابُہٗ **فِيْ ظُلَلٍ** جمعُ ظُلّۃٍ **مِّنَ الْغَمَامِ** السحاب **وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ** تمّ امرُ ہلاکہم **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ**﴿۲۱۰﴾ بالبناء للمفعول والفاعل فی الاخرۃ فیجازی۔

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں آپ کو ان کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور آخرت کے بارے میں اچھی نہیں لگتیں اس کے اعتقاد کے آپ کے اعتقاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس کے قول کے مطابق ہے حالانکہ وہ زبردست جھگڑالو ہے یعنی آپ سے اور آپ کے متبعین سے سخت خصومت رکھنے والا ہے آپ سے خصومت رکھنے کی وجہ سے اور وہ اخنس بن شریق ہے جو منافق ہے، آپ ﷺ سے بہت شیریں گفتگو کرتا تھا اور قسمیں کھاتا تھا کہ وہ آپ پر ایمان رکھتا ہے اور آپ سے محبت رکھتا ہے آپ ﷺ اس کو اپنے قریب بٹھاتے تھے، تو اللہ تعالٰی نے اس کی اس کے دعوے میں تکذیب فرمائی، ایک مرتبہ مسلمانوں کی کھیتی اور گدھوں کے پاس سے گذرا تو رات کے وقت کھیتی کو جلا دیا اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں، جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اور جب وہ واپس جاتا ہے (یعنی) آپ کی مجلس سے لوٹتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ زمین میں فساد برپا کرے (دوسرا ترجمہ) (اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ساری دوڑ دھوپ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے ہوتی) اور کھیتی اور نسل کو برباد کرتا ہے یہ بھی منجملہ فساد کے ہے، اور اللہ تعالٰی فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی اس سے راضی نہیں ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنی حرکتوں کے بارے میں اللہ سے ڈر تو اس کو تکبر اور جاہلی تعصب گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے اس کو بچنے کے لئے کہا گیا ہے تو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے یعنی وہ برا بچھونا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیچ دیتے ہیں یعنی اللہ کی طاعت میں اس کو قربان کر دیتے ہیں اور وہ صہیب رومی ہیں جب کہ مشرکین نے اذیت پہنچائی تو مدینہ ہجرت کر گئے اور مشرکین کے لئے اپنا تمام مال چھوڑ گئے اور اللہ اپنے بندوں پر

بڑی مہربانی کرنے والا ہے اس لئے کہ ان کو ان باتوں کی رہنمائی فرمائی جن میں اس کی خوشنودی ہے اور جب عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب نے اسلام قبول کرنے کے بعد شنبہ کے دن کی تعظیم کرنے کا ارادہ کیا اور اونٹ اور ان کے دودھ کو ناپسند کیا تو آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ، (السِلْم) سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی اسلام کَافَّةً، سلم سے حال ہے یعنی اس کی پوری شریعت میں (داخل ہوجاؤ) اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو یعنی تفریق کے ذریعہ خوشنمائی کی بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے پس اگر تم نے لغزش کھائی یعنی اگر اسلام میں مکمل داخل ہونے سے تم نے اعراض کیا بعد اس کے کہ تمہارے پاس اسلام کے حق ہونے پر واضح دلیلیں آگئیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو انتقام لینے سے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اپنی صنعت میں حکیم ہے پوری طرح اسلام میں نہ داخل ہونے والے، کیا اب صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس اللہ اور فرشتے یعنی اس کا حکم آجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ، ای عذابُهٗ'' بادلوں کے سائبان میں ظُلَلٌ ظُلَّةٌ کی جمع ہے اور کام تمام کردیا جائے (یعنی) ان کی ہلاکت کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے آخرت میں اللہ کی ہی طرف تمام کام لوٹنے والے ہیں (ترجع) معروف و مجہول دونوں ہیں تو وہ جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهٗ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ، اس کا عطف فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ پر ہے اور وَمِنَ النَّاس، اپنے متعلق محذوف سے مل کر خبر مقدم ہے اور مَنْ یُّعْجِبُكَ، مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلُهٗ: اَلَدُّ الخِصَامِ. لَدٌّ، سے اسم تفضیل ہے بحث جھگڑالو، خِصَامٌ یہ خاصَمَ کا مصدر ہے زجاج نے کہا ہے کہ خَصْمٌ کی جمع ہے جیسا کہ صَعْبٌ کی جمع صِعَابٌ اور ضَخْمٌ کی جمع ضِخَامٌ۔

قِوْلُهٗ: شدید الخصومَةِ مفسر علام نے اَلَدُّ کی تفسیر شَدِیْدٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اَلَدُّ، اسم تفضیل نہیں ہے (کما فی قول بعض الناس) اس لئے کہ اس کی مؤنث، لُدیٰ، اور جمع لُدٌّ ہے۔

قِوْلُهٗ: تَوَلّٰی، اِنْصَرَفَ عَنْكَ تَوَلّٰی، کی تفسیر اِنْصَرَفَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ تَوَلّٰی بمعنی اِنْصَراف ہے نہ کہ بمعنی ولایۃ جیسا کہ کہا گیا ہے، اس لئے کہ آیت کا نزول اَخْنَسْ بن شَرِیْق کے بارے میں ہے اور وہ والی نہیں تھا۔

قِوْلُهٗ: مِنْ جملة الفساد یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هُوَ مِن الفساد اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لِیُفْسِدَ فیھا عام ہے اس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے پھر اس کے بعد وَیُھْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

جَوَابُ: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مِنْ جملة الفساد سے اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَہٗ: حَالٌ من السِلْمِ یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے کَافَّةً کو مصدر محذوف کی صفت کہا اور تقدیر عبارت یہ مانی ہے ای اذخالًا کافّۃ ردکی وجہ یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا ہے کہ کَافَّة، حال اور نکرہ ہونے کے لئے خاص ہے۔

قِوْلَہٗ: من السِّلْمِ، یہ اس کا رد ہے جس نے کہا ہے کہ کَافَّةً، ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے یا تو اس لئے کہ کَافَّةٌ مؤنث ہے اور سِلْمٌ مذکر ہے یا اس لئے کہ سِلْمٌ بمعنی اسلام کے اجزاء نہیں ہیں حالانکہ ذوالحال کا ذات الاجزاء ہونا ضروری ہے پہلی دلیل کا جواب اَلسِّلْمُ، حَرْبٌ، کے مانند مذکر و مؤنث دونوں مستعمل ہے دوسری دلیل کا جواب، اسلام سے جمیع شرائع والا حکم مراد ہیں اور شرائع ذات الاجزاء ہیں لہٰذا سِلْمٌ کا کَافَّة سے حال واقع ہونا درست ہے۔ مفسر علام نے اپنے قول ای فی جمیع شرائعه سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، مذکورہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی اصحاب میں ثعلبہ بن یامین و اسد و اسید و سعید بن عمرو یہ سب حضرات یہودی تھے انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔

قِوْلَہٗ: طُرُقٌ. خطواتٌ کی تفسیر طُرُقٌ سے کر کے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ شیطان کے قدم نہیں ہے جواب یہ ہے کہ حال بول کر محل مراد ہے۔

قِوْلَہٗ: ای اَمرُهٗ، اس میں اشارہ ہے کہ یاتیهُم اللّٰه کے اندر اسناد مجازی ہے۔

قِوْلَہٗ: تزیینه، ای تزیین الشیطان، المراد من التزیین وسوسته، کتحریم لحم الابل وتعظیم یوم السبتِ.

تَفسِیر وتَشریح

بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس آیت کے مصداق تمام منافقین ہیں، لباب النقول میں ہے، اَخرَجَ ابن جریر عن السُّدی قال نزل فی اخنس بن شریق، ایک روز اخنس جس کا اصل نام اُبی ہے اخنس اس کا لقب ہے اس کنیت کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے دن یہ شخص واپس چلا گیا تھا اور اپنے ہمراہ تین سو افراد کو بھی لے گیا تھا خنس کے معنی واپس ہونے اور پلٹنے کے ہیں خنّاس ان تاروں کو کہتے ہیں جو آگے چلتے چلتے پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

اس شخص نے اپنے ساتھ واپس جانے والے منافقوں سے کہا: اِنّ محمدًا ابن اُختِکم فاِن یَکُ کَاذِبًا کفا کسوہ الناسُ وَاِن کان صادقا کنتم اَسْعَدَ الناسِ به، قالوا نَعَم مَا رَأیتَ، قال اِنّی سَاَخْنَسُ بکم فاتبعونی فخَنَسَ فَسُمِّیَ الاَخْنَسُ لِذٰلِکَ. (خازن)

اس نے کہا: محمد ﷺ تمہارا بھانجا، اگر جھوٹا ہے تو لوگ تمہاری طرف سے کفایت کریں گے اور اگر سچا ہے تو تم اس کی وجہ سے خوش نصیب ترین لوگ ہوگے، لوگوں نے کہا تم نے بہت اچھی بات کہی، اخنس نے کہا میں تمہارے پاس واپس آؤں گا تو تم میری اتباع کرنا، چنانچہ وہ واپس آیا، اسی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام اخنس رکھ دیا۔

ربط وشان ونزول:

سابقہ آیت میں منافقین کا ذکر تھا، اس آیت میں مخلصین کا ذکر ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ (الآية) یہ آیت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے بیان کیا ہے کہ صہیب رومی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مشرکین قریش کی ایک جماعت نے راستہ روک لیا یہ دیکھ کر حضرت صہیب رومی اپنی سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے اور قریش کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہا اے قبیلہ قریش کے لوگو! تم سب جانتے ہو کہ میں تیراندازی میں تم سب سے زیادہ ہوں، میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا، اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میرے پاس اس وقت تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے اور تیروں کے بعد میں تلوار سے کام لوں گا جب تک مجھ میں دم رہے گا، پھر تم جو چاہو کر لینا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ دیتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں رکھا ہوا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو اس پر قریش کی جماعت راضی ہوگئی اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح سالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: رَبِحَ الْبَيْعُ يا ابا يحيىٰ رَبِحَ الْبَيْعُ يا ابا يحيىٰ، اے ابا یحییٰ تمہارا سودا نفع بخش رہا، تمہارا سودا نفع بخش رہا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً، یعنی کسی استثناء اور تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ، تمہارے خیالات تمہارے نظریات تمہارے علوم تمہارے طور وطریقے تمہارے معاملات تمہاری سعی وعمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہوں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کے مختلف حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔

ربط آیات اور شان نزول:

ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے فرمایا: کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم یوم السبت کا احترام کریں اور اونٹ کا گوشت ترک کریں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب کے علماء میں سے تھے ان کے نزدیک ہفتہ کا دن محترم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان حضرات کو اسلام لانے کے بعد خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں

اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسوی کی بھی رعایت ہو جائے گی اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ گا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح آئندہ آیت میں فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے۔

تَنْبِیْہ: اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے معاملات اور معاشرت کے احکام کو گویا دین کا جز ہی نہیں سمجھتے، آجکل جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو خود کو ماڈرن سمجھتا ہے ان میں یہ غفلت عام ہے۔

هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (الآیة) اس دنیا میں انسان کی آزمائش کا تمام تر دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں جس کو ایمان بالغیب کہتے ہیں اور ماننے کے بعد اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کی طاقت رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت میں، کتابوں کی تنزیل میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا ضرور لحاظ رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے نقاب نہیں کیا کہ آدمی کے لئے مانے بغیر چارہ ہی نہ رہے کیونکہ اس سے تو آزمائش بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور امتحان و آزمائش کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا، غیب اور حقیقت کے مشاہد ہونے کے بعد تو بڑے سے بڑا منکر بھی ایمان لے آتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اسی بنا پر یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اس وقت کا انتظار نہ کرو، جب اللہ تعالیٰ اور اس کی سلطنت کے کارکن فرشتے خود سامنے آجائیں گے کیونکہ پھر تو فیصلہ ہی کرڈالا جائے گا، ایمان لانے اور سر جھکانے کی ساری قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت تمہارے حواس سے پوشیدہ ہے اور تم محض دلیل سے اس کو تسلیم کر کے اپنی اخلاقی طاقت کا ثبوت دیتے ہو، ورنہ جب حقیقت بے پردہ ہو کر سامنے آجائے اور تم بچشم سر دیکھ لو کہ خدا اپنے تخت جلال پر متمکن ہے اور یہ ساری کائنات کی سلطنت اس کے فرمان پر چل رہی ہے اور یہ فرشتے زمین و آسمان کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تمہاری ہستی اس کے قبضۂ قدرت میں پوری بے بسی کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے اس وقت تم ایمان لائے تو اس ایمان اطاعت کی قیمت ہی کیا ہے؟ اس وقت تو کٹے سے کٹا کافر اور بڑے سے بڑا فرعون اور بدتر سے بدتر مجرم بھی انکار و نافرمانی کی جرأت نہیں کرسکتا، ایمان لانے اور اطاعت قبول کرنے کی مہلت بس اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت بے نقاب ہونے کی وہ ساعت نہیں آتی، اور جب وہ ساعت آگئی تو پھر نہ مہلت ہے نہ آزمائش بلکہ وہ فیصلے کا وقت ہے۔

سَلْ یا محمدُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ تبکیتاً كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ کم استفہامیۃٌ مُعلّقۃٌ لِسَلْ عن المفعولِ الثانی وہی ثانی مفعولَی اتینا ومُمیّزُہا مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ظاہرۃٍ کفَلقِ البحر وانزالِ المَنِّ والسَّلوٰی فبدّلُوہا کفرا

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ اي ما انعمَ به عليه مِنَ الأياتِ لِأنّها سببُ الهدايةِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَتْهُ كفرا فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ له زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا مِن اهلِ مكةَ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا بالتمويهِ فاحبُّوها وَ هم يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِفقرِهم كعمّار وبلال وصهيب اي يَستهزءُونَ بهم ويتعالونَ عليهم بالمال وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشركَ وهم هؤلاء فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ اي رزقا واسعًا في الاخرةِ او الدُّنيا بأن يُملّكَ المسخُورَ منهم اموالَ السّاخرينَ ورِقابَهم كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً على الايمانِ فاختلفُوا بأن امَنَ بعضٌ وكفرَ بعضٌ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ اليهم مُبَشِّرِيْنَ من امنَ بالجنة وَمُنْذِرِيْنَ من كفرَ بالنارِ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بمعنى الكُتُبِ بِالْحَقِّ متعلّقٌ بانزلَ لِيَحْكُمَ به بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الدِّينِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اي الدِّينِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ اي الكتابَ فامنَ بعضٌ وكفرَ بعضٌ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ الحُجَجُ الظاهرةُ على التوحيدِ ومن متعلّقةٌ باختلفَ وهي وما بعدَها مُقدّمٌ على الاستثناءِ في المعنى بَغْيًاۢ مِنَ الكافرينَ بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ للبيانِ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ بإرادتِه وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ هدايتَه اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ طريقِ الحقّ ونزلَ في جَهدٍ اصابَ المسلمينَ اَمْ بل حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا لم يَاْتِكُمْ مَّثَلُ شِبْهُ ما اتى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ من المؤمنينَ من المحنِ فتصبِرُوا كما صبرُوا مَسَّتْهُمْ جملةٌ مستانفةٌ مُبيّنةٌ لما قبلَها الْبَاْسَآءُ شدّةُ الفقرِ وَالضَّرَّآءُ المرضُ وَزُلْزِلُوْا أُزعِجُوا بأنواعِ البلاءِ حَتّٰى يَقُوْلَ بالنصبِ والرفعِ اي قالَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ استبطاءً للنصرِ لتناهي الشدّةِ عليهم مَتٰى ياتي نَصْرُ اللّٰهِ الذي وعدنَاهُ فاجيبُوا من قِبَلِ اللّٰهِ تعالى اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾ إتيانُهُ.

ترجمہ: اے محمد ﷺ بنی اسرائیل سے لاجواب کرنے کے لئے پوچھو تو، کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا کیں! مثلاً دریا کا دولخت ہو جانا، اور مَنّ و سَلْوٰی کا نازل کرنا، مگر انہوں نے ان نشانیوں (نعمتوں) کا بدلہ ناشکری سے دیا کَمْ استفہامیہ ہے جو سَلْ، کو مفعول ثانی (آتَیْنٰھُمْ) میں عمل کرنے سے مانع ہے اور کَمْ آتَیْنَا کا مفعول ثانی ہے اور مُمَیَّز ہے اور مِنْ آیَۃٍ اس کی تمیز ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدلتا ہے کفر کے ساتھ یعنی ان نعمتوں کو جو اسے بطور انعام نشانیوں کی شکل میں عطا فرمائیں۔ (اور وہ آیات نعمت اس لئے ہیں) کہ وہ سبب ہدایت ہیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے سخت عذاب والا ہے کافروں یعنی اہل مکہ کے لئے دنیا کی زندگی کو آراستگی کے ساتھ جس کو انہوں نے محبوب سمجھ لیا ہے خوب مزین کر دیا ہے اور یہ لوگ ایمان والوں کا ان کے فقر کی وجہ سے مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ عمار، اور بلال، اور صہیب، یعنی ان کا استہزاء کرتے ہیں اور ان پر مالی برتری جتاتے ہیں حالانکہ وہ لوگ جو شرک سے بچے اور وہ یہی (فقراء) ہیں قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے،

اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے یعنی آخرت یا دنیا میں رزق وسیع عطا کرتا ہے اس طریقہ پر کہ جن لوگوں کا مذاق اڑایا گیا ان کو ان کے مالوں کا ان کی گردنوں کا مالک بنا دے گا (دراصل) لوگ ایمان والی ایک ہی امت تھے بعد میں مختلف ہو گئے اس طریقہ پر کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا، بعد اس کے کہ ان کے پاس توحید کی واضح دلیلیں آ چکی تھیں اور من بعد کا تعلق اختلف سے ہے اور مِن، اور اس کا مابعد معنی کے اعتبار سے استثناء پر مقدم ہے اور یہ سب کچھ محض آپسی کفر وعناد کی وجہ سے کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جس میں انہوں نے اختلاف کیا اپنی مشیت سے رہبری کی اور اللہ جس کی ہدایت چاہتا ہے صراط مستقیم راہِ حق کی ہدایت کرتا ہے اور اس مشقت کے بارے میں کہ جو مسلمانوں کو پہنچی (آئندہ) آیت نازل ہوئی، کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو حالات تم سے پہلے ایمان والوں پر آئے تھے، لہٰذا تم اسی طرح صبر کرو جس طرح انہوں نے کیا، ان کو شدید احتیاج پیش آئی اور مرض لاحق ہوئے، مَسَّتْهُمْ جملہ مستانفہ اپنے ماقبل کا بیان ہے مختلف قسم کی آزمائشوں سے ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ اس وقت کا رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے نصرت میں تاخیر اور ان پر انتہائی شدت کی وجہ سے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے (یقولُ) نصب اور رفع کے ساتھ ہے، تو ان کو اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے سنو اللہ کی نصرت کی آمد قریب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سَلْ، تو سوال کر، (ف) سے امر واحد مذکر حاضر سَلْ کی اصل اِسْئَلْ تھی ہمزہ ثانیہ کی حرکت نقل کر کے اپنے ماقبل سین کو دیدی اور ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا، ہمزہ وصل چونکہ ضرورۃً لایا گیا تھا ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا سَلْ ہو گیا خطاب آپ ﷺ کو ہے۔

قولہ: تبکیتًا (تفعیل) لاجواب کرنا، خاموش کرنا، شرمندہ کرنا اور یہ استفہام برائے توبیخ ہے نہ کہ استفہام برائے سوال۔

قولہ: مُعَلِّقَةٌ لِسَلْ مِنَ المفعول الثانی، یعنی کَمْ، استفہامیہ سَلْ کو مفعول ثانی میں عمل کرنے سے مانع ہے اور خود قائم مقام مفعول ثانی کے ہے تاکہ اس کی صدارت کلام باقی رہے۔

سوال: سَلْ متعدی بیک مفعول ہے اس کو دوسرے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر سَلْ کو مفعول ثانی میں عمل سے روکنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: سوال چونکہ سبب علم ہوتا ہے اور عَلِمَ افعال قلوب میں سے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے چونکہ سوال سبب ہے علم کا اور علم اس کا مسبب ہے اور بعض اوقات سبب مسبب کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی سَلْ قائم مقام عَلِمَ کے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہو گیا۔

تَرْكِيْب: سَلْ فعل امر ضمیر اَنْتَ اس کا فاعل بنی اسرائیل سَلْ کا مفعول اول ہے کَمْ استفہامیہ ممیز، هُمْ اٰتَيْنَا، کا مفعول اول مِنْ آيَةٍ تمیز کَمْ مُمَيَّزْ اپنی تمیز سے مل کر اٰتینا، کا مفعول ثانی مقدم ہے اٰتَيْنَا، اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ ہو کر قائما ہوا سَلْ کے مفعول ثانی کا سَلْ اپنے فاعل اور مفعول اور قائم مقام مفعول سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

سُؤَال: سَـــلْ، دو مفعولوں کا تقاضہ کرتا ہے ایک ان میں سے مسئول عنہ ہوتا ہے اور دوسرا مسئول، یہاں مسئول بنی اسرائیل ہے، مسئول عنہ کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ مسئول عنہ کے بغیر سوال کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: جس طرح مفعول ثانی سے مسئول عنہ سمجھا جاتا ہے قائم مقام مفعول سے بھی مسئول عنہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا کَـمْ اٰتَيْنَاهم جو کہ سَلْ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، سے بھی مسئول عنہ مفہوم ہو رہا ہے لہٰذا مسئول عنہ کو مستقلاً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهٗ: وَمُمَيِّزُهَا مِنْ آيَةٍ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: کم استفہامیہ کی تمیز پر مِنْ کا استعمال نہیں ہوتا اور نحو کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ کی تمیز پر مِـن کا دخول اس وقت منع ہے کہ جب ممیز و تمیز کے درمیان فصل نہ ہو، لیکن اگر ممیز اور تمیز کے درمیان فعلِ متعدی کا فصل ہو جیسا کہ یہاں اٰتَيْنَا، کا فصل ہے، تو مِنْ کالانا واجب ہے اور اس جواب کی وجہ مفعول اور تمیز کے درمیان فرق کرنا ہے، اگر تمیز پر مِنْ نہ ہوتا تو اس امر میں التباس ہو جاتا کہ آيَةٍ، آتَيْنَا کا مفعول ہے یا کم استفہامیہ کی تمیز ہے؟

قَوْلُهٗ: لِاَنَّهَا سَبَبُ الْهِدَايَة، اس شبہ کا جواب ہے کہ آیات کو نعمت کیوں کہا گیا ہے؟ جواب آیات چونکہ سبب ہدایت ہیں اور ہدایت سب سے بڑی نعمت ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: كُفرًا، كُفرًا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ يُبَدِّلْ کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

قَوْلُهٗ: شديد العقاب لَهٗ.

سُؤَال: لَهٗ کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

جَوَاب: مَنْ يُبَدِّلْ نَعْمَةَ اللّٰهِ، مبتداء ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ جملہ ہو کر مبتدا، کی خبر ہے حالانکہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے. لَهٗ، مقدر مان کر عائد محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُهٗ: وَهُمْ يَسْخَرُوْنَ.

سُؤَال: هُمْ، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ اور واؤ حالیہ کا جملہ اسمیہ ہونا ضروری ہے اسی لئے، هُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

سُؤَال: واؤ کو عاطفہ ماننے میں کیا قباحت ہے اگر واؤ کو عاطفہ مان لیا جائے تو هُمْ، محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

جَوَاب: واؤ کو عاطفہ ماننے کی صورت میں يَسْخر، مضارع کا زُيِّنَ ماضی پر عطف لازم آئے گا جو کہ کلام فصیح میں مستحسن نہیں ہے.

قِوَلہ: وَهِىَ وَمَا بَعْدَهَا مقدم على الاستثناء معنىً، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سَوال: ایک حرف استثناء کے ذریعہ متعدد کا استثناء درست نہیں ہے، اور یہاں یہی صورت ہے اس لئے کہ: وَمَا اختلف فيه مستثنیٰ منہ ہے اور اِلَّا الَّذِيْنَ اوتوہ مستثنیٰ اول ہے اور مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ مستثنیٰ ثانی ہے۔

جَواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب مِن بعد الخ کو اُوْتُوْهُ، کے متعلق کیا جائے جیسا کہ قریب ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے مگر من بعد کا تعلق اُختلف سے ہے جس کی وجہ سے مِنْ بَعْدِ الخ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوتوه پر مقدم ہے لہٰذا، مِن بعد، مستثنیٰ میں نہیں بلکہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے اسی جواب کی طرف مفسر علام نے مِنْ بعدِ الخ متعلقة بِاُخْتلِف کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قِوَلہ: معنىً، اس لفظ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الخ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے مگر معنی کے اعتبار سے مقدم ہے۔

قِوَلہ: بَغْيًا، یا تو مفعول یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوَلہ: بَيْنَهُمْ. بَغْيًا، کی صفت ہے یا حال ہے۔

قِوَلہ: اى قال.

سَوال: مفسر علام نے يقولُ، کی تفسیر قَالَ سے کی ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَواب: اس کا مقصد یقولُ کی دونوں قراءتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب حتّٰی، کے بعد مستقبل بمعنی ماضی ہوتا ہے تو اس میں رفع ونصب دونوں جائز ہوتے ہے یہاں یہی صورت ہے اس لئے نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے رفع اور دیگر حضرات نے نصب پڑھا ہے، حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ، اصل میں قال الرسول ہے حکایت حال ماضیہ کے طور پر ماضی کو مضارع سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ''مَرِضَ فلانٌ حتّٰى لا يرجونَهٗ'' فلاں شخص بیمار ہو گیا اس کے بچنے کی امید نہیں ہے۔

قِوَلہ: متى ياتى نصرُ الله، متى، ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور نصر الله مبتدا مؤخر ہے مفسر علام نے یاتی، فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ نصر الله فعل محذوف کا فاعل ہے۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دلائل واضحہ آجانے کے بعد حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الآیة) اس آیت میں مذکورہ دعوے کی دلیل بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی ہ

مخالفت کرنے والے کو ایسی ہی سزا دی جائے گی۔

آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو یعنی ان کے بزرگوں کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرتے الٹی گمراہی پر کمر باندھ لی مثلاً تورات ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے، مگر انکار کیا آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی، اور مثلاً کوہِ طور پر حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا کہ سر آنکھوں پر رکھتے، مگر شبہات نکالے اور اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھنے کی ضد کی، آخر آسمانی بجلی کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے اور مثلاً دریا میں شگاف ڈال کر فرعون سے نجات دی، احسان ماننے کے بجائے گائے کی پوجا شروع کر دی، جس کی وجہ سے سزائے قتل دی گئی اور مثلاً مَنَّ وَسَلْوىٰ نازل ہوا، شکر کرنا چاہئے تھا مگر ناشکری کی اور ذخیرہ کرنے لگے تو وہ سڑنے لگا اور جب اس سے نفرت ظاہر کی تو موقوف ہو گیا، اور مثلاً ان میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا غنیمت سمجھتے، ان کو قتل کرنا شروع کر دیا اس کی سزا یہ ملی کہ حکومت وسلطنت چھین کر ذلت وخواری مسلط کر دی گئی۔

مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ کھلی ہوئی نشانیوں سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات مفسرین نے کہا ہے آپ کی وہ صفات اور نشانیاں مراد ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کو بتائی گئی تھیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ آیات تسع مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی تھیں۔

نِعْمَةَ اللّٰهِ، سے کیا مراد ہے؟ طبری نے کہا ہے کہ اسلام مراد ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر قسم کی نعمت مراد ہے خواہ دنیوی ہوں یا اخروی، روحانی ہوں یا جسمانی، ظاہری ہوں یا باطنی، خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ بہر حال تمام نعمتیں قابل قدر اور لائق شکر گذاری ہیں چہ جائیکہ بنی اسرائیل کو بڑی بڑی دینوی واخروی نعمتوں سے مدتوں سرفراز رکھا، اور کتاب ونبوت کی مشعل دے کر دنیا کی رہنمائی کے منصب پر مامور کیا تھا، مگر انہوں نے دنیا پرستی، نفاق اور علم وعمل کی ضلالتوں میں مبتلا ہو کر اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا لہٰذا جو گروہ اس قوم کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوا ہے اس کو سب سے بہتر سبق اگر کسی کے انجام سے مل سکتا ہے تو وہ یہی قوم ہے اسی لئے اس قوم کی سرکشی اور تمرد کو بیان کر کے ان کے جیسے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔

نِعْمَةَ اللّٰهِ کی وسعت دینی اور دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر قسم کی نعمت کو مسخ وتبدیل کرنے کے عذاب شدید کی وعید ہے، اب نعمت اگر دینی ہے مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے مثلاً دولت، صحت، سلطنت تو اس کے بے جا استعمال کا خمیازہ، بیماری، ناکامی، افلاس، بغاوت، انتشار، بدامنی، غلامی، ذلت وغیرہ کی شکل میں اٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔

مذکورہ آیت آج کس قدر امت کے حسب حال اور کس درجہ مطابق ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی ودنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا ہم حق ادا کر رہے ہیں؟ کون سی نعمت ایسی ہے کہ جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری عبادتیں روح ومغز سے یکسر خالی محض ڈھانچے رہ گئے ہیں، اخلاق واتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، ایران،

پاکستان، ترکستان، عراق، انڈونیشا غرضیکہ تمام مسلم ممالک کا آج جو عبرت انگیز حشر ہو رہا ہے ان سب کی تہ میں بھی خدائی دینی ودنیوی نعمتوں کی ناقدری کو دخل ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآية) زُيِّنَ، مجہول ہے ایک قراءت میں معروف بھی پڑھا گیا ہے اس کے معنی ہیں زینت دیا گیا حقیقت میں زینت دینے والا تو اللہ ہے مگر یہاں زینت سے مغالطہ دینا اور سبز باغ دکھانا مراد ہے یعنی حیات دنیا کو جو کہ فانی اور ناپائیدار ہے کفار کی نظروں میں شیطان نے باقی اور پائیدار اور محبوب کرکے دکھایا ہے۔

اور اسی ناپائیدار اور زوال پذیر دنیا کے بل بوتے پر قریش، ابن مسعود، عمار، صہیب، بلال وخباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ جیسے غریب اور نادار مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے، مگر دنیا پر فریفتہ اور مغرور ہونے والے کافر سرداروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آخر کار غلبہ اور عزت وراحت مومنین ہی کے لئے ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا عورت کو اس کے فقر وفاقہ کی وجہ سے ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اولین وآخرین کے مجمع میں رسوا اور ذلیل کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان مرد عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آگ کے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا کریں گے جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ (معارف)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً، ابتداء میں لوگ ایک ہی طریقہ یعنی توحید پر تھے پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے، حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر رہے اس آیت میں مفسرین صحابہ نے، فَاخْتَلَفُوْا، محذوف مانا ہے یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک ومظاہر پرستی عام ہوگئی فَبَعَثَ، کا عطف فاختلفوا، (محذوف) پر ہے پس اللہ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلاف کا فیصلہ اور حق وتوحید کو قائم اور واضح کریں۔

ناواقف لوگ جو اپنے قیاس وگمان کی بنیاد پر مذہب کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء شرک کی تاریکیوں سے کی پھر بتدریج ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ تاریکی چھٹتی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آدمی توحید کے مقام پر پہنچا، قرآن اس کے برعکس بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اس کو یہ بھی بتادیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لئے صحیح راستہ کونسا ہے، اس کے بعد نسل آدم ایک مدت تک راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی، پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے، اسی خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو مبعوث کرنا شروع کیا، یہ انبیاء اس لئے نہیں بھیجے گئے تھے، کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئی امت بنالے اور نئے مذہب کی بنیاد ڈالے، بلکہ ان کے

بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک امت بنادیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (الآیة) کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں داخلہ ہو جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گذرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گذر چکا ہے؟

شانِ نزول:

عبدالرزاق وابن جریر وابن منذر نے قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) کے وقت نازل ہوئی، اس کا مقصد آپ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو تسلی دینا ہے۔

غزوۂ احزاب:

غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں صحیح قول کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا ابوسفیان جو کہ ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے دس ہزار کی ایک بڑی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت دقت پیش آئی بے سروسامانی کا عالم، سخت سردیوں کا موسم، مقابلہ پر دس ہزار کا مسلح لشکر جرار ان تمام وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کو تشویش لاحق تھی، اور مایوسی وناامید کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دل بڑھانے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا: کیا تم جنت میں جانا آسان سمجھتے ہو تم سے پہلے جو پیغمبر اور ان کے تابعین گذرے ہیں، ان کی مصیبتیں یاد کرو ابھی تو تم پر وہ سختی نہیں آئی، مطلب یہ کہ یہ معاملہ ہوا ان کے سروں پر آرا رکھ کر جسم کو دو لخت کر دیا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جیتے جی ہڈیوں سے گوشت کھرچا گیا لیکن یہ ظلم ان کو ان کے دین سے نہ پھیر سکا، لہٰذا چاہئے کہ جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو مدد عنقریب آنے والی ہے آپ ﷺ کا مقصد مسلمانوں کے اندر عزم اور حوصلہ پیدا کرنا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ایک سوار تنہا صنعاء سے حضر موت تک سفر کریگا اور اس کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الاکراہ)

يَسْـَٔلُوْنَكَ يا محمد مَاذَا اى الذى يُنْفِقُوْنَ والسائلُ عمرو بن الجموح وكان شيخًا ذا مالٍ فسأل النبى صلى الله عليه وسلم عَمَّا يُنْفِقُ وعلى مَنْ يُنفِق قُلْ لهم مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ بيانٌ لِمَا، شاملٌ للقليل والكثير وفيه بيانُ المُنْفَقِ الذى هو أحدُ شقي السؤال وأجاب عن المَصْرِفِ الذى هو الشِّقُّ الآخرُ بقوله فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اى هم اولى به وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ انفاقٍ وغيره فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ فمجازٍ عليه كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ للكفار وَهُوَ كُرْهٌ مكروهٌ لَّكُمْ طبعًا لمشقته وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ لميل النفس الى الشهوات المُوجبة

لہلاکہا ونفورہا عن التکلیفات الموجبۃ لسعادتہا فلعل لکم فی القتال وان کرہتموہ خیرًا لان فیہ اما الظفر والغنیمۃ او الشہادۃ والاجر وفی ترکہ وان احببتموہ شرًا لان فیہ الذل والفقر وحرمان الاجر **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** ما ہو خیر لکم **وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** ﴿۲۱۶﴾ ذلک فبادروا الی ما یأمرکم بہ.

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ مَا ذَا بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور سائل عمرو بن جموح تھے، جو کہ مالدار بوڑھے تھے، تو انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا خرچ کریں؟ آپ ان کو جواب دو کہ تم جو مال خرچ کرو (مِن خیر) مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اور اس میں خرچ کی جانے والی چیز کا بیان ہے جو کہ سوال کی دوشقوں میں سے ایک ہے اور مصرف کا جواب دیا اپنے قول فللوالدین سے جو کہ سوال کی دوسری شق ہے (یعنی اپنے) والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر اور مسافروں پر (خرچ کرو) یہ لوگ انفاق کے زیادہ مستحق ہیں، انفاق وغیرہ جو بھی عمل خیر تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے اس کا تم کو صلہ ملے گا، تم پر کفار سے جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو طبعاً ناپسند ہے اس میں مشقت ہونے کی وجہ سے، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بری ہو ہلاک کرنے والی خواہشات کی طرف نفس کے میلان کی وجہ سے، اور نفس کے لئے سعادت کو واجب کرنے والی تکلیفوں سے نفس کے نفرت کرنے کی وجہ سے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ جہاد میں تمہارے لئے خیر ہو اگرچہ تم اس کو ناگوار سمجھو اس میں یا تو فتح اور مال غنیمت ہے یا شہادت اور اجر ہے، اور جہاد کے ترک کرنے میں اگرچہ تم اس (ترک جہاد) کو پسند کرو، شر ہو، اس لئے کہ اس میں ذلت فقر اور اجر سے محرومی ہے تمہارے لئے کیا بہتر ہے؟ اللہ جانتا ہے تم اس کو نہیں جانتے، لہٰذا جس کا تم کو حکم کرے اس کی طرف سبقت کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْ، اس میں اشارہ ہے کہ ذا، یہاں موصول ہے نہ کہ اسم اشارہ، یعنی اَلَّذِیْ، اِذا کی تفسیر ہے نہ کہ مَا ذَا کی۔

قولہ: وَعَلٰی مَنْ یُنْفِقُ، اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جواب عمرو بن جموح کے سوال کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ سوال تھا کیا خرچ کریں، نہ یہ کہ کس پر خرچ کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فَلِلْوَالِدَیْنِ کہہ کر مصرف کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ سوال منفق کا تھا اور جواب منفق علیہم سے دیا گیا۔

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ سوال دونوں چیزوں کا تھا مگر نظم آیت میں ایجاز واختصار کی وجہ سے منفق کو ذکر نہیں کیا، جواب پر محمول کرتے ہوئے کہ جواب ہی سے سوال سمجھ میں آجائے گا، مِنْ خیرٍ، مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل وکثیر کو شامل

ہے اور اس میں اشارۃً مَنْفَقْ کا بیان ہے جو کہ سوال کے دو جزؤں میں سے ایک ہے اور فَلِلْوَ الدین مصرف کا بیان ہے جو کہ سوال کے دوسرے جزء کا بیان ہے، سوال کا جو جزء صراحۃً مذکور ہے اس کا جواب ما انفقتم من خیر، سے اشارۃً دیا اور سوال کا جو جزء محذوف ہے یعنی عَلٰی مَنْ یُنْفَقُ، اس کا جواب صراحۃً مذکور ہے یعنی فَلِلْوالدین الخ لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا، سوال و جواب دونوں مطابق ہوگئے، منفق کے اشارۃً اور منفق علیھم کے صراحۃً ذکر کرنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منفق کے بارے میں سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے کہ کیا خرچ کرے اور کتنا خرچ کرے یہ انسان کی حالت اور صوابدید پر موقوف ہوتا ہے البتہ مصرف کا جاننا ضروری ہے تاکہ صرف کیا ہوا مال بے مصرف اور بے جا صرف نہ ہو جائے ورنہ تو مال ضائع اور اجر سے محرومی لازم آئے گی۔

قَوْلُہٗ: ھُمْ اولی بہٖ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ مصارف اولیٰ اور افضل ضرور ہیں مگر ان ہی میں منحصر نہیں ہیں ان کے علاوہ پر بھی صرف کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فللوالدین میں لام اختصاص کا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: طبعًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اللہ کے حکم کو خصوصاً جب کہ فرض ہو، ناپسند کرنا اور مکروہ سمجھنا کفر ہے۔

جَوَاب: طبعی کراہت موجب کفر نہیں اسلئے کہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

قَوْلُہٗ: ذلك یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

تفسیر و تشریح

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ یہی سوال اسی رکوع میں دو آیتوں کے بعد انہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے وَیَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ، لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور ہے اور بعد میں آنے والی آیت میں مذکور سوال کا جواب کچھ اور۔

اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس بات پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات و واقعات میں غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی مثلاً آیت متذکرہ کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ ما نُنْفِقُ مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَیْنَ نَضَعُھَا (اخرجه ابن المنذر، مظھری) یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ ابن جریر کی روایت کے مطابق یہ سوال تنہا ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا تھا اس سوال کے دو جز ہیں ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو؟

دوسری آیت میں جو بعد میں آرہی ہے وہ بھی اسی سوال پر مشتمل ہے، اس کا شان نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہم کو ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کونسا مال

اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ اس سوال میں صرف ایک ہی چیز ہے یعنی کیا خرچ کریں؟ اس طرح دونوں سوالوں کی نوعیت کچھ مختلف ہوگئی، پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جز یعنی کہاں خرچ کریں کو زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جز یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دیدینا کافی سمجھا گیا۔

مصارف خیر کی حکمت:

مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے ان کی کی جائے، پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور اس میں بھائی بہن چچا پھوپھی وغیرہ سب آگئے، شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے اس پر یہ ایک اور دلیل ہے پھر امت کے وہ فرزند ہیں جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں، پھر وہ اللہ کے بندے جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریب قریب بند ہو چکے ہیں اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لئے بیرونی امداد کے محتاج ہیں اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں جو اپنے وطن سے علیحدہ اور دور ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں، قریبی اور دور سے حقدار اور ملی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر فٹ ہو گئے مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو اور ہم اس کی طرف سے بے خبر ہو کر چندہ لکھوا رہے ہوں چین یا جاپان کے کسی ریلیف فنڈ میں!

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ، خیر عام ہے بدنی، مالی، چھوٹی، بڑی ہر قسم اور ہر درجہ کی نیکی کو شامل ہے خیر کا تعلق یہاں انفاق کے ساتھ نہیں، فعل کے ساتھ ہے اور اس معنی میں وہ عام ہے۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ (الآیة) قتال و جہاد مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے جب اس کے شرائط متحقق ہو جائیں قتال کے آداب و شرائط کچھ تو اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے اس کو سامنے رکھ کر ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو اسی کتاب سے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے یہاں مقدس ہے۔

سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یک لخت ختم کر اور اس پر رحم مت کر بلکہ مرد، عورت، ننھے بچے شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔ (سموئیل، ۱۵:۲)

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار ہچکچاتا ہے، پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، وہ تو روپیہ پیسہ میں ساز و سامان میں تعداد میں غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے ان شکستہ دل شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ

وقتال پر اگر اکراہ طبعی گرانی محسوس ہو تو یہ ان کے مرتبہ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

شاق علیکم مکروہ طبعًا (بیضاوی) مکروہ بالطبیعة. (بحر)

هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ. آیت پوری طرح تردید کررہی ہے ان بے غیرت مستشرقین کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا ہے کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاق جنگ وقتال کے رہتے تھے۔

لفظ كُرْهٌ مصدر ہے مگر معنی میں مکروہ کے ہے جیسے خُبْزٌ بمعنی مخبوز، استعمال ہوتا ہے۔ (ماجدی)

وارسل النبي صلى الله عليه وسلم اول سراياه وامّر عليها عبد الله بن جحش فقاتلوا المشركين وقتلوا ابن الحضرمي في اخر يوم من جمادى الاخرة والتبس عليهم برجب فعيّرهم الكفار باستحلاله فنزل **يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ** المحرم **قِتَالٍ فِيْهِ** بدل اشتمال **قُلْ** لهم **قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** عظيم وزرا مبتدأ وخبر **وَصَدٌّ** مبتدأ منع للناس **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دينه **وَكُفْرٌۢ بِهٖ** بالله **وَ** صد عن **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اى مكة **وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ** وهم النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنون وخبر المبتدأ **اَكْبَرُ** اعظم وزرا **عِنْدَ اللّٰهِ** من القتال فيه **وَالْفِتْنَةُ** الشرك منكم **اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** لكم فيه **وَلَا يَزَالُوْنَ** اى الكفار **يُقَاتِلُوْنَكُمْ** ايها المؤمنون **حَتّٰى** كي **يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ** الى الكفر **اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ** الصالحة **فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** فلا اعتداد بها ولا ثواب عليها والتقييد بالموت عليه يفيد انه لو رجع الى الاسلام لم يبطل عمله فيثاب عليه ولا يعيده كالحج مثلا وعليه الشافعي **وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ولما ظن السرية انهم ان سلموا من الاثم فلا يحصل لهم اجر نزل **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** فارقوا اوطانهم **وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** لاعلاء دينه **اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ** ثوابه **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** للمؤمنين **رَّحِيْمٌ** بهم **يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ** القمار ما حكمهما **قُلْ** لهم **فِيْهِمَآ** اى في تعاطيهما **اِثْمٌ كَبِيْرٌ** عظيم وفي قراءة بالمثلثة كثير لما يحصل بسببهما من المخاصمة والمشاتمة وقول الفحش **وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** باللذة والفرح في الخمر واصابة المال بلا كد في الميسر **وَاِثْمُهُمَآ** اى ما ينشأ عنهما من المفاسد **اَكْبَرُ** اعظم **مِنْ نَّفْعِهِمَا** ولما نزلت شربها قوم وامتنع اخرون الى ان حرمتها اية المائدة **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ** اى ما قدره **قُلِ** انفقوا **الْعَفْوَ** اى الفاضل عن الحاجة ولا تنفقوا ما تحتاجون اليه وتضيعوا انفسكم وفي قراءة بالرفع بتقدير هو **كَذٰلِكَ** كما بيّن لكم ما ذكر **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِى** امر **الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** فتأخذون بالاصلح لكم فيهما.

ترجمہ: نبی ﷺ نے اپنے سرایا (جنگی یونٹ) میں سے پہلا سریہ (یونٹ) روانہ فرمایا، اور اس کا امیر عبد اللہ بن جحش کو بنایا، چنانچہ ان لوگوں نے مشرکین سے قتال کیا اور جمادی الاخری کے آخری دن ابن حضرمی کو قتل کر دیا، اور ان کو جمادی الاخری کا رجب کے پہلے دن سے اشتباہ ہو گیا، تو کفار نے ماہ رجب کو حلال سمجھنے پر عار دلائی تو، یسئلونك نازل ہوئی، لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام (یعنی) ماہ محترم میں لڑنا کیسا ہے؟ قتالٍ فیہِ (عن الشهر الحرام) سے بدل الاشتمال ہے آپ ان کو بتا دو کہ ان میں قتال کرنا بہت برا ہے (یعنی) گناہ کے اعتبار سے بڑا جرم ہے (قتال فیه) مبتدا خبر ہیں، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی ان کے دین سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی مکہ سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا، اور وہ نبی ﷺ اور مومنین ہیں، اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اس میں قتال کرنے سے، صدٌّ، مبتدا ہے اور اکبر عند اللّٰہ اس کی خبر ہے، اور فتنہ (یعنی) تمہارا شرک کرنا تم کو اس میں قتل کرنے سے شدید تر ہے اور اے مومنو! یہ کافر تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے کفر کی طرف پھیر دیں اگر ان کا بس چلے، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا، اور وہ کفر ہی کی حالت میں رہے گا تو اس کے اعمال صالحہ دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے تو نہ تو ان اعمال کا شمار ہوگا اور نہ ان پر اجر ملے گا اور کفر ہی پر مرنے کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر یہ شخص اسلام کی طرف واپس آ گیا تو اس کا عمل ضائع نہیں ہوا، لہٰذا اس پر ثواب عطا کیا جائیگا اور وہ اس عمل کا اعادہ نہ کرے گا جیسا کہ حج مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے اور ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے اور جب اہل سریہ کو یہ گمان ہوا کہ وہ اگر چہ گناہ سے محفوظ رہے لیکن ان کو (جہاد کا) اجر تو نہیں ملا تو (اِنَّ الَّذِیْنَ) نازل ہوئی بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی یعنی اپنے وطنوں کو چھوڑا اور دین کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی رحمت ثواب کے (بجا طور پر) امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے آپ سے شراب اور جوئے یعنی ان کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں ان کو بتا دو ان دونوں کے کرنے میں گناہ عظیم ہے اور ایک قراءت میں (کبیرٌ) ثاء مثلثہ کے ساتھ (یعنی) کثیرٌ ہے اس لئے کہ ان دونوں کی وجہ سے عداوت اور گالی گلوچ اور فحش گوئی کی نوبت آتی ہے اور (ان میں) لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مثلاً لذت مسرت شراب میں اور بلا مشقت مال کا حصول جوئے میں، اور ان کا گناہ یعنی ان مفاسد کا گناہ جو (ان دونوں) سے پیدا ہوتے ہیں عظیم تر ہے ان کے نفع سے، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کچھ لوگ (شراب) پیتے رہے اور کچھ (پینے سے) باز آ گئے حتی کہ سورۂ مائدہ کی آیت نے ان دونوں کو حرام کر دیا اور لوگ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں؟ یعنی اس کی مقدار کیا ہو؟ آپ بتا دو کہ جو تمہاری حاجت سے فاضل ہو اس کو خرچ کرو اور جس کی تم کو حاجت ہو اس کو خرچ نہ کرو (کہ اس کو خرچ کر کے) خود کو ضائع کر دو اور ایک قراءت میں (العفوُ) رفع کے ساتھ ہے، ھُوَ کی تقدیر کے ساتھ اس طرح جس طرح کہ تمہارے لئے مذکورہ احکام بیان کئے اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے

تاکہ تم دنیاو آخرت کے معاملہ میں غور کرو پس اسی کو اختیار کرو جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: ابن الحضرمی، ان کا اصل نام عمر بن عبداللہ بن عباد حضرمی ہے حضرموت کی طرف منسوب ہے۔

قِوْلَہٗ: سَرَایَا، سَرِیَّۃٌ کی جمع ہے لشکر کا ایک حصہ، اصطلاح میں سریہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت نہ فرمائی ہو اور غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی ہو، غزوات اور سرایا کی مجموعی تعداد ستر ہے، سریہ پانچ افراد سے لے کر چار سو تک کی تعداد کو کہتے ہیں اس سے زیادہ کو جند (لشکر) کہا جاتا ہے، مفسر علام نے اس سریہ کو پہلا سریہ کہا ہے حالانکہ مواہب میں ہے کہ اس سے پہلے تین سرایا اور چار غزوے ہو چکے تھے پہلا سریہ ہجرت کے ساتویں مہینہ رمضان میں پیش آیا جس کا امیر آپ ﷺ نے اپنے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا اس سریہ کے افراد کی تعداد تیس تھی اس کے بعد دوسرا سریہ، سریۂ عبیدۃ بن الحارث ہے یہ شوال کے مہینہ میں پیش آیا، ہجرت کے آٹھویں مہینہ میں اس میں ساٹھ افراد شامل تھے اس کے بعد تیسرا سریہ، سریۂ سعد بن ابی وقاص ہے یہ حجاز کی ایک وادی خرار میں پیش آیا، یہ ذی القعدہ میں ہجرت کے نویں مہینہ میں پیش آیا یہ سریہ بیس افراد پر مشتمل تھا، اس کے بعد چار غزوات پیش آئے اول غزوۂ ودان دوسرا بواط تیسرا غزوۂ ذوالعشیرہ پیش آیا اور چوتھا غزوہ بدر الاولیٰ پیش آیا جس کے بعد سریۂ عبداللہ بن جحش رجب کے آخر میں ہجرت کے سترہویں مہینہ میں پیش آیا، لہٰذا سریۂ عبداللہ بن جحش کو اول سریہ کہنے میں نظر ہے۔

تطبیق:

تطبیق کی جو صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ جس سریہ میں کسی کا قتل ہوا ہو اور مال غنیمت ہاتھ لگا ہو وہ یہی سریہ ہے اس اعتبار سے اس کو پہلا سریہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے سرایا میں نہ کوئی قتل ہوا اور نہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (جمل، صاوی)

قِوْلَہٗ: اِلتبسَ عَلَیْھِمْ برجَبَ، جمادی الاُخری کی آخری تاریخ سمجھ کر مسلمانوں نے حضرمی کے قافلہ پر شبخون مارا تھا، دوسرے روز جب چاند دیکھا تو اس میں اشتباہ ہوا بعض کہنے لگے یہ کل کا چاند ہے بعض نے کہا آج ہی کا ہے اگر کل کا ہو تو قتال رجب کی پہلی تاریخ میں واقع ہوا جو کہ اشہر حرم میں سے ہے اس وجہ سے مسلمان بھی شش و پنج میں پڑ گئے اور مشرکین مکہ نے بھی اس بارے میں مسلمانوں پر طعنہ زنی شروع کر دی کہ تم نے تو اشہر حرم کو بھی حلال کر لیا حتی کہ مشرکین مکہ کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمانوں کی شکایت کی اور یہی مسئلہ دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ الخ"۔

قِوْلَہٗ: المحرَّم.

سُوَال: الحرام کی تفسیر المحرم سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ الشھر الحرام میں مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ الحرام مصدر المحرّم مفعول کے معنی میں ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، یا یہ حمل مبالغۃً ہے۔

قَوْلُہٗ: قتال فیه یہ الشھر الحرام سے بدل الاشتمال ہے اس لئے کہ الشھر الحرام اداء مقصود کے لئے ناکافی ہے۔

سُوَال: قتال فیه نکرہ ہے اور الشھر الحرام معرفہ، اور نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ موصوفہ کا بدل واقع ہونا درست ہے تقدیر عبارت یہ ہے قِتَال کائن فیه.

قَوْلُہٗ: مبتداء و خبرٌ، یعنی قتال فیه کبیرٌ مبتدا خبر ہیں۔

سُوَال: قتال نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ اگر موصوفہ ہو تو مبتداء واقع ہونا درست ہے یہاں، فیہِ، قتال کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے قتال کائنٍ فیه کبیر (فلا اعتراض) بعض حضرات نے قتالٌ فیه کبیرٌ، جملہ موصوفہ قرار دے کر قول کا مقولہ قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہے اور قتالٌ فیه کبیرٌ جملہ تامہ نہیں ہے اس کا جملہ موصوفہ واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَکبرُ، اَعْظم۔

سُوَال: اکبرُ متعدد کی خبر واقع ہے حالانکہ اکبر مفرد ہے۔

جَوَاب: اَفعلُ کا وزن واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالْفِتْنَةُ اَکْبرُ مِنَ الْقَتْلِ، اَلْفِتنَةُ اکبرُ، مبتداء خبر ہیں حالانکہ ان میں مطابقت نہیں ہے اس کے دو جواب ہیں ایک کی طرف تو مفسر علام نے اَلشِّرك کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی فتنہ سے مراد شرک ہے، لہٰذا مطابقت موجود ہے دوسرا جواب اَفْعَلُ کے وزن میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں۔

قَوْلُہٗ: فلا اعتدادَبِهَا، ولا ثواب عَلَيْهَا، فلا اِعْتِدَادَ، کا تعلق فی الدنیا سے ہے، یعنی وہ نہ میراث کا مستحق ہوگا اور نہ مال غنیمت وغیرہ میں حصوں کا، اور ولا ثواب کا تعلق آخرت سے ہے یعنی ایسے شخص کو آخرت میں کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔

قَوْلُہٗ: وَعَلَيْهِ الشافعی، ان دونوں مسئلوں میں امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا اختلاف ہے یعنی اگر مرتد ہونے کے بعد دوبارہ اسلام میں داخل ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک ارتداد سے پہلے کے اعمال کا اب کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ (بیان القرآن ملخصًا)

نتیجۂ اختلاف:

ایک شخص نے نماز پڑھی اور وہ مرتد ہوگیا اور ابھی وقت باقی ہے کہ پھر اسلام قبول کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے بخلاف امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے۔

قَوْلُہٗ: فی تعاطیھما، اس میں اشارہ ہے کہ خمر اور میسر کی ذات میں گناہ نہیں ہے بلکہ بروئے کار لانے اور استعمال کرنے میں گناہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ما ینشأ عنھما من المفاسد، اس میں اشارہ ہے کہ اِثمھما، میں اضافت، اضافت مصدر الی السبب کے قبیل سے ہے نہ کہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے جو کہ غالب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیِ ما قدرہ، اس اضافہ کا مقصد تکرار کے اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ، میں ذات نفق سے سوال تھا اور یہاں مقدار منفق سے سوال ہے۔ (فلا تکرار).

قَوْلُہٗ: انفقوا اس میں اشارہ ہے کہ العَفْوَ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

سَوَال: ھُوَ کو مبتداء محذوف کی خبر قرار دینے میں کیا نقصان ہے ای ھو العَفْوُ.

جَوَاب: اس صورت میں سوال وجواب میں مطابقت نہیں رہتی اس لئے کہ سوال جملہ فعلیہ ہے اور جواب جملہ اسمیہ ہوجاتا، اب دونوں جملے فعلیہ ہوگئے۔

قَوْلُہٗ: کَمَا بُیِّنَ لکم، اس میں اشارہ ہے کہ کذٰلك میں کاف فعل مؤخر یُبَیِّنُ کے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای تبییناً مثل ھذا التبیین.

تفسیر وتشریح

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ، اَرْسَلَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَوَّلَ سَرَایَاہُ الخ اس آیت کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

واقعہ: رجب ۲ھ میں نبی ﷺ نے آٹھ افراد پر مشتمل ایک دستہ نخلہ کی جانب بھیجا تھا (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) اور اس کو ہدایت فرمادی تھی کہ قریش کی نقل وحرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرے، آپ ﷺ نے ان کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن ان لوگوں کو راستے میں قریش کا ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اور اس پر انہوں نے حملہ کرکے ایک شخص جس کا نام عمر بن عبداللہ حضرمی تھا قتل کردیا ان میں سے ایک فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا باقی دو آدمیوں

کو مع مال واسباب کے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے یہ کارروائی اس وقت ہوئی جب جمادی الثانیہ ختم ہو رہا تھا اور رجب شروع ہونے والا تھا یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا حملہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ میں ہوا یا رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے (جو کہ اشہر حرم میں سے ہے) لیکن قریش نے اور ان سے درپردہ ملے ہوئے یہودیوں اور منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس واقعہ کو خوب شہرت دی اور سخت اعتراضات شروع کر دیئے، اسی سلسلہ میں مشرکوں کا ایک وفد بھی آپ ﷺ سے ملا اور ماہ محرم میں قتال کے بارے میں فتویٰ معلوم کیا، اس آیت میں ان کے اعتراضات کے دو جواب اور ماہ محترم میں قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے، ایک جواب تسلیمی ہے اور ایک الزامی۔

تسلیمی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ اشہر حرم میں قتال کرنا نہایت بڑا اور گناہ کبیر ہے مگر مسلمانوں سے اس واقعہ کا وقوع قصداً نہیں ہوا بلکہ غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے جو گناہ نہیں ہے مسلمان جمادی الاُخریٰ کی آخری تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر اتفاقاً وہ رجب کی پہلی تاریخ نکلی۔

الزامی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا جنہوں نے ۱۳؍ برس تک مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے، ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ اپنا وطن عزیز چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے، پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے مسجد حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا، حالانکہ مسجد حرام کسی کی مملوکہ جائداد نہیں ہے اور پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو، اب جن ظالموں کا اعمال نامہ ان کرتوتوں سے سیاہ ہے ان کا کیا منہ ہے کہ معمولی سی سرحدی جھڑپ پر اس قدر شور مچائیں، حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا وہ اول تو نادانستہ طور پر ہوا، دوسرے یہ کہ نبی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ چند مسلمانوں سے غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مال غنیمت لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی نیز آپ نے ان کے لائے ہوئے مال غنیمت میں سے بیت المال کا حصہ خمس لینے سے انکار فرما دیا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کی یہ لوٹ ناجائز ہے، اپنے آدمیوں نے بھی ان کے اس فعل پر سخت ملامت کی تھی اور مدینہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو۔

مَسْئَلَہ: جہاد فی سبیل اللہ، عام حالات میں فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو انجام دے رہی ہے تو دوسروں کو اجازت ہے کہ وہ دیگر کاموں میں دینی خدمت انجام دیں، البتہ اگر کسی وقت امام المسلمین ضروری سمجھ کر اعلان عام کا حکم دے اور سب مسلمانوں کو شرکت جہاد کی دعوت دے تو پھر سب پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے قرآن کریم نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ'' اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو جاتے ہو۔

اس آیت میں اسی نفیر عام کا حکم مذکور ہے، اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی وقت کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور مدافعت

کرنے والی جماعت ان کی مدافعت پر پوری طرح قادر نہ ہو تو اس وقت بھی یہ فریضہ اس جماعت سے متعدی ہو کر پاس والے سب مسلمانوں پر عائد ہو جاتا ہے اور اگر وہ بھی عاجز ہوں تو اس کے پاس والے مسلمانوں پر یہاں تک کہ پوری دنیا کے ہر ہر فرد مسلم پر ایسے وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ بالا تمام آیات کے مطالعہ سے جمہور فقہاء و محدثین نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

مَسْئَلَۃ: اسی لئے جب تک جہاد فرض کفایہ ہو تو اولاد کو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مَسْئَلَۃ: جس شخص کے ذمہ قرض ہو اس کے لئے جب تک قرض ادا نہ کردے فرض کفایہ میں حصہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر نفیر عام کی وجہ سے جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں رہتی۔

اَشہرِ حرم میں قتال کا حکم:

ابتداءً قتال ان مہینوں میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے مگر جب کفار ان مہینوں میں حملہ آور ہوں تو مدافعانہ قتال کی مسلمانوں کو بھی اجازت ہے، جیسا کہ امام جصاص نے بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شہر حرام میں اس وقت تک قتال نہ کرتے تھے جب تک کہ ابتداء کفار کی طرف سے نہ ہو۔

مَسْئَلَۃ: دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان انتقال کرے تو اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالت اسلام میں جو کچھ نماز روزہ کیا تھا وہ سب کالعدم ہو جاتا ہے، مرتد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہیں کیا جاتا۔

اور آخرت میں ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبادت کا ثواب نہیں ملتا، ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ میں داخل ہوگا۔

مَسْئَلَۃ: کافرِ اصلی، حالت کفر میں اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب معلق رہتا ہے، اگر کبھی اسلام لے آیا تو سب پر ثواب ملتا ہے اور اگر کفر پر انتقال کر گیا تو تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں آخرت میں اس کو کوئی اجر نہیں ملتا۔

مَسْئَلَۃ: مرتد کی حالت کافر اصلی کی حالت سے بدتر ہے، کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے مگر مرتد سے جزیہ قبول نہیں ہوتا، مرتد اگر اسلام نہ لائے تو اگر مرد ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے اور اگر عورت ہے تو حبس دوام کی سزا ہے، سرکاری اہانت کرنے والا اسی سزا کے لائق ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، خمر اور میسر یہاں دونوں اپنے وسیع معنی میں ہیں خمر کے تحت ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے اسی طرح میسر بھی اپنے تمام اقسام کو شامل ہے (کل شیء فیه قِمارٌ فهُو المَيسر). (تاج)

شراب اور جوا آج جس طرح فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں بلکہ عین اس تہذیب کا جز ہیں اور دلیل اعزاز ہیں، اسی طرح

قدیم عربی تہذیب کے بھی جزء تھے، اکیلے عرب ہی کی کیا بات ہے یہ مشغلے تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب یہ تہذیبیں تو خیر جاہلی تہذیبیں تھیں ہی، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں جو شرف نبوت کے تعلق سے مشرف تھیں وہ بھی اس کی روک تھام نہ کرسکیں، شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ واحد قانون ہے جس نے آکر ان کی قطعی حرمت کا اعلان کیا، یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے حرمت کا قطعی حکم بعد میں نازل ہوا۔

جوئے اور شراب سے متعلق یہ پہلا حکم ہے جس میں صرف اظہار ناپسندیدگی کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہوجائے، اس کے بعد شراب پی کر نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ''لَاتَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى'' پھر شراب، جوئے اور اس نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام کردیا گیا۔

نئی بوتل میں پرانی شراب:

علامہ آلوسی بغدادی صاحب روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں، مثلاً عرق عنبری وغیرہ، لیکن نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور نہ حکم شرعی بدلتا ہے نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔

شراب اور جوئے سے معاشرہ کی تباہی:

شراب نوشی کی بدولت آج تک جتنے فسادات ہوئے اور ہورہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، گالیاں بکوانا، بے حیائی پھیلانا، حرام کاری کی طرف بلانا، دنگے کرانا طرح طرح کی مہلک بیماریاں پیدا کرنا، چوری اور ٹھگی پر آمادہ کرنا، قتل تک نوبت لے آنا، دوستوں اور عزیزوں کے درمیان جوتے چلوانا، یہ سب اسی شراب نوشی کے کارنامے ہیں مزید برآں جوئے کی ہلاکت خیزیاں بھی کچھ کم نہیں قمار بازی نے نہ معلوم کتنے خاندان اور گھرانے تباہ و برباد کردیئے، فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ، مونٹے کارلو (Montecarlu) میں ہر سال بے شمار دولت تلف ہوتی ہے دیوالی کی راتوں میں ہندوستان میں کیا کچھ نہیں ہوتا، پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھوڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے سٹے وغیرہ وغیرہ کہاں تک شمار کرائے جائیں۔

اسلام کا حیرت انگیز کارنامہ:

یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ میں اپنے حدود مملکت سے اس ام الخبائث کا خاتمہ ہی کردیا ،اور امت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ شرابی اور لفظ جواری کو انتہائی تحقیر اور ذلت کا لقب ٹھہرادیا۔

سر ولیم میور کی شہادت:

سر ولیم اپنے نہیں پرائے ہیں، معتقد نہیں غیر معتقد ہیں اس کے باوجود لکھتے ہیں: اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک مے نشی کرانے میں اسلام کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا۔ (لائف آف محمد ص: ۵۲۱)

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى وما يلقونه من الحرج في شانهم فإن واكلوهم ياثموا وان عزلوا مالهم من اموالهم وصنعوا لهم طعامًا وحدهم فحرج قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ في اموالهم بتنميتها ومداخلتكم خَيْرٌ من ترك ذلك وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ اي تخلطوا نفقتهم بنفقتكم فَاِخْوَانُكُمْ اي فهم اخوانكم في الدين ومن شان الاخ ان يخالط اخاه اي فلكم ذلك وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ لاموالهم بمخالطته مِنَ الْمُصْلِحِ لها فيجازي كُلًّا منهما وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ لضيق عليكم بتحريم المخالطة اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غالب على امره حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ في صنعه وَلَا تَنْكِحُوا تتزوجوا ايها المسلمون الْمُشْرِكٰتِ اي الكافرات حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ حرة لان سبب نزولها العيب على من تزوج امة مؤمنة والترغيب في نكاح حرة مشركة وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ لجمالها ومالها وهذا مخصوص بغير الكتابيات باية والمحصنت من الذين اوتوا الكتاب وَلَا تُنْكِحُوا تزوجوا الْمُشْرِكِيْنَ اي الكفار المؤمنات حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ لماله وجماله اُولٰٓئِكَ اي اهل الشرك يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ بدعائهم الى العمل الموجب لها فلا تليق مناكحتهم وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا على لسان رسله اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ اي العمل الموجب لهما بِاِذْنِهٖ بارادته فتجب اجابته بتزويج اوليائه وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ يتعظون.

ترجمہ: یتیموں اور ان کے معاملہ میں پیش آنے والے حرج کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان کو ساتھ کھلاتے ہیں تو گنہگار ہوتے ہیں، اگر ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے الگ کرتے ہیں اور تنہا ان کا کھانا بناتے ہیں تو یہ بھی دقت ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی ان کے مال میں اضافہ اور تمہاری شمولیت کر کے، اس کو ترک کرنے سے بہتر ہے، اور اگر تم ان کے نفقہ کو اپنے نفقہ کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، یعنی دینی بھائی ہیں اور بھائی کی یہ شان ہونی چاہئے کہ اپنے بھائی کو شامل کرے لہٰذا یہ تمہارے لئے جائز ہے، اللہ تعالیٰ ان یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر بدخواہی اور خیر خواہی کرنے والے کو (خوب) جانتا ہے لہٰذا ان دونوں کو جزاء دے گا، اور اگر اللہ چاہتا تو شرکت کو حرام کر قرار دے کر تم کو تنگی میں ڈال دیتا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور اے مسلمانو تم مشرکات یعنی کافرات سے نکاح

نہ کرو تا آں کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور بلاشبہ مومنہ باندی آزاد مشرکہ سے بہتر ہے، اس لئے کہ (لوگوں کا) اس شخص پر نکتہ چینی کرنا جس نے مومنہ باندی سے نکاح کر لیا اور آزاد مشرکہ عورت سے نکاح میں رغبت کرنا، اس آیت کے نزول کا سبب ہے اگرچہ (مشرکہ عورت) تم کو اس کے مال وجمال کی وجہ سے بھلی معلوم ہو، اور (نهی عن نکاح المشرکات) مخصوص ہے غیر کتابیات کے ساتھ "والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب" کی وجہ سے، اور مشرکوں (یعنی) کافروں سے مومن عورتوں کا نکاح نہ کرو تا آنکہ وہ کافر ایمان لے آئیں اور بلاشبہ مومن غلام مشرک (آزاد) سے بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو اس کے مال وجمال کی وجہ سے بھلا معلوم ہو اور یہ اہل شرک نار جہنم کی دعوت دیتے ہیں ان اعمال کی طرف دعوت دے کر جو نار جہنم واجب کرنے والے ہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا لائق نہیں ہے اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جنت اور مغفرت کی طرف اپنے ارادہ سے بلاتا ہے، یعنی ایسے عمل کی طرف جو ان دونوں کے لئے موجب ہے لہٰذا اس کے حکم کو قبول کرنا واجب ہے اس کے اولیاء (یعنی) مسلمانوں سے نکاح کر کے اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَمَا یلقونہ، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اس لئے کہ سوال حال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قِوْلُہٗ: وَاکلوھُمْ، کلوا میں ایک لغت ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واکلوا بھی ہے یعنی مل کر کھانا پینا۔

قِوْلُہٗ: فی اموالھم، اس میں اشارہ ہے کہ اصلاح مالی مراد ہے نہ کہ غیر مالی، تاکہ جواب مطابق سوال ہو جائے، نیز اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول "وان تخالطوھم" بھی ہے۔

قِوْلُہٗ: من ترك ذلك، اس میں حذف مفضل علیہ کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلُہٗ: فھم اخوانکم، اس حذف میں اس طرف اشارہ ہے، فاخوانکم، جزاء شرط ہے اور جزاء کا جملہ ہونا ضروری اسی لئے ھُمْ، مبتداء محذوف مانا ہے۔

قِوْلُہٗ: ای فلکم ذلك، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سِوَالؒ: وان تخالطوھم، شرط ہے اور فاخوانکم، اس کی جزاء ہے مگر جزاء کا شرط پر ترتب درست نہیں ہے، اس لئے کہ شرط وجزاء میں کوئی ربط نہیں ہے۔

جَوَابؒ: اصل جزاء محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے فلکم ذلك، کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ سبب جزاء کو جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

ابوداؤد اور نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی سے روایت کیا ہے کہ جب "وَلَاتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" اور "اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ" (الآية) نازل ہوئیں، تو ان لوگوں نے جن کی پرورش میں کوئی یتیم تھا، ان کا کھانا پینا الگ کردیا، بعض اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا تو اٹھا کر رکھ دیا جاتا، دوسرے وقت یتیم کو وہی بچا ہوا کھانا، کھانا پڑتا، اور بعض اوقات بچا ہوا کھانا خراب بھی ہوجاتا جس کی وجہ سے یتیم کا نقصان ہوتا، اس صورت حال سے اولیاء یتامیٰ کو دقت پیش آئی اول تو یتیم کا کھانا مستقل الگ پکانا یہ مستقل ایک دردسر تھا، دوسرے اس میں یتیم کا بھی نقصان تھا، آپ ﷺ کے سامنے بعض صحابہ نے صورت حال بیان کرکے پریشانی اور دقت کا اظہار کیا تو مذکورہ آیت "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى" نازل ہوئی۔

آپ سے یتیموں کی پرورش اور ان کے ساتھ معاشرت ومعاملات کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ بتادیجئے کہ ان کی اصلاح اچھی بات ہے، اگر مل جل کر بسر کرو تو تمہارے بھائی ہیں کچھ حرج نہیں، مگر اللہ مفسد کی بدنیتی اور مصلح کی نیک نیتی کو جانتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو یتیموں کے معاملہ میں ایسی وسعت اور سہولت نہ دیتا جس کی وجہ سے تم مشقت میں پڑ جاتے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ نے بیچ کی اور کلمہ کی انگلی ملا کر فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "اَحَبُّ بُيُوْتٍ اِلَى اللّٰهِ بيتٌ فيه يتيمٌ مُكْرَمٌ" اللہ کو زیادہ محبوب وہ گھر ہے کہ جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کی ناز برداری ہوتی ہو۔

یہاں اصلاح سے اگرچہ اصلاح مالی مراد ہے مگر اس میں اخلاقی اور جسمانی اصلاح بھی شامل ہے، ایسے تصرفات جن میں یتیم کا فائدہ ہی فائدہ ہے یا فائدہ مقصود ہے مگر نقصان کا بھی احتمال ہے جیسے تجارت وغیرہ، ایسے امور ولی کے اختیار میں ہیں اور ایسے امور کہ جن میں نقصانِ محض ہے جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، یہ ولی کے اختیار میں نہیں ہیں۔

مَسْئَلَہ: فقہاء کرام نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اصلاح کے عموم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یتیم پر جو تہدید وتنبیہ تعلیم وتربیت کی ضرورت کی غرض سے ہو وہ بالکل جائز اور درست ہے، اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح غیروں نے اور مخالفوں نے بھی کیا ہے برطانوی مصنف، باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے۔

پیغمبر کی خصوصی توجہ کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں، وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے، اس لئے دل سے چاہتے تھے، کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ کریں۔ (محمد اینڈ محمڈنزم، ص: ۲۵۱)

امریکی ماہر اجتماعیات ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں۔

"قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوارترین چیز معلوم ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا، خصوصاً ان بچوں کا جو

والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں، بار بار تاکید یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے'' اور پھر آگے کہتا ہے۔

''محمد ﷺ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی، یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر کیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں جن پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے''۔ (ص: ۱۴۱، ایضا)

اسلام کی رواداری:

اِخوانکم، چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان بچے ہی یتیم تھے، اس لئے اخوانکم فرمایا، ورنہ اگر دوسرے مذہب کے بچے بھی اپنی تربیت میں ہوں، اس کا بھی بعینہٖ یہی حکم ہے اور اس کی تائید دوسری آیات اور احادیث میں جو الفاظ عام کے ساتھ وارد ہیں سے ہوتی ہے بلکہ ان کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زیادہ ہے کہ اس بچہ پر بلوغ کے بعد اسلام کے لئے جبر نہ کیا جائے، مذہبی آزادی دی جائے (تھانوی)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، زن وشو کا رشتہ انتہائی الفت ورفق ومحبت کا ہے جو آپس میں مناسبت وموافقت ومؤانست کا متقاضی ہے، عورت اور مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہوانی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے، مومن اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلام کے عقائد اور طرز زندگی کا نقش ثبت ہوگا، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالات اور طور طریقوں سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہو جائے گی اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر وشرک کی ایک ایسی معجون مرکب اس خاندان اور اس گھر میں تیار ہوگی کہ غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

المشرکات:

لفظ مشرکہ یہاں اپنے عام اور وسیع معنی میں ہے ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہے، اس کا بت پرست ہونا لازم نہیں قول محقق یہی ہے۔ (جصاص)

امام مالک رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے اسی آیت کی بنا پر فرمایا کہ کسی قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح جائز نہیں، لا یجوز العقد بنکاح علٰی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة، قال عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فی احدیٰ روایته وهو اختیار مالك والشافعی. (ابن عربی)

لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی

ہے "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ" فقہاء حنفیہ نے پہلی آیت کے عموم میں اس آیت سے تخصیص کی، یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ سے نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور یہی مذہب ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور بعض تابعین سے مروی ہے۔

چند فقہی افادات:

① ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ ② کتابیہ سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح دیندار ہی عورت سے کرنے کا حکم ہے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے بھی نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جا سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی ہے تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا، اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانۃً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃً بھی، آج اس کا نقصان بالکل کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں کئی مسلمان سربراہوں کے نکاح میں یہودی یا نصرانی عورتیں ہیں جن کے ذریعہ مملکت کے تمام رازہائے پوشیدہ ان سے مخفی نہیں ان کے ذریعہ دشمن ملکوں کو مسلمانوں کے خفیہ راز معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ مغربی ممالک کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان سربراہوں کو یہودی حسیناؤں کے دام زلف میں گرفتار کر کے شکار کر لیا جائے اور آج یہی ہو رہا ہے۔

سُوال: اہل کتاب کی عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز ہے تو اس کا عکس یعنی مسلمان عورتوں کا نکاح اہل کتاب مردوں سے کیوں جائز نہیں ہے؟

پہلا جواب: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عورت فطرۃً ضعیف ہوتی ہے اس کے علاوہ شوہر کو اس کا حاکم اور نگران بنایا گیا ہے، لہٰذا شوہر کے عقائد سے عورت کا متاثر ہونا قرین قیاس بلکہ اقرب الی القیاس ہے، اس لئے اگر مسلمان عورت اہل کتاب مرد کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد کے خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اس کے عکس میں اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے۔

دوسرا جواب: مسلمان چونکہ انبیاء سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان کا نام بھی بصد احترام لیتے ہیں بخلاف اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہے اور نہ وہ اپنے ذمہ محمد ﷺ کا اسم مبارک احترام سے لینا ضروری سمجھتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ ان پر انبیاء سابقین کا احترام لازم اور ضروری ہے نیز ان پر اجمالی ایمان لانا بھی فرض ہے اگر کوئی مسلمان کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، لہٰذا کتابیہ خواہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ وہ اپنے پیغمبر کا نام مسلمانوں کے گھر میں ادب اور احترام سے سنے گی، بخلاف مسلمان عورت کے کہ جو کسی اہل کتاب یہودی یا نصرانی کے نکاح میں ہو تو وہ اپنے نبی محمد ﷺ کا نام ادب اور احترام سے نہ سنے گی جس سے اس کو تکلیف ہوگی

جو آپس میں نا اتفاقی اور ناچاقی کا سبب بن سکتی ہے جس سے ازدواجی زندگی کے تباہ و برباد ہونے کا قوی امکان ہے، ان مصلحتوں کی بنا پر مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب سے جائز نہیں رکھا گیا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط اى الحيض او مكانه ماذا يُفعل بالنساء فيه قُلْ هُوَ اَذًى لا قذرٌ او محلّه فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ اتركوا وطيهن فِى الْمَحِيْضِ لا اى وقته او مكانه وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ بالجماع حَتّٰى يَطْهُرْنَ بسكون الطاء وتشديدها والهاء وفيه ادغام التاء فى الاصل فى الطاء اى يغتسلن بعد انقطاعه فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ للجماع مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط بتجنّبه فى الحيض وهو القُبُلُ ولا تعدوهُ الى غيره اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يُثيب ويُكرم التَّوَّابِيْنَ من الذُّنوب وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ من الاَقذار نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اى محلُّ زرعكم للولد فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اى محلّه وهو القُبُلُ اَنّٰى كيف شِئْتُمْ ز من قيام وقُعودٍ واضطجاعٍ واقبالٍ وادبارٍ نزل ردًّا لقول اليهود من اتى امرأته فى قُبُلها من جهة دُبُرها جاء الولَدُ اَحولَ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ط العمل الصالح كالتسمية عند الجماع وَاتَّقُوا اللّٰهَ فى امره ونهيه وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط بالبعث فيجازيكم باعمالكم وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ الذين اتقوهُ بالجنّة وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ اى الحلف به عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اى نُصْبًا لها بان تُكثروا الحلف به اَنْ لا تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط فتكرهُ اليمينُ على ذلك ويُسَنُّ فيه الحنثُ ويُكفّر بخلافها على فعل البِرّ ونحوه فهى طاعة المعنى لا تمتنعوا من فعل ما ذُكر من البرّ ونحوه اذا حلفتم عليه بل ائتوهُ و كفّروا لانّ سبب نزولها الامتناع من ذلك وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لاقوالكم عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ باحوالكم لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ الكائن فِىْ اَيْمَانِكُمْ وهو ما يَسبق اليه اللسانُ من غير قصد الحلف نحو لا واللّٰه وبلى واللّٰه فلا اثم فيه ولا كفّارة وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ط اى قصدتْه من الايمان اذا حنثتم وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لما كان من اللغوِ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ بتاخير العُقوبة عن مُستحقّها.

تَرْجَمَہ: لوگ آپ سے حیض کے (حکم) کے بارے میں پوچھتے ہیں، یعنی حیض یا حائضہ کے بارے میں کہ اس حالت میں عورتوں سے (ازدواجی) تعلق کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ حیض گندگی ہے یا محل گندگی ہے، لہٰذا عورتوں کو حالت حیض میں یعنی وطی کو یا محل حیض کو چھوڑ دو اور جماع کے لئے ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائیں (یطھرن) طاء کے سکون و تشدید کے ساتھ اور ھاء کی تشدید کے ساتھ ہے اور اس میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے یعنی حیض موقوف ہونے کے بعد غسل کرلیں، پھر جب پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس جانے (وطی) کی اجازت ہے اس مقام میں جہاں سے اللہ نے تم کو حالت حیض میں وطی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور وہ قُبُل ہے اور قُبُل سے غیر قُبُل

(دُبُــــر) کی طرف تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرتا ہے اور قدردانی کرتا ہے اور گندگیوں سے پاک و صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی حصول ولد کے لئے تمہارے واسطے بمنزلہ کھیت کے ہیں، تو تم اپنے کھیت یعنی محل کاشت میں جس طرح چاہو آؤ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، اور آگے کی جانب سے یا پشت کی جانب سے، اور وہ محل زراعت قُبُل ہے (یہ آیت) یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ: جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی قبل میں پشت کی جانب سے وطی کی تو اس کے بھینگا بچہ پیدا ہوگا، اور اپنے لئے اعمال صالحہ آگے بھیجو (یعنی اپنے مستقبل کی فکر کرو) مثلاً بوقتِ جماع بسم اللہ پڑھنا وغیرہ، اور اللہ سے اس کے امر و نہی میں ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمہیں بعد از مرگ زندہ ہونے کے بعد اس سے ملنا ہے تو وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزاء دے گا، اور (اے نبی) مومنوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں جنت کا مژدہ سنا دو اور تم اللہ (کے نام) کو اس کی قسم کھانے کے لئے ہدف نہ بناؤ کہ اس کی قسم کثرت سے کھاؤ کہ نیکی کے اور تقوے کے اور اصلاح بین الناس کے کام نہ کرو گے اور ایسی باتوں پر قسم کھانا مکروہ ہے، اور اس قسم کی قسموں کو توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا سنت ہے، اس کے برخلاف نیکی کرنے کی قسم کھانا طاعت ہے خلاصہ یہ کہ مذکورہ جیسے نیک کاموں کے کرنے سے باز نہ رہو جب کہ تم نے اس کے (نہ کرنے کی) قسم کھائی ہو، بلکہ وہ کام کر لو اور (قسم کا) کفارہ ادا کر دو، اس لئے کہ اس (آیت) کے نزول کا سبب نیک کام سے رک جانا تھا، اور اللہ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (بے مقصد) قسموں پر مؤاخذہ نہ کرے گا، اور وہ ایسی قسمیں ہیں جو بلا ارادہ سبقت لسانی سے تم کھا لیتے ہو، جیسے لَا وَاللّٰہِ، اور بلٰی واللّٰہِ، تو ان میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ، مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان پر تم سے ضرور مؤاخذہ کرے گا، یعنی جن قسموں کو تم نے بامقصد کھایا ہے، جب تم حانث ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں کو معاف کرنے والا ہے اور مستحق سزا کی سزا کو موخر کرنے کی وجہ سے بردبار ہے۔

تَحقِیق وَترکیب وَتسہیل وَتفسِیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْمَحِیْض، ظرف زمان (وقت حیض) ظرف مکان (مقام حیض) مصدر (حیض آنا یا بمعنی حیض، وہ فاسد خون جو مخصوص زمانہ اور مخصوص حالت میں جوان تندرست غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے)۔ (لغات القرآن)

المحیض ھو الحیض، وھو مصدرٌ، یقال حاضت المرأۃ حَیْضًا و محیضًا فھی حائضٌ و حائضۃٌ.

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: الحیض او مکانہ، یہ محیض کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ ہے، الحیض کہہ کر اشارہ کر دیا کہ محیض مصدر میمی ہے، اس کے معنی ہیں سیلان الدم۔

قَوْلُہٗ: قذرٌ او محلہ، یہ اذٰی کی دو تفسیریں ہیں اول تفسیر محیض کی اول تفسیر کے اعتبار سے ہے اور ثانی، ثانی کے

اعتبار سے، اس میں لف ونشر مرتب ہے۔

قَوْلُہٗ: بالجماع، اس میں اشارہ ہے کہ حالت حیض میں جماع ممنوع ہے نہ کہ مطلقاً قربان ومیل ملاپ۔

قَوْلُہٗ: یثیبُ ویکرمُ، یہ یحبُّ کی تفسیر باللازم ہے، اس لئے کہ حُبّ، کے معنی میلان القلب کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَاتَّقُوا اللّٰہَ اس کا عطف فأتوا حرثکم پر ہے، اور یہ اشارہ عام بعد الخاص کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: بَشِّرْ، اس کا عطف قُلْ ھُوَ اَذًی پر ہے۔

قَوْلُہٗ: الَّذِیْن اتقوہُ، المؤمنین کو الَّذِین اتقوا، کی قید سے مقید کر کے ایک اشکال کو دفع کیا ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ سابق سے خطاب مومنین کو چل رہا ہے تو یہاں بَشّرھم کہنا کافی تھا یعنی ضمیر کافی تھی اسم ظاہر لانے میں کیا مصلحت ہے۔

جَوَابٌ: سابق میں مخاطب مطلق مومنین تھے اور یہاں مومنین متقین مراد ہے لہٰذا ثانی غیر سابق ہیں اسی لئے اسم ظاہر کی صراحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

قَوْلُہٗ: عُرْضَةً نشانہ، ہدف، آڑ، ہتھکنڈہ "لَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِکُمْ" (اللہ کو اپنی قسموں کے لئے آڑ نہ بناؤ) اس صورت میں عُرضةٌ کے معنی آڑ، یا بہانے کے ہیں دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مطلب نکالنے کے لئے بات بات پر قسمیں نہ کھاؤ، اس لئے کہ اس طریقہ پر اللہ کا باعزت نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا، اس تفسیر کی صورت میں، عُرضَة، کا ترجمہ، ہتھکنڈہ، نشانہ کے ہوں گے، مطلب یہ کہ آیت شریفہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: نُصُبًا، یہ نَصَبٌ کی جمع ہے بمعنی منصوب نصب کی ہوئی چیز، ہدف، نشانہ، ای المنصوب للرماۃ، تیراندازوں کے لئے بطور نشانہ کسی چیز کو گاڑ دینا، کہا جاتا ہے جعلتُهٗ عُرضةً للبیع، میں نے اس کو فروخت کے لئے پیش کیا۔

قَوْلُہٗ: لِأنّ سبب نزولھا، یہ ان لا تبرّوا وتتّقوا، کے حاصل معنی کا بیان ہے بعض نے کہا ہے کہ لا محذوف نہ ماننا بہتر ہے۔

قَوْلُہٗ: الکائن، اس میں اشارہ ہے کہ ظرف یعنی فی ایمانکم، الکائن مقدر کے متعلق ہو کر اللغو کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: اذا حنثتم، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ قسم بالذات موجب للمؤاخذۃ نہیں ہے لہٰذا مطلقاً یمین پر مؤاخذہ کا حکم لگانے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک اگرچہ یمین ہی موجب کفارہ ہے مگر احناف کے نزدیک حانث ہونا موجب کفارہ ہے یعنی احناف کے نزدیک یمین موجب کفارہ نہیں ہے بلکہ حانث ہوجانا موجب کفارہ ہے۔

تفسیر وتشریح

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ، یہود کا یہ دستور تھا کہ عورت جب حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے نکال دیتے تھے اور الگ کسی کونے یا گوشہ میں رہنے پر مجبور کرتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بالکل بند کر دیتے تھے، ہنود کا بھی یہی طریقہ تھا کہ حائضہ عورت کے برتن اور بستر الگ کر دیتے تھے، غرضیکہ حالت حیض میں اس سے معاشرت بالکل منقطع کر دی جاتی تھی، اس کو جانور سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اس کے برخلاف نصاریٰ کا یہ حال تھا کہ وہ حالت حیض میں بھی جماع کو جائز سمجھتے تھے، یہ دونوں جماعتیں افراط وتفریط میں مبتلا تھیں۔

ابوالدحداح اور بعض دیگر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے حالت حیض میں عورت سے جماع کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ اخرجَ مسلم واهل السنن وغيرهم عن انس أن اليهود كانوا اذا حاضتِ المرأة اخرجوها من البيتِ ولم يُواكلوها ولم يشاربوها ولم يجامعوها في البيوت، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فانزل الله" ويَسْئلونك عن المحيض" (الآية) فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جامعوهُنَّ في البيوت واصنعوا كلّ شئٍ الا النكاح.

مسلم اور اہل سنن وغیرہم نے حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ یہود کا یہ دستور تھا کہ جب عورت حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے باہر کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ مجامعت ترک کر دیتے تھے، غرضیکہ اس کے ساتھ بود وباش ختم کر دیتے تھے، اور صحابہ نے حالت حیض میں عورت کے ساتھ معاشرت ومجامعت کے بارے میں سوال کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ جماع کے علاوہ کوئی چیز منع نہیں ہے، ہندوستان میں بھی چند صدیوں قبل تک یہی طریقہ رہا ہے بستر برتن وغیرہ سب الگ کر دیئے جاتے تھے، خصوصاً اونچی ذات سمجھے جانے والی قوموں میں زمانہ قریب تک یہی صورت حال رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے معاملات ان کے طور طریقے یہود کے طور طریقوں کے مطابق رہے ہیں، مال کی حرص، موت کا خوف، اپنے سے نیچے سمجھے جانے والی قوموں کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا حق نہ ہونا، قلت تعداد کے باوجود اقتدار پر قابض رہنا، سود کو محبوب ترین ذریعہ آمدنی سمجھنا اور خود کو ہی اقتدار کا مستحق سمجھنا ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنود کا نسلی تعلق یہود ہی سے ہے۔

قرآن مجید نے حالت حیض میں جماع کے مسئلہ کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے جیسا کہ قرآن کی عادت ہے کہ اس قسم کے مسائل استعاروں اور کنایوں میں بیان کرتا ہے، اسی کو "ولا تقربوهُنَّ" سے بیان کیا ہے، یعنی ان سے الگ رہو ان کے قریب نہ جاؤ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، مگر ان کا مطلب یہ نہیں کہ حائضہ عورت کے ساتھ بستر پر بیٹھنے یا ایک جگہ کھانے پینے سے بھی احتراز کیا جائے اور بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود وہنود اور بعض دوسری قوموں کا

دستور ہے، نبی ﷺ نے اس حکم کی توضیح فرما دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صرف مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔

یہود اور بعض دیگر قوموں کا اس معاملہ میں تشدد:

بعض قوموں میں عورتیں اپنے حیض کے زمانہ میں، نہ دوسروں کے ساتھ کچھ کھا پی سکتی ہیں نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے، اور بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے، غرضیکہ دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے، شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں ہیں۔

حالت حیض میں توریت کا قانون:

مشرک قوموں نے اس بات میں جو سختیاں روا رکھی ہیں ان سے قطع نظر خود محرف تورات کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال ہے، عورت ایام ماہواری کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اس سے چھو جاتی ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا، اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک ہے اور جو کوئی اس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے، اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے اور اس کی نجاست اس پر ہے تو وہ رات دن ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر مرد سوئے گا ناپاک ہو جائے گا۔ (احبار: ۱۵، ۱۹، ۲۴) (ماجدی)

مَسْئَلَۃ: اگر حیض پورے دس دن گذرنے پر موقوف ہو تو بغیر غسل کئے بھی صحبت درست ہے۔

مَسْئَلَۃ: اگر دس دن سے پہلے حیض موقوف ہو جائے مگر عادت کے موافق موقوف ہو تو صحبت جب درست ہوتی ہے کہ عورت یا تو غسل کرے یا ایک نماز کا وقت گذر جائے، اور اگر دس دن سے پہلے موقوف ہوا اور ابھی عادت کے دن پورے نہیں ہوئے مثلاً سات دن کی عادت تھی اور حیض چھٹی دن میں موقوف ہو گیا تو ایام عادت کے گذرے بغیر صحبت درست نہیں ہے۔

مَسْئَلَۃ: اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہو گئی تو خوب توبہ واستغفار کرنا واجب ہے اور اگر کچھ صدقہ وخیرات بھی کر دے تو بہتر ہے۔

مَسْئَلَۃ: پیچھے کے راستہ میں اپنی بیوی سے بھی صحبت حرام ہے بعض شیعہ حضرات اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کو جائز ٹھہراتے ہیں جو بالکل غلط ہے اور اَنّٰی شِئْتُمْ میں اَنّٰی بمعنی اَیْنَ لے کر استدلال کرتے ہیں حالانکہ حرثکم، اس بات

کا قرینہ ہے کہ یہاں اَنّٰی بمعنی کَیْفَ ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ، عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ بھی تھا کہ قسم کھا کر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم فلاں کام نیکی، تقویٰ، اصلاح ذات البین کا نہیں کریں گے اور جب کوئی ان سے کہتا تو یہ کہہ دیتے کہ ہم اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں، ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی صورتاً مذموم تھا چہ جائیکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے باعظمت نام کو قرب حق کے بجائے کار خیر سے دوری کا ذریعہ بنایا جائے۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کو توڑ دینے ہی میں خیر ہے تو اس کو قسم توڑ دینی چاہئے اور کفارہ ادا کرنا چاہئے، قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے، البتہ جو قسمیں بطور تکیہ کلام کے بلا ارادہ زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسموں پر نہ مواخذہ ہے اور نہ کفارہ۔

عُرضة، کے عام اور متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہی معنی مراد لئے ہیں لیکن ایک دوسرے معنی حجاب اور مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

فقہاء نے بلا ضرورت اور کثرت سے قسم کھانے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے، چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ای یَحلِفُونَ ان لّا یُجامِعُوہُنّ تَرَبُّصُ انتظار اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ رَجَعُوا فیہا او بعدَہا عن الیمینِ الی الوطیِ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لہم ما اَتَوْہُ من ضَرَرِ المرأۃِ بالحَلفِ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ بہم وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ای علیہ بأن لم یَفِیئُوا فلیُوْقِعُوہُ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِقولِہم عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ بعزمِہم المعنی لیسَ لہُم بعدَ تَرَبُّصِ ما ذُکِرَ الّا الفَیئَۃُ او الطلاقُ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ ای لِیَنتَظِرْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ عنِ النِّکاحِ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ تمضِی من حینِ الطلاقِ جمعُ قَرْءٍ بفتحِ القافِ وہو الطُّہرُ او الحَیضُ قولانِ وہذا فی المدخُولِ بِہِنّ اما غیرُہُنّ فلا عِدّۃَ لہُنّ لقولِہ تعالی فَمالَکُمْ عَلَیہِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَہا وفی غیرِ الآیسۃِ والصَّغیرۃِ فعِدَّتُہُنَّ ثلثۃُ اشہُرٍ والحَوامِلِ فعِدّتہنّ اَنْ یَّضَعْنَ حمْلَہُنَّ کما فی سورۃِ الطلاقِ والاماءِ فعِدّتہنّ قرآنِ بالسُّنّۃِ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ من الوَلَدِ والحَیضِ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ ازواجُہُنّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ای بمُراجعتِہِنّ ولو اَبَیْنَ فِيْ ذٰلِكَ ای فی زَمَنِ التَّرَبُّصِ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا بینہما لا اِضرارَ المرأۃِ وہو تحریضٌ علی قصدِہ لا شرْطٌ لِجَوازِ الرَّجعۃِ وہذا فی الطلاقِ الرجعیِّ واحقُّ لا تفضیلَ فیہِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَیرِہم فی نِکاحِہنّ فی العِدّۃ وَلَهُنَّ علی

الازواج **مِثْلُ الَّذِیْ** لهم **عَلَیْهِنَّ** من الحقوق **بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا من حُسنِ العِشْرة وتَرْكِ الضِرار ونحو ذلك **وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ** فضيلةٌ في الحق من وُجوبِ طاعتهِنّ لهم لِما ساقوهُ من المَهر والانفاق **وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ** في مُلكه **حَكِیْمٌ** (۲۲۸) فيما دبّرهُ لخلقه.

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالیتے ہیں، تو ان کے لئے چار ماہ انتظار کی مدت ہے پس اگر اس مدت میں یا اس کے بعد وطی کی جانب قسم سے رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ عورت کے اس نقصان کو معاف کرنے والے ہیں، جو انہوں نے اس قسم کے ذریعہ پہنچایا ہے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں، اور اگر طلاق کا ہی کا پختہ ارادہ ہو بایں طور کہ وہ رجوع نہ کریں گے تو پھر طلاق ہی دیدیں، اللہ تعالیٰ ان کی بات کو سننے والا ہے اور ان کے عزم کو جاننے والا ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ (مدت) انتظار کے بعد ان کے لئے صرف رجوع کرنے یا طلاق دینے کی صورت ہے اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو طلاق کے وقت سے تین حیض تک نکاح سے روکے رکھیں (قروء) قَرْءٌ کی جمع ہے، قاف کے فتحہ کے ساتھ، اس کے معنی طہر یا حیض کے ہیں، یہ دو قول ہیں اور یہ حکم مدخول بہا عورتوں کا ہے، لیکن غیر مدخول بہا تو ان کے لئے کوئی مدت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا" کی وجہ سے (اگر تم نے وطی نہ کی ہو تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت نہیں) اور یہ حکم آئسہ (یعنی) حیض سے ناامید اور صغیرہ کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ عورتیں، تو ان کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ سورۂ طلاق میں ہے اور رہیں باندیاں تو ان کی عدت دو قُـرُوء (حیض یا طہر) ہیں سنت کی رو سے، اور ان کے لئے حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو بچہ یا حیض پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان ہو اور ان کے شوہر اس مدت انتظار میں ان کو لوٹانے کے پورے حق دار ہیں اگرچہ بیویاں انکار کریں، اگر ان کا آپسی اصلاح کا قصد ہو نہ کہ عورت کو نقصان پہنچانے کا، اور یہ کلام (اِنْ اَرَادُوْآ اِصْلَاحًا) اصلاح پر آمادہ کرنے کے لئے ہے نہ کہ جواز رجعت کی شرط کے طور پر اور یہ (حق رجعت) طلاق رجعی کی صورت میں ہے، اور لفظ (احق) میں تفضیل کے معنی نہیں ہیں، اس لئے کہ شوہروں کے علاوہ کسی کو عدت کی مدت میں ان سے نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور عورتوں کے بھی مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں شرعی دستور کے مطابق، حسن سلوک حسن معاشرت کے ساتھ اور نقصان رسانی وغیرہ کو ترک کرکے، البتہ مردوں کو حقوق میں عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور وہ عورتوں پر اطاعت کا وجوب ہے اس لئے کہ مردوں نے مہر اور نان نفقہ کا ذمہ لیا ہے، اور اللہ زبردست ہے اپنے ملک میں اور حکمت والا ہے ان چیزوں میں جو اس نے اپنی مخلوق کے لئے بطور تدبیر اختیار کی ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُؤْلُوْنَ، (اِیلاءٌ) سے جمع مذکر غائب، جو عورتوں سے ہم بستر نہ ہونے کی قسم کھالیں اَلْاِیلاء فی اللغة الیمین، وَالْاِیلاء مِنَ المراة اَنْ یَقُوْلَ وَاللّٰهِ لَااَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اشهرٍ فصاعِدًا.

قولہ: اَنْ لا یُجَامِعُوهُنَّ یہ عبارت اس سوال کا جواب ہے کہ حلف فعل پر ہوتی ہے نہ کہ ذات پر، یہاں نسائهم، پر حلف ہے جو کہ ذات ہے۔

جواب: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے ای یَحْلِفُوْنَ اَنْ لا یُجَامِعُوهُنَّ حذف مضاف کا مقصد مبالغہ ہے جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ میں ہے۔

قولہ: تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اشهُرٍ ترکیب اضافی مبتدا مؤخر، مِن نِساءِهِمْ خبر مقدم۔

سوال: یُؤْلُوْنَ، کا صلہ عَلٰی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مِنْ استعمال ہوا ہے۔

جواب: اِیلاء، بُعد، کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے، مِنْ صلہ لانا درست ہے، چونکہ ایلاء کرنے والا بھی اپنی بیوی سے دور رہتا ہے لہٰذا ایلاء بمعنی بُعد درست ہے۔

قولہ: عَلَيْهِ.

سوال: عَلَيْهِ، مقدر ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلطَّلاق حذف جر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ عزموا علی الطلاق۔

قولہ: بفتح القاف.

سوال: قَرْءٌ کو فتحہ قاف کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے جب کہ ضمہ قاف بھی اس میں ایک لغت ہے۔

جواب: جمع جب قُرُوءٌ ہو تو اس کا واحد قَرْءٌ بفتح القاف ہی ہوتا ہے چونکہ جمع مذکور قُرُوءٌ ہے اس لئے واحد کا قاف کے فتحہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے اگر ضمہ قاف کے ساتھ ہو تو اس کی جمع اَقْراء آتی ہے۔

جیسے قُفْل، کی جمع اَقْفال آتی ہے۔

قولہ: هو الطهر والحيض، اول امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا اور ثانی امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا ہے۔

قولہ: اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ الخ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء فَلَا یَجْتَرِئْنَ علی ذٰلِكَ، محذوف ہے۔

قولہ: بُعُولَتُهُنَّ، ان عورتوں کے شوہر بُعُوْلَةٌ، بَعْلٌ کی جمع ہے جیسا کہ فُحُولَةٌ، فَحْلٌ کی جمع ہے تاء زائدہ اور ماقبل سماعی ہیں۔

قِوْلَہٗ: اَحَقُّ لا تفضیل فیه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: اَحَقُّ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل مفضل علیہ کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ یہاں مفضل علیہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ شوہر کے علاوہ کسی کو رجعت کا حق ہی نہیں ہے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ اَحَقُّ اسم تفضیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر رجعت کا زیادہ حق دار ہے اور غیر شوہر کم حق دار ہے حالانکہ غیر شوہر کو رجعت حق کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

جوابؔ: اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے یعنی احق بمعنی حقیق ہے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے یہی مطلب ہے مفسر علام کے قول "اذ لا حقَّ لغیر ھم فی نکاحِھِنّ فی العدة" کا گویا کہ یہ الشتاء ابردُ من الصیف کے قبیل سے ہے۔

قِوْلَہٗ: لِمَا ساقوا مِنَ المھر و الإنفاق، یہ ثبوت درجہ کی علت ہے اس لئے کہ لذت مباشرت اور طلب ولد میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور امور خانہ داری کے انتظام میں بھی دونوں مساوی، شوہر کے ذمہ خارجی امور ہیں اور بیوی کے ذمہ داخلی اور مزید برآں شوہر کے ذمہ بیوی کے نان نفقہ اور مہر کی بھی ذمہ داری ہے اس اضافی ذمہ داری کی وجہ سے مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تفسیر وتشریح

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ، چار ماہ یا اس سے زیادہ یا مطلقاً بیوی سے ازدواجی تعلق نہ کرنے کی قسم کھالینا شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہا جاتا ہے، میاں بیوی کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور بگاڑ کے اسباب ظاہر ہو جائیں، لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ دونوں ایک دوسرے سے قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہے مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں بیوی ہی نہیں ہیں، ایسے بگاڑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر کردی ہے کہ یا تو اس دوران اپنے تعلقات درست کرلیں ورنہ ازدواجی رشتہ منقطع کردیں، تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنی راہ اور اپنی منزل متعین کرسکیں۔

آیت میں چونکہ قسم کھالینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لئے فقہاء حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشوئی رکھنے کی قسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کرلینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لئے ہو، اس آیت کا حکم اس پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہاء مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو دونوں صورتوں میں ترک تعلق کے لئے بھی چار مہینے کی مدت ہے ایک قول امام احمد بن حنبل کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایة المجتهد جلد دوم)

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار ماہ کے اندر ہے اس مدت کا گذر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کرلیا ہے اس لئے یہ مدت گذرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دوران عدت شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا، البتہ اگر دونوں چاہیں تو

دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا اور ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہاء حنفیہ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مسیب، مکحول، زہری یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گذرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دوران عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا اگر رجوع نہ کرے تو مدت گذر جانے کے بعد اگر دونوں چاہیں تو نکاح کرسکتے ہیں۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا ابوالدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور اکثر فقہاء مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گذرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا، اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالک و شافعی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسی کو قبول کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

اگر شوہر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا، اس کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی مدت متعین نہ کرے دوم یہ کہ چار مہینے کی قید لگادے، سوم یہ کہ چار ماہ سے زیادہ کی قید لگادے، چہارم یہ کہ چار ماہ سے کم کی مدت کا نام لے، صورت اول و دوم وسوم کو اصطلاح شرع میں ایلاء کہتے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دے اور بیوی کے پاس چلا جاوے تو قسم کا کفارہ دے اور نکاح باقی ہے اور اگر چار ماہ گذر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر قطعی طلاق پڑگئی، یعنی بلا نکاح رجوع کرنا درست نہیں رہا البتہ اگر دونوں رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی، اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے تو کفارہ لازم ہوگا، اور اگر قسم پوری کی جب بھی نکاح باقی ہے۔

اَلطَّلَاقُ اي التَّطْلِيْقُ الذي يُرَاجع بعدهٗ **مَرَّتٰنِ** اي اثنتان **فَاِمْسَاكٌ** اي فعليكم امساكُهُنّ بعده بان تُراجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِن غير ضِرار **اَوْ تَسْرِيْحٌ** ارسالٌ لَهُنَّ **بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ** اَيُّها الازواجُ **اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ** مِنَ المُهور **شَيْئًا** اذا طَلَّقْتُمُوهن **اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ** اي الزَّوجان **اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ** اي لا يَأتِيا بما حَدَّهٗ لهما مِن الحقوق وفي قراءة يُخَافَا بالبناء للمفعول فان لا يُقيما بدلُ اشتمال من الضَّمير فيه وقُرِئ بالفوقانية في الفعلين **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ** نفسَها مِنَ المال لِيُطَلِّقَها اي لا حَرَجَ على الزَّوج في اَخْذِه ولا الزَّوجةِ في بَذْلِه **تِلْكَ** الاحكامُ المذكورة **حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۲۹﴾ **فَاِنْ طَلَّقَهَا** الزوجُ بعد

اثنتین **فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ** بعد الطلقة الثالثة **حَتّٰى تَنْكِحَ** تتزوج **زَوْجًا غَيْرَهٗ** ویطأها کما فی الحدیث رواه الشیخان **فَاِنْ طَلَّقَهَا** الزوج الثانی **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ** ای الزوجة والزوج الاول **اَنْ يَّتَرَاجَعَآ** الی النکاح بعد انقضاء العدة **اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ** المذکورات **حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۰﴾ یتدبرون **وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** قاربن انقضاء عدتهنّ **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** بان تراجعوهنّ **بِمَعْرُوْفٍ** من غیر ضرار **اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ** اترکوهنّ حتی تنقضی عدتهنّ **وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ** بالرجعة **ضِرَارًا** مفعول له **لِّتَعْتَدُوْا** علیهنّ بالالجاء الی الافتداء او التطلیق وتطویل الحبس **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ** بتعریضها الی عذاب الله تعالٰی **وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا** مهزوًا بها بمخالفتها **وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بالاسلام **وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ** القرآن **وَالْحِكْمَةِ** ما فیه من الاحکام **يَعِظُكُمْ بِهٖ** بان تشکروها بالعمل به **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۲۳۱﴾ لا یخفی علیه شیء.

ترجمہ: ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکے دوبار ہے یعنی دو تک ہیں، پھر یا تو معروف طریقہ سے تمہارے ذمہ روک لینا ہے بعد اس کے کہ ان سے رجوع کرلو، یا بھلے طریقہ سے ان کو رخصت کردینا ہے بغیر نقصان پہنچائے اور اے شوہرو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ جب تم ان کو طلاق دو تو جو مہر تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لو البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو کہ اللہ نے ان کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان کو ادا نہ کرسکیں گے اور ایک قراءت میں (یُخافا، یُقیما) کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں کے درمیان معاملہ طے ہوجانے میں کہ عورت اپنے نفس کا مالی معاوضہ دیدے تاکہ شوہر اس کو طلاق دیدے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یعنی نہ شوہر کے لئے اس معاوضہ کے لینے میں کوئی حرج ہے اور نہ عورت کے لئے اس کے دینے میں یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی لوگ ظالم ہیں. پھر اگر شوہر دو طلاقوں کے بعد طلاق دیدے تو اس کے لئے تیسری طلاق کے بعد وہ عورت حلال نہیں الا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ (دوسرا شوہر) اس سے وطی کرے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (رواہ الشیخان) پھر اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے تو بیوی اور شوہر اول پر کوئی حرج نہیں کہ عدت گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرلیں، اگر دونوں یہ خیال کریں کہ وہ حدود الٰہی کو قائم رکھیں گے، یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اللہ ان لوگوں کے لئے بیان فرمارہا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں غور وفکر کرتے ہیں، اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوجائے تو ان سے رجوع کرکے بھلے طریقہ پر بغیر نقصان پہنچائے، ان کو روک لو، یا شریفانہ طریقہ سے ان کو رخصت

کردو، یعنی ان کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو تا آں کہ ان کی مدت پوری ہو جائے اور رجعت کے ذریعہ ستانے کے لئے نہ روکو (ضراراً) مفعول لہ ہے کہ ان کو فدیہ (معاوضہ خلع) دینے یا خلع کرنے پر مجبور کرنے اور مدت حبس کو طویل کرنے کے لئے (نہ روکو) اور جو ایسا کرے گا تو اس نے درحقیقت خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا، اللہ کے عذاب پر خود کو پیش کر کے اور اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ یعنی ان کی مخالفت کر کے ان کا مذاق نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت اسلام کو یاد رکھو اور اس کتاب (یعنی) قرآن اور حکمت کو اور اس میں جو احکام ہیں یاد رکھو جو تم پر نازل کی ہے وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے کہ اس پر عمل کر کے اس کی شکر گذاری کرو اور اللہ سے ڈرو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے اس سے کوئی شئ پوشیدہ نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: التطلیق الَّذِیْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کہ الطلاق اسم مصدر، تطلیق مصدر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ طلاق سے شوہر کا فعل تطلیق مراد ہے اس لئے کہ فعل طلاق ہی متصف بالوحدۃ والتعدد ہوتا ہے نہ کہ وہ طلاق جو مرأۃ کی صفت ہوتی ہے اس کی تائید او تَسْرِیْحٌ سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ تَسْرِیح بھی شوہر کا فعل ہے۔

قولہ: فَعَلَیْکُم، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِمْسَاك، مبتداء ہے اور اس کی خبر، فَعَلَیْکُم محذوف ہے۔

سوال: اِمْسَاك، نکرہ ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا درست نہیں ہے۔

جواب: اِمْسَاك کی صفت، بمعروف ہے لہٰذا نکرہ جب موصوف بالصفت ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے۔

قولہ: ای اِثْنَتَانِ.

سوال: مَرَّتَانِ، کی تفسیر اثنتان، سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مَرَّتَانِ، سے اس کے حقیقی معنی جو کہ تثنیہ ہیں، مراد ہیں، یعنی دو طلاقیں نہ کہ مجازی معنی جو کہ تکرار ہیں، گویا کہ یہ رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کہا ہے کہ مَرَّتَانِ، یہاں تکرار کے معنی میں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تکرار معنی مجازی ہیں اور تثنیہ معنی حقیقی ہیں اور معنی مجازی سے حقیقی مراد لینا اولیٰ ہوتا ہے دو مجازی معنی مراد لینے والوں کا مقصد یہ بتانا ہے ایک ساتھ دو طلاق درست نہیں ہے بلکہ دو مرتبہ میں دو طلاقیں ہونی چاہئیں اور جو لوگ مرتان کو اثنتان (تثنیہ) کے معنی میں لیتے ہیں ان کے نزدیک ایک لفظ سے دو طلاق دینا درست ہے۔

قولہ: بَعْدَ التطلیقۃِ الثالثۃِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بَعْدُ مبنی بر ضم ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ بَعْدَ الطلقہ الثالثۃِ ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اس کو حرف جر کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے۔

قولہ: تَتَزَوَّجُ، تنکح، کی تفسیر تتزوج سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تنکح، بمعنی عقد نکاح ہے نہ کہ وطی اس لئے کہ عقد نکاح مراد لینے کی صورت میں اس کی اسناد مرد اور عورت دونوں کی طرف حقیقت ہوگی اور اگر بمعنی وطی ہو تو مرد کی طرف تو نسبت حقیقی ہوگی مگر عورت کی جانب وطی کی نسبت مجازی ہوگی۔

قولہ: یَطَاهَا اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو حلالہ کے لئے صرف عقد نکاح کو کافی سمجھتے ہیں، جیسا کہ سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس لئے کہ یہ حدیث مشہور کے خلاف ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

رَوٰی عروۃ بن الزبیر الخ، فرماتے ہیں کہ لوگ ابتداء اسلام میں اپنی بیویوں کو بے شمار طلاقیں دیدیا کرتے تھے اور بعض لوگ ایسا بھی کرتے تھے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوجاتی تھی تو رجوع کرلیتے تھے اس کے بعد پھر طلاق دیدیتے تھے، ستانے اور تکلیف پہنچانے کی نیت سے اسی طرح بار بار کرتے رہتے تھے تو اس موقع پر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ نازل ہوئی۔ (مظهری)

طلاق رجعی دو ہی تک ہیں:

طلاق رجعی دو ہی بار ہے پھر خواہ حسن معاشرت اور محبت سے اسے رکھ لے یا احسان اور شریفانہ طریقہ سے رخصت کردے "تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ" اکثر روایتوں میں تیسری طلاق ہے مگر ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ تیسری طلاق ضرر خالص ہے احسان سے اس کیا واسطہ، بلکہ مراد یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد اگر رجوع کرنا اور محبت سے بسر کرنا ہے تو بہتر ، ورنہ خاموش بیٹھ رہے، جب عدت پوری ہوجائیگی عورت خود بخود بائنہ ہوجائے گی اس کے بعد اگر دونوں کی مرضی ہو تو نکاح کرسکتے ہیں یہی ان کے حق میں احسان ہے۔

طلاق دینے کے تین طریقے:

طلاق دینے کے تین طریقے ہیں (اول) احسن، یعنی صرف ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں عورت سے جماع نہ کیا ہو، (دوسری) حسن یعنی تین طلاقیں اس طرح دے کہ جب حیض سے پاک حاصل ہو تو وطی سے پہلے طلاق دے پھر دوسرے حیض کا انتظار کرے دوسرے حیض کے بعد دوسری طلاق اور تیسرے حیض کے بعد تیسری طلاق دے کر قصہ ختم کرے، اور اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو یعنی صغیرہ ہو یا آئسہ (بہت بوڑھی) تو ہر ماہ بعد ایک طلاق دے، (تیسری) بدعی، ایک وقت یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے یہ طلاقیں تو پڑ جائیں گی مگر مرد گنہگار ہوگا، اس طلاق کے واقع ہونے میں بعض حضرات کو کلام ہے مگر ابن عمر کی مرفوع حدیث ہماری شاہد ہے اور حیض میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے مگر رجوع کرنا

واجب ہے اگر حالت حیض میں طلاق واقع ہی نہ ہوتو ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کے حکم کے کیا معنی؟ لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ کہ طلاق دو بار ہے یعنی مسنون تو یہی ہے کہ ایک بار ایک طلاق دے پھر دوسری دے، بعد ازاں خواہ رجوع کرے یا تیسری طلاق بھی دیدے بیک وقت دو طلاقیں دینا چونکہ اچھا نہیں ہے اسی لئے مرتان، یعنی ''دوبار'' فرمایا تاکہ تعدد اور توقف پر اشارہ کرے۔

فَائِدَہ: اس مختصر سی آیت میں ایک بہت بڑی معاشرتی خرابی کی جو عرب جاہلیت میں رائج تھی اصلاح کی گئی ہے عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و بے حساب طلاق دینے کا مجاز تھا، جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا تھا اس کو بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، تاکہ نہ تو وہ غریب اس کے ساتھ بس ہی سکے اور نہ اس سے آزاد ہو سکے کہ کسی اور سے نکاح کر لے، قرآن مجید کی یہ آیت اسی ظلم کا دروازہ بند کرتی ہے، اس آیت کی رو سے ایک مرد رشتۂ نکاح میں اپنی بیوی پر زیادہ سے زیادہ دو ہی مرتبہ طلاق رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں اس کو تیسری بار طلاق دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔

اگر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، جیسا کہ آج کل جہلاء کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے اس کی بڑی مذمت فرمائی گئی ہے اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا تھا آپ اس کو دُرّے لگاتے تھے، تاہم سخت گناہ ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور طلاق مغلظ ہو جاتی ہے۔

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا (الآیۃ) یعنی مہر اور وہ زیورات اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس طلب کرنے کا اسے حق نہیں ہے، یہ بات ویسے بھی اسلامی اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز کو جسے وہ دوسرے شخص کو ہبہ یا ہدیہ و تحفہ کے طور پر دے چکا ہو واپس مانگے، اس ذلیل حرکت کو حدیث شریف میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قے کو خود چاٹ لے، مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لئے تو یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ کچھ رکھوالیتا ہے جو اس نے کبھی اسے خود دیا تھا، اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔

شانِ نزول:

تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جمیلہ یا حبیبہ نامی خاتون حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور اپنے شوہر ثابت بن قیس کی شکایت کی اور مار کے نشان جو منہ پر تھے دکھائے اور کہا میرا اور اس کا اب نباہ نہ ہو سکے گا، آپ ﷺ نے ابن قیس کو بلا کر حالات معلوم کئے، ابن قیس نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس عورت سے زیادہ دنیا میں کسی کو محبوب نہیں رکھتا سوائے آپ کی محبت کے، آپ کی محبت تو آپ کے

مشتاقوں کے لئے رگ و پے میں خون کی طرح داخل ہے بلکہ جو ہر روح اور لطف حیات ہے آپ نے جمیلہ سے فرمایا اب تم کیا کہتی ہو؟ وہ بولیں کہ میں ایسی بات نہ کہوں گی جس کے خلاف حضور پر وحی نازل ہو جائے، بے شک ثابت اپنی بیوی سے سلوک کرنے میں تمام مردوں سے اچھا ہے مگر مجھے اس سے بالطبع نفرت ہے، اور بعض روایتوں میں بدصورتی کا بھی ذکر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ باغ جو تم نے مہر میں لیا ہے واپس کر دو گی؟ بولیں باغ اور مزید بھی، آپ نے فرمایا "اَمّا الزیادۃُ فلا" مہر سے زائد نہ لیا جائے پھر آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا "اقبل الحدیقة وطلّقها تطلیقة" باغ لو اور طلاق دو۔ (خلاصة التفاسیر، تائب لکھنوی)

مباحث احکام خلع:

خَلَع، (ف) خَلْعًا، اتارنا، خَلَعَ المرأة، مال کے عوض عورت نے جدائی اختیار کی، اگر عورت کی جانب سے مال کے عوض طلاق کا مطالبہ ہو تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں اور اگر شوہر کی جانب سے مال کے عوض طلاق کی پیشکش ہو تو طلاق علی مال کہتے ہیں۔

مَسْئَلَۃٌ: اس بارے میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان آپس میں معاملہ طے ہو جائے، تو جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہوگا، لیکن اگر عدالت میں معاملہ چلا جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اس حد تک متنفر ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا، اس کی تحقیق ہو جانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیہ کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینے کا حکم کرے، شوہر پر لازم ہوگا کہ فدیہ قبول کر کے طلاق دیدے بالعموم فقہاء نے اس کو پسند نہیں کیا کہ جو مال شوہر نے اس عورت کو دیا ہو، اس سے زائد کا فدیہ دلوایا جائے۔

مَسْئَلَۃٌ: خلع کی صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا البتہ یہی مرد اور عورت اگر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

مَسْئَلَۃٌ: جمہور کے نزدیک خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے، مگر ابو داؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ وغیرہ کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی اور اس کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقدمہ میں فیصلہ فرمایا تھا۔ (ابن کثیر جلد اول، ص: ۲۷۶)

فَائِدَہ: خلع کی چار صورتیں ممکن ہیں، (۱) شوہر کی طرف سے زیادتی ہو، (۲) عورت کی شرارت ہو، (۳) دونوں کی خطا ہو، (۴) کسی کی طرف سے بھی کوئی بے لطفی نہ ہو، یہ چوتھی صورت خلع سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی حکم متعلق ہے۔

بحث: باقی رہی تین صورتیں، قرآن نے عورت کا مال لینا اس شرط پر حلال کیا ہے کہ جب دونوں کی طرف سے ظلم و تعدی کا خوف ہو جیسا کہ فرمایا: "اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ" لہٰذا وہ صورت کہ شوہر کی طرف سے زیادتی ہو آیت سے متعلق

نہیں ہے اور عورت کے مال کی حرمت بدستور باقی رہے گی، اسی کے متعلق دوسرے مقام پر یہ تصریح فرمائی، "اِنْ اَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ" اگر ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہتے ہو "فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا" تو عورت کو دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی نہ لو، اس میں قصور مرد کا ہے اس لئے کہ یہی ایسے چھوڑنا چاہتا ہے مناسب اور لائق تو یہ تھا کہ مہر بھی واپس نہ لے، مگر اس وجہ سے کہ ہر حلال مال مالک کی اجازت سے لینا جائز ہے گو دینے والا کسی مصلحت یا مجبوری سے دے، یا خوشی سے یہاں عورت اپنے اختیار سے اپنے فائدہ کے لئے اپنا مال صرف کرتی ہے اور اس کے عوض میں آزادی کا فائدہ حاصل کرتی ہے مذکورہ دونوں شقوں پر نظر کرتے ہوئے لینا جائز مگر مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

سِکَوَالٌ: عورت کی طرف سے مرد کو طلاق لینے کے عوض مال دینا رشوت ہے اور رشوت حرام ہے۔

جَجَوَابٌ: رشوت ایسے مال کے لینے کو کہتے ہیں جس سے کسی کا حق تلف کیا جائے یا رشوت دینے والے کا وہ حق دیا جائے جو بغیر کسی عوض کے رشوت لینے والے کے ذمہ واجب تھا اور یہاں طلاق دینا مرد کے ذمہ نہیں، البتہ دفع ظلم اور ترک تعدی اس کے ذمہ ہے، مگر بدل دفع ظلم اور ترک تعدی کا معاوضہ نہیں ہے جو واجب ہے بلکہ طلاق کا معاوضہ ہے جو واجب نہیں ہے دوسری صورت یعنی عورت کی شرارت ہو تو یہ بھی بظاہر یک طرفہ ہے اور آیت کے حکم سے خارج ہے، مگر مرد کو طلاق کا اختیار حاصل ہے، ایسی شریر عورت کو روکنے سے اس کی غرض خواہ ایذا رسانی اور انتقام ہے خواہ امید اصلاح، تو امید اصلاح تو قابل اعتماد نہیں البتہ قصد انتقام کے لحاظ سے دو طرفہ چھیڑ چھاڑ اور زیادتی ہوگئی اور یہ صورت بھی آیت: "اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ" (الآیة) کی مصداق ہوئی لہٰذا آیت کی رو سے جو مال عورت دینا قبول کرے جائز ہے اور حدیث پیغمبر "اَمَّا الزِّیَادَةُ فَلَا" کی رو سے مہر سے زیادتی ممنوع ہے جیسا کہ ثابت بن قیس کے واقعہ میں اوپر مذکور ہوا، اگر زیادہ لینے میں کوئی کراہت نہ ہوتی تو آپ ثابت رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے حق کو ناقص نہ کرتے۔

جواز اور کراہت میں منافات نہیں:

کہ قرآن کے عموم کا ابطال لازم آئے، مثلاً نماز ایک درہم نجاست کے ساتھ جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے (شامی) اور نماز بدون تعدیل ارکان جائز مگر واجب الاعادہ ہے (نور الانوار) ایسے ہی یہ زیادتی جائز مگر مکروہ ہے۔

عقلی دلیل:

خلع بمنزله اقاله ہے، اس لئے کہ یہ دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے اقالہ میں ثابت شدہ ملک کو باطل کیا جاتا ہے۔ خلع میں بھی ثابت شدہ ملک بضع کو باطل کیا جاتا ہے پس جس طرح اقالہ میں مبیع مستعمل ہو یا نہ ہو ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا، اسی طرح خلع میں بھی مہر جو کہ بمنزلہ ثمن ہے مہر کی مقدار پر ہی خلع کرنا چاہئے۔

تیسری صورت یعنی دونوں کی خطاء ہو اس کا حکم بھی مثل دوم ہے (اگرچہ اس کا حکم کتب میں مذکور نہیں)۔

(خلاصة التفاسير)

خلع طلاق ہے یا فسخ؟

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک فسخ ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک قول میں امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں اور صحیح قول میں ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی فسخ مروی ہے۔ (خلاصة التفاسير)

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (الآية) اگر مرد نے تیسری طلاق دیدی تو اب نکاح جدید سے بھی حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے مرد سے وطی حلال نہ کرے، حلالہ کے بعد اگر یہ خیال کریں کہ آئندہ حقوق اللہ کی حفاظت کریں گے تو ان کے لئے نکاح جائز ہے، اِنْ ظَنَّا شرط نکاح نہیں ہے شرط اولویت ہے۔

مَسْئَلَہ: جب تک شوہر ثانی مباشرت نہ کرے عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی، اور یہ قید خود قرآن سے مفہوم ہوتی ہے حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ، نکاح کے لغوی معنی وطی کے ہیں اور نکاح عرفی زوجًا غیرہ سے مفہوم ہے ورنہ تو شوہر سے عقد نکاح کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ امرأۃ رفاعہ کی حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے امرأۃ رفاعہ کا واقعہ معروف ہے۔

مَسْئَلَہ: تحلیل کیلئے نفس جماع کافی ہے حالت حیض میں ہو یا طہر میں، انزال ہو یا نہ ہو، زوج مراہق ہو یا بالغ۔

مَسْئَلَہ: اس شرط پر نکاح کرنا کہ وطی کے بعد طلاق دیدی جائے گی، تاکہ زوج اول پر عورت حلال ہو جائے، گناہ ہے، ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المحلل والمحلل له حلال کرنے اور کرانے والے دونوں پر آپ نے لعنت فرمائی، احناف کے نزدیک نکاح جائز اور گناہ لازم ہوگا، اور شوافع کے نزدیک ایسا نکاح درست ہی نہ ہوگا۔ (خلاصة التفاسير)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا، اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو دل لگی اور ٹھٹھا نہ بناؤ، خوب سوچ سمجھ کر عمل کیا کرو، اور اللہ کی نعمتوں کو نہ بھولو، اور کتاب و حکمت جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ بہت عظیم نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تم کو نصیحت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں خود ہدایت اور قرآن اور آپ ﷺ کا وجود مسعود اپنی جگہ عظیم نعمتیں ہیں اور عورتوں کو حلال کر دینا بھی بذات خود نعمت ہے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ "الدنيا حسنة" سے عورت صالحہ مراد ہے، عبداللہ بن عمر نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خير متاع الدنيا المرأة الصالحة"۔

فَائِدَہ: آیات کا تمسخر دو طریقہ سے ہوتا ہے (اول) صراحۃ (دوم) ایسی بات کرنا جس سے احکام الٰہی سے بے پرواہی اور اس کی عدم تعمیل یا بے وقعتی ظاہر ہو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ انقضت عدتهن **فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ** خطاب للاولياء اى لا تمنعوهن
اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ المطلقين لهن لان سبب نزولها ان اخت معقل بن يسار طلقها زوجها فاراد
ان يراجعها فمنعها معقل كما رواه الحاكم **اِذَا تَرَاضَوْا** اى الازواج والنساء **بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا
ذٰلِكَ النهى عن العضل **يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** لانه المنتفع به
ذٰلِكُمْ اى ترك العضل **اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ** لكم ولهم لما يخشى على الزوجين من الريبة بسبب
العلاقة بينهما **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** ما فيه من المصلحة **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** (۲۳۲) ذلك فاتبعوا امره
وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اى ليرضعن **اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ** عامين **كَامِلَيْنِ** صفة مؤكدة ذلك **لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ**
ولا زيادة عليه **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ** اى الاب **رِزْقُهُنَّ** اطعام الوالدات **وَكِسْوَتُهُنَّ** على الارضاع اذا كن مطلقات
بِالْمَعْرُوْفِ بقدر طاقته **لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا** طاقتها **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا** بسببه بان تكره على ارضاعه اذا
امتنعت **وَلَا** يضار **مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** اى بسببه بان يكلف فوق طاقته واضافة الولد الى كل منهما فى
الموضعين للاستعطاف **وَعَلَى الْوَارِثِ** اى وارث الاب وهو الصبى اى على وليه فى ماله **مِثْلُ ذٰلِكَ** الذى
على الاب للوالدة من الرزق والكسوة **فَاِنْ اَرَادَا** اى الوالدان **فِصَالًا** فطامًا له قبل الحولين صادرًا
عَنْ تَرَاضٍ اتفاق **مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ** بينهما لتظهر مصلحة الصبى فيه **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا** فى ذلك **وَاِنْ اَرَدْتُّمْ**
خطاب للآباء **اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ** مراضع غير الوالدات **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فيه **اِذَا سَلَّمْتُمْ** اليهن **مَّآ اٰتَيْتُمْ**
اى اردتم ايتاءه لهن من الاجرة **بِالْمَعْرُوْفِ** بالجميل كطيب النفس **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** (۲۳۳)
لا يخفى عليه شىء منه **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ** يموتون **مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ** يتركون **اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ** اى ليتربصن
بِاَنْفُسِهِنَّ بعدهم عن النكاح **اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا** من الليالى وهذا فى غير الحوامل اما الحوامل فعدتهن
ان يضعن حملهن بآية الطلاق والامة على النصف من ذلك بالسنة **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** انقضت مدة
تربصهن **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** ايها الاولياء **فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ** من التزين والتعرض للخطاب **بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴) عالم بباطنه كظاهره **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ** لوحتم **بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ** المتوفى
عنهن ازواجهن فى العدة كقول الانسان مثلا انك لجميلة ومن يجد مثلك ورب راغب فيك **اَوْ اَكْنَنْتُمْ**
اضمرتم **فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ** من قصد نكاحهن **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ** بالخطبة ولا تصبرون عنهن فاباح لكم
التعريض **وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا** اى نكاحا **اِلَّآ** لكن **اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** اى ما عرف شرعا من
التعريض فلكم ذلك **وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ** اى على عقده **حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ** اى المكتوب من العدة

أَجَلَهُ بأن ينتهي **وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ** من العزم وغيره **فَاحْذَرُوْهُ** أن يعاقبكم إذا عزمتم **وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لمن يحذره **حَلِيْمٌ** بتأخير العقوبة عن مستحقها.

تَرجَمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں، (یعنی) ان کی عدت پوری ہوجائے تو تم ان کو ان کے، ان خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے، خطاب اولیاء کو ہے، اس لئے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن جمیلہ بنت یسار کو ان کے شوہر (بداح بن عاصم بن عدی) نے طلاق دیدی تھی پھر انہوں نے معقل بن یسار کی بہن سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو معقل نے ان کو منع کردیا۔

(کما رواہ الحاکم)

جب کہ خاوند اور بیوی شرعی قانون کے مطابق راضی ہوں، یہ یعنی روکنے سے ممانعت کی نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس لئے کہ (دراصل) اس سے وہی شخص مستفید ہوتا ہے، یہ منع کرنے سے باز رہنا تمہارے اور ان کے لئے زیادہ شائستہ اور پاکیزہ تر ہے، اس لئے کہ زوجین پر ان کے (سابقہ) تعلق کی وجہ سے تہمت کا اندیشہ ہے اس کی مصلحت کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم اس کو نہیں جانتے لہٰذا اس حکم کی اتباع کرو، جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پئے نہ کہ اس سے زیادہ تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دوسال دودھ پلائیں. کاملین. حولین. کی صفت مؤکدہ ہے (اس صورت میں) بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے گنجائش کے مطابق بچہ کی ماؤں کو دودھ پلانے کے عوض کھانا کپڑا دینا ہوگا جب کہ وہ مطلقات ہوں، مگر کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اس طریقہ پر کہ جب وہ دودھ نہ پلانا چاہے تو اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے، اس طریقہ پر کہ وسعت سے زیادہ اس کو مکلف بنایا جائے، اور ولد کی اضافت والدین کی طرف دونوں جگہوں پر طلب شفقت کے لئے ہے اور وارث (یعنی) باپ کے وارث پر کہ وہ اس کا بچہ ہے، یعنی باپ کے مالی وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے یعنی جیسی والد پر والدہ کے لئے کھانے کپڑے کی ذمہ داری تھی (ویسی ہی ذمہ داری مرنے والے باپ کے وارث پر ہے) پھر اگر دونوں (یعنی) والدین دوسال سے پہلے ہی آپسی رضامندی اور باہمی مشورہ سے تاکہ اس میں بچہ کی مصلحت ظاہر ہو بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں، اور اگر تم خطاب آباء کو ہے، اپنی اولاد کو ان کی ماؤں کے علاوہ کسی دودھ پلانے والی سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں تم دونوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں جب تم ان کو جو اجرت دستور کے مطابق دینا چاہو خوش دلی سے دیدو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ جو کچھ تم کررہے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے ان میں سے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں یعنی انتقال کرجائیں اور اپنے پیچھے بیوہ چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو ان کے بعد نکاح سے چار مہینے دس راتیں روکے رکھیں اور یہ حکم

غیر حاملاؤں کے لئے ہے رہیں حاملائیں تو ان کی عدت وضع حمل ہے آیت طلاق کی رو سے، اور باندی کی عدت از روئے سنت اس کی نصف ہے پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے یعنی جب ان کی عدت کی مدت ختم ہو جائے تو اے اولیاء وہ جو کچھ اپنی ذات کے بارے میں شرعی دستور کے مطابق کریں خواہ زیب و زینت ہو، یا رشتہ کے بارے میں پیش کش ہو، تو اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے یعنی ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے بیوہ عورتوں سے ان کی عدت کے زمانہ میں اشارہ (کنایہ) سے منگنی کی باتیں کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ تم بہت حسین ہو، تمہاری جیسی کس کو ملے؟ (یعنی قسمت والے ہی کو مل سکتی ہے) اور تم کو تو چاہنے والے بہت ہیں، (وغیرہ وغیرہ) یا تم ان سے نکاح کے ارادہ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو، اللہ کے علم میں ہے کہ تم ان کا منگنی کے بارے میں تذکرہ ضرور کرو گے اور تم ان کے بارے میں صبر نہ کر سکو گے تو اس نے تمہارے لئے اشارۃً ظاہر کرنا جائز کر دیا ہے، مگر (دیکھو) خفیہ عہد و پیمان مت کرنا اگر کوئی بات کرنی ہے تو دستور کے مطابق کرو، یعنی شرعی قانون کے مطابق اشارہ کر سکتے ہو، یہ تمہارے لئے جائز ہے اور نکاح کا پختہ ارادہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ فرض کردہ عدت پوری نہ ہو جائے، خوب سمجھ لو اللہ تمہارے دلوں کے حال کو یعنی پختہ اور غیر پختہ ارادہ کو خوب جانتا ہے لہٰذا اس سے ڈرو کہ اگر تم پختہ ارادہ کرو گے تو وہ اس پر تم کو سزا دے گا اور یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے ڈرنے والے کو معاف کرنے والا بردبار ہے مستحق عذاب سے عذاب کو مؤخر کر کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ، فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ کی تفسیر اِنْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ، سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں بلوغ کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی مدت کا ختم ہو جانا، اس لئے کہ نکاح سے روکنے کا سوال عدت کے ختم ہونے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے، بخلاف سابقہ آیت کے کہ اس میں بلوغ کے مجازی معنی، قُرْب، کے مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے بَلَغْنَ کے معنی قَارَبْنَ سے کیے ہیں، اس لئے کہ امساک فی النکاح اسی وقت تک ممکن ہے جب تک کہ عدت ختم نہ ہوئی ہو عدت ختم ہونے کے بعد امساک ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: لَا تَعْضُلُوْهُنَّ، فعل نہی جمع مذکر حاضر، هُنَّ، ضمیر جمع مؤنث غائب، تم ان کو نہ روکو، (ن) عَضْلًا سختی سے روکنا۔

قَوْلُهُ: خطابٌ لِلاولیاءِ اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو لَا تَعْضُلُوْا، کا مخاطب طلاق دینے والے شوہروں کو قرار دیتے ہیں یعنی طلاق دینے والے شوہروں کو چاہئے کہ اپنی مطلقاؤں کو نکاح کرنے سے نہ روکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اَزْوَاجَهُنَّ کے معنی مجازی یعنی مایؤول (ہونے والے) کے اعتبار سے ازواج مراد لینا ہوگا، اور اگر فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ، کا مخاطب اولیاء کو قرار دیا جائے تو اَزْوَاجَهُنَّ کے معنی حقیقی یعنی ان کے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، یہاں شوہر سے مراد ما کان، کے اعتبار سے ہوگا اور یہ حقیقی معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فَلَا تَعْضُلُوْا، کے مخاطب اولیاء ہیں نہ کہ سابقہ شوہر اس لئے کہ سبب نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ روکنے والے اولیاء ہی تھے۔

قَوْلُہٗ: شرعًا یعنی اگر مطلقہ عورتیں شریعت کے مطابق نکاح کریں تو ان کو نہیں روکنا چاہئے اور خلاف شرع نکاح کریں تو اولیاء کو روکنے کا حق۔

قَوْلُہٗ: مافیه من المصلحة، اس میں اشارہ ہے کہ یعلمُ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیُرْضِعْنَ، یُرْضِعْنَ، کی تفسیر لِیُرْضِعْنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور ایسا مبالغہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بعدھم اس تقدیر کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ اَلَّذِیْنَ الخ مبتداء ہے اور یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ، جملہ ہو کر اس کی خبر ہے خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے اسی اشکال کا جواب دیا ہے کہ عائد محذوف ہے اور وہ بَعْدَھُمْ، ہے ای بعد الازواج.

قَوْلُہٗ: مِنَ اللیالی.

سُوَال: من اللیالی کی تخصیص کس وجہ سے کی گئی ہے جب کہ عام طور پر ایام کا ذکر کیا جاتا ہے، چار مہینے دس دن بولا جاتا ہے نہ کہ چار مہینے دس راتیں۔

جَوَاب: بعض احکام مثلاً حج، روزہ، عیدین، عدت کا تعلق قمری تاریخوں سے ہے اور قمری تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے دن رات کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا رات کے ضمن میں دن خود بخود شامل ہے، اگر اس کا عکس ہوتا تو قمری تاریخ ناقص ہوتی ہے اسی لئے مفسر علام نے من اللیالی کی قید کا اضافہ فرمایا، شمار اور گنتی کے اعتبار سے اسلامی کیلنڈر میں دن کو رات کے تابع مانا گیا ہے، سوائے یوم عرفہ کے کہ حکم کے اعتبار سے رات کو دن کے تابع مانا گیا ہے یعنی نویں ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات وقوف عرفہ کے اعتبار سے دن کے حکم میں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَرْبَعَةَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا، عام ہونے کی وجہ سے وہ اس عورت کو بھی شامل ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اس میں حاملہ اور غیر حاملہ نیز آزاد اور باندی سب داخل ہیں مگر آیت طلاق کی وجہ سے حاملاؤں کو اس سے خارج کر دیا گیا ہے، آیت طلاق یہ ہے: ''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ'' اور باندیاں حدیث، عِدَّتُھَا حَیْضَتَانِ'' کی وجہ سے خارج ہو گئیں۔

قَوْلُہٗ: عالم بباطِنِه، اس اضافہ کا مقصد شبہ تکرار کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور یہاں فرمایا گیا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے جو کہ بمنزلہ تکرار کے ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے دونوں میں فرق کو واضح کرنے کے لئے بباطنه کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: لَوْحَتُّمْ، یہ تلویح سے ماخوذ ہے اس کے معنی اشارہ سے کام لینا۔

تَفْسِیرو تَشرِیح

ربط آیات:

سابقہ دو آیتوں میں قانون طلاق کی اہم دفعات کو بیان فرمایا، اب مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں چند احکام و مسائل کا ذکر ہے۔

مَسْئَلَہ: جب مطلقہ رجعی کی عدت گذرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں ایک یہ کہ رجعت کر کے اپنی بیوی بنالے اور دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور عدت گذرنے دے تاکہ عورت آزاد ہو جائے، لیکن یہ دونوں کام خوش اسلوبی اور شرعی قاعدہ کے مطابق ہونے چاہئیں سورۂ طلاق کی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجعت پر دو عادل معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے "وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ"۔

شان نزول:

فی لباب النقول روی البخاری و ابو دائود و الترمذی وغیرهم، حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن جمیلہ بنت یسار کا نکاح بداح بن عاصم بن عدی سے کر دیا تھا بعض روایتوں میں جمیلہ کے بجائے حوا منقول ہے آپس میں کسی وقتی رنجش کی وجہ سے بداح بن عاصم نے جمیلہ کو طلاق رجعی دیدی، جس کی عدت بھی گذر گئی، بیوی نکاح سے خارج ہوئی شوہر کو اپنی حرکت پر شرمندگی ہوئی اور دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو معقل بن یسار نے صاف اور سخت جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر کے تیرا اکرام کیا، اور تو نے اس کو طلاق دیدی واللہ اب وہ تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی، اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے "فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ" (الآیة) نازل فرمائی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ جابر بن عبد اللہ کی چچا زاد بہن کا بھی پیش آیا تھا دونوں واقعے نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم مطلقہ عورتوں کو ان کے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، خواہ پہلے ہی شوہر ہوں جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے یا دوسرے لوگ، نکاح میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے بغیر رضامندی، زور زبردستی سے، نکاح درست نہیں ایسی صورت میں اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے، اور فریقین کی رضامندی بھی شرعی قاعدے اور دستور کے مطابق ہو، اگر شرعی قاعدہ کے خلاف باہمی رضامندی سے نکاح کرنے لگیں تو اولیاء وغیرہ کو روکنے کا حق ہے۔

فَائِدَہ: وَالْوَالِدَاتُ سے صرف وہ عورتیں مراد ہیں جنہیں طلاق دی گئی ہو یا مطلقاً ہر ماں مراد ہے؟ بعض کے نزدیک مطلقہ عورتیں مراد ہیں اس لئے کہ سابق سے ان ہی کا ذکر چل رہا ہے اور بعضوں کے نزدیک سب مائیں مراد ہیں اس لئے کہ لفظ عام ہے اور غرض بھی مشترک ہے، مگر نفقہ کی قید سے وہ عورتیں خارج ہو گئیں جو نکاح یا عدت میں ہوں، اس لئے کہ

ان کا نفقہ تو یوں ہی واجب ہے دودھ پلائیں یا نہ پلائیں۔

مَسْئَلَۃٌ: وہ عورت جس کا نفقہ بطور نکاح یا عدت شوہر کے ذمہ ہے اگر اجرت پر اپنے بچہ کو دودھ پلائے تو معاملہ صحیح اور اجرت غیر لازم ہوگی اس لئے کہ عورت نے حق واجب ادا کیا ہے۔ (ھدایہ)

مَسْئَلَۃٌ: اگر ماں اپنے بچہ کو دودھ نہ پلائے اور باپ دایہ سے پلوا سکتا ہو تو ماں مجبور نہ کی جائے گی، اس لئے کہ بے ضرورت مستحب ہے واجب نہیں۔ (ھدایہ)

فَائِدَہ: ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو تو اس کے ذمہ دیانۃ یعنی عند اللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے، جب کہ وہ منکوحہ یا عدت میں ہو، اجرت لینا درست نہیں: "والوالدات یُرضِعنَ" میں یہی مسئلہ مذکور ہے۔ اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی ہو تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے اس پر جبر نہ کیا جائے **لَا تُضَارَّ وَالِدَۃٌ** میں یہ صورت بھی شامل ہے، البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ نہ لیتا ہو اور نہ اوپر کا دودھ پیتا ہو اور نہ کوئی دوسری غذا لیتا ہو تو ایسی صورت میں ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور کیا جائے گا **لا مولود لهٗ بولدہٖ** میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کو جائز نہیں کہ ماں کو دودھ پلانے سے روکے البتہ اگر اس کے دودھ میں خرابی ہے جو بچے کے لئے مضر ہے تو باپ کے لئے جائز ہے کہ ماں کو دودھ نہ پلانے دے اور کسی انا سے پلوائے **وَاِن اردتم أن تسترضعوا** میں بھی یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: ماں دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے سو اگر وہ شوہر کے نکاح میں یا عدت میں ہے تو ان دونوں حالتوں میں اجرت لینا جائز نہیں، بلکہ قضاءً بھی مجبور کی جائے گی کہ دودھ پلائے، **ولا مولود لهٗ بولدہ،** میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر طلاق کے بعد عدت گذر جائے اور وہ اجرت طلب کرے اگر دوسری انا سے اتنی ہی اجرت پر پلواتا ہے تو تب تو ماں مقدم ہے، **لا تضار والدۃ،** میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے اور اگر دوسری انا ماں سے کم اجرت میں پلاتی ہے تو ماں کو یہ حق نہیں کہ خود پلائے اور زیادہ اجرت لے **لا مولود لهٗ** میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مرجائے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی کے مال میں اس کا خرچ ہوگا، اور اگر مال کا مالک نہیں ہے تو اس کا نفقہ مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ کا ان سے ایسا رشتہ ہے کہ اگر اس رشتہ دار اور بچہ میں سے ایک کو عورت فرض کیا جائے تو باہم نکاح درست نہ ہو اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہے یعنی اگر یہ بچہ مرجائے تو محرم رشتہ داروں میں دیکھا جائے کہ اس کے مال میراث میں کس کس کو کتنا کتنا پہنچتا ہے پس ایسے محرم رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہے اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے مثلاً ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے تو اس کا خرچ ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ کیوں کہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث اسی نسبت سے پاتے بھی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (الآية) یہ اس بیوہ کی عدت کا بیان ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو۔

مَسْئَلَہ: جس کا خاوند انتقال کر جائے اس عورت کو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگار کرنا، سرمہ، تیل بلا ضرورت دوا لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں، نکاح کے بارے میں صریح گفتگو بھی درست نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے، اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں۔

مَسْئَلَہ: اگر چاند رات کو خاوند کی وفات ہوئی ہو تب تو یہ مہینے خواہ انتیس کے ہوں یا تیس کے چاند کے حساب سے پورے کیے جائیں گے اور اگر چاند رات کے بعد وفات ہوئی ہو تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کیے جائیں گے کل ایک سو تیس دن پورے کرے گی اور جب وہی وقت آئے گا جس وقت وفات ہوئی تھی تو عدت پوری ہو جائے گی۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وفی قراءةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ ای تُجَامِعُوْهُنَّ اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً مهرًا وما مصدرية ظرفية ای لَاتَبِعَةَ عليكم في الطلاق زمن عدم المسيس والفرض باثم ولا مهر فطلّقوهنّ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ای اَعْطُوْهُنَّ ما يتمتّعن به عَلَى الْمُوْسِعِ الغنیّ منكم قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ الضيق الرزق قَدَرُهٗ يفيد انّه لا نظر الى قدر الزوجة مَتَاعًا تمتيعًا بِالْمَعْرُوْفِ شرعًا صفة متاعًا حَقًّا صفة ثانية او مصدرٌ مؤكّد عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴿۲۳۶﴾ المطيعين وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ يجب لهنّ ويرجع لكم النصف اِلَّآ لكن اَنْ يَّعْفُوْنَ اى الزوجات فيتركنه اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وهو الزوج فيترك لها الكلّ وعن ابن عبّاس رضى الله تعالى عنه الولىّ اذا كانت محجورةً فلا حرج فى ذلك وَاَنْ تَعْفُوْٓا مبتدأ خبره اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اى ان يتفضّل بعضكم على بعض اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴿۲۳۷﴾ فيجازيكم به حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ الخمس بادائها فى اوقاتها وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى هى العصر كما فى الحديث رواه الشيخان او الصبح او الظهر او غيرها اقوالٌ وافردها بالذكر لفضلها وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ فى الصلوة قٰنِتِيْنَ﴿۲۳۸﴾ قيل مطيعين لقوله صلى الله عليه وسلم كُلُّ قنوتٍ فى القرآن فهو طاعة رواه احمد وغيره وقيل ساكتين لحديث زيد بن ارقم كُنَّا نتكلّم فى الصلوة حتى نزلت فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام رواه الشيخان فَاِنْ خِفْتُمْ من عدوٍّ او سيلٍ او سبعٍ فَرِجَالًا جمع راجلٍ اى مشاةً صلّوا اَوْ رُكْبَانًا جمع راكبٍ اى كيف امكن مستقبلى القبلة وغيرها ويؤمى بالركوع والسجود فَاِذَآ اَمِنْتُمْ من الخوف فَاذْكُرُوا اللّٰهَ اى صلّوا كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴿۲۳۹﴾ قبل تعليمه من فرائضها وحقوقها والكاف بمعنى مثل وما موصولة او مصدرية وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا فليوصوا وَّصِيَّةً وفى قراءة بالرفع اى عليهم لِّاَزْوَاجِهِمْ ويعطوهنّ مَّتَاعًا ما يتمتّعن به من النفقة والكسوة اِلَى

تمام **اَلْحَوْلِ** من موتهم الواجب عليهن تربصه **غَيْرَ اِخْرَاجٍ** حال اى غير مخرجات من مسكنهن **فَاِنْ خَرَجْنَ** بانفسهن **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** يا اولياء الميت **فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ** شرعًا كالتزين وترك الاحداد وقطع النفقة عنها **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فى ملكه **حَكِيْمٌ** ﴿۲۴۰﴾ فى صنعه والوصية المذكورة منسوخة بآية الميراث وتربص الحول بآية اربعة اشهر وعشرًا السابقة المتاخرة فى النزول والسكنى ثابتة لها عند الشافعى **وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ** يعطينه **بِالْمَعْرُوْفِ** بقدر الامكان **حَقًّا** نصب بفعله المقدر **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۲۴۱﴾ الله كرره ليعم الممسوسة ايضا اذ الاية السابقة فى غيرها **كَذٰلِكَ** كما بين لكم ما ذكر **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴۲﴾ تتدبرون.

ترجمہ: اور جب تک تم عورتوں سے نہ لگو، اور ایک قراءت میں تُمَاسُّوْهُنَّ ہے ای تُجَامِعُوْهُنَّ (یعنی قبل اس کے کہ تم ان سے جماع کرو) اور ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اگر تم ان کو طلاق دیدو تو تم پر کوئی حرج نہیں، مَا مصدریہ ظرفیہ ہے یعنی ہاتھ نہ لگانے اور مہر مقرر نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ مہر واجب، اگر ان کو طلاق دو تو ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ یعنی ان کو کچھ دو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور تم میں سے خوشحال لوگوں پر اپنی مقدرت کے مطابق اور ناداروں تنگ دستوں پر ان کی وسعت کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے بالمعروف، مَتَاعًا کی صفت (اول) ہے یہ حق ہے خوش اخلاق لوگوں پر یعنی اطاعت گذاروں پر حَقًّا، مَتَاعًا، کی صفت ثانیہ ہے یا مصدر مؤکد ہے اور اگر تم نے عورتوں سے لگنے سے پہلے طلاق دیدی اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ان کے لئے واجب ہے اور نصف تمہارے لئے واپس ہوگا، الا یہ کہ بیویاں معاف کردیں اور چھوڑ دیں یا وہ شخص کہ جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے معاف کردے اور وہ شخص شوہر ہے کہ بیوی کے لئے پورا مہر چھوڑ دے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ شخص (عورت) کا ولی ہے (جب کہ) عورت اس معاملہ میں معذور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر تم معاف کردو تو یہ تقوے کے لئے زیادہ قریب ہے اَنْ تَعْفُوْا، مبتداء ہے اور "اقرب للتقوى" اس کی خبر ہے اور آپس میں معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو یعنی ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی سے کام لو، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظروں میں ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا پنج وقتہ نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور وہ عصر کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (رواہ الشیخان) یا صبح کی یا ظہر کی نمازیں مراد ہیں، یا ان کے علاوہ (کوئی اور نماز مراد ہے) یہ چند اقوال ہیں اور درمیانی نماز کا اس کی فضیلت کی وجہ سے مستقل طور پر ذکر کیا ہے اور اللہ کے لئے نماز میں باادب کھڑے رہو کہا گیا ہے کہ اطاعت گذاروں کی طرح (کھڑے رہو) آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے (لفظ) قنوت جو قرآن میں مذکور ہے اس سے مراد اطاعت ہے، احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ کھڑا رہنا مراد ہے، زید بن ارقم کی حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ ہم نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے تا آں کہ

یہ آیت نازل ہوئی (جس میں) ہم کو سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا، (رواہ الشیخان) اور اگر تم کو دشمن کا یا سیلاب کا یا درندے کا خوف ہو تو خواہ پیدل زمین پر، رِجَالًا، راجلٌ کی جمع ہے یا سواری پر (جس طرح ممکن ہو) نماز پڑھ لیا کرو، رُکْبَانًا راکبٌ کی جمع ہے (مطلب یہ کہ) جس طرح ممکن ہو مستقبل قبلہ ہو یا نہ ہو، اور رکوع سجدہ کے لئے اشارہ کر لیا کرو، اور جب تم خوف سے مامون ہو جاؤ تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم کو بتائی گئی ہے بتانے سے پہلے اس کے فرائض اور حقوق کو تم نہیں جانتے تھے، اور کاف بمعنی مثل ہے اور ما، موصولہ یا مصدریہ ہے اور تم میں سے وہ لوگ جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور ایک قراءت میں وَصِيَّةٌ رفع کے ساتھ ہے ای وَصِيَّةٌ عَلَيْهِمْ اور ان کو کوئی کارآمد چیز دے جائیں جس سے وہ پورے سال تک ان کی موت کے وقت سے جس میں ان پر (عدت کے لئے) انتظار کرنا واجب ہے فائدہ اٹھائیں مثلاً نفقہ اور لباس حال یہ ہے کہ ان کو ان کی قیام گاہوں سے نکالا نہ جائے (غَيْرَ اِخْرَاجٍ) حال ہے البتہ اگر وہ از خود نکل جائیں تو اے اس میت کے اولیاء تم پر کوئی گناہ نہیں تو وہ (حول کے بعد) اپنی ذات کے معاملہ میں شرعی دستور کے مطابق جو کچھ کریں مثلاً سنگار، ترک سوگ، اور اپنا نان نفقہ از خود ترک کر دینا، اللہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور مذکورہ وصیت، آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے اور ایک سال کی عدت، اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، سے منسوخ ہے جو کہ نزول میں مؤخر ہے (اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے) اور عورت کے لئے سُکْنٰی (جائے سکونت) امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک واجب ہے اور مطلقہ کو کچھ کارآمد چیزیں جن کو شوہر دستور کے مطابق بقدر گنجائش دیں، یہ حق ہے اللہ سے ڈرنے والوں پر (حَقًّا) فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اس کو مکرر لائے ہیں تاکہ موطوءہ کو بھی شامل ہو جائے، اس لئے کہ سابقہ آیت غیر موطوءہ کے بارے میں ہے جس طرح سابق میں بیان کیا گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ، مفسر علام نے لَمْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَمْ کا مدخول تَمَسُّوْهُنَّ، پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جب تک مسیس اور تعریض مہر نہ پائی جائے تو طلاق میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ بات طے ہے کہ اَوْ، جب سیاق نفی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ تَفْرِضُوْا، اَنْ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ خلاف ظاہر ہے اور اس لئے کہ اس صورت میں اَنْ مقدر ماننا ہوگا اور اَوْ بمعنی اِلَّا یا اِلٰی، لینا ہوگا۔

قَوْلُهٗ: فَرِيْضَةً، فَرِيْضَةً، بمعنی مفروضہ ہے نہ کہ مصدر اس لئے کہ فَعِيْلَةٌ کے وزن پر مصدر نادر ہے فَرِيْضَةً، تَفْرِضُوْنَ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مفروض سے مراد مہر ہے، فَرِيْضَةٌ، میں تاء وصفیت سے اسمیت کی

طرف منتقل ہونے کی بحث آچکی ہے۔

قولہ: مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مس کی نسبت مرد کی جانب کی گئی ہے حالانکہ مس دونوں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی عورت کی جانب سے بھی اقدام ہوتا ہے۔

جواب: مرد چونکہ اس معاملہ میں قوی تر ہے اور اکثر اسی کی طرف سے اقدام ہوتا ہے اس لئے مرد کی جانب فعل کی نسبت کردی ہے ورنہ حکم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

قولہ: ما مصدرية ظرفية، اقرب یہ ہے کہ ما شرطیہ بمعنی ان ہے نہ کہ مصدریہ ظرفیہ کما قال المفسر علام رحمہ اللہ تعالیٰ اس لئے کہ ظرفیت کے لئے اس جگہ ہوتا ہے جہاں امتداد ممکن ہو جیسے "خالدين فيها ما دامت السموات والارض" اس لئے کہ خلود میں شان امتداد ہے بخلاف ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن، میں کہ طلاق میں امتداد نہیں ہے۔

قولہ: ای لا تبعة عليكم، لا جناح، کی تفسیر، لا تبعة سے کرکے اشارہ کردیا کہ جُنَاحٌ سے مراد مطلق مؤاخذہ ہے نہ کہ صرف مؤاخذۂ اخروی یا صرف مؤاخذۂ دنیوی اول تو یہ تخصیص بلا دلیل ہے دوسرے یہ کہ اگر آخرت کا گناہ مراد لیا جائے تو اس میں نفی مہر شامل نہیں ہوسکتی یعنی نفی مہر پر بھی بالاتفاق دال ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: والفرض، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ او تفرضوا لهن، میں او بمعنی واو ہے اور طلاق دینے والے شوہر پر مہر واجب نہ ہونے کا تعلق عدم مسیس اور عدم فرض دونوں سے ہے نہ کہ ایک سے اس لئے کہ اگر مسیس پایا گیا تو پورا مہر واجب ہوگا اور اگر فرض مہر یعنی تعیین مہر پائی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا، مہر کا عدم وجوب تو اسی صورت میں ہوگا جب کہ مسیس اور تعیین دونوں معدوم ہوں۔

قولہ: فَطَلِّقُوْهُنَّ

سوال: مفسر علام نے فطلقوهن، کس مقصد سے محذوف مانا ہے۔

جواب: اگر طلقوهن، محذوف نہ مانا جائے تو مَتِّعُوْهُنَّ کا عطف تفرضوا، پر ہوگا اور یہ عطف انشاء على الخبر ہوگا، جو کہ مستحسن نہیں ہے اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے طلقوهن، مقدر مانا ہے تاکہ عطف انشاء علی الانشاء ہوجائے۔

قولہ: يعتبر ذلك لا نظر الى قدر الزوجة، على الموسع اور على المقتر چونکہ دونوں مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اس لئے ان سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ متعہ میں شوہر کی حیثیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ بیوی کی حیثیت کا یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مفتی بہ ہے۔ (صاوی)

قولہ: صفة متاعا، یعنی بالمعروف محذوف کے متعلق ہوکر متاعا کی صفت اول ہے، اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: مَتَاعًا، موصوف ہے اور حَقًّا، اس کی صفت ہے اور درمیان میں بالمعروف کا فصل ہے جو فصل بالاجنبی ہے۔

جَوَابٌ: یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے بلکہ بالمعروف، مَتَاعًا، کی صفت اول ہے اور حقًّا، مصدر موکّد ہے جملہ سابقہ کے مضمون کے لئے اس کا عامل وجوباً محذوف ہے، ای حَقَّ ذَالِكَ حَقًّا.

قَوْلُهٗ: وَيَرْجِعُ لكم النصف.

سُوَال: مذکورہ عبارت کو مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: اِلَّا، استدراک کے لئے ہے جیسا کہ مفسر علام نے اِلَّا، کی تفسیر لٰکِنَّ، سے کرکے اشارہ کردیا ہے حالانکہ ماقبل میں مستدرک منہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے کہ نصف کا سقوط اور اس کا عفوان کے استحقاق کی جنس سے نہیں ہے اس لئے وَيَرْجِعُ لكم النِصفَ، کو محذوف مانا تاکہ استدراک صحیح ہوجائے۔

قَوْلُهٗ: يجبُ لَهُنَّ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ، شرط کی جزاء ہے اور جملہ ناقصہ ہے حالانکہ جزاء کے لئے جملہ تامہ ہونا ضروری ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے يَجِبُ لَهُنَّ، مقدر مان کر جملہ کو تامہ کردیا تاکہ اس کا جزاء بننا درست ہوجائے۔

قَوْلُهٗ: يَعْفُوْنَ، عفوٌ سے مضارع جمع مؤنث غائب، معاف کردیں وہ عورتیں۔

قَوْلُهٗ: يَعْفُوَ، مضارع واحد مذکر غائب منصوب، وہ معاف کردے۔

قَوْلُهٗ: عن ابن عباس رَضِّوَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، الولی، اِذَا كانت محجورةً، اس عبارت کا مقصد، اَلَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، میں اختلاف کو بیان کرنا ہے، اختلاف یہ ہے کہ ولی عفو کون ہے؟ شوہر یا عورت کا ولی؟ امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مَنْ بیدہ عقدة النکاح سے مراد شوہر ہے اور ابن عباس کے نزدیک عورت کا ولی مراد ہے اگر عورت معذور یعنی نابالغ یا مجنونہ ہو امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کے مذہب کو ترجیح دینے کے لئے مفسر علام نے وَهُوَ الزوج فرمایا قرینہ اس کا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ہے، اس لئے کہ عورت کے معذور ہونے کی صورت میں عورت کے ولی کا مہر کو معاف کرنا تقوی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں نقصان محض ہے۔

تفسیر و تشریح

طلاق قبل الدخول کے احکام:

طلاق قبل الدخول کا مطلب یہ ہے کہ یکجائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے، اس کی دوصورتیں ہیں، یا تو بوقت نکاح مہر کی مقدار مقرر نہ کی گئی یا کی گئی، پہلی صورت کا حکم "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طلقتم النساء" (الآیة)

میں مذکور ہے طلاق کی مہر اور صحبت کے اعتبار سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے دو کا حکم ان آیات میں بیان کیا گیا اور دوہ بعد والی آیت میں مذکور ہے، ایک یہ کہ نہ مہر مقرر ہو نہ صحبت وخلوت ہوئی ہو، دوسری صورت یہ کہ مہر تو مقرر ہو لیکن صحبت وخلوت کی نوبت نہ آئی ہو، تیسری صورت یہ کہ مہر بھی مقرر ہو اور صحبت بھی ہوئی ہو، اس صورت میں مقرر وہ مہر پورا دینا ہوگا، یہ حکم قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے، چوتھی صورت یہ کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی ہو اس صورت میں مہر مثل پورا دینا ہوگا۔

مذکورہ آیت میں پہلی دو صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر تو واجب نہیں مگر شوہر پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے کچھ دیدے کم از کم ایک جوڑا ہی دیدے، دراصل قرآن کریم نے اس عطیہ کی کوئی مقدار معین نہیں کی البتہ یہ بتلا دیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے جس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ صاحب وسعت تنگی سے کام نہ لے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے ہی ایک واقعہ میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار کا عطیہ دیا تھا، اور قاضی شریح نے پانچ سو درہم کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ادنی یہ ہے کہ ایک جوڑا کپڑے کا دیدے۔

سبب نزول:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ، کا شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے بلا تعیین مہر نکاح کیا اور قبل الدخول اس کو طلاق دیدی عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، آپ نے فرمایا، امتعها ولو بقلنسوتك، اس کو متعہ دو اگرچہ تیری ٹوپی ہی کیوں نہ ہو۔ (حاشیہ جلالین)

فَائِدَة: متعہ یعنی ایک جوڑا جس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زائد نہ ہو۔ (خلاصة التفاسير)

بحث: متعہ امام مالک رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ کلمہ مُحْسِنِيْن سے مفہوم ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ واجب کہتے ہیں جیسا کہ کلمہ حقًا، سے سمجھا جاتا ہے اور محسن بمعنی مؤمن ہے۔

سُؤَال: موطوءہ کو متعہ دینا مستحب ہے یہ کیسے معلوم ہوا؟

جَوَاب: یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ تحلیل فرج بغیر مال کے نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ، لہٰذا جب مال مذکور ہو یا نکاح مع وطی حقیقۃ یا مجازاً پائی جائے تو مال جسے مہر کہتے ہیں واجب ہوگا، اور اگر صرف نکاح پایا جائے تو اس وجہ سے کہ تحلیل فرج حقیقۃ نہیں ہوئی مہر واجب نہ ہوگا، اور اس لئے کہ صورت تحلیل ہوئی ہے اس کے عوض کچھ مال جس کو متعہ کہا گیا ہے مقرر کیا گیا، پس متعہ کی اصل عدم مہر اور شرط عدم وطی ہے جب دونوں پائے جائیں گے تو متعہ واجب ہوگا، اور جب دونوں نہ پائے جائیں گے متعہ نہ ہوگا، جب ایک پایا جائے گا تو دونوں دلیلوں پر نظر کرتے ہوئے استحباب کا حکم دیا جائے گا۔

مقدار متعہ مختلف فیہ ہے:

مظہری میں ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ اعلیٰ درجہ متعہ کا یہ ہے کہ غلام دے اور ادنیٰ درجہ ایک جوڑا ہے اور امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وشافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، مگر حنفیہ نے اپنے اندازے کے دو شاہد قرار دیئے ہیں۔

❶ آثار منقولہ، جیسا کہ حضرت عائشہ رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور سعید سے تفسیر مظہری میں منقول ہے۔

❷ قیاس، اس لئے کہ متعہ مہر کی فرع ہے اور مہر قبل الوطی نصف ملتا ہے اور نصف مہر پانچ درہم سے کم نہیں ہو سکتا، اور یہی ادنیٰ درجہ متعہ کا ہے، اور جب مہر مذکور نہ ہو تو مہر مثل دیا جاتا ہے اور یہی اعلیٰ درجہ قرار پایا، بہر حال ادنیٰ درجہ سے کم نہ ہو، اور اعلیٰ درجہ مہر کے اعلیٰ درجہ سے زائد نہ ہو "خیر الامور اَوْسَاطُھَا".

مَسْئَلَۃٌ: قبل الوطی طلاق جائز ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: بغیر تعیین مہر نکاح درست ہے حتی کہ نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح درست ہے مگر مہر مثل واجب ہوگا۔

مَسْئَلَۃٌ: مہر صرف نکاح سے واجب نہیں ہوتا جب تک کہ وطی یا ذکر مہر نہ ہو، البتہ مال کی ایک مقدار واجب ہو جاتی ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: ادائے مال واجب ہو جاتا ہے مہر ہو یا متعہ۔

مَسْئَلَۃٌ: حق جس پر واجب ہو اس کی حالت استطاعت معتبر ہوگی صاحب حق کی استطاعت معتبر نہ ہوگی، موسع اور مقتر، دونوں مذکر کے صیغہ بیان فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ مرد کی استطاعت مراد ہے۔ (خلاصہ، شرح وقایہ)

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ، (الآیۃ) اگر تم عورتوں کو چھونے (وطی یا خلوۃ صحیحہ) سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا ادا کرو، البتہ اگر عورتیں یہ آدھا مہر بھی چھوڑ دیں یا جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے وہ در گذر کرے تو نہ دو، فَرِیْضَۃً، سے مراد مہر اور فرض کرنے سے مراد مہر کا ذکر کرنا ہے خواہ مقدار معین ہو یا نہ ہو پس اگر مقدار بھی معین ہے تو اس کا آدھا دینا آسان ہے اور اگر مقدار معین نہیں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا سوال یہ ہے کہ مثل کس کا اور کن چیزوں میں معتبر ہے؟ اس شعر میں مذکور ہے۔

مثل ہیں اقربائے آبائی یہ زر و حسن و عمر و دانائی

اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ، کعب اور سعید نے کہا یہ زوج ہے اور ابن عباس اور طاؤس ومجاہد کی روایت میں عورت کا باپ یا بھائی یا ولی ہے۔

فَائِدَۃ: اگر اس سے شوہر مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ خواہ عورت معاف کر دے اور کچھ نہ لے، خواہ مرد پورا مہر دیدے، یا دیا ہوا ہو تو نصف واپس نہ لے، اور اگر عورت کے اولیا مراد ہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ عورت بالغہ اپنا حق چھوڑ دے یا عورت نابالغہ یا مجنونہ کا حق اس کے اولیاء چھوڑ دیں۔

مسئلہ: اس صورت میں چھوڑنے والے عورت کے مہر کے ضامن ہوں گے۔

مسئلہ: اگر عورت لونڈی ہو تو اس کا مولیٰ معاف کردے۔ (خلاصة التفاسير)

صلوٰۃ وسطیٰ کی تفصیل:

صاحب تفسیر کبیر نے صلوٰۃ وسطیٰ میں چند مذاہب نقل کیے ہیں، ① پانچوں نمازیں وسطیٰ ہیں، اس لئے کہ عبادات اور حسنات کا متوسط درجہ نماز ہے حدیث میں وارد ہے "الصلوٰة خير موضوع" یعنی نماز سب سے بہتر عبادت ہے، ② فجر کی نماز مراد ہے یہ قول حضرت علی، وحضرت عمر و ابن عباس و جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم وغیرہ کا ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی یہ قول منقول ہے، ③ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز مرد اہے یہ قول زید، عمر، ابوسعید خدری و اسامہ بن زید رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم اور ایک قول ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا ہے، ④ وسطیٰ نماز عصر ہے حضرت علی و ابن مسعود و ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم وغیرہ اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی یہ قول منقول ہے اور زیادہ تر اسی پر اعتماد کیا گیا ہے، ⑤ مغرب کی نماز مراد ہے ابوعبید سلمانی اور ابوقبیصہ سے بھی یہی قول منقول ہے، ⑥ بعض حضرات نے عشاء کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ، زمانۂ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں چار ماہ اور دس دن مقرر ہوئی، مگر اس میں عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی ہے کہ چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور بیوی کا کوئی حصہ میراث میں مقرر نہ ہوا تھا، بلکہ اوروں کے حق کا مدار محض مُردے کی وصیت پر تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ اگر عورت اپنی مصلحت کے مطابق خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو ایک سال تک اس کو رہنے کا حق ہے اور اس کے ترکہ سے اس ایک سالہ مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے گا، مرنے والے شوہروں کو حکم تھا کہ اس قسم کی وصیت کر جایا کریں، چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو وصول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عورت ہی کو تھا اس لئے وارثوں کو تو گھر سے نکالنے کا حق نہ تھا، لیکن خود عورت کے لئے جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے، اور نکاح وغیرہ سب درست تھا، معروف سے یہی مراد ہے البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا، جب آیت میراث نازل ہوئی تو عورت کو ترکہ میں سے اس کا حصہ مل گیا، لہٰذا اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ سے خرچ کرے، اور آیت وصیت منسوخ ہوگئی۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ، ان ہی الفاظ کے ساتھ ایک آیت سابق میں گذر چکی ہے مگر وہاں مطلقات سے وہ عورتیں مراد تھیں کہ جن کو قبل الدخول طلاق دیدی گئی ہو، اگر مہر متعین نہیں تھا تو متعہ کے ذریعہ فائدہ پہنچانا مراد ہے اور اگر مہر متعین تھا تو نصف مہر مراد ہے۔

اس آیت میں ان عورتوں کو فائدہ پہنچانا مراد ہے جن سے خلوت صحیحہ یا وطی ہو چکی ہے اس کے بعد طلاق دی ہے اگر مہر متعین تھا تو فائدہ کا مطلب ہوگا پورا مہر دینا اور جن کا مہر متعین نہیں ہے ان کو فائدہ پہنچانے کا مطلب ہے کہ مثلِ مہر دیا جائے۔

(خلاصة التفاسير)

أَلَمْ تَرَ استفهام تعجيب وتشويق الى استماع ما بعده اى لم ينته علمك إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ اربعة او ثمانية او عشرة او ثلثون او اربعون او سبعون الفا حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول له وهم قوم من بنى اسرائيل وقع الطاعون ببلادهم ففروا فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا فماتوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ بعد ثمانية ايام او اكثر بدعاء نبيهم حزقيل بكسر المهملة والقاف وسكون الزاى فعاشوا دهرا عليهم اثر الموت لا يلبسون ثوبا الا عاد كالكفن واستمرت فى اسباطهم إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ومنه احياء هؤلاء وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾ والقصد من ذكر خبر هؤلاء تشجيع المؤمنين على القتال ولذا عطف عليه وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اى لاعلاء دينه وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ لاقوالكم عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ باحوالكم فيجازيكم مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ بانفاق ماله فى سبيل الله قَرْضًا حَسَنًا بان ينفقه لله تعالى عن طيب قلب فَيُضَاعِفَهُ وفى قراءة فيضعّفه بالتشديد لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً من عشر الى اكثر من سبع مائة كما سياتى وَاللَّهُ يَقْبِضُ يمسك الرزق عمن يشاء ابتلاء وَيَبْسُطُ يوسعه لمن يشاء امتحانا وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾ فى الآخرة بالبعث فيجازيكم باعمالكم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ الجماعة مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ اى الى قصتهم وخبرهم إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ هو شمويل ابْعَثْ اقم لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ معه فِي سَبِيلِ اللَّهِ تنتظم به كلمتنا ونرجع اليه قَالَ النبى لهم هَلْ عَسَيْتُمْ بالفتح والكسر إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا خبر عسى والاستفهام لتقرير التوقع بها قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا بسبيهم وقتلهم وقد فعل بهم ذلك قوم جالوت اى لا مانع لنا منه مع وجود مقتضيه قال تعالى فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا عنه وجبنوا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وهم الذين عبروا النهر مع طالوت كما سياتى وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ فيجازيهم وسال النبى ربه ارسال ملك فاجابه الى ارسال طالوت وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ كيف يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لانه ليس من سبط المملكة ولا النبوة وكان دباغا او راعيا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ يستعين بها على اقامة الملك قَالَ النبى لهم إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ اختاره للملك عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً سعة فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وكان اعلم بنى اسرائيل يومئذ واجملهم واتمهم خلقا وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ايتاءه لا اعتراض عليه وَاللَّهُ وَاسِعٌ فضله عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ بمن هو اهل له وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لما طلبوا منه آية على ملكه إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ الصندوق كان فيه صور الانبياء انزله الله تعالى على آدم واستمر اليهم فغلبتهم العمالقة عليه واخذوه وكانوا يستفتحون به على عدوهم ويقدمونه فى القتال ويسكنون اليه كما قال تعالى فِيهِ سَكِينَةٌ طمانينة لقلوبكم

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ای ترکاہ وہو نعلا موسٰی وعصاہ وعمامۃ ہارون وقفیز من المن الذی کان ینزل علیہم ورضاض الالواح تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ حال من فاعل یاتیکم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ علی ملکہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فحملتہ الملئکۃ بین السماء والارض وہم ینظرون الیہ حتی وضعتہ عند طالوت فاقروا بملکہ وتسارعوا الی الجہاد فاختار من شبانہم سبعین الفًا.

ترجمہ: کیا تم کو ان کے بارے میں معلوم نہیں استفہام تعجب دلانے اور مابعد کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے یعنی تم کو اس کا علم نہیں ہے جو ہزاروں کی تعداد میں موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، ان کی تعداد چار ہزار، یا آٹھ ہزار، یا بارہ ہزار یا تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھی، (حَذَرَ الْمَوْتِ) خَرَجُوا کا مفعول لہ ہے، وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی کہ جن کے شہروں میں طاعون پھوٹ پڑا تھا، تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے ان کو حکم دیا مر جاؤ تو سب کے سب مر گئے، پھر آٹھ یوم یا اس سے زیادہ کے بعد ان کے نبی حزقیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے (اللہ تعالیٰ نے) ان کو زندہ کر دیا، حاء مہملہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اور زاء کے سکون کے ساتھ، تو وہ لوگ ایک زمانہ تک زندہ رہے لیکن ان کے (جسم پر) مردنی کا اثر (زردی) وغیرہ نمایاں تھی، اور جو لباس بھی پہنتے تھے وہ کفن کے مانند ہو جاتا تھا، اور یہ صورت حال ان کی نسل میں مدتوں باقی رہی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، اور اسی میں سے ان لوگوں کو زندہ کرنا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اور وہ کفار ہیں، اور مقصد ان لوگوں کا قصہ ذکر کرنے سے مومنین کی جہاد پر ہمت افزائی ہے، اور اسی وجہ سے اس پر "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کا عطف کیا گیا ہے اور جہاد کرو اللہ کے راستہ میں یعنی اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے، اور خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو خوب سننے والا اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا، اور ایسا کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ اپنے مال کو اس کے راستہ میں خرچ کر کے، اس طریقہ پر کہ مال کو اللہ کے راستہ میں خوش دلی سے خرچ کرے، پس اللہ اس کو خوب بڑھا چڑھا کر عطا فرمانے والا ہے دس گنے سے لے کر سات سو گنے سے زیادہ تک جیسا کہ عنقریب آتا ہے اور ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ جس کی چاہے آزمائش کے طور پر رزق کو روک کر تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہے بطور امتحان روزی وسیع کرتا ہے اور آخرت میں بعث کے ذریعہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا کیا تم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ یعنی کیا تم کو ان کے قصہ اور خبر کا علم نہیں ہوا، جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے جو کہ شمویل تھے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اس کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں تاکہ اس کے ذریعہ ہماری بات پختہ ہو جائے اور اس کی طرف رجوع کریں ان کے نبی نے ان سے کہا کہیں ایسا تو نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ عَسَيْتُمْ، میں سین کے فتحہ اور کسرہ

کے ساتھ (اَلَّا تُقَاتِلُوْا) عسٰی کی خبر ہے اور استفہام متوقع تقریر وتثبیت کے لئے ہے کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا گیا اور ہمارے بچوں سے جدا کیا گیا ان کے قتل وقید ہونے کی وجہ سے، اور یہ معاملہ ان کے ساتھ قوم جالوت نے کیا تھا، مطلب یہ کہ ہمیں اس کی معیت میں قتال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، اور قتال کا مقتضی موجود ہے پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ان میں ایک سے ایک قلیل تعداد کے سوا سب پیٹھ پھیر گئے اور بزدلی دکھا گئے، اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طالوت کی معیت میں نہر عبور کی تھی جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں تو ان کو سزا دیں گے چنانچہ نبی (شمویل نے) اللہ تعالیٰ سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرمالی، اور طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا، تو ان سے ان کے نبی (شمویل) نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ طالوت کو بنادیا ہے تو کہنے لگے اس کی ہمارے اوپر بادشاہت کیسے ہوگی اس سے تو ہم زیادہ حقدار ہیں بادشاہت کے اس لئے کہ وہ (ایک تو) شاہی خاندان سے نہیں ہے اور نہ خاندان نبوت سے ہے اور وہ دباغ (چرم ساز) یا چرواہے تھے، اور اس کو تو مالی خوشحالی بھی نہیں دی گئی کہ جس کے ذریعہ نظام سلطنت کو قائم کرسکے، تو نبی نے ان سے کہا (سنو) اللہ نے اسی کو تمہارا بادشاہ منتخب کیا ہے اور اس کو علمی اور بدنی برتری بھی عطا فرمائی ہے اور اس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل میں بڑا عالم اور جسمانی طور پر نہایت جمیل اور مکمل تھا، (بات یہ ہے) کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک اس کو عطا کردیتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے اور اس سے بخوبی واقف ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟

جب (بنی اسرائیل نے) شمویل نبی سے اس کی بادشاہت کی نشانی طلب کی تو فرمایا اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں انبیاء کی تصویریں ہیں جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا تھا اور وہ صندوق ان کی نسل میں باقی رہا، اس کے بعد ان پر قوم عمالقہ غالب آگئی اور اس صندوق کو چھین لیا اور وہ اسی صندوق کے ذریعہ اپنے دشمن پر فتح حاصل کیا کرتے تھے، اور قتال کے موقع پر اس کو آگے رکھتے تھے اور اس سے سکون حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں تمہارے قلوب کے لئے طمانینت ہے، تمہارے رب کی جانب سے، اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے یعنی جس کو انہوں نے چھوڑا تھا، اور وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین شریفین تھے، اور آپ کا عصا تھا اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ تھا، اور ایک قفیز مَـنّ تھا جو کہ ان پر (آسمان) سے نازل ہوتا تھا، اور تورات کے کچھ اجزاء تھے، جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، تحملہ، یَاْتِیَکُمْ کے فاعل سے حال ہے بلاشبہ اس میں تمہارے لئے اس کی بادشاہت کی نشانی ہے اگر تم کو یقین ہو چنانچہ فرشتوں نے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اٹھایا اور یہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ اس کو طالوت کے پاس رکھ دیا لہٰذا سب نے اس کی بادشاہت کا اقرار کرلیا اور جہاد کی طرف سبقت کی چنانچہ انہوں نے ان کے نوجوانوں میں سے ستر ہزار کو منتخب کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای لَمْ یَنْتَهِ.

سَوَال: رؤیت علمیہ کا صلہ اِلیٰ نہیں آتا، رؤیت علمیہ متعدی بدو مفعول ہوتی ہے حالانکہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا، میں رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے اور اس کے صلہ میں اِلیٰ واقع ہے۔

جَوَاب: رؤیت علمیہ ہی مراد ہے مگر انتہاء کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اِلی صلہ لانا درست ہے اور اسی وجہ سے یہاں یہ متعدی بدو مفعول نہیں ہے مفسر علام نے، لَمْ یَنْتَهِ، کہہ کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: طاعون، طاعون ایک مہلک وبائی مرض ہے جس میں گلٹی نکلتی ہے خاص طور پر بغل میں اس مرض میں چند ہی روز میں انسان مرجاتا ہے بلادھم، بلاد سے مراد شہر یا قریہ ہے جو واسط کے علاقہ میں تھا اور اس کا نام ذاوردان تھا۔

قَوْلُہٗ: فَمَاتوا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، ثُمَّ اَحْیَاهم کا عطف فَمَاتُوا، مقدر پر ہے، جس کا مقام متقاضی ہے اس لئے کہ اِحْیَاء کے لئے اول موت ضروری ہے ثُمَّ، کے ذریعہ عطف کرکے اشارہ کردیا کہ مرنے کے کافی دن کے بعد ان کو زندہ کیا گیا۔

قَوْلُہٗ: حزقیل، حزقیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تیسرے خلیفہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: مِنْهُ، ای مِنَ الفضل.

قَوْلُہٗ: اَلَّا تُقَاتِلُوا، خبرُ عَسَیٰ.

تَرْكِیْب: عَسَیْتُمْ، حرف ترجی فعل ماضی، اس کے اندر ضمیر جو اس کا اسم ہے اِنْ حرف شرط، كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ، جملہ ہو کر شرط، فلا تبادرون الی القتال جواب شرط محذوف، شرط جزاء سے مل کر عسیٰ کے اسم و خبر کے درمیان جملہ معترضہ، اَلَّا تُقَاتِلُوا، عسیٰ، کی خبر عَسَیْتُمْ اپنے اسم و خبر سے مل کر قَالَ، کا مقولہ۔

قَوْلُہٗ: رُضاض، بالضم تورات کے اجزاء ٹکڑے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ، (الآیة) عربی زبان میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے کہ جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کے طرف توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے، اور رویت سے ہمیشہ رویت بچشم سر ہی مراد نہیں ہوتی، بلکہ کبھی غور و فکر اور تامل و تخیل بھی مراد ہوتا ہے، اور جب اس فعل کا صلہ اِلَـی آتا ہے تو کوئی اہم نتیجہ نکالنا مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی

رویت کورویت قلبی کہا جاتا ہے وإذا عُدِّیَ رأیت بالٰی اقتضٰی معنی النظر المؤدی الی الاعتبار (راغب) اور کبھی اس کلام سے اظہار تعجب بھی ہوتا ہے، هذا كلام جرىٰ مجرى المثل فى معنى العجيب. (کشاف)

مذکورہ تین آیتوں میں ایک عجیب انداز میں اللہ تعالیٰ نے راہ حق میں جانی و مالی قربانی پیش کرنے کی ہدایت کی ہے، اور ان احکام و ہدایات سے پہلے تاریخ عالم کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ موت و حیات تقدیر الٰہی کے تابع ہے جنگ و جہاد میں جانا موت کا سبب نہیں اور بزدلی سے جان چرانا موت سے بچنے کا ذریعہ نہیں تفسیر ابن کثیر میں سلف صحابہ اور تابعین کے حوالہ سے اس واقعہ کی تشریح یہ بیان کی گئی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایک شہر میں یا بستی میں رہتی تھی، عاصم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے قول کے مطابق یہ لوگ واسط کے قریب ایک فرسخ کے مسافت پر ذاوردان کے رہنے والے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ یہ دس ہزار کے قریب تھے ابن عباس کے قول کے مطابق چار ہزار تھے، اچانک ان کی بستی میں طاعون پھوٹ پڑا چنانچہ موت کے خوف سے بستی سے نقل ہو کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں دو فرشتے بھیجے جو اس میدان کے کناروں پر آ کھڑے ہوئے ایک بالائی کنارے پر اور دوسرا زیریں کنارے پر، ان دونوں نے اللہ کے حکم سے کہا "مُوْتُوْا" فرشتوں کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب مر گئے، اور جب تک اللہ نے چاہا یہ مردہ پڑے رہے ایک زمانہ کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر جن کا نام حزقیل بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو ان لوگوں کا واقعہ بتایا، حضرت حزقیل عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے ان کے لئے زندہ کرنے کی دعاء کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔

بنی اسرائیل کے بادشاہ نے جہاد کا حکم دیا تھا، لوگ عذر کرنے لگے کہ جہاں آپ ہم کو لے جاتے ہیں وہاں تو طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے جب تک وبا ختم نہ ہوگی ہم نہ جائیں گے، اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اشارہ دیا کہ موت کا وقت مقرر ہے نہ ایک لمحہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتا ہے اس لئے یہ حرکت فضول بھی ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہزاروں برس پہلے کا ہے اس کو دیکھنے کا آپ کو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لہٰذا اَلَمْ تَرَ، کا مطلب ہے اَلَمْ تعلم۔

مَسْئَلَۃٌ: جہاں طاعون وغیرہ دیگر متعدی بیماری پھیلی ہوئی ہو تو اس خیال سے کہ یہاں سے بھاگ کر بچ جائیں گے، بھاگنا درست نہیں ہے، البتہ ضرورۃً جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے اسی حدیث کی وجہ سے سفر شام سے وبا کی خبر سن کر مراجعت فرمائی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعۂ مراجعت کی تفصیل:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ ملک شام کا قصد فرمایا شام کی سرحد پر تبوک کے قریب ایک مقام، سَرغ ہے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں سخت طاعون پھیلا ہوا ہے یہ طاعون ملک شام کی تاریخ میں ایک سانحہ تھا یہ طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ طاعون اول ایک عمواس نام کی بستی سے شروع ہوا تھا جو بیت المقدس کے قریب ہے، پھر پورے ملک میں پھیل گیا، اس میں ہزارہا انسان جن میں بہت سے صحابہ وتابعین بھی تھے شہید ہوگئے عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب طاعون کی شدت کی خبر سنی تو اسی مقام پر ٹھہر کر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس وقت ملک شام جانا چاہئے یا واپس ہونا مناسب ہے اس وقت جتنے حضرات مشورہ میں شریک تھے، ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حکم سنا ہو، بعد میں عبدالرحمٰن بن عوف نے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس معاملہ سے متعلق یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے (طاعونی گلٹی) کا ذکر فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا تھا، پھر اس کا کچھ بقیہ رہ گیا، اس کا یہ حال ہے کہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر آجاتا ہے، تو جو شخص یہ سنے کہ فلاں خطہ میں یہ عذاب آیا ہوا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس علاقہ میں نہ جائے، اور جو شخص اس خطہ میں پہلے سے موجود ہے تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلے۔

(بخاری شریف)

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ حدیث سنی تو رفقاء کو واپسی کا حکم دیدیا، حضرت ابوعبیدہ جو ملک شام کے امیر (گورنر) بھی تھے، اس مجلس میں موجود تھے، فاروق اعظم کا یہ حکم سن کر فرمانے لگے، اَفِرارًا مِن قدر اللّٰہ، یعنی کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ تو فاروق اعظم نے جواب دیا نعم نفر مِن قدر اللّٰہ الی قدر اللّٰہ، بیشک ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں مطلب یہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حکمت:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس شہر یا بستی میں طاعون وغیرہ وبائی مرض پھیلا ہوا ہو باہر والوں کو وہاں جانا منع ہے اور وہاں کے باشندوں کو اس جگہ سے موت کے ڈر سے بھاگنا ممنوع ہے۔

عجیب واقعہ:

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ایک بہت بڑے جنگی کمانڈر حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جن کی ساری اسلامی عمر جہاد میں گذری وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے بیمار ہو کر گھر میں بستر مرگ پر وفات پائی، وفات کے قریب بستر پر اپنے مرنے کا افسوس

کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا، اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیر یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو مگر افسوس کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں، خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے ان کو میری نصیحت پہنچاؤ!

اس آیت میں بنی اسرائیل کا واقعہ بطور تمہید لایا گیا ہے اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا جو اس قصہ کے ذکر کرنے سے اصل مقصود تھا کہ جہاد میں جانے کو موت اور بھاگنے کو نجات نہ سمجھو، تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

قرض حسن سے کیا مراد ہے؟

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا، قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے یعنی جانی قربانی کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل نہ کرو رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی فراوانی کر کے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے کبھی ظاہری طور پر اور کبھی باطنی طور پر۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ، مَلَاء، کسی قوم کے ان اشراف اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں، مَلَاء، کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں۔ (ایسر التفاسیر)

جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے ان کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے، ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ بعد تک تو ٹھیک رہے پھر ان میں انحراف آ گیا دین میں بدعات ایجاد کر لیں حتی کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی، انبیاء ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہ آئے جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل پر عمالقہ غالب آ گئے تھے، اور انہوں نے اسرائیلیوں کے اکثر علاقے چھین لئے تھے، شمویل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی اور شخص ان کا سربراہ ہو جس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں، لیکن اس وقت بنی اسرائیل میں بہت زیادہ جاہلیت آ چکی تھی اور وہ غیر مسلموں کے طور وطریقوں سے اتنے متاثر ہو چکے تھے، کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل گیا تھا، اس لئے انہوں نے خلیفہ کے تقرر کے بجائے بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تاکہ اس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو، لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہ رہ سکو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔

فائدہ: نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبہ کو رد فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لئے بادشاہ مقرر فرمایا۔

حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس نسل سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا یہ ایک غریب اور عام

آدمی تھے، دباغی ان کا پیشہ تھا، بائبل میں ان کا نام ساؤل لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا، بنی اسرائیل میں اس سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں تھا، اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے، اپنے باپ کے گمشدہ گدھے تلاش کرنے نکلا تھا، راستہ میں جب شمویل نبی کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کردیا کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہت کے لئے منتخب کیا ہے چنانچہ شمویل نبی اس کو اپنے گھر لائے اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کردیا مگر بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا پیغمبر نے کہا یہ میرا انتخاب نہیں ہے اللہ نے انہیں مقرر کیا ہے علاوہ ازیں قیادت وسیادت کے لئے مال سے زیادہ عقل وعلم اور جسمانی قوت وطاقت کی ضرورت ہے اور طالوت ان باتوں میں تم سے ممتاز ہے، جب ان کو یہ بات بتائی گئی کہ ان کی تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو انہوں نے اس پر نشان اور علامت کا مطالبہ کیا تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہوجائیں چنانچہ اگلی آیت میں اس نشانی کا بیان ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ. (الآیۃ)

تابوت، جو توب سے مشتق ہے، تا مجر ورہ زائدہ ہے جیسے ملکوت میں، اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اسی لئے اس کو تابوت کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، اس تابوت کو ان کے دشمن عمالقہ چھین کر لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعہ حضرت طالوت کے دروازہ پر پہنچا دیا جسے دیکھ کر بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے اور من جانب اللہ طالوت کی بادشاہت کی نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس تابوت کو ان کی فتح وشکست کا سبب قرار دیا۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء وصالحین کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں ہوجاتی، جس طرح آج کل تبرکات کے نام پر کئی مقامات پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، جس طرح بعض لوگ نبی ﷺ کے نعلین مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھر میں لٹکانے کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لئے اکسیر سمجھتے ہیں، اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز کی چیزوں کو متبرک سمجھتے ہیں مزاروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

فائدہ: مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقریباً تین صدی بعد اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ ہی پہلے، جب کہ سن عیسوی کے آغاز میں ابھی تقریباً ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی حضرت شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م تا ۱۰۲۰ ق م کا زمانہ ہے ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم نام کا تھا، اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے، بنو اسرائیل اس دور میں خاص طور سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور جنگ میں ان سے عاجز آچکے تھے،

توراۃ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت شمویل اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ (ماجدی)

تابوت سکینہ:

اس تابوت کا خاص اصطلاحی نام، تابوت سکینہ تھا، یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی سرمایہ تھا، اس میں توراۃ کا اصل نسخہ مع انبیاء علیہم السلام کے تبرکات کے محفوظ تھا، اسرائیلی اس کو نہایت برکت وتقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ انتہائی احترام کا برتاؤ کرتے تھے، جنگ وامن میں اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے سائز میں یہ کوئی بہت بڑا نہ تھا، موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی۔

طول $2\frac{1}{2}$ فٹ ..... عرض $1\frac{1}{2}$ فٹ ..... اونچائی ..... $1\frac{1}{2}$ فٹ

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی کے ساتھ وابستہ سمجھتے تھے، ایک جنگ کے موقع پر فلسطینی مشرک اسے چھین کر لے گئے، اسرائیلی اس بات کو اپنے حق میں انتہائی نحوست اور بدشگونی سمجھتے تھے اس کی واپسی کے لئے نہایت بیتاب اور مضطرب رہتے تھے، لیکن یہ تابوت مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں آخر کار انہوں نے خوف کے مارے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا، غالباً اسی صورت حال کو قرآن نے: "تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ" سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے جب صندوق واپس آ گیا تو اس قوم کے لئے بڑی تقویت قلبی کا موجب بنا جس سے ان کی ٹوٹی ہمتیں پھر بندھ گئیں۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت طالوت کے زمانہ میں یہ تابوت واپس آنے کے بعد بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام متوفی ۹۳۳ ق م، تک رہا اور آپ نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اس تابوت کو بھی رکھ دیا تھا اور اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا؟ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ خرجَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ من بيت المقدس وكان حَرًّا شديدًا وطلبُوا منهُ الماءَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم مُختَبِرُكُم بِنَهَرٍ لِيَظْهَرَ المطيعُ منكم والعاصي وهو بَيْنَ الأُرْدُنِ وفَلَسطِينَ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ اى من مائه فَلَيْسَ مِنِّي اى من أتباعِي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ يذُقْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بالفتح والضم بِيَدِهِ فاكتفى بها ولم يزِدْ عليها فإنّهُ مِنِّي فَشَرِبُوا مِنْهُ لمَّا وافوهُ بكثرةٍ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فاقتصرُوا على الغُرفةِ رُوِيَ أنّها كَفَتْهُمْ لِشُربِهِم ودوابِّهِم وكانوا ثلثمائةٍ وبضعةَ عشرَ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بهم الذين اقتصروا

على الغرفة **قَالُوْا** اى الذين شربوا **لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** اى بقتالهم وجبنوا ولم يجاوزوه **قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ** يوقنون **اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ** بالبعث وهم الذين جاوزوه **كَمْ** خبرية بمعنى كثير **مِّنْ فِئَةٍ** جماعة **قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته **وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** (٢٤٩) بالنصر والعون **وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** اى ظهروا لقتالهم وتصافوا **قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ** اصبب **عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا** بتقوية قلوبنا على الجهاد **وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** (٢٥٠) **فَهَزَمُوْهُمْ** كسروهم **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته **وَقَتَلَ دَاوٗدُ** وكان في عسكر طالوت **جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ** اى داؤد **اللّٰهُ الْمُلْكَ** في بني اسرائيل **وَالْحِكْمَةَ** النبوة بعد موت شمويل وطالوت ولم يجتمعا لاحد قبله **وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ** كصنعة الدروع ومنطق الطير **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ** بدل بعض من الناس **بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ** بغلبة المشركين وقتل المسلمين وتخريب المساجد **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** (٢٥١) فدفع بعضهم ببعض **تِلْكَ** هذه الايات **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا** نقصها **عَلَيْكَ** يا محمد **بِالْحَقِّ** بالصدق **وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** (٢٥٢) التاكيد بان وغيرها رد لقول الكفار له: لست مرسلا.

ترجمہ: جب حضرت طالوت بیت المقدس سے لشکر لے کر نکلے تو اس وقت شدید گرمی تھی لشکریوں نے طالوت سے پانی کا مطالبہ کیا، تو حضرت طالوت نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر کے ذریعہ آزمائے گا تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان ممتاز ہو جائیں، اور یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا تو وہ میری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے، اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے اِلَّا یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے، غُرفة فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی جس نے ایک چلو پر اکتفاء کیا، اور اس سے زیادہ نہ پیا تو وہ میرے متبعین میں سے ہے، جب نہر پر پہنچے تو خوب سیراب ہو کر پانی پیا، مگر بہت کم لوگ تھے کہ جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا اور روایت کیا گیا ہے کہ ان کی اور ان کے جانوروں (گھوڑوں) کی سیرابی کے لئے ایک ہی چلو کافی ہو گیا، اور ان کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی، چنانچہ جب حضرت طالوت اور ان کے ساتھی مومنین دریا عبور کر گئے اور یہ وہی تھے جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا تو جن لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا تھا کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں، یعنی ان سے قتال کرنے کی، اور بزدلی دکھا گئے اور نہر کو بھی پار نہیں کیا، اور ان لوگوں نے جو لوگ مرنے کے بعد اللہ سے ملنے پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا اور یہ وہی لوگ تھے جو نہر کو پار کر گئے تھے کہ بارہا ایسا ہوا ہے، کَمْ، خبریہ کثرت کے معنی میں ہے کہ ایک قلیل جماعت اللہ کی مشیت سے ایک بڑی جماعت پر غالب آ گئی اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور مدد کے ذریعہ صابرین کا ساتھی ہے اور جب ان کا جالوت اور اور اس کے لشکریوں سے مقابلہ ہوا یعنی ان سے قتال کرنے کے لئے متقابل ہوئے اور صف بندی کی گئی تو انہوں نے دعاء مانگی اے ہمارے پروردگار تو ہمیں صبر اور ثابت قدمی عطا فرما جہاد پر ہمارے قلوب کو تقویت دے کر، اور کافر قوم پر ہم

کوغلبہ عطا فرما چنانچہ ان لوگوں نے اللہ کی مشیت سے جالوتیوں کو شکست دیدی، یعنی ان کو توڑ کر رکھ دیا، اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ حضرت طالوت کے لشکر میں شریک تھے، جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شمویل اور طالوت کے انتقال کے بعد بادشاہت عطا فرمائی اور حکمت نبوت (عطا فرمائی) اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کسی میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوئیں، اور جو کچھ چاہا علم بھی عطا کیا مثلاً زرہ سازی کی صنعت اور پرندوں کی بولی سمجھنا، اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا، بعضھم، من الناس سے بدل البعض ہے تو مشرکین کے غلبہ سے مسلمانوں کو قتل کر کے اور مساجد کو ویران کر کے زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل والا ہے کہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرتا ہے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم اے محمد آپ کو صحیح صحیح سنا رہے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں اِنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید، کافروں کے اس قول کو رد کرنے کے لئے ہے کہ: آپ ﷺ رسول نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فَصَلَ، ای اِنْفَصَلَ. لازم ہے فَصَلَ کا مفعول چونکہ اکثر محذوف رہتا ہے اس لئے بمنزلہ لازم ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے مفعول (بالجنود) پر باء داخل ہے اور اگر متعدی مانا جائے تو اس کا مفعول محذوف ماننا ہوگا، ای فَصَلَ العَسْکَر عن البلد فصولا.

قَوْلُہٗ: طالوت، بنی اسرائیل کے ایک با اقبال اور صالح بادشاہ کا نام ہے، علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلُہٗ: غرفة، غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی معروف، ایک چلو پانی اور غین کے فتحہ کے ساتھ مصدر برائے مَرّۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای مِن مائہ، یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ نفس نہر کے پینے کا امکان نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لَمّا وافوہ، من الموافات، ای رسیدن۔

قَوْلُہٗ: بکثرۃٍ.

سِوَال: بکثرۃ مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جَوَاب: اگر بکثرۃ، کو محذوف نہ مانیں تو اِلَّا قلیلاً منہُ کا مستثنیٰ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ پینے والوں میں قلیل بھی شامل ہیں۔

تفسیر و تشریح

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ، قوم بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ دن بعد تک تو ٹھیک رہی اس کے بعد احکام شکنی اور تورات کی خلاف ورزی شروع کردی یہاں تک کہ بعض نے ان میں سے بت پرستی بھی شروع کردی تو اللہ تعالیٰ نے

ان پر ایک ظالم و جابر قوم عمالقہ کو مسلط کردیا جو ان کا تابوت سکینہ بھی لے کر چلا گیا، اس وقت بنی اسرائیل کو اصلاح کی فکر ہوئی تو اپنے زمانہ کے نبی سے جن کا نام شمویل تھا درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرمادیں ہم اس کی سرکردگی میں جہاد کریں گے، چنانچہ حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی اللہ تعالیٰ نے دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت طالوت کی سرکردگی میں جہاد کی تیاری شروع ہوئی۔

اس زمانہ میں فلسطین کا سربراہ جالوت نام کا ایک شخص تھا یہ شخص بڑا بہادر اور تن و توش کا مالک تھا اس کے ساتھ تقریبا ایک لاکھ لشکر جرار تھا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا، ایسی صورت میں طالوت نے چاہا کہ اپنی قوت کی آزمائش کرلی جائے تاکہ کم ہمت اور وہ لوگ جو جفاکش نہ ہوں ان کو الگ کردیا جائے چنانچہ جس رخ پر اسرائیلیوں کو جانا تھا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا یہ وہی دریا ہے جو جاردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، اس دریا کو عبور کرنا تھا مگر چونکہ حضرت طالوت کو معلوم تھا کہ اس قوم میں انضباط اور ڈسپلن بہت کم رہ گیا ہے اس لئے اس نے کارآمد اور ناکارہ لوگوں کو ممیز کرنے کے لئے یہ آزمائش تجویز کی کہ کوئی شخص دریا سے پانی نہ پئے جو پانی پئے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں اور جو پانی نہیں پئے گا وہ میرا ہے اصل حکم تو یہی ہے کہ بالکل پانی کو ہاتھ بھی نہ لگایا جائے مگر رخصت کے طور پر اس کی اجازت ہے کہ ایک آدھ چلو گلا تر کرنے کے لئے پی لیا جائے تو مضائقہ نہیں چنانچہ اکثر لوگوں نے خوب سیراب ہوکر پانی پیا چونکہ گرمی کا موسم تھا گرمی شدید تھی یہ لوگ پانی پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے ایک بہت چھوٹی سی جماعت جس کی تعداد تین سو تیرہ اصحاب بدر کے برابر بتائی جاتی ہے اپنے عزم پر قائم رہی چنانچہ جن لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا تھا وہ دریا بھی عبور نہ کرسکے، صرف وہی لوگ دریا عبور کرکے دشمن کے مقابلہ پر پہنچے جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا، یا کم پیا تھا۔

داؤد عَلَیْہِ السَّلَام اس وقت ایک کمسن نوجوان تھے، اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے کہ جب فلسطینیوں کی فوج کا گران ڈیل پہلوان جالوت بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا، اور اسرائیلیوں میں کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام جو ابھی کمسن ہی تھے، اور نبوت اور بادشاہت بھی انکو ابھی نہیں ملی تھی۔ موقع پر پہنچ گئے، داؤد بن ایشا اپنے بھائیوں میں کوتاہ قد اور کم رو تھے، بکریاں چرایا کرتے تھے، جب طالوت نے فوج کشی کی تو یہ بھی شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ ہوئے ان کو راستہ میں ایک پتھر ملا پتھر بولا اے داؤد مجھے اٹھالو میں حضرت ہارون کا پتھر ہوں مجھ سے بہت سے بادشاہ قتل کئے گئے ہیں داؤد عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ نے اٹھا کر اس کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا پھر دوسرا پتھر ملا اس نے کہا میں حضرت موسیٰ کا پتھر ہوں فلاں فلاں بادشاہ مجھ سے مارے گئے اسے بھی اپنی تھیلی میں اٹھا کر رکھ لیا پھر ایک تیسرا پتھر ملا اس نے کہا مجھے اٹھالو جالوت کی موت مجھ سے ہی ہے چنانچہ حضرت داؤد نے تیسرا پتھر بھی اٹھالیا۔

ادھر جالوت میدان میں آیا اور مبارز طلب کیا اس کی قوت اور ہیبت سے لوگ خائف تھے طالوت نے کہا جو اسے قتل کردے گا میں اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کردوں گا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام مقابلہ کے لئے نکلے طالوت نے اپنا گھوڑا اور ساز و سامان دیا تھوڑی

دور چل کر داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس آئے اور کہا اگر اللہ میری مدد نہ کرے تو یہ ساز و سامان کچھ کام نہیں آ سکتا، میں اپنی اسی بے سامانی سے لڑوں گا، پھر داؤد اپنا تھیلا اور گوپھن لے کر میدان میں آئے جالوت نے کہا تو مجھ سے اس پتھر سے لڑنے آیا ہے جیسے کوئی کتے کو مارتا ہے، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تو کتے سے بھی زیادہ شریر اور خبیث ہے، جالوت غضبناک ہو کر بولا کہ میں یقیناً تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں میں تقسیم کر دوں گا حضرت داؤد نے جواب دیا اللہ تیرا ہی گوشت بانٹے گا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ اِلٰہ ابراھیم، اور گوپھن میں رکھا پھر دوسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ اِلٰہ اسحق اس کو بھی گوپھن میں رکھا اس کے بعد تیسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ الٰہ یعقوب اس کو بھی گوپھن میں رکھا، پھر گوپھن گھما کر مارا ایک پتھر جالوت کے مغز پر لگا جس کی وجہ سے اس کا بھیجا نکل پڑا تمیں آدمی اس کے ساتھ اور ہلاک ہوئے۔

حاصل یہ کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جالوت کا سر کاٹا اور اس کی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور طالوت کے سامنے پیش کی مومنین خوشی کے ساتھ فتحیاب ہو کر واپس ہوئے طالوت نے اپنی لڑکی کا نکاح داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا، حق تعالیٰ نے بعد میں داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلافت اور نبوت عطا فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی ملخصًا، فوائد عثمانی خلاصۃ التفاسیر للتائب)



تِلْكَ مبتدأ اَلرُّسُلُ صفة والخبر فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ بتخصيصه بمنقبة ليست لغيره مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ كموسى وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ اى محمدًا صلى الله عليه وسلم دَرَجٰتٍ على غيره بعموم الدعوة وختم النبوة و تفضيل امته على سائر الامم والمعجزات المتكاثرة والخصائص العديدة وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ قويناه بِرُوْحِ الْقُدُسِ جبرئيل يسير معه حيث سار وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ هدى الناس جميعا مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ بعد الرسل اى اممهم مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ لاختلافهم و تضليل بعضهم بعضا وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا لمشيئة ذلك فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ ثبت على ايمانه وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ كالنصارى بعد المسيح وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا تاكيد وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ من توفيق من شاء وخذلان من شاء.

تَرجَمه: یہ حضرات مرسلین (کی جماعت) ایسی ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی۔ تِلْكَ موصوف، اَلرُّسُلُ صفت، موصوف باصفت مبتدا، فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ علی بَعْضٍ اس کی خبر، ان میں سے بعض کو ایسی منقبت کے ساتھ خاص کرکے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں تھی، ان میں بعض ایسے ہیں کہ اللہ (بلا واسطہ) ان سے ہم کلام ہوا جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان میں سے بعض یعنی محمد ﷺ کو بدرجہا دوسروں پر فوقیت بخشی (جن وانس کے لیے آپ کی) دعوت کے عام ہونے کی وجہ سے اور آپ پر (سلسلۂ) نبوت کے ختم ہونے کی وجہ سے اور آپ کی امت کو دیگر تمام امتوں پر فضیلت دینے کی وجہ سے، اور معجزات کثیرہ کی وجہ سے اور (دیگر) متعدد خصوصیات کی وجہ سے، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات عطا کئے، اور ہم نے اس کو روح القدس (یعنی جبرئیل) کے ذریعہ تقویت دی، کہ (جبرئیل) ان کے ساتھ چلتے تھے جہاں وہ جاتے تھے، اگر اللہ کو تمام لوگوں کی ہدایت منظور ہوتی تو وہ لوگ جو رسولوں کے بعد ہوئے یعنی ان کی امتیں، ان کے اختلاف اور بعض کے بعض کو گمراہ قرار دینے کی وجہ سے، باہم قتل وقتال نہ کرتے، بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے، لیکن وہ لوگ مشیت الٰہی کے سبب سے باہم مختلف ہوئے، سو ان میں سے بعض ایمان لائے یعنی اپنے ایمان پر قائم رہے، اور بعض کافر ہوئے جیسا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نصاریٰ، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ باہم اختلاف نہ کرتے یہ (ماقبل کی) تاکید ہے لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے (خیر کی) توفیق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔

تَحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اگر تلك کا مشار الیہ جماعت انبیاء مذکورین ہیں جو اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں یا پوری سورت میں مذکور ہوئے ہیں تو "اَلرُّسُلُ" پر الف لام عہد کا ہوگا۔ اور اگر جمیع انبیاء مراد ہیں تو الف

لام استغراق کا ہوگا۔

سُوَال: تِلْكَ. اسم اشارہ بعید کا استعمال کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: یا تو بُعد زمانی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یا پھر عند اللہ علوِ مراتب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

قَوْلُهُ: صفةٌ مفسر علام نے "اَلرُّسُلُ" کو "تلك" کی صفت قرار دیا ہے اور موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے "الرسل" سے عطف بیان اور بدل بھی ہوسکتا ہے اس لیے کہ مشار الیہ پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کا صفت اور عطف بیان اور بدل تینوں واقع ہونا درست ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. تِلْكَ، مبتداء کی خبر ہے۔ جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے۔

سُوَال: اَلرُّسُلُ کو خبر اول اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کو خبر ثانی قرار دینے کی میں کیا قباحت ہے؟

جَوَاب: خبر میں اصل چونکہ تنکیر ہے اور اَلرُّسُلُ، معرفہ ہے اس لیے اَلرُّسُلُ کو خبر قرار نہیں دیا۔

سُوَال: دَرَجات، کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: یا تو مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے اس لیے کہ درجات رفعةً کے معنیٰ میں ہے۔ ای رَفَعَ رفعةً. یا رَفَعَ متعدی بالیٰ یا بعلی یا بفی تھا حرف جر کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب بنزع الخافض ہوگیا۔

قَوْلُهُ: بمَنْقَبَةٍ، میم کے فتحہ کے ساتھ، ما یُفخر بِهٖ، (یعنی مفاخر و محاسن)۔

قَوْلُهُ: هَدَى النَّاس جميعًا. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ، لَوْ شَاءَ فعل متعدی ہے اور مفعول اس کا محذوف ہے۔

سُوَال: ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ مشیئة کا مفعول وہ ہوتا ہے جو جزاء سے مفہوم و مستفاد ہوتا ہے (کمافی کتب المعانی) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَهَدَاكُمْ" میں۔ اس کی تقدیر "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ هِدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ،" ہے مفعول کو جزاء سے مستفاد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور وہ "هدایتکم"، ہے اس قاعدہ کی روشنی میں تقدیر عبارت یہ ہونی چاہئے۔ "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عدمَ القتال مَا اقْتَتَلُوْا" مگر مفسر علام نے جزاء سے غیر مفہوم مفعول محذوف مانا ہے جو کہ هَدَى النَّاسَ جميعا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام مذکورہ قاعدہ سے اس جگہ متفق نہیں ہیں، اس میں کیا نکتہ ہے؟۔

نکتہ جواب: جزاء، جو کہ مَا اقْتَتَلَ ہے، سے جو مفعول مستفاد ہو رہا ہے وہ عدم القتال ہے، اور معدوم شئ سے مشیت اور ارادہ متعلق نہیں ہوتے بلکہ عدم کے لیے ارادۂ وجود کا عدمِ تعلق کافی ہوتا ہے اسی نکتہ کے پیش نظر مفسر علام نے جزاء سے مفہوم کے علاوہ مفعول محذوف مانا ہے۔

قَوْلُهُ: بَعْدَ الرُّسُلِ، اس اضافہ کا مقصد، هُمْ، ضمیر کے مرجع کی وضاحت ہے۔

قَوْلُهُ: ای اممهم یہ اَلَّذِين کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ بعدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ، مِنْ بعدِهِمْ سے بدل ہے۔

قِوْلَهُ: لِاخْتِلَافِهِمْ، اس کا تعلق اِقْتَتَلَ سے ہے۔

قِوْلَهُ: ثَبَتَ عَلیٰ اِیْمَانِهٖ. آمَنَ کی تفسیر ثَبَتَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ایمان تو اختلاف سے قبل ہی موجود تھا۔ اختلاف کے بعد اس پر قائم رہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ، یہاں فن ابہام کا استعمال کیا گیا ہے، اس میں اشارہ جامع کمالات اور خاتم نبوت محمد ﷺ کی طرف ہے، شہرت اور تعین کی وجہ سے مبہم رکھا گیا ہے، الابهام ابلغ من الایضاح، زمخشری نے یہاں یہ نکتہ ادب و بلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت و تعین میں کوئی دقت نہ ہو وہاں کنایہ اور ابہام، صراحت و تفصیل سے بلیغ و مؤثر ہوتا ہے، سُئِلَ الحطیئة: مَنْ اَشعر الناس؟ فذکر زهیرًا وَالنابغة، ثم قال: ولو شئت لذكرتُ الثالث، اَرادَ نفسَهُ، ولو صرّح بذلك لم يكن بهذه المثابةِ من الفخمية. (اعراب القرآن للدرویش)

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

رابط:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلیٰ بَعْضٍ، وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. آپ بھی منجملہ پیغمبروں کے ایک ہیں اس سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید آپ کی نبوت بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح وقتی اور علاقائی ہو اور مدارج و مراتب بھی ان کے مثل ہوں، اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آپ کی فضیلت کو بڑے شد و مد کے ساتھ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلیٰ بَعْضٍ، سے بیان فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام میں باہم تفاضل:

جن انبیاء اور رسولوں کا ذکر قرآن میں ہوا ہے سب ایک مرتبہ کے نہ تھے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلیٰ بَعْضٍ''، ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی، قرآن میں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اسی مضمون کو ''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیِّیْنَ عَلیٰ بَعْضٍ'' سے بیان فرمایا۔ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کہ انبیاء میں بعض بعض سے افضل تھے، البتہ فَضَّلْنَا کی ضمیر متکلم قابل لحاظ ہے کہ یہ فضیلت اور افضلیت محض عنداللہ ہے خلق کے لیے بحیثیت مطاع سب یکساں ہیں، اطاعت اور تعظیم سب کی واجب ہے، اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت جو اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں ادا کرتی ہے ''لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (ابن کثیر نے کہا ہے) لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی اللّٰه عزوجل وعلیکم الانقیاد والتسلیم له والایمان به. (ابن کثیر)

مدارج کے باب میں عوام کو بحث وگفتگو جائز نہیں، البتہ تقابل کے بغیر ان کے مقامات واحوال وواقعات وفضائل ذکر نے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال: نبی ﷺ نے فرمایا: "لا تخیرونی من بین الانبیاء" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاعراف، مسلم شریف کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ) تم مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ اس سے تفاضل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا جواب: اس سے فضیلت سے انکار لازم نہیں آتا، بلکہ اس سے امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب واحترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسرِ شان ہو، ورنہ بعض انبیاء کی بعض پر اور تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت اور اشرفیت مسلّم اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوصِ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: فضل جزئی سے فضل کلی لازم نہیں آتا مثلاً سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملک میں، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صبر میں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حسن میں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تائید روح القدس میں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام میں، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلت میں فضیلت حاصل ہے، مگر بعض وہ ہیں کہ جن کو فضل کلی اور رفعت کامل حاصل ہے اور یہ مقام خاص ہمارے حضور ﷺ کے لیے ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ چند اصحاب آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل اللہ ہیں دوسرے نے کہا، آدم صفی اللہ ہیں، تیسرے نے کہا عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، بعض نے کہا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم اللہ ہیں، اچانک آپ ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی بے شک یہ حضرات ایسے ہی تھے "الا وانا حبیب اللّٰہ ولا فخر" میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ (مظهری، بحواله خلاصة التفاسیر ملخصًا)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور یہود کی تردید ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کی شان میں ناشائستہ کلمات کہتے ہیں۔

سوال: قرآن میں بہت سے انبیاء کا ذکر ہے مگر کسی کا فلاں ابن فلاں کہہ کر ذکر نہیں ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر عیسیٰ ابن مریم سے کیا ہے اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں نصاریٰ کے عقیدہ کی تردید ہے کہ عیسیٰ نہ خود اللہ ہیں اور نہ ابن اللہ بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہیں جس طرح دیگر انسان اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں عیسیٰ بھی مریم عذراء کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

خلاصہ تفسیر:

خلاصہ یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعہ علم حاصل ہو جانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رونما ہوئے اور اختلاف سے بڑھ کر لڑائیوں تک نوبتیں پہنچیں، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا بے بس تھا اور اس کے پاس ان اختلافات اور لڑائیوں کو روکنے کی طاقت نہیں تھی۔ اگر وہ چاہتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت سے سرتابی کرسکتا، اور کفر و بغاوت کی راہ چل سکتا، اور اس کی زمین میں فساد برپا کرسکتا، مگر اس کی مشیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے ارادہ کی آزادی چھین لے اور انھیں ایک خاص روش پر چلنے کے لیے مجبور کردے، اس نے انھیں امتحان کی غرض سے زمین پر پیدا کیا تھا، اس لیے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کو لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی انھیں ایمان وطاعت کی طرف کھینچ لائیں، بلکہ اس لیے بھیجا کہ دلائل و بینات سے لوگوں کو راستی کی طرف بلانے کی کوشش کریں، پس جس قدر اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے ہوئے وہ سب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ نے لوگوں کو ارادے کی جو آزادی عطاء کی تھی اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ مختلف راہیں اختیار کیں نہ اس وجہ سے کہ اللہ ان کو راستی پر چلانا چاہتا تھا مگر معاذ اللہ اسے کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ زكوته مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فداء فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ صداقة تنفع وَّلَا شَفَاعَةٌ بغير اذنه وهو يوم القيمة وفي قراءة برفع الثلاثة وَالْكٰفِرُوْنَ بالله او بما فرض عليهم هُمُ الظّٰلِمُوْنَ لوضعهم امر الله تعالى في غير محله اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اى لا معبود بحق في الوجود اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الدائم البقاء الْقَيُّوْمُ المبالغ في القيام بتدبير خلقه لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ملكا وخلقا وعبيدا مَنْ ذَا الَّذِيْ اى لا احد يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ له فيها يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اى الخلق وَمَا خَلْفَهُمْ اى امر الدنيا والاخرة وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ لا يعلمون شيئا من معلوماته اِلَّا بِمَا شَآءَ ان يعلمهم به منها باخبار الرسل وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قيل احاط علمه بهما وقيل ملكه وقيل الكرسي بعينه مشتمل عليهما لعظمته لحديث ما السموات السبع في الكرسي الا كدراهم سبعة القيت في ترس وَلَا يَئُوْدُهٗ يثقله حِفْظُهُمَا اى السموات والارض وَهُوَ الْعَلِيُّ فوق خلقه بالقهر الْعَظِيْمُ الكبير لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ على الدخول فيه قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ اى ظهر بالآيات البينات ان الايمان رشد والكفر غي نزلت فيمن كان له من الانصار اولاد اراد ان يكرههم على الاسلام فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ الشيطان او الاصنام وهو يطلق على المفرد والجمع وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ تمسك بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

بالعقد المحكم **لَا انْفِصَامَ** انقطاع **لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ** لما يقال **عَلِيمٌ** ﴿۲۵۶﴾ بما يفعل **اَللّٰهُ وَلِيُّ** ناصر **الَّذِينَ اٰمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** الكفر **اِلَى النُّورِ** الايمان **وَالَّذِينَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمٰتِ** ذكر الاخراج اما في مقابلة قوله يخرجهم من الظلمات او في كل من آمن بالنبي صلى الله عليه وسلم قبل بعثته من اليهود ثم كفر به **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ** ﴿۲۵۷﴾

ع ۳۴

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو (یعنی) اس کی زکوٰۃ ادا کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، اور نہ نفع بخش دوستی اور نہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور ایک قراءت میں تینوں یعنی بَیْعٌ، خُلَّةٌ، شَفَاعَةٌ، کے رفع کے ساتھ ہے اور اللہ کے منکر یا ان (احکام) سے منکر جو ان پر فرض کئے ہیں، ہی تو ظالم ہیں ان کے اللہ کے حکم کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں جو (تمام کائنات) کو سنبھالے ہوئے ہے، قیوم وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کے قیام کی تدبیر میں مبالغہ کرنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ وہ سوتا ہے، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے بادشاہت کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اسی کا ہے کون ہے جو اس کے حضور میں شفاعت کے لیے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور دنیا و آخرت کی جو بات ان سے اوجھل ہے (اس سے بھی واقف ہے) اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا بھی (علمی) احاطہ نہیں کر سکتے یعنی اس کی معلومات میں کسی کا ادراک نہیں کر سکتے سوائے اس چیز کے کہ جس کو وہ ان میں سے اپنے رسولوں کو خبر دے کر بتانا چاہے اس کا حاکمانہ اقتدار آسمانوں اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے کہا گیا ہے کہ اس کے علم نے ان دونوں کا احاطہ کر رکھا ہے کہا گیا ہے کہ اس کی بادشاہت نے احاطہ کر رکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بعینہ کرسی اپنی عظمت کی وجہ سے دونوں پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کی رو سے ساتوں آسمانوں کی حیثیت کرسی کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے سات درہم ایک ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں۔ اور اس پر زمین و آسمان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے یعنی اپنی مخلوق پر قوت کے ذریعہ غالب ہے، دین میں داخلہ کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے، یعنی واضح آیات کے ذریعہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے (مذکورہ آیت) اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کے بچے تھے اس نے چاہا کہ بچوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کرے، اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرے (طاغوت) شیطان یا اصنام ہیں (طاغوت) کا اطلاق مفرد اور جمع پر ہوتا ہے اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے عقد محکم کے ذریعہ ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جو بات کہی جاتی ہے اللہ اس کا سننے والا، اور جو کام کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لے آئے وہ ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان سے

حامی طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، اخراج کا ذکر یا تو اس کے قول "یخرجهم من الظلمات" کے مقابلہ کے طور پر لایا گیا ہے یا پھر اس یہودی کے بارے میں جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ پر ایمان لایا تھا پھر آپ کا انکار کر دیا، یہی آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: زکوته، اس کلمہ سے اشارہ کر دیا کہ انفاق سے مراد انفاق واجب ہے اور آئندہ وعید اس کا قرینہ ہے اس لیے کہ غیر واجب پر وعید نہیں ہوا کرتی۔

قِوْلَهُ: فِداء، فدیہ کو بیع سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ فداء، اشتراء النفس من الهلاکة کو کہتے ہیں، فدیہ وہ قیمت جو قیدی رہائی کے عوض ادا کرتا ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ نفس بیع خلاصی عن العذاب کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ فدیہ خلاصی کا فائدہ دیتا ہے۔

قِوْلَهُ: تنفع، لفظ تنفع کا اضافہ کرکے بتا دیا کہ مطلق دوستی کی نفی نہیں ہے بلکہ نافع دوستی کی نفی ہے۔

قِوْلَهُ: اِذنه اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: شفاعت کی نفی علی سبیل الاستغراق کس طرح صحیح ہے؟ جب کہ احادیث سے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت روز قیامت ثابت ہے۔

جَوَاب: یہاں اگرچہ مطلق شفاعت کی نفی ہے مگر دوسری آیت نے اس مطلق کو مقید کر دیا ہے، آیت یہ ہے، "اِلّا مَنْ اذن لهُ الرحمنُ ورضی لهُ قولًا" وفی قراءة برفع الثلاثة، تینوں میں لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے اصل فتحہ ہے جیسا کہ ابن کثیر اور ابوعمرو کی قراءت میں اصل کے مطابق فتحہ ہی ہے مگر ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع ہے، رفع کی وجہ یہ ہے کہ در اصل یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے اور سوال یہ ہے، "هل فیهِ بَیْعٌ اوْ خُلّةٌ اوْ شفاعةٌ؟" جواب یہ ہے "لا بَیْعٌ فِیْهِ ولا خُلّةٌ ولا شفاعةٌ" سوال و جواب میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے جواب کو بھی رفع دیدیا گیا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لائے نفی جنس مکرر ہونے کی وجہ سے مہمل قرار دیدیا گیا اور بیعٌ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، مگر یہاں ایک سوال ہوگا کہ بیعٌ، خُلّةٌ، شَفَاعَةٌ نکرہ ہیں ان کا مبتداء بنادرست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے اس کا مبتداء بنا صحیح ہو گیا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قِوْلَهُ: "لا تأخذهُ سِنَةٌ وَّلا نومٌ" یہ صفات سلبیہ میں سے ہے، "سِنَةٌ" کا تعلق آنکھوں سے ہوتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کی نیند ہے اور نوم کا تعلق قلب سے ہوتا ہے یہ فترة طبعیہ ہے جو ہر حیوان پر جبراً طاری ہوتا ہے۔

قِوْلَهُ: لا معبود بحق الخ اس میں اشارہ ہے کہ "اِلٰهَ" سے مراد معبود حقیقی ہے نہ کہ مطلق معبود اس لیے کہ معبود مطلق غیر حقیقی کثیر ہیں، ورنہ مطلق معبود کی نفی سے کذب باری لازم آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے " تعالی اللّٰه عن

ذالك علوًا كبيرًا''، مگر اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ جب اِلٰـہٌ سے مراد معبود حقیقی ہے جو کہ واحد ہے تو پھر اس سے اِلّاهو، کے ذریعہ استثناء درست نہ ہوگا اس لیے کہ یہ استثناء الشئ عن نفسہ ہوگا۔

جَوَابٌ: معبود بالحق کا مفہوم چونکہ کلی ہے لہٰذا اس سے تصور میں مستثنیٰ منہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے استثناء درست ہوگا۔

قِوْلَهُ: فی الوجود اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لا کی خبر محذوف ہے اور وہ فی الوجود ہے۔

قِوْلَهُ: مُلكا و خَلقا الخ اس سے اشارہ کردیا کہ ''لَهٗ''، کا لام نفع کے لیے نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء سے نفع کا محتاج نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: فيها اى فى الشفاعة.

قِوْلَهُ: مِن معلوماته، اس میں اشارہ ہے کہ علم سے مراد معلومات ہیں اس لیے کہ علم صفت بسیط ہے جس میں تجزی نہیں ہوسکتی ہے البتہ معلومات میں تجزی ہوسکتی ہے۔

قِوْلَهُ: تُرس، بالضم، ڈھال۔

قِوْلَهُ: تَمَسَّكَ، اِستَمْسَكَ کی تفسیر تمسَّكَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ استمسكَ میں سین زائدہ ہے۔

قِوْلَهُ: ذکر الاخراج الخ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ کفار تو روشنی میں تھے ہی نہیں پھر ان کو روشنی سے تاریکی کی طرف نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسر علام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ بطور مقابلہ اخراج کا ذکر کیا ہے یعنی مومنین کے لیے چونکہ اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے تو کفار کے لیے بھی اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے اس کو بلاغت کی اصطلاح میں صفت مقابلہ کہتے ہیں، یہ اطبخوا لی جبة وقيمصًا کے قبیل سے ہے، دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی کتابوں کی بشارت کی روشنی میں آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے مگر آپ کی بعثت کے بعد وہ ضد کی وجہ سے اس سے پھر گئے گویا کہ روشنی سے تاریکی میں چلے گئے۔

قِوْلَهُ: اَلْخُلَّةُ، بضم الخاء: المودّة والصداقة (دوستی)۔

قِوْلَهُ: القَيُّومُ، قَائمٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے، مَنْ قامَ بالامر، منتظم، مدبر، خود قائم رہنے والا، دوسروں کو قائم رکھنے والا، ''قيّوم'' اصل میں قَيْوُوْمٌ بروزن فَيْعُوْلٌ تھا، واؤ اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کو یاء میں ادغام کردیا، قیوم ہوگیا۔

قِوْلَهُ: السِّنَةُ سین کے کسرہ کے ساتھ، ما يتقدم من الفتور والاسترخاء مع بقاء الشعور، نیند سے پہلے کی غفلت جس میں شعور واحساس باقی رہتے ہیں، اسی کو نعاس کہتے ہیں یہ نوم الانبیاء کہلاتی ہے۔

قِوْلَهُ: الكرسى، معروف ہے، اس میں یاء نسبتی نہیں اصلی ہے عرف دارجہ میں، ما يجلسُ عليه کو کہتے ہیں اس کے اصل معنی بعض شئ کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا ہیں اسی سے کراستہ ہے اس لیے کہ اس میں بھی بعض اوراق کو بعض کے ساتھ ملا کر ترکیب دی جاتی ہے بولا جاتا ہے تَكَرَّسَ فلان الحطبَ فلاں نے لکڑیاں جمع کیں۔

قَوْلُہٗ: یَؤُدُہٗ، اَدَ. یَؤُدُ اَوْدًا (ن) سے مضارع واحد مذکر غائب بار ڈالنا، بوجھل کرنا، تھکانا۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

"وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ" اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے، استعارہ مصرحہ وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار منہ (مشبہ بہ) صراحت کے ساتھ مذکور ہو جیسے۔ ۔۔:

فَاَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَی الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ

معشوقہ نے نرگس سے موتی برسائے، گلاب کو سیراب کیا اور عناب کو اولوں سے کاٹا، اس میں موتی، نرگس، عناب، اولے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحۃً مذکور ہیں اور اسی ترتیب سے، آنسو، آنکھ، گال، انگلیوں کے پورے اور دانت مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو مذکور نہیں ہیں، اردو کا یہ شعر بھی استعارہ مصرحہ کی مثال ہے! ۔ے:

ربط رہنے لگا اس شمع کو پروانوں سے آشنائی کا کیا حوصلہ بیگانوں سے

اس شعر میں شمع اور پروانے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحۃً مذکور ہیں اور عاشق و معشوق مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو صراحۃً مذکور نہیں۔

اس آیت میں وَسِعَ کُرْسِیُّہُ الخ، اللہ کے علم وقدرت سے مجاز ہیں، یہ کلمہ مستعار منہ (مشبہ بہ) ہے جو صراحۃً مذکور ہے اور مشبہ جو کہ علم، قدرت، عظمت ہے محذوف ہے، العروۃ، کڑا حلقہ، قبضہ دستہ، (ج) عُرًی، الوثقٰی بروزن فُعْلٰی اسم تفضیل اَوْثَق کا مؤنث ہے (ج) وُثُق.

بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی، اس میں استعارہ تصریحیہ تمثیلیہ ہے، اس میں دین اسلام کو عروۂ وثقیٰ (مضبوط حلقہ) سے تشبیہ دی گئی ہے دین اسلام مستعار لہ (مشبہ) ہے اور عروۃ الوثقیٰ مستعار منہ ہے مشبہ محذوف اور مشبہ بہ مذکور ہے، اسی طرح دین اسلام کو اختیار کرنے والے کو مضبوط حلقہ پکڑنے والے سے تشبیہ دی ہے۔ ظلمات کو ضلال کے لیے اور نور کو ہدایت کے لیے مستعار لینا بھی استعارہ تصریحیہ ہے۔

سِوَالْ: ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جِوَابْ: نور سے مراد حق ہے جو کہ ایک ہی ہے اور ظلمات سے مراد باطل ہے جو کہ متعدد شکلوں میں ہوتا ہے اس لیے نور کو واحد اور ظلمات کو جمع لائے ہیں۔

تفسیر و تشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ (الآیۃ) مراد راہ خدا میں خرچ کرنا ہے، ارشاد ہو رہا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی ہے انھیں اس مقصد کے لیے جس پر وہ ایمان لائے ہیں مالی قربانی برداشت کرنی چاہئے، بعض حضرات نے

انفاق سے یہاں واجب مالی مراد لیا ہے مگر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ انفاق واجب اور غیر واجب دونوں کو شامل ہے بعد میں آنے والی وعید کا اس سے تعلق نہیں ہے بلکہ وہ مستقل یوم قیامت کی ہولناکی کا بیان ہے۔

وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یہاں کافروں سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت کے منکر ہوں اور اپنے مال کو اس کی خوشنودی سے عزیز تر رکھیں، یا وہ لوگ مراد ہیں جو اس دن پر اعتقاد نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا خوف دلایا ہے یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو اس خیال خام میں مبتلا ہوں کہ آخرت میں انہیں کسی نہ کسی طرح نجات خرید لینے کا اور دوستی وسفارش سے کام نکال لے جانے کا موقع حاصل ہو ہی جائے گا۔

یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں، اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا وجود نہیں، پھر اس کے بعد آیت الکرسی اور دوسری متعدد آیات واحادیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ اجازت دیگا، اور صرف اس بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا، اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے اور انبیاء ورسل بھی اور شہداء وصالحین بھی، مگر اللہ پر ان میں سے کسی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ بھی اللہ کے خوف سے اس قدر ترساں اور لرزاں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ فق ہوگا "وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ". (الانبیاء)

آیت الکرسی کی فضیلت:

آیت الکرسی کی بڑی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو، اس کی جامعیت اور معنویت بھی اتنی نمایاں ہے کہ اپنے تو خیر اپنے ہیں بیگانے (جیسے سیل مترجم قرآن مجید) اور معاندین (جیسے میور اور ہیری) نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم آیت ہے، مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تمام آیات سے افضل فرمایا ہے اُبَی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ اور ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت

میں داخل ہونے کے لیے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان ایک عجیب وغریب انداز میں کیا گیا ہے۔

آیت الکرسی میں اللہ کا نام اسم ظاہر اور ضمیر کے طور پر سترہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

① اللّٰہ ② ھو ③ الحی ④ القیوم ⑤ لاتاخذہ کی ضمیر ⑥ لہ کی ضمیر ⑦ عندہ کی ضمیر ⑧ باذنہٖ کی ضمیر ⑨ یعلمُ کی ضمیر ⑩ علمهٗ کی ضمیر ⑪ شاء کی ضمیر ⑫ کرسِیُّهٗ کی ضمیر ⑬ یَئُوْدُهٗ کی ضمیر ⑭ وھو ⑮ العَلِیّ ⑯ العظیم ⑰ ضمیر مستتر جس پر مصدر حفظهما شامل ہے یہ مصدر مضاف الی المفعول ہے اور وہ ضمیر بارز ہے اس کے لیے فاعل ضروری ہے اور وہ اللہ ہے اور مصدر کے جدا ہونے کے وقت ظاہر ہوتا ہے، یقال، وَلَا یَئُوْدُهٗ اَنْ یحفظهما ھو۔

یہ آیت، آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مکمل معرفت بخشی گئی ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، اسی بنا پر حدیث میں اس کو قرآن کی سب سے افضل آیت قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت میں دس جملے ہیں:

❶ پہلا جملہ:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اس میں لفظ اللہ اسم ذات ہے، یعنی وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس ذات کا بیان ہے کہ لائق عبادت اس ذات کے سوا کوئی نہیں۔

❷ دوسرا جملہ:

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، وہ مستقلاً زندہ اور ازلی وابدی ہے صفت حیات اس کی جزء ذات ہے موت یا عدم نہ کبھی اس پر طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی طاری ہوگا، الحیّ فی نفسهٖ الذی لا یموت ابدًا. (ابن کثیر)

سَوَال: کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسی قوم بھی گذری ہے کہ اس نے خدا کی صفت الحی القیوم میں شبہ یا انکار کیا ہو؟

جَوَاب: ایک نہیں متعدد قومیں، بحر روم کے ساحل پر اس عقیدہ کی گذری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پاتا ہے اور دوسرے دن ازسر نو وجود میں آتا ہے چنانچہ ہر سال اسی تاریخ کو خدا کی میت کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسرے دن اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔

ہندوؤں کے یہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں، اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا

پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے۔

القیوم، مسیحیوں نے جس طرح اللہ کی صفت حیات کے بارے میں ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفت قیومیت کے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت کے خدا نہیں ہو سکتا اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کی شرکت کے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا، یعنی جس طرح نعوذ باللہ، مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح باپ بھی اپنی خدائی کے اثبات میں مسیح کا محتاج ہے، صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔

قیوم: وہ ذات ہے جو صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے قیام کا باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (ماجدی)

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ جس کو اسم اعظم کہا جاتا ہے وہ یہی الحیّ القیّوم، ہے۔ (قرطبی)

③ تیسرا جملہ:

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے بری ہے سابقہ جملہ میں لفظ قیوم سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان میں سمانے والی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، تو کسی شخص کا اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہیے، کچھ وقت آرام اور نیند کے لیے بھی ہونا چاہیے، اس دوسرے جملہ میں انسان کو اسی خیال پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنے یا دوسری مخلوق پر قیاس نہ کرے وہ مثل و مثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرت کاملہ کے لیے یہ سارے کام کچھ مشکل نہیں ہیں اور نہ اس کے لیے تھکان کا سبب ہیں اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تکان و تعب اور اونگھ، نیند سے بالاتر ہے۔

جاہلی مذہب کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں، مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں روز اس کو ستانے اور آرام کی ضرورت پیش آگئی، اسلام کا خدا دائم بیدار، ہمہ خبر دار، غفلت و سستی اور تھکن سے ماوراء خدا ہے۔

④ چوتھا جملہ:

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ہے، لَهٗ کا لام تملیک کے لیے ہے نہ کہ انتفاع کے لیے یعنی آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں اس کی مملوک ہیں۔

❺ پانچویں جملہ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ، ہے یعنی ایسا کوئی نہیں کہ اس کی اذن و اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کے لیے لب کشائی کر سکے۔

مسیح کی شفاعت کبریٰ مسیحیوں کا ایک خصوصی عقیدہ ہے، قرآن مجید مسیحیوں کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ اور شفاعت وغیرہ پر ضرب کاری لگانا چاہتا ہے، مسیحیوں نے جہاں نجات کا دار و مدار شفاعت پر رکھا ہے، وہیں اس کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانون مکافات (کرم) یعنی عمل کے ضابطوں میں ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی اور اس کے یہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں ہے، اسلام نے توسط اور اعتدال کی راہ اختیار کر کے بتایا کہ نجات کا مدار کسی شفاعت پر ہرگز نہیں، البتہ اللہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو شفاعت کا موقع دے گا اور قبول کرے گا اور سب سے بڑے شافع محشر رسول اللہ ﷺ ہیں، اسی آیت سے اہل سنت والجماعت نے شفاعت کا استنباط کیا ہے۔

❻ چھٹا جملہ ہے:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ یعنی حاضر و غائب، محسوس و معقول، مدرک و غیر مدرک، سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہے اس کا علم تمام چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

❼ ساتواں جملہ ہے:

"وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ" یعنی انسان بلکہ تمام مخلوق اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ جتنا علم ان کو عطا کرے اتنا ہی علم ہو سکتا ہے اس کو تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے یہ اللہ جلّ شانہ کی مخصوص صفت ہے اس میں کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں۔

❽ آٹھواں جملہ:

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، لفظ کرسی بالعموم حکومت اور اقتدار کے لیے استعارہ کے طور پر بولا جاتا ہے اردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لیتے ہیں، عرش و کرسی کی حقیقت و کیفیت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں جو تمام زمین و آسمان سے

بدر جہا بڑے ہیں، ابن کثیر نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقۂ انگشتری ڈالدیا جائے۔

۹ نواں جملہ:

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان و زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

۱۰ دسواں جملہ:

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، یعنی وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے ان دس جملوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آگیا۔ (معارف القرآن، تفسیر ماجدی حذف و اضافہ کے ساتھ)۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، حصین انصاری نامی ایک شخص کے دولڑکے یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے، پھر جب انصار مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے زبردستی مسلمان بنانا چاہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی، شان نزول کے اعتبار سے مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی اسلامی مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انھیں قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی سے چاہے اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے اسلام میں داخل ہو جائے، تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے، مقصد معاشرے سے اس قوت و طاقت کا زور توڑنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہوتا ہے چونکہ روڑا بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ "الجهاد ماض الى يوم القيامة"، جہاد قیامت تک جاری رہے گا اسی طرح سزائے ارتداد سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ ارتداد کی سزائے قتل سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے، ایک اسلامی ملک میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہنے کی اجازت تو ہو سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو اس سے بغاوت اور انحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی لہٰذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے کیونکہ اگر ارتداد کی اجازت دیدی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی ہے جو اسلامی معاشرہ کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل،

چوری، زنا، ڈاکہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی یہ جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارتگری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں، آج اکثر اسلامی ممالک ان دونوں مقاصد کو نظرانداز کرکے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں محتاج وضاحت نہیں۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ: ''طاغوت'' لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کرکے خود آقائی اور خداوندی کا دم بھرنے لگے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے، خدا کے مقابلہ میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً خدا کی فرماں برداری ہی کو حق جانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر خود مختار ہو جائے، یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک میں اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے، اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام ''طاغوت'' ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ جادل اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ای حمله بطره بنعمة الله علی ذلک البطر وهو نمروذ اِذْ بدل من حاج قَالَ اِبْرٰهٖمُ لما قال له من ربك الذی تدعونا الیه رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ای یخلق الحیاة والموت فی الاجسام قَالَ هو اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ بالقتل والعفو عنه ودعی برجلین فقتل احدهما وترك الاخر فلما راه غبیا قَالَ اِبْرٰهٖمُ منتقلا الی حجة اوضح منها فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا انت مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ تحیر ودهش وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾ بالکفر الی محجة الاحتجاج اَوْ رایت كَالَّذِیْ الکاف زائدة مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ هی بیت المقدس راکبا علی حمار ومعه سلة تین وقدح عصیر وهو عزیر علیه السلام وَّهِیَ خَاوِیَةٌ ساقطة عَلٰى عُرُوْشِهَا سقوفها لما خربها بخت نصر قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا استعظاما لقدرة الله تعالٰی فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ والبثه مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ احیاه لیریه کیفیة ذلك قَالَ تعالٰی له كَمْ لَبِثْتَ مکثت هنا قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ لانه نام اول النهار فقبض واحیی عند الغروب فظن انه یوم النوم قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ التین وَشَرَابِكَ العصیر لَمْ یَتَسَنَّهْ لم یتغیر مع طول الزمان والهاء قیل اصل من سانهت وقیل للسکت من سانیت وفی قراءة بحذفها وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ کیف هو فرآه میتا وعظامه بیض تلوح فعلنا ذلك لتعلم وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً علی البعث لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ من حمارك كَیْفَ نُنْشِزُهَا نحییها بضم

النون وقُرِئَ بفتحِهَا مِنْ انشر ونشر لغتان وفي قراءةٍ بضمِّها والزاي نُحَرِّكُها و نرفعُها **ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا** فنظر اليه و قد تركبت و كُسِيَتْ لحمًا و نُفِخَ فيه الرُّوحُ ونهق **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ** ذلك بالمشاهدة **قَالَ اَعْلَمُ** عِلْمَ مُشاهدةٍ **اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** (۲۵۹) وفي قراءةٍ اِعْلَمْ امرٌ مِنَ الله لهٗ **وَ** اذكر **اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ** تعالٰى له **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** بِقُدرتي على الاحياء سألهُ مع علمه بايمانه بذلك ليُجيبَ بما قال له فيعلمُ السّامعون غرضَهُ **قَالَ بَلٰی** امنتُ **وَلٰكِنْ** سألتُك **لِیَطْمَئِنَّ** يسكُنَ **قَلْبِیْ** بالمعاينة المضمومة الى الاستدلال **قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ** بكسر الصاد وضمِّها امِلْهُنَّ اليك وَقطِّعْهُنَّ واخلط لحمهُنَّ و ريشهُنَّ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ** من جبال ارضك **مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** اليك **یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا** سريعًا **وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ** لا يُعجزهُ شيءٌ **حَكِیْمٌ** (۲۶۰) في صُنعه فاخذ طاؤسًا ونسرًا وغرابًا وديكًا وفعل بهنّ ما ذُكر وَامسكَ رُءُوسهنّ عندهُ ودعاهُنّ فتطايرت الْاَجزاءُ الٰى بَعْضِهَا حتّى تكاملتْ ثُمَّ اَقبلتْ اِلٰى رُءُوسِهَا.

تَرْجَمَہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا؟ اس سبب سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دے رکھی تھی، اللہ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو اس سرکشی (مباحثہ) پر آمادہ کیا تھا اور وہ نمرود تھا، اس وقت جبکہ ابراہیم نے اس کے اس قول کے جواب میں کہ تیرا رب کون ہے؟ جس کی طرف دعوت دیتا ہے؟ کہا تھا میرا رب تو وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے یعنی موت وحیات کو جسموں میں پیدا کرتا ہے، وہ بولا زندگی اور موت تو قتل اور معافی کے ذریعہ میں (بھی) دیتا ہوں اور اس نے دو آدمیوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ جب (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اس کو بے وقوف پایا تو اس سے بھی زیادہ واضح حجت کی طرف انتقال کرتے ہوئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ (اچھا) اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ کافر دنگ رہ گیا (یعنی) حیران وششدر رہ گیا، اللہ تعالیٰ کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کو راہِ استدلال نہیں دکھاتا، یا (پھر) کیا اس شخص (کے حال) پر نظر کی؟ کاف زائد ہے۔ جو ایک بستی پر کہ بستی وہ بیت المقدس تھی گدھے پر سوار ہو کر گزرا اور اس کے ساتھ انجیر کی ایک ٹوکری تھی اور انگور کے شیرے کا ایک پیالہ تھا، اور وہ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی، اسلئے کہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ تو اس نے کہا اس بستی (والوں) کو ان کے مرنے کے بعد اللہ کس طرح زندہ کرے گا؟ (حضرت عزیر نے) یہ بات اللہ کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے (تعجب کے طور پر) کہی تو اللہ نے اس کو موت دیدی اور سو سال تک پڑا رکھا پھر اس کو زندہ کیا تاکہ اس کو احیاء کی کیفیت دکھائے، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو (اس حالت میں) کتنی مدت پڑا رہا تو اس نے کہا ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں گا اسلئے کہ وہ بوقت صبح سویا تھا تو اس کی روح قبض کر لی گئی اور

غروب کے وقت زندہ کیا گیا تو اس نے سمجھا کہ یہ غروب سونے کے دن ہی کا ہے۔ فرمایا (نہیں) بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے انجیر کو اور مشروب انگور کے رس کو دیکھ کہ وہ طولِ زمان کے باوجود خراب نہیں ہوا، کہا گیا ہے کہ (یَتَسَنَّه) میں (ھا) اصلی ہے، سَانَهْتُ سے مشتق ہے اور کہا گیا ہے کہ وقف کی ہے سَانَيْت سے ماخوذ ہے، اور ایک قراءت میں حذف ھا کے ساتھ ہے اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہے تو اس کو مردہ دیکھا، اور اس کی ہڈیاں سفید چمکدار ہیں، ہم نے یہ اس وجہ سے کیا تا کہ تم کو (مشاہدہ) کے طور پر معلوم ہو جائے اور تا کہ ہم تجھکو لوگوں کے لئے بعثت پر نشانی بنادیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں (نُنْشِزُهَا) نون کے ضمہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اَنْشَزَ اور نَشَزَ سے دو لغت ہیں اور ایک قراءت میں ضمہ نون اور زاء کے ساتھ ہے یعنی اس کو حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں تو (حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ان ہڈیوں کو دیکھا دراں حالیکہ وہ جڑ گئیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا گیا اور ان میں روح پھونک دی گئی، اور وہ بولنے لگا، پھر جب یہ سب کچھ مشاہدہ کے طور پر ظاہر ہو گیا تو (حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہہ اٹھے کہ مجھے (مشاہدہ سے) علم یقینی حاصل ہو گیا، کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور ایک قراءت میں اِعْلَمْ بصیغۂ امر ہے (یعنی) اللہ کی جانب سے ان کو دیکھ کر علم مشاہدہ حاصل کرنے کا حکم ہوا، اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم کو میری قدرت علی الاحیاء پر یقین نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کا علم تھا، تا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سوال کا جواب دیں اور سامعین کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کا مقصد معلوم ہو جائے، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا ایمان تو ہے مگر میں نے آپ سے سوال کیا تا کہ مشاہدہ مع استدلال سے میرے قلب کو سکون ہو جائے، فرمایا چار پرندلو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ان کو اپنی طرف ہلاؤ صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو اپنی طرف مائل کرو اور ان کے ٹکڑے کر کے ان کے گوشت اور پروں کو خلط ملط کر دو پھر اپنے علاقہ کے ہر پہاڑ پر ان میں سے تھوڑا تھوڑا رکھ دو پھر ان کو اپنی طرف آواز دو وہ تیری طرف تیزی سے آئیں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے، اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اپنی صنعت میں حکمتوں والا ہے چنانچہ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ایک مور ایک کرگس ایک کوا ایک مرغا لیا اور ان کے ساتھ مذکورہ معاملہ کیا اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا، پھر ان کو آواز دی تو بعض اجزاء بعض کی طرف اڑے حتیٰ کہ مکمل پرند ہو گئے پھر وہ اپنے سروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: جَادَلَ، حَاجَّ کی تفسیر جَادَلَ سے کر کے بتادیا کہ حَاجَّ بمعنی غَلَبَ فی الحجة نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے فَحَجَّ آدمُ موسیٰ، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے۔ اسلئے کہ نمرود حجت میں ابراہیم پر غالب نہیں آیا تھا۔

قولہ: ای حَمَلَهُ الخ، اس میں اشارہ ہے کہ نمروذ کی حجت بازی کا سبب اعطاء ملک تھا، أن اتٰهُ اللّٰهُ، الملكَ حذف لام کے ساتھ مفعول لِاَجَلِه ہے ای لِاَ ن آتا ہ اللّٰه الملك.

قولہ: نُمرُوذُ، نـمرُوذُ بن كنعان، نُمرُوذ۔نون اور ذال معجمہ کے ضمہ کے ساتھ، (ترویح الارواح)، یہ ولد الزنا تھا سب سے پہلے تاج مکلل اپنے سر پر اسی نے رکھا تھا اور روئے زمین کا مالک ہوا نیز اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا، دنیا میں چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو روئے زمین کے مالک ہوئے ہیں ان میں سے دو مسلمان سلیمان و ذوالقرنین علیہما السلام ہیں، اور دو کافر ہیں نمروذ و بخت نصر۔

قولہ: بَطَره، بَطَر کے معنی اترانے اور حد سے زیادہ بے جا فخر کرنے کے ہیں۔

قولہ: اِذ، بدل من حَاجَّ. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذ ظرفیہ کا فعل سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے؟

جواب: حذف فعل مثل جادَلَ یا خاصَمَ سے بدل کل ہے اِذ ظرفیہ کی طرف بدلیت کی نسبت فعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ ہے۔

قولہ: ای یخلق الحیاةَ والموتَ اس عبارت میں نمروذ کے اعتراض کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ یُحی ویُمیت سے مطلب اجسام میں موت وحیات کو پیدا کرنا ہے جو کہ نمروذ سے ممکن نہیں تھا۔

قولہ: تَحَیَّرَ ودَهِشَ، بُهِتَ، ان افعال میں سے ہے کہ جو مبنی للمفعول استعمال ہوتے ہیں مگر معنی میں مبنی للفاعل کے ہوتے ہیں، بُهِتَ، کی تفسیر تحیَّرَ اور دَهِشَ، سے کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: المحجة، میم کے فتحہ کے ساتھ، کشادہ راستہ۔

قولہ: منتقلاً اِلیٰ حجةٍ اوضح منها، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال دو وجہ سے ہوا کرتا ہے اول دلیل میں فساد ونقص ہو حالانکہ نبی سے یہ ممکن نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اگر دلیل میں کوئی ابہام ہو تو اس کو واضح نہ کر سکے اور یہ بھی درست نہیں۔

جواب: یہ انتقال، مِنْ دَلیلٍ اِلیٰ دَلیلٍ آخر، نہیں ہے بلکہ دلیل خفی سے دلیل جلی کی طرف انتقال ہے۔

قولہ: اَوْ رایتَ کالّذی، رأیتَ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اَوْ کالّذی کا عطف کالّذی حَاجَّ پر درست نہیں ہے اسلئے کہ جو عامل معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے معطوف علیہ کا عامل اِلیٰ، ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کالّذی کا عامل بھی، الیٰ ہو، حالانکہ کاف پر الیٰ کا دخول جائز نہیں ہے کاف خواہ اسمیہ ہو یا حرفیہ۔

جواب: یہ عطف مفرد علی المفرد نہیں ہے بلکہ عطف جملہ علی الجملہ ہے اور کالذی سے پہلے اَرَایتَ محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلہ: بُخت نَصَّر، بُخت بمعنی ابن اور نصر ایک بت کا نام ہے بُخت نصر، کے معنی ہیں ابن الصنم اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی والدہ نے اس کو نصر بت کے پاس ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام بُخت نصر یعنی ابن الصنم مشہور ہو گیا۔ (صاوی)

قِوْلہ: لَمْ یَتَسَنَّہ، ای لَمْ یَتَغَیَّرْ (تفعّل) سے مضارع واحد مذکر غائب، سالہا سال گزرنے کے باوجود خراب نہ ہوا حمزہ اور کسائی نے ھاء کو ھاء سکتہ قرار دیتے ہوئے حالت وصل میں حذف ضروری قرار دیا ہے ان کے نزدیک اصل لفظ یَتَسَنَّ ہے جس کی اصل یَتَسَنّٰی تھی حالت جزم میں الف ساقط ہو کر یَتَسَنَّ ہو گیا، اس قول کے مطابق یہ سَنَۃٌ سے ماخوذ ہوگا، جس کی اصل سَنَوَۃ تھی۔ ابوعمرو نے کہا تَسَنّٰی (تفعل) کی اصل تَسَنُّنٌ تھی اور تَسَنُّنٌ کے معنی ہیں تغیّر۔ اسی مادہ سے حَمَاٍ مَّسْنُوْن ہے۔ بعض دیگر حضرات، ھاء کے اصل ہونے کے قائل ہیں جو کہ وقف اور وصل دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے اس قول پر بھی سَنَۃٌ سے ماخوذ ہوگا مگر سَنَۃ کی اصل سَنَھَۃٌ تھی اسلئے کہ اس کی تصغیر سُنَیْھَۃ آتی ہے۔

سِوَال: لَمْ یَتَسَنَّہْ، کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ اس سے مراد طعام و شراب ہیں لہٰذا تثنیہ لانا چاہیے تھا۔

جَوَاب: طعام و شراب، بمنزلہ غذا، حکم میں مفرد کے ہیں اسلئے یَتَسَنَّہْ، کو مفرد لایا گیا ہے۔

قِوْلہ: فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ.

سِوَال: وَلِنَجْعَلَكَ، میں واؤ کیسا ہے؟ اگر عاطفہ ہے تو اس کا معطوف علیہ کیا ہے؟ حالانکہ ماقبل میں کوئی معطوف علیہ ایسا نہیں کہ اس کا اس پر عطف درست ہو۔

جَوَاب: بعض حضرات نے واؤ کو استینافیہ کہا ہے اور لام محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَۃً لِّلنَّاس، لِنَجْعَلَكَ اصل میں لِاَنْ نَجْعَلَكَ ہے جار اپنے مصدر تاویلی مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہے۔

دُوسرا جَوَاب: جن حضرات نے واؤ عاطفہ مانا ہے تو انہوں نے فعل محذوف پر عطف کیا ہے جیسا کہ مفسر علام نے لِتَعْلَمَ معطوف علیہ مقدر مانا ہے اور وہ معطوف علیہ ایک دوسرے فعل مقدر سے جو کہ ماسبق سے مفہوم ہے۔ متعلق ہے۔ اور وہ فَعَلْنَا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ قدرتنا علی اِحیاءِ الموتی.

قِوْلہ: نُنْشِرُھَا، نون کے ضمہ اور راء مہملہ کے ساتھ اِنشار (افعال) سے جمع متکلم، ہم کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں اور راء مہملہ کی صورت میں نون کے فتحہ کے ساتھ (ن) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں نون کے ضمہ اور زائے معجمہ کے ساتھ ہے ای نُحَرِّکُھَا و نرفعُھا، یعنی کس طرح حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، مجازی معنی ہم کس طرح زندہ کرتے ہیں۔

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشاہدۂ احیاء سے قبل علم استدلالی حاصل تھا اور مشاہدہ کے بعد علم المشاہدہ حاصل ہوا، لہٰذا دونوں باتیں صحیح ہیں۔

قِوْلہ: فَیَعْلَمُ السَّامِعُوْن، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کی وجہ عدم یقین اور عدم ایمان نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ

سامعین کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کا مقصد اطمینان قلبی حاصل کرنا تھا نہ کہ نفس علم، تا کہ علم الوحی کے ساتھ علم المشاہدہ بلکہ مزید اطمینان کا سبب بنے، لہٰذا یہ وہم ختم ہو گیا کہ باوجود اس کے کہ اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کا علم تھا تو پھر، اَوَلَمْ تُؤْمِنْ، کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کیوں سوال کیا؟

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاجَّ، یہ استفہام تعجبی ہے، ای اِعجَبْ یا محمد مِنْ هذه القصة اور اَنّٰی یُحییْ هذه اللّٰه بَعْدَ مَوْتِهَا، میں استفہام اظہار عظمت کے لئے ہے۔

فَصُرْهُنَّ، بضم الصاد و کسرها، صَارَ یَصُورُ یاصَارَ یَصِیْرُ سے فعل امر ہے بمعنی ضَمِّ او بمعنی مالِ، ملا، مائل کر، مانوس کر، اس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا بھی ہیں اور بعض نے کہا ہے ضمہ کے ساتھ تو دونوں معنی میں مشترک ہے اور کسرہ کے ساتھ بمعنی قطع کرنا۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖ. اَلَمْ تَرَ، عربی ادب میں یہ اسلوب حیرت اور استعجاب کے موقع پر استعمال ہوتا ہے، اور اس میں پہلوئے ذم نمایاں ہے جب بھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانی ہوتی ہے تو اس کو اسی طریقہ پر شروع کرتے ہیں جیسے اردو میں کہتے ہیں: تم نے فلاں کی حرکت دیکھی؟ (تفسیر کبیر ملخصا) رہی یہ بحث کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بحث و مباحثہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا، مفسرین نے اس کا نام نمرود بتایا ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وطن عراق کا بادشاہ تھا، جس واقعہ کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اس کا ذکر بائبل میں نہیں ہے اس لئے اہل کتاب اس واقعہ کو ماننے ہی میں تامل کرتے ہیں، البتہ تلمود میں یہ پورا واقعہ موجود ہے اور بڑی حد تک قرآن کے مطابق ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باپ نمرود کے یہاں سب سے بڑا عہدیدار تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب برملا شرک کی مخالفت اور توحید کی تبلیغ شروع کی اور بت خانہ میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالا تو ان کے باپ نے خود ان کا مقدمہ بادشاہ کے دربار میں پیش کیا اور پھر وہ گفتگو ہوئی جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

مابہ النزاع کیا تھا؟

مابہ النزاع یہ بات تھی کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا رب کس کو مانتے ہیں اور یہ نزاع اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جھگڑنے والے شخص کو خدا نے حکومت عطا کی تھی اس وجہ نزاع کی طرف، اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ، سے اشارہ کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل حقیقتوں پر نظر رہنی ضروری ہے۔

❶ قدیم ترین زمانے سے آجتک تمام مشرک سوسائٹیوں کی مشترکہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب خدائے خداوندگان کی حیثیت سے تو مانتے ہیں مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود نہیں مانتے۔

❷ خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری خدائی جو سلسلہ اسباب پر حکمراں ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجت اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا ہے، اس خدائی میں وہ اللہ کے ساتھ ارواح، فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی (یعنی حاکمیت) ہے اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکوں نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کرکے شاہی خاندانوں اور مذہبی پروہتوں اور سوسائٹی کے اگلے پچھلے بڑوں میں تقسیم کردیا ہے۔ اکثر شاہی خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں اور اسے مستحکم کرنے کیلئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک سازش رہے ہیں مثلاً جاپان کا شاہی خاندان اسی معنی کے اعتبار سے خود کو خدا کا اوتار کہتا ہے اور جاپانی ان کو خدا کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔

❸ نمروذ کا دعوائے خدائی بھی اسی دوسری قسم کا تھا وہ خدا کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور پوری کائنات کا مدبر میں ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے میرے اوپر کوئی بالاتر اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں، اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی اور غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرے۔ نمروذ کو اس خداداد سلطنت کی وسعت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور بر خود غلط بنا رکھا تھا کہ دعوائے خدائی کر بیٹھا روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک عرش الٰہی بنا رکھا تھا جس پر بیٹھ کر اجلاس کرتا تھا (ملاحظہ ہو ہنٹر ہوک کی حکایات یہود)۔

❹ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کہا کہ میں صرف ایک رب العالمین کو خدا، معبود، اور رب مانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی خدائی اور ربوبیت کا منکر ہوں تو سوال صرف یہی نہیں پیدا ہوا کہ قومی مذہب اور مذہبی معبودوں کے بارے میں ان کا یہ نیا عقیدہ کہاں تک قابل برداشت ہے بلکہ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ قومی ریاست اور اس کے مرکزی اقتدار پر اس عقیدے کی جو زد پڑتی ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جرم بغاوت کے الزام میں نمروذ کے سامنے پیش کئے گئے۔

نمروذ نے داعی توحید (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے کہ جس کی طرف تم دعوت دے رہے ہو ذرا میں بھی تو اس کے اوصاف سنوں، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ" یعنی حیات و موت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ سارے نظام ربوبیت کا سرچشمہ ہے کائنات حیاتی کی فنا اور بقا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جاکر ٹھہرتے ہیں۔ کسی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظام حیاتی کو بدل سکے اس میں کوئی ادنیٰ تصرف کر

دکھائے، اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے جواب کے اس پہلے ہی فقرے سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اب، اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، تاہم نمرود اس کا جواب ڈھٹائی سے دے گیا اور دو واجب القتل مجرموں کو بلایا اور ایک کو معاف کر دیا اور دوسرے کو قتل کرا دیا اور کہہ دیا "اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ" حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے استدلال وہی قائم رکھا صرف مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسری مثال پیش کر دی اور فرمایا اچھا کائنات حیاتی نہ سہی کائنات طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھاؤ نمرود سورج دیوتا کا خود کو اوتار کہتا تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل تھا اس کے عقیدہ کے ابطال و تردید میں سورج ہی کی مثال پیش کی، "قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ" حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کس قدر بہترین گرفت فرمائی!!

اس استدلال کا نمرود ڈھٹائی سے بھی جواب نہ دے سکا، اس لیے کہ وہ خود ہی جانتا تھا کہ آفتاب و ماہتاب اسی خدا کے زیر فرمان ہیں جس کو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام رب مانتا ہے، مگر اس طرح جو حقیقت اس کے سامنے بے نقاب ہو رہی تھی اس کو تسلیم کر لینے کے معنی اپنی مطلق العنان فرمانروائی سے دست بردار ہو جانے کے تھے، جس کے لیے اس کے نفس کا طاغوت تیار نہ تھا لہٰذا وہ ششدر ہی ہو کر رہ گیا، خود پرستی کی تاریکی سے حق پرستی کی روشنی میں نہ آیا۔

تلمود کا بیان ہے کہ اس کے بعد نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام قید کر دیے گئے دس روز تک وہ جیل میں رہے۔ پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا اور ان کو آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آیا جو سورۂ انبیاء، عنکبوت اور سورۃ الصافات میں بیان ہوا ہے۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ آیت کا عطف معنوی سابق آیت پر ہے اور تقدیر کلام اکثر نحویوں نے یہ نکالی ہے، "اَرَيْتَ كَالَّذِيْ حَاجَّ اِبْرَاهِيْمَ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ علی قريةٍ" اور زمخشری، بیضاوی وغیرہ نے تقدیر "اَرَيْتَ مثل الذی مَرَّ الخ" نکالی ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

قرآن عزیز اور حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام:

قرآن عزیز میں حضرت عزیر (علیہ الصلاۃ والسلام) کا نام صرف ایک جگہ سورۂ توبہ میں مذکور ہے، اور اس میں بھی صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہود عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس طرح کہ نصاریٰ عیسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اس ایک جگہ کے سوا قرآن میں اور کسی مقام پر ان کا نام لے کر ان کے حالات و واقعات کا تذکرہ نہیں ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. (سورۂ توبہ)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبانوں سے نکالی ہوئی،

ان لوگوں نے بھی ان ہی کی سی بات کہی جو اس سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں۔

قرآن میں مذکور ایک واقعہ:

البتہ مذکورہ آیت میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک برگزیدہ ہستی کا اپنے گدھے پر سوار ایک ایسی بستی سے گذر ہوا جو بالکل تباہ و برباد ہو کر کھنڈر ہو چکی تھی وہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ مکین، ان بزرگ نے جب یہ دیکھا تو تعجب اور حیرت سے کہا ایسا کھنڈرا اور تباہ حال ویرانہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اور یہ مردہ بستی کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کرے گی؟ یہاں تو بظاہر کوئی بھی ایسا سبب نظر نہیں آتا، یہ بزرگ ابھی اسی فکر میں غرق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک اسی حالت میں ڈالے رکھا، یہ مدت گذر جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندگی بخشی، تب ان سے کہا بتاؤ! کتنے عرصہ اس حالت میں رہے؟ وہ جب موت کی آغوش میں سوئے تھے تو دن چڑھنے کا وقت تھا، اور جب دوبارہ زندگی پائی تو غروب آفتاب کا وقت تھا، اس لیے انہوں نے جواب دیا ایک دن یا چند گھنٹے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے، بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے، اور اب تمہارے تعجب اور حیرت کا یہ جواب ہے کہ تم ایک طرف اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں مطلق کوئی تغیر نہیں آیا، اور دوسری جانب اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا جسم گل سڑ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، اور پھر ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو چاہا کہ محفوظ رہے تو سو برس کے اس طویل عرصہ میں کسی بھی اس پر موسمی تغیرات نے اثر نہ کیا اور محفوظ و سالم رہی اور جس کے بارے میں ارادہ کیا کہ گل سڑ جائے وہ گل سڑ گئی اور اب تمہاری آنکھوں کے دیکھتے ہی ہم اس کو دوبارہ زندگی بخشے دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ ہم تم کو اور تمہارے واقعہ کو لوگوں کیلئے نشانِ قدرت بنا دیں اور تم یقین کے ساتھ ساتھ عینی مشاہدہ بھی کر لو۔ تب انہوں نے اظہار عبودیت کے بعد یہ اقرار کیا کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لیے یہ سب کچھ آسان ہے اور مجھکو علم الیقین کے بعد عین الیقین کا درجہ ہو حاصل ہو گیا۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ (الآیہ) ان آیات کی تفسیر میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ بزرگ شخص کون تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو اس کے جواب میں مشہور قول یہ ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ تم یروشلم جاؤ۔ ہم اس کو دوبارہ آباد کر دیں گے جب یہ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ اور برباد پایا تو بر بنائے بشریت یہ کہہ اٹھے کہ اس مردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی ملے گی؟ ان کا یہ قول بہ شکل انکار نہ تھا بلکہ تعجب اور حیرت کے ساتھ ان اسباب کے متلاشی تھے جن کے ذریعہ سے اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا تھا، لیکن اللہ کو اپنے برگزیدہ بندے اور نبی کی یہ بات بھی پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے لیے یہ کافی تھا کہ خدا نے دوبارہ اس بستی کی زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جو مذکورہ بالا سطور میں بیان ہوا، اور جب وہ زندہ کئے گئے تو یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن سلام اور قتادہ، سلیمان، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رجحان اسی جانب ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید کا اور ایک روایت میں عبداللہ بن سلام کا قول یہ ہے کہ یہ شخص حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) نبی تھے، ابن جریر طبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر و تاریخ ابن کثیر)

تاریخی بحث:

اور یہ اس لیے کہ جب قرآن عزیز نے اس بستی کا نام ذکر نہیں کیا اور نبی ﷺ سے بھی اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور صحابہ و تابعین سے جو آثار منقول ہیں ان کا ماخذ بھی وہ روایات و اقوال ہیں جو وہب بن منبہ، کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام تک پہنچتے ہیں جو کہ اسرائیلی روایات و واقعات سے منقول ہیں۔ اب واقعہ سے متعلق شخصیت کی تحقیق کے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے کہ تورات اور تاریخی مصادر سے اس کو حل کیا جائے، مجموعہ تورات کے صحائفِ انبیاء اور تاریخی بیانات پر غور کرنے سے یہ تفصیلات سامنے آتی ہیں کہ یہ واقعہ حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق ہے مزید تفصیل کے لیے قصص القرآن مصنفہ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی طرف رجوع کریں۔

مَثَلُ صِفَةُ نفقات **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى طاعته **كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ** فكذالك نفقاتهم تتضاعف بسبع مائة ضعف **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ** اكثر من ذلك **لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فضله **عَلِيْمٌ** (۲۶۱) بمن يستحق المضاعفة **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا** على المُنفَق عليه بقولهم مثلًا قد احسنتُ اليه وجبرتُ حالَهُ **وَّلَآ اَذًى** له بذكر ذلك الى من لا يُحِبُّ وُقُوفَهُ عليه و نحو ذلك **لَّهُمْ اَجْرُهُمْ** ثوابُ إنفاقهم **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** (۲۶۲) في الأخرة **قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ** كلامٌ حسنٌ و رَدٌّ على السائل جميلٌ **وَّمَغْفِرَةٌ** له في إلحاحِه **خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى** بالمنّ و تعيير له بالسؤال **وَاللّٰهُ غَنِىٌّ** عن صدقةِ العباد **حَلِيْمٌ** (۲۶۳) بتاخير العقوبة عن المانّ والمؤذي **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ** اى أُجورَها **بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** ابطالًا **كَالَّذِىْ** اى كابطال نفقةِ الذي **يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ** مُرائيًا لهم **وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** وهو المنافق **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ** حجرٍ أملس **عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ** مطرٌ شديدٌ **فَتَرَكَهٗ صَلْدًا** صلبًا أملس لاشيءَ عليه **لَا يَقْدِرُوْنَ** استيناف لبيان مثل المنافق المُنفِق رياءً وجمعُ الضمير باعتبار معنى الذي **عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا** عملوا اى لا يجدون له ثوابًا في الأخرة كما لا يُوجدُ على الصفوان شيءٌ من التراب الذي كان عليه لإذهاب المطر له **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ** (۲۶۴) **وَمَثَلُ** نفقاتِ **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ** طلبَ **مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ** اى تحقيقًا للثواب عليه بخلاف المنافقين

الـذيـن لا يرجُونَهُ لِإنكارِهِم لَهُ وَمِنْ إبْتِدائِيَّة **كَمَثَلِ جَنَّةٍ** بُستَانٍ **بِرَبْوَةٍ** بِضم الراء وفتحِها مكانٌ مُرتَفعٌ مستوٍ **أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ** اَعْطَتْ **أُكُلَهَا** بِضَمِّ الكاف وسكونِهَا ثَمَرَهَا **ضِعْفَيْنِ** مِثْلَىْ مَا يُثمِرُ غيرُهَا **فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ** مَطَرٌ خَفِيفٌ يُصِيبُهَا و يَكْفِيهَا لِإرْتِفَاعِهَا المعنى تُثمِرُ وَتَزْكُو كَثُرَ المَطَرُ أم قَلَّ فكذلك نفقاتُ مَنْ ذُكِرَ تزكُو عِندَاللهِ كَثُرتْ أم قَلَّتْ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴿۲۶۵﴾** فيُجازيكُم به **أَيَوَدُّ** أيُحِبُّ **أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ** بُستَانٌ **مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ** فضَعُفَ عَنِ الكَسْبِ **وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ** اولادٌ صِغارٌ لا يَقدِرُونَ عليه **فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ** رِيحٌ شديدةٌ **فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ** فَفَقَدَهَا أحوجَ مَا كَانَ اِلَيهَا وَبَقِيَ هُوَ وَاَوْلَادُهُ عَجَزَةً مُتَحَيِّرِينَ لَاحِيلَةَ لَهُمْ وهذا تمثيلٌ لِنَفَقَةِ المُرائي وَالْمَانِّ فِي ذِهَابِهَا وَعَدَمِ نَفْعِهَا احوج مايكونُ اليها في الآخرَةِ وَالاستِفهامُ بمعنى النفي وعن ابنِ عباسٍ هُوَ لِرَجُلٍ عَمِلَ بالطّاعاتِ ثُمَّ بُعِثَ لَهُ الشيطانُ فَعَمِلَ بالمعاصي حَتّى أغرَقَ أعمالَهُ **كَذٰلِكَ** كما بَيَّنَ ما ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴿۲۶۶﴾** فتَعتَبِرُون.

ترجمہ: جولوگ اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں یعنی اس کی اطاعت میں صرف کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ کہ اس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح ان کا (راہ خدا) میں صرف کیا ہوا مال سات سو گنا افزوں ہوتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے اور اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے (اور) وہ اس بات سے واقف بھی ہے کہ افزونی کا کون مستحق ہے؟ جولوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد جس پر خرچ کیا ہے مثلاً یہ کہہ کر احسان نہیں جتاتے کہ میں نے اس کے ساتھ احسان کیا اور میں نے اس کی (خستہ) حالت سدھاردی اور نہ اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس احسان کا اس شخص کے سامنے تذکرہ کرکے کہ جس کا واقف ہونا یہ شخص پسند نہیں کرتا، (علیٰ ہذا القیاس) ان کا اجران کے رب کے پاس ہے، یعنی ان کے خرچ کا ثواب اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ایک میٹھا بول (اچھی بات) اور سائل کو اچھا جواب دینا اور اس کے اصرار کو نظرانداز کرنا اس خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے احسان جتلاکر اور سوال پر عار دلاکر ایذارسانی کی ہو، اور اللہ بندوں کے صدقے سے بے نیاز ہے اور احسان جتلانے والے اور تکلیف پہنچانے والے کی سزا کو مؤخر کرکے بردبار ہے۔ اے ایمان والو تم اپنے صدقات کو یعنی ان کے ثواب کو احسان جتلاکر اور تکلیف پہنچاکر اس شخص کے مانند ضائع نہ کرو۔ یعنی اس شخص کے صدقہ کے ضائع کرنے کے مانند کہ جو اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا حال یہ کہ وہ منافق ہے۔ اس کی مثال اس چکنے پتھر کی ہے کہ جس پر مٹی پڑی ہو۔ اور اس پر زور کی بارش ہو سو اس کو بالکل صاف کرکے رکھدے کہ اس پر کچھ باقی نہ رہے۔ (ایسے لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں گے اپنی کمائی (صدقات) سے، یہ جملہ مستانفہ ہے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے والے منافق

کی مثال بیان کرنے کے لیے۔ اور (لایقدرون) کو جمع لایا گیا ہے اَلَّذِیْ کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے۔ یعنی آخرت میں عمل خیر کا ثواب نہ پائیں گے جیسا کہ چکنے پتھر پر اس مٹی میں سے کچھ باقی نہیں رہتا جو اس پر تھی، بارش کے اس مٹی کو بہا لے جانے کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ ہدایت نہ دکھائیگا اور ان لوگوں کے لیے (راہ خدا میں) خرچ کرنے کی مثال جو اپنے مالوں کو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات (وقرار) کے ساتھ خرچ کرتے ہیں یعنی اس پر ثواب حاصل کرنے کے لیے، بخلاف منافقین کے کہ وہ ثواب کی توقع نہیں رکھتے ان کے ثواب کے منکر ہونے کی وجہ سے اور مِنْ ابتدائیہ ہے، اس باغ کی ہے جو بلند سطح پر ہو (رُبْوَۃ) میں راء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ وہ جگہ جو مرتفع اور مستوی ہو۔ اور اس پر زوردار بارش ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس (باغ) نے دوسرے باغوں کے پھل دینے کے مقابلہ میں دوگنا پھل دیا ہو۔ اُکُلُھَا۔ میں کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ۔ (مراد) اس کے پھل ہیں اور اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی ہو تو ہلکی ہی کافی ہے۔ یعنی اگر ہلکی بارش بھی اس پر ہو جائے تو اس کے بلند مقام پر ہونے کی وجہ سے وہی کافی ہو جاتی ہے، مطلب یہ کہ اس میں پھل آتے ہیں اور بڑھتے ہیں بارش خواہ زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح مذکورین کے صدقات عنداللہ زیادہ ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں خواہ وہ صدقات کم ہوں یا زیادہ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، لہٰذا وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا ہو جس کے تحت نہریں بہتی ہوں اور اس کے لیے اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھاپا آچکا ہو جس کی وجہ سے وہ کمانے میں کمزور پڑ گیا ہو۔ اور اس کے کمزور کم سن بچے ہوں جو کمانے پر قادر نہ ہوں۔ اس باغ پر ایک بگولہ آئے (یعنی) شدید آندھی، کہ جس میں آگ ہو، جس کی وجہ سے وہ (باغ) جل جائے سو اس نے باغ کو اس وقت کھویا ہو کہ جب وہ آخرت میں اس کا سخت محتاج ہو۔ اور وہ اور اس کے بچے عاجز متحیر رہ گئے ہوں کہ ان کے لیے (گذر بسر کرنے کی) اور کوئی صورت نہ ہو۔ یہ ریاکار اور احسان جتلانے والے کی تمثیل ہے اس کے ضائع ہونے اور اس کے نفع نہ پہنچانے میں ایسے وقت میں جب کہ (وہ ریاکار) آخرت میں اس (کے ثواب) کا شدید محتاج ہو۔ اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، اور ابن عباس رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے نیک اعمال کئے۔ پھر اس پر شیطان مسلط کر دیا گیا تو اس نے معصیت کے عمل شروع کر دیئے یہاں تک کہ اس نے اپنے اعمال کو غرق (ضائع) کر دیا۔ اللہ تمہارے لیے اسی طرح جس طرح بیان کی گئیں کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو اور عبرت حاصل کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

مَثَلُ مضاف اَلَّذِیْنَ موصول، یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جملہ ہو کر صلہ، صلہ موصول سے مل کر مثل کا مضاف الیہ، مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مبتداء (کَمَثَلِ حَبَّۃٍ) حَبَّۃٍ موصوف ہے انبتت الخ جملہ ہو کر صفت ہے

موصوف صفت سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔ مفسر علام نے صفة، کا اضافہ کر کے بتادیا کہ مثل بمعنی مثال نہیں ہے بلکہ بمعنی صفت ہے۔

سَوَال: نفقات کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ مشبہ ہے اور کاف حرف تشبیہ ہے اور مثل حبّة الخ مشبہ بہ ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ درست نہیں ہے اس لیے کہ مشبہ بہ (الذین ینفقون) از قبیل حیوانات ہے اور مشبہ (حبة) از قبیل جمادات ہے لہٰذا تشبیہ مناسب نہیں ہے، اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مشبہ کی جانب حذف مانا جائے جیسا کہ مفسر علام نے لفظ نفقات محذوف مانا ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَل نفقة الَّذين ينفقون كمثل حَبَّةٍ اَنْبَتَت الخ.

دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ کی جانب حذف مانا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مثل الَّذِينَ ينفقون اَمْوَالَهُمْ الخ كمثل زارع حبَّةٍ.

قَوْلُهٗ: اكثَرَ مِن ذٰلك اس حذف سے اشارہ کردیا کہ يُضْعِفُ کا مفعول محذوف ہے۔

سَوَال: مُضاعفت تو ماقبل سے مفہوم ہو رہی ہے دوبارہ ذکر کرنے سے تکرار معلوم ہوتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اكثرَ مِن ذٰلك کا اضافہ کر کے اس سوال کا جواب دیا ہے یعنی ماسبق سے جو مفہوم ہو رہا ہے اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قَوْلُهٗ: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ، موصوف صفت سے ملکر معطوف علیہ اور مغفرة معطوف، معطوف معطوف علیہ سے ملکر مبتداء خَيْرٌ مِنْ صدقة الخ خبر۔

سَوَال: خَيْرٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: چونکہ اس کا معطوف علیہ معرفہ ہے جس کی وجہ سے معطوف کا مبتداء بننا درست ہو گیا۔

سَوَال: معطوف علیہ قَوْلٌ ہے جو کہ نکرہ ہے اس کا خود مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟۔

جَوَاب: جب نکرہ موصوف بالصفت ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے، قَوْلٌ موصوف معروف صفت ہے لہٰذا اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہو گیا۔

قَوْلُهٗ: اى أُجُوْرَهَا.

سَوَال: أُجور مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: نفس صدقہ یعنی مالِ صدقہ کے باطل ہونے کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ احسان جتانے یا اذیت پہنچانے سے مالِ صدقہ ضائع اور باطل نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسی شبہ کو رفع کرنے کے لیے أُجُوْرَهَا کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: جمع الضمير باعتبار معنىٰ الذى: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: یقدرون، کی ضمیر، اَلّذی ینفِقُ کی طرف راجع ہے جو کہ مفرد ہے اور یَقدِرُوْنَ میں ضمیر جمع ہے۔

جَواب: اَلّذی، اگرچہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے، کمافی قول الشاعر۔

وَاِن الَّذِیْ حَانَتْ بِفَلْجٍ دِمَاؤُهُم هُمُ الْقَوم كُلُّ الْقَوم

فلج، بصرہ میں ایک مقام کا نام ہے، وہ شخص جس کا خون مقام فلج میں ضائع ہو گیا درحقیقت وہی پوری قوم کے قائم مقام تھا، مقام استشہاد، هُمْ ضمیر ہے جو کہ اَلّذی کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: نفقات یہاں بھی حذف مضاف کی وجہ مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت پیدا کرنا ہے کما مرّ قریبًا.

قَوْلُہٗ: اَعْطَتْ، اٰتَتْ، کی تفسیر اعطت سے کرکے اشارہ کر دیا کہ اتت ایتاءٌ سے ہے نہ کہ اِتیان سے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

السُّنبلَة، خوشہ، بالی، مشہور و معروف شئی ہے جو کہ گندم وغیرہ میں نکلتی ہے، اس کا وزن فُنْعُلَةٌ، ہے، نون زائدہ ہے اَسْبَلَ الزرعُ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی میں بال نکل آتی ہے اور بعض حضرات نے سَنَبل سے مشتق مان کر نون کو اصلی بھی کہا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (الآیة) اس آیت میں تشبیہ تمثیل ہے (یعنی تشبیہ مرکب) اس میں مُنْفِقِیْن فی سبیل اللّٰه کے نفقہ کو مضاعفت میں دانۂ گندم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح ایک دانہ سے بہت سی بالیں اور ہر بال میں سینکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنے والے کا اجر وثواب اضعافاً مضاعفۃ ہوتا ہے، وجہ تشبیہ مضاعفت ہے، تشبیہ تمثیلی یا تشبیہ مرکب میں وجہ تشبیہ متعدد چیزوں سے اخذ کی جاتی ہے، اخلاص وایمان کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنا مشبہ ہے جو کہ مرکب ہے اور خوشۂ گندم جس میں دانے زیادہ ہوں مشبہ بہ ہے یہ بھی مرکب ہے لہٰذا مذکورہ آیت میں تشبیہ مرکب ہے جس میں تشبیہ کے چاروں رکن مذکور ہیں، مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، اور حرف تشبیہ۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ (الآیة) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے۔ ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے والے کی کیفیت کو اس صاف اور چکنے پتھر کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر ریت پڑا ہوا اور زوردار بارش میں وہ ریت مٹی بہہ کر صاف ہو جائے جس طرح یہ پتھر بارش کی وجہ سے صاف ہو گیا اسی طرح اس شخص کے نفاق کی وجہ سے اس کے انفاق کا اجر وثواب بھی ضائع ہو گیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (الآیة) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے اس لیے کہ اخلاص کیساتھ اور رضاء الٰہی کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس باغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بلندی پر ہو اور جس میں ہر حال میں پھل بکثرت آئیں خواہ بارش زیادہ ہو یا کم۔

قَوْلُہٗ: نَخِیْلٌ کہا گیا ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نخلةٌ ہے، اور کہا گیا ہے کہ نخل کی جمع ہے اور نخل اسم جنس ہے۔

قولہ: اِعصار، تیز آندھی، بگولہ، لُو یا پالے والی ہوا، جو درختوں کو اپنی سمیت کیوجہ سے جھلس دے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ (الآیة) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی، مشبہ بہ ایک ایسا شخص ہے کہ جس نے زندگی بھر آبیاری کر کے ایک عمدہ باغ تیار کیا ہو جس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کے پاس گذر وبسر کرنے کا صرف وہی واحد ذریعہ ہو اور یہ شخص بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہو ضعف ونقاہت کی وجہ سے کسب کرنے کی طاقت بھی نہ رہی ہو اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں وہ بچے اس کا سہارا تو کیا بنتے الٹے اس کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہوں، ایسی صورت میں اس باغ پر کوئی بلائے آسمانی آپڑے جو اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دے تو اس شخص کو کس قدر حسرت ویاس ہوگی، یہی حال قیامت کے دن اس ریا کار خرچ کرنے والے کا ہوگا کہ نفاق وریا کاری کی وجہ سے اس کے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت وفرصت بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارا بھی یہی حال ہو؟۔

باغ والے کے حالات سے جو کیفیت منتزع ہوتی ہے وہ مشبہ بہ ہے اور قیامت کے دن ایک ریا کار کی جو حالت ہوگی اس سے جو کیفیت منتزع ہوتی ہے وہ مشبہ ہے، اس تمثیل میں مشبہ بہ مذکور ہے اور مشبہ محذوف ہے، اَیَوَدُّ، میں استفہام نفی وقوع کے لیے ہے نہ کہ نفی واقع کے لیے۔

تفسیر وتشریح

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (الآیة) یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی، یہ اس بات کا بیان ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا یعنی زبان سے ایسا کلمہ تحقیر ادا نہیں کرتا ہے جس سے کسی غریب ضرورتمند محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے، حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا ان میں سے ایک احسان جتلانے والا بھی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ (الآیة) سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا اور دعائیہ کلمات کہنا مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ یہ قول معروف ہے اور مغفرة کا مطلب ہے کہ اگر سائل کی زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکل جائے تو اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے درگذر کرنا۔ یہ نرمی اور چشم پوشی اور درگذر اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں رسوا وذلیل کرے یا احسان جتائے۔ کسی سے کلمہ خیر کہنا اور خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ (مسلم کتاب البر)

فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَکَهٗ صَلْدًا یہ ایک تمثیل ہے جس میں ریا کار کے اعمال نیک کو بارش سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ تمثیل میں بارش سے مراد خیرات اور دیگر اعمال نیک ہیں اور چٹان سے مراد نیت اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات یا کوئی بھی نیک کام کیا گیا ہے، ہلکی مٹی سے مراد نیکی کی وہ ظاہری سطح ہے

جس کے نیچے نیت کی خرابی پوشیدہ ہے۔

بارش کا فطری تقاضہ تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور شادابی آئے، لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین اوپر ہی اوپر برائے نام ہو اور اس کے نیچے نری پتھر کی چٹان ہو تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہوگی، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشو ونما دینے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر اس کے نافع ہونے کے لیے حقیقی نیک نیتی شرط ہے نیت نیک نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بھی بجز اس کے کہ محض ضیاع مال ہے اور کچھ نہیں۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ، یعنی اگر تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے جب کہ تم اس سے فائدہ اٹھانے کے سب سے زیادہ محتاج ہو اور از سر نو کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو تو تم یہ بات کیسے پسند کر رہے ہو کہ دنیا میں مدت العمر عمل کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں تم اس طرح قدم رکھو کہ وہاں پہنچ کر یکا یک تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا پورا کارنامۂ حیات یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا، جو کچھ تم نے دنیا کے لیے کمایا تھا وہ دنیا ہی میں رہ گیا آخرت کے لیے کچھ کما کر لائے ہی نہیں کہ یہاں اس کے پھل کھا سکو، آخرت میں تمہیں اس کا کوئی موقع نہ ملے گا کہ از سر نو اب آخرت کے لیے کمائی کرو۔ آخرت کے لیے جو کچھ بھی کمائی کرنے کا موقع ہے وہ اسی دنیا میں ہے یہاں اگر تم آخرت کی فکر کئے بغیر ساری عمر دنیا ہی کی دھن میں لگے رہے اور اپنی تمام قوتیں اور کوششیں دنیوی فائدے تلاش کرنے ہی میں کھپاتے رہے تو آفتاب زندگی غروب ہونے کے بعد تمہاری حالت بعینہٖ اس بڈھے کی طرح حسرت ناک ہوگی جس کی عمر بھر کی کمائی اور جس کی زندگی کا سہارا ایک باغ تھا اور وہ باغ عین عالم پیری میں اس وقت جل گیا جب کہ وہ نہ خود نئے سرے سے باغ لگا سکتا ہے اور نہ اسکی اولاد ہی اس قابل تھی کہ اس کی مدد کر سکے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

وفی روایۃ البخاری والحاکم وابن جریر وجماعۃ عن ابن عباس کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک روز اصحاب نبی ﷺ سے فرمایا تمہارا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے، ''اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ'' الخ؟ ۔لوگوں نے کہا: اللّٰہ تعالیٰ اعلم، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ غصہ ہو گئے اور فرمایا، ہاں کہو نا، کہو (یعنی یہ گول مول بات میرے سوال کا جواب نہیں ہے تو ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا اے امیر المومنین! اس آیت کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا اے میرے برادر زادے کہو، اور اپنے آپ کو کم نہ سمجھو، تو حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا اس آیت میں اس مالدار آدمی کی مثال بیان کی گئی ہے جس نے اللہ کی اطاعت میں عمل کیا، پھر اللہ نے اس کی طرف شیطان بھیجا تو وہ معاصی میں مبتلا ہو گیا اور اپنے اعمال کو برباد کر لیا)۔ (روح المعانی)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا زكّوا **مِنْ طَيِّبٰتِ** جياد **مَا كَسَبْتُمْ** من المال **وَ** من طيّبات **مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** من الحبوب والثمار **وَلَا تَيَمَّمُوا** تقصدوا **الْخَبِيْثَ** الرّدئ **مِنْهُ** اى من المذكور **تُنْفِقُوْنَ** في الزكوة حالٌ من ضمير تيمّموا **وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ** اى الخبيث لو أعطيتموه في حقوقكم **اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ** بالتساهل وغضّ البصر فكيف تؤدّون منه حقّ الله **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عن نفقاتكم **حَمِيْدٌ** ﴿۲۶۷﴾ محمودٌ على كلّ حالٍ **اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ** يخوّفكم به إن تصدّقتم فتمسكوا **وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ** البخل ومنع الزكوة **وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ** على الانفاق **مَّغْفِرَةً مِّنْهُ** لذنوبكم **وَفَضْلًا** رزقًا خلفًا منه **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فضله **عَلِيْمٌ** ﴿۲۶۸﴾ بالمنفق **يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ** العلم النافع المؤدّي الى العمل **مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا** لمصيره الى السعادة الابديّة **وَمَا يَذَّكَّرُ** فيه إدغام التاء في الاصل في الذال يتّعظ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ** ﴿۲۶۹﴾ أصحاب العقول **وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ** أدّيتم من زكوةٍ او صدقةٍ **اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ** فوفّيتم به **فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ** فيجازيكم عليه **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بمنع الزكوة والنذر او بوضع الانفاق في غير محلّه من معاصي الله **مِنْ اَنْصَارٍ** ﴿۲۷۰﴾ مانعين لهم من عذابه **اِنْ تُبْدُوا** تظهروا **الصَّدَقٰتِ** اى النوافل **فَنِعِمَّا هِيَ** اى نعم شيئًا ابداؤها **وَاِنْ تُخْفُوْهَا** تسرّوها **وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** من ابدائها وايتائها الاغنياء امّا صدقة الفرض فالافضل اظهارها ليقتدى به ولئلّا يتّهم وايتاؤها الفقراء متعيّنٌ **وَيُكَفِّرُ** بالياء وبالنون مجزومًا بالعطف على محلّ فهو ومرفوعًا على الاستئناف **عَنْكُمْ مِّنْ** بعض **سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۲۷۱﴾ عالمٌ بباطنه كظاهره لا يخفى عليه شيءٌ منه ولمّا منع صلى الله عليه وسلم من التصدّق على المشركين ليسلموا نزل **لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ** اى الناس الى الدخول في الاسلام انّما عليك البلاغ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ** هدايته الى الدخول فيه **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ** مالٍ **فَلِاَنْفُسِكُمْ** لأنّ ثوابه لها **وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ** اى ثوابه لا غيره من أغراض الدنيا خبرٌ بمعنى النهي **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ** جزاؤه **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۷۲﴾ تنقصون منه شيئًا والجملتان تاكيدٌ للأولى **لِلْفُقَرَآءِ** خبر مبتدءٍ محذوفٍ اى الصدقات **الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى حبسوا انفسهم على الجهاد ونزلت في اهل الصفّة وهم اربعمائةٍ من المهاجرين أرصدوا لتعليم القرآن والخروج مع السرايا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا** سفرًا **فِي الْاَرْضِ** للتجارة والمعاش لشغلهم عنه بالجهاد **يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ** بحالهم **اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ** اى لتعفّفهم عن السؤال وتركه **تَعْرِفُهُمْ** يا مخاطبًا **بِسِيْمٰهُمْ** علامتهم من التواضع وأثر الجهد **لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ** شيئًا فيلحفون **اِلْحَافًا** اى لا

سؤال لهم اصلاً فلا يقع منهم الحاف وهو الالحاح. وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ فيجازيكم عليه.

ترجمہ: اے ایمان والو! جو مال تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو زکوٰۃ دو اور اس سے بھی عمدہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (مثلاً) غلہ اور پھل اور مذکورہ چیزوں میں سے خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے زکوٰۃ میں خرچ کرو گے تنفقون، تیمموا کی ضمیر سے حال ہے، حالانکہ تم خود بھی اس خراب چیز کو لینے والے نہیں ہو اگر وہ چیز تمہارے حقوق میں دی جائے مگر نرمی اور چشم پوشی کرتے ہوئے، تم نظر انداز کر جاؤ تو پھر تم خراب چیز سے اللہ کا حق کس طرح ادا کرتے ہو اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ سے بے نیاز اور ہر حال میں ستودہ صفات ہے، شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے (یعنی) اگر تم صدقہ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے سو تم خرچ نہ کرو، اور تم کو بخل اور زکوٰۃ نہ دینے کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خرچ کرنے پر اپنی طرف سے تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کا اور اس (خرچ کردہ) کے عوض رزق کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے معاملہ میں بڑا کشادہ دست اور خرچ کرنے والے سے باخبر ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت یعنی ایسا علم نافع جو عمل تک پہنچانے والا ہو عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی، اس کے سعادت ابدیہ تک پہنچنے کی وجہ سے۔ اور نصیحت تو بس دانشمند ہی قبول کرتے ہیں اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (یعنی) صدقہ و زکوٰۃ ادا کرتے ہو یا جو بھی نذر مانتے ہو پھر تم اس کو پوری کرتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا، اور زکوٰۃ کو روک کر اور نذر کو پورا کر کے یا اللہ کی معصیت میں بے محل خرچ کر کے ظلم کرنے والوں کا کوئی بھی حامی نہیں ہوگا۔ (یعنی) اس کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اگر تم نفلی صدقات کو ظاہر کرو تب بھی اچھی بات ہے یعنی اس کا ظاہر کرنا اچھی بات ہے، اور اگر تم اسے پوشیدہ رکھو اور فقراء کو دو تو اس کے ظاہر کرنے اور مالداروں کو دینے سے تمہارے حق میں بہتر ہے، لیکن فرض صدقہ کہ اس کا اظہار افضل ہے تاکہ لوگ اس کی اقتداء کریں اور تاکہ یہ شخص محل تہمت میں نہ رہے اور اس کا فقراء کو دینا متعین ہے، اور اللہ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دے گا، یُکَفِّرْ، یاء اور نون کے ساتھ مجزوم پڑھا جائے تو فَھُوَ، کے محل پر عطف ہوگا اور مرفوع پڑھا جائے تو مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، یعنی اس کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح اس کے ظاہر سے، اس سے اس کی کوئی شئ مخفی نہیں ہے، اور جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین پر صدقہ کرتے ہوئے منع فرمادیا تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں تب یہ آیت نازل ہوئی، (لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ) ان کی ہدایت یعنی اسلام میں داخل کرنا آپ کے ذمہ نہیں، آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے، بلکہ اللہ اسلام میں دخول کی جس کی ہدایت چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لیے کرتے ہو، اس لیے کہ اس کا اجر تمہارے ہی لیے ہے، اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہو یعنی اس کے ثواب کے لیے نہ کہ دنیا کی کسی اور غرض کے لیے، خبر بمعنی نہی ہے، اور

مال میں سے تم جو کچھ خرچ کرتے ہو تم کو اس کی پوری پوری جزاء دی جائے گی، تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی کہ اس کے اجر میں کچھ کمی کردی جائے، یہ دونوں جملے پہلے جملے کی تاکید ہیں۔ صدقات کے (اصل) مستحق وہ فقراء ہیں (للفقراء) مبتدا محذوف کی خبر ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، یعنی جنہوں نے خود کو جہاد میں محبوس کرلیا ہے (اور آئندہ آیت) اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ مہاجرین میں سے چار سو تھے، جو قرآن کی تعلیم اور سرایا کے ساتھ نکلنے کے لیے مستعد رہتے تھے، وہ جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے (طلب) معاش اور تجارت کے لیے سفر نہیں کرسکتے تھے، ان کے حال سے ناواقف انہیں غنی سمجھتا تھا سوال سے ان کے احتیاط کرنے اور ترک سوال کرنے کی وجہ سے اے مخاطب تو ان کی تواضع اور مشقت کے اثر کی علامت سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لپٹ کر کسی چیز کا سوال نہیں کرتے، یعنی وہ بالکل سوال نہیں کرتے، لہٰذا چمٹ کر سوال بھی ان کی طرف سے نہیں ہوتا اور الحاف کے معنی اصرار کے ہیں، اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: الجیاد، طیبٰت کی تفسیر الجیاد سے کرکے اشارہ کردیا کہ طیبٰت کے معنی حلال کے نہیں ہیں جو کہ اکثر استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہاں عمدہ کے معنی ہیں جو ردی کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔

قِوْلَہٗ: تغمضوا، مضارع جمع مذکر حاضر آنکھیں بند کرنا، یہاں مجازی معنی، درگذر کرنا، چشم پوشی کرنا مراد ہیں۔

قِوْلَہٗ: البخل، فحشآء کی تفسیر بخل سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں فحشاء کے مشہور معنی جو کہ زنا کے ہیں مراد نہیں ہیں۔

قِوْلَہٗ: مجزوماً بالعطف علی محلِّ فهُو و مرفوعا علی الاستیناف. اس عبارت کا مقصد یُكَفِّرُ کے اعراب کو بتانا ہے، اس کو مجزوم پڑھا جائے تو مجزوم فَهُوَ کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے ہوگا اس لیے کہ فَهُوَ، جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو مرفوع جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ہوگا شرط سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

قِوْلَہٗ: ای الناس اس میں اشارہ ہے کہ هُدٰهُمْ کی ضمیر الناس کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر مضمون کلام سے مفہوم ہے فقراء کی طرف راجع نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں معنی درست نہیں رہتے۔

قِوْلَہٗ: الی الدخول فی الاسلام، اس اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: آپ ﷺ سے ہدایت کی نفی کا کیا مقصد ہے جب کہ آپ ﷺ کی بعثت ہدایت ہی کے لیے ہے۔

جَوَاب: نفی ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراءۃ الطریق کی۔

قَوْلُہٗ: خبر بمعنیٰ النھی یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ میں خبر دی گئی ہے کہ تم رضاء الٰہی ہی کے لیے خرچ کرتے ہو حالانکہ بہت سے لوگ ریاء و نمود کے لیے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اس میں کذب باری لازم آتا ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ خبر بمعنیٰ نہی ہے، کہ تم غیر رضاء کے لیے خرچ مت کرو۔

قَوْلُہٗ: لتعففھم اس میں اشارہ ہے کہ مِنَ التعفف، میں مِنْ تعلیلیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، وہ اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے، اس میں فن بیان کی ایک صنعت ہے جس کو "نفی الشیء بِاِیجابِہٖ" کہتے ہیں، اس میں بظاہر ایک شئ کی نفی اور دوسری شئ کا اثبات ہوتا ہے، مگر حقیقت میں دونوں کی نفی مقصود ہوتی ہے، مذکورہ آیت میں بظاہر الحاف (اصرار) کی نفی ہے، نفس سوال کی نفی نہیں ہے، مگر مقصود کلام "مطلقاً" کی نفی ہے یعنی بظاہر قید کی نفی ہے مگر باطن میں قید اور مقید دونوں کی نفی ہے۔

تفسیر و تشریح

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (الآية) صدقہ کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنّ و اَذیٰ اور ریاکاری سے خالی ہو جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ اور عمدہ چیز ہو۔

شانِ نزول:

بعض انصار مدینہ جو کھجوروں کے باغات کے مالک تھے وہ بعض اوقات نکمی اور ردی کھجوروں کا خوشہ مسجد میں لاکر لٹکا دیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ کا چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا جب ان کو بھوک لگتی تو ان خوشوں میں سے جھاڑ کر کھجوریں کھالیا کرتے تھے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر بحوالہ ترمذی)

طیبٰت، کا ترجمہ بعض حضرات نے جن میں مفسر علام بھی شامل ہیں، عمدہ چیز کیا ہے اور قرینہ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کو قرار دیا ہے اس لیے کہ زمین سے پیدا ہونے والی شئ حلال تو ہوتی ہے البتہ جودت اور رداءت میں کافی مختلف ہوتی ہے اس لیے طیبٰت، کا ترجمہ عمدہ شئ سے کیا ہے شان نزول کے واقعہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے حلال شئ سے کیا ہے اس لیے کہ مکمل اور پوری طرح عمدہ شئ وہی ہوتی ہے جو حلال بھی ہو۔ اگر دونوں ہی معنیٰ مراد لئے جائیں تو کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں وہ اس ممانعت سے بری ہے۔

عشری اراضی کے احکام:

مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، لفظ اخرجنا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عشری زمین سے عشر واجب ہے، اس آیت کے عموم سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے استدلال کیا ہے کہ عشری زمین کی ہر قلیل وکثیر پیداوار میں عشر واجب ہے، عشر اور خراج دونوں اسلامی حکومت کی جانب سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں عبادت مالی کی حیثیت بھی ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہے، اس لیے اس کو زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے، مسلمان چونکہ عبادت کا اہل ہے لہٰذا عشری زمین سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے عشر کہتے ہیں اور غیر مسلم سے جو اراضی کا ٹیکس لیا جاتا ہے اس کو خراج کہتے ہیں، عشری اور خراجی زمین کا فرق اور عشر و خراج کے تفصیلی مسائل کتب فقہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ، بھلے اور نیک کام میں اگر مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے اور تمہارا افلاس کام رک جائے گا البتہ اگر برے کام میں خرچ کرنا ہو تو بڑی سے بڑی رقم خرچ کروا ڈالتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد مدرسہ یا کسی اور کار خیر کے لیے کوئی تعاون کے لیے پہنچ جائے تو صاحب خیر ایک معمولی رقم کے لیے بار بار حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے، اور چندہ والے کو بسا اوقات کئی کئی بار بلاتا ہے لیکن اگر سینما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری، اور مقدمہ بازی میں خرچ کرنا ہو تو یہی شخص بڑی سے بڑی رقم بے تحاشا خرچ کر ڈالتا ہے۔

''حکمت'' کے معنی اور تفسیر:

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ، حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چلے گا، بلکہ اس کشادہ راہ کو اختیار کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، شیطان کے تنگ نظر مریدوں میں یہ بڑی ہوشیاری اور عقلمندی ہے کہ آدمی اپنی دولت کو سنبھال کر رکھے اور ہر وقت کمائی کی فکر میں لگا رہے لیکن جن کو اللہ کی جانب سے نور بصیرت کی دولت ملی ہے ان کی نظر میں یہ عین بے وقوفی ہے، حکمت اور دانائی ان کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اس سے اپنی متوسط ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی کو دل کھول کر بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے۔

نذر کا حکم:

نذر اسی عبادت کی صحیح ہے جو واجبات کی جنس سے ہو اور خود واجب نہ ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص عیادتِ مریض کی نذر مانے تو واجب نہ ہوگی۔ نذر اگر معصیت کی نہ ہو تو پورا کرنا واجب ہے اگر کسی نے

معصیت کی نذر قسم کے ساتھ مانی تو نذر پوری نہ کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

غیر اللہ کی نذر جائز نہیں:

نذر بھی چونکہ نماز روزہ کی طرح عبادت ہے لہٰذا غیر اللہ کے لیے جائز نہیں غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے لہٰذا کسی بھی پیر، پیغمبر یا ولی کے نام کی نذر ماننا شرک ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

خفیہ طور پر صدقہ افضل ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِيَ (الآیة) اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے اس صورت کے کہ جس میں اعلانیہ خرچ کرنے میں لوگوں کو ترغیب کا پہلو ہو یا تہمت سے بچنا مقصود ہو، تاہم مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے خفیہ طور پر صدقہ کرنا ہی بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کو روز قیامت عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں وہ شخص بھی ہوگا جس نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایسے خفیہ طریقہ سے صدقہ کیا ہوگا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے؟ (اس تعبیر سے مراد مبالغہ فی الخفاء ہے) نفلی صدقات کو چھپا کر اور جو صدقہ فرض ہو مثلاً زکوٰۃ وغیرہ اس کو علانیہ دینا افضل ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آپ پر یہ واجب نہیں کہ آپ ان کو ہدایت یافتہ کردیں صرف رہنمائی کرنا اور راہ ہدایت دکھانا آپ کا فرضِ منصبی ہے۔

شانِ نزول:

عبد بن حمید اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ ابتداء میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور عام غیر مسلم حاجتمندوں کی مدد کرنے میں تامل کرتے تھے، اور اس کو ناپسند کرتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ صرف مسلمان حاجتمندوں کی مدد کرنا ہی انفاق فی سبیل اللہ ہے، اس آیت سے ان کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

حضرت اسماء بنت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ اپنے کفر کے زمانہ میں اپنی بیٹی حضرت اسماء کی خدمت میں مدد کی خواہاں ہوکر مدینہ آئیں تو حضرت اسماء نے اپنی والدہ کی مدد اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لی۔

مَسْئَلَہ: یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے جس کا انسانیت کی بنیاد پر ذمی کافر کو بھی دینا جائز ہے، البتہ صدقہ واجبہ مسلمان کے علاوہ کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔

مَسْئَلَہ: کافر ذمی یعنی غیر حربی کو صرف زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں البتہ دیگر صدقات واجبہ و نافلہ دینا جائز ہے، اور اس آیت میں زکوٰۃ داخل نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

لَا یَسْـئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا. اہلِ ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ سوال سے بچتے ہیں اور الحاف یعنی اصرار سے سوال کرنے سے بچتے ہیں، بعض نے الحاف کے معنی کئے ہیں بالکل سوال نہ کرنا، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح وزاری نہیں کرتے، اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک دو دو لقمے کے لیے دردر جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے، پھر آپ ﷺ نے لَا یَسْـئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری) اس لیے پیشہ ور گداگروں کے بجائے دین کے طلبہ علماء، اور سفید پوش ضرورتمندوں کا پتہ چلا کر ان کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ ایسے لوگ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا عزت نفس اور خودداری کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ای یاخُذُوْنَهُ وهُوَ الزیادةُ فِی الـمُعَامَلَةِ بالنُّقودِ والمَطْعُوْمَاتِ فِی القَدْرِ اَوِ الاجلِ لَا یَقُوْمُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا قِیامًا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ یَصْرَعُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الْجُنُوْنِ بِهِمْ متعلقٌ بیَقُوْمُوْنَ ذٰلِكَ الذی نَزَلَ بِهِمْ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا فِی الجَوَازِ و هذا مِنْ عَكْسِ التَّشْبِیْهِ مُبَالَغَةً فقالَ تعالیٰ رَدًّا عَلَیْهِمْ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ بَلَغَهُ مَوْعِظَةٌ وَعْظٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی عَنْ اَكْلِهِ فَلَهٗ مَا سَلَفَ قَبْلَ النهی ای لا یُسْتَرَدُّ منه وَاَمْرُهٗٓ فی العفوِ عنه اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ اِلٰی اَكْلِهِ مُشَبِّهًا لَهُ بالبَیْعِ فِی الحِلِّ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا یَنْقُصُهُ ویُذْهِبُ بَرَكَتَهُ وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ یَزِیْدُهَا و یُنَمِّیْهَا و یُضَاعِفُ ثَوَابَهَا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ بِتَحْلِیْلِ الرِّبٰوا اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ فاجرٍ بِاَكْلِهِ ای یُعَاقِبُهُ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا اُتْرُكُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ صَادِقِیْنَ فی اِیْمَانِكُمْ فَاِنَّ مِنْ شَانِ المُؤْمِنِ امْتِثَالَ اَمْرِ اللّٰهِ نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بعدَ النهیِ بِرِبًوا كَانَ لَهُ قَبْلُ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهِ فَاْذَنُوْا اِعْلَمُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لكم فیهِ تَهْدِیْدٌ شَدِیْدٌ لَهُمْ ولَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا لَا یَدَیْ لَنَا بِحَرْبِهِ وَاِنْ تُبْتُمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اُصُوْلُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ بِزِیَادَةٍ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ بِنَقْصٍ وَاِنْ كَانَ وَقَعَ غَرِیْمٌ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهُ ای عَلَیْكُمْ تاخِیْرُهُ اِلٰی مَیْسَرَةٍ بِفَتْحِ السِّیْنِ وَضَمِّهَا اَیْ وَقْتِ یُسْرِهِ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا بالتشدیدِ علی اِدْغَامِ التاءِ فی الاَصْلِ فِی الصَّادِ وبالتخفیفِ علی حَذْفِهَا ای تَتَصَدَّقُوْا علی المُعْسِرِ بالاِبْرَاءِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ اَنَّهُ خَیْرٌ فَافْعَلُوْهُ فی الحدیثِ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عنهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهِ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ رَوَاهُ مسلم وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ بالبناءِ

لِلمفعول تُرْدُّوْنَ وَلِلفاعِلِ تَصِيْرُوْنَ **فِيهِ إِلَى اللهِ** هو يَوْمُ القيمةِ **ثُمَّ تُوَفّٰى** فيه **كُلُّ نَفْسٍ** جزاءَ **مَّا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ مِن خَيرٍ وَ شرٍ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۸۱﴾ بنقصِ حسنةٍ أَوْ زيادةِ سيّئةٍ.

ترجمہ: جولوگ اپنا مال رات اوردن، پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سوان لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جولوگ سود کھاتے ہیں یعنی سود لیتے ہیں اور وہ معاملات میں نقود کی زیادتی اور ماکولات میں مقدار یا مدت میں زیادتی ہے، وہ لوگ قبروں سے نہ کھڑے ہوسکیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دیتا ہے (یعنی) جس کو شیطان پچھاڑ دیتا ہے، ان کو جنون ہونے کی وجہ سے (مِنَ الْمَسِّ) یقومون کے متعلق ہے۔ ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع تو جواز میں سود کے مانند ہے اور یہ مبالغہ کے لیے الٹی تشبیہ ہے، ان کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کے پاس اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سودخوری سے باز آگیا تو ممانعت سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کا ہے (یعنی) اس سے واپس نہ لیا جائے گا، اور اس کے معاف کرنے کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جو شخص سودخوری کی طرف لوٹے سود کو حلت میں بیع کے مشابہ قرار دیتے ہوئے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، سو اس میں یہ لوگ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے یعنی اس کو کم کرتا ہے اور اس کی برکت ختم کر دیتا ہے اور صدقات میں اضافہ کرتا ہے (یعنی) اس کو نشوونما دیتا ہے اور اس کا اجر دوگنا کر دیتا ہے، اور اللہ سود کو حلال قرار دے کر کسی کفر کرنے والے اور سودخوری کر کے گنہگار (فاجر) کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو (یعنی) اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو، اس لیے کہ مومن کی شان اللہ کا حکم بجالانا ہے، (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ نے سود کی ممانعت کے بعد سابقہ سود کا مطالبہ کیا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے، اس میں ان کے لیے شدید دھمکی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو (صحابہ) نے کہا ہم میں اس کے ساتھ جنگ کی طاقت نہیں، اور اگر تم توبہ کرلو یعنی اس سے باز آجاؤ تو (رأس المال) اصل سرمایہ کا تم کو حق ہے نہ تم زیادتی کر کے ظلم کرو۔ اور نہ کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو تمہارے اوپر اس کی کشادہ دستی تک اس کے لیے مہلت ہے، (یعنی وصول یابی کو مؤخر کرنا ہے) (مَیْسَرَۃ) سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، یعنی اس کی خوشحالی تک اور اگر تم معاف کر دو (تَصَدَّقُوْا) تشدید کے ساتھ تاء کو صاد میں ادغام کر کے اور تخفیف کے ساتھ تاء کو حذف کر کے، یعنی تنگ دست سے قرض معاف کر کے بری کر دو۔ تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو کہ یہ بہتر ہے تو ایسا کرلو، حدیث میں ہے کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے اپنا قرض معاف کر دیا تو اللہ اس کو اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن کہ اس کے سایہ کے

علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، (رواہ مسلم) اور اس دن سے ڈرو جس دن تم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔ یعنی لوٹائے جاؤ گے، اور معروف کے صیغہ کے ساتھ، یعنی تم لوٹو گے، وہ قیامت کا دن ہے پھر اس دن میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا جو اس نے اچھے برے کئے ہوں گے، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان کے اعمال حسنہ میں کمی کرکے یا اعمال سیئہ میں اضافہ کرکے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای یاخُذونه، اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکل (کھانے) سے مراد صرف کھانا ہی نہیں ہے بلکہ مطلقاً لینا ہے خواہ کھانے یا لباس بنانے یا جمع کرکے رکھنے یا کسی دوسرے کام میں استعمال کرے، مگر کھانا چونکہ اہم مصارف میں سے ہے اس لیے صرف کھانے کا ذکر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: المطعومات، یہ قید مفسر علام نے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مذہب کے مطابق لگائی ہے اس لیے کہ ربوا کے لیے ان کے نزدیک از قبیل مطعومات یا ثمنیات ہونا ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک قدر و جنس میں اتحاد کافی ہے، از قبیل مطعوم ہونا ضروری نہیں۔

قَوْلُہٗ: فی القدر او الاجل یہ المعاملہ سے بدل ہے قدر کا تعلق ربوا فضل سے ہے اور یہ اتحاد جنس کی صورت میں ہوگا اور الاجل کا تعلق اتحاد کے ساتھ ہے، اگر جنس مختلف ہو اور قدر میں اتحاد ہو تو تفاضل جائز ہے اور ادھار نا جائز ہوگا۔

قَوْلُہٗ: من قبورهم مفسر علام نے من قبورهم کی قید لگا کر اس شبہ کا جواب دیا کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی سود خور ہیں مگر ان کے قیام و قعود میں کسی قسم کا خبط و عدم توازن نہیں ہوتا یہ تو واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ کلام باری میں کذب نہیں ہوسکتا۔

جَوَابٌ: قیام سے مراد روز محشر اپنی قبروں سے کھڑا ہونا ہے نہ کہ دنیا میں کھڑا ہونا اسی شبہ کے جواب کے لیے من قبورهم کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قِیامًا.

سُوَالٌ: لفظ قیام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جَوَابٌ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: یہ ہے کہ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ، میں حرف استثناء حرف (کاف) پر داخل ہے حالانکہ حرف استثناء کا حرف پر داخل ہونا صحیح نہیں ہے "ما" خواہ موصولہ ہو یا مصدریہ۔

جَوَابٌ: مستثنیٰ محذوف ہے اور وہ قیامًا، ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: یَتَخَبَّطُہٗ (تفعّل) سے مضارع واحد مذکر غائب ''ہٗ'' ضمیر مفعول، اس کو پاگل بنا دیتا ہے خبط کے اصل معنی غیر متوازن طریقہ پر چلنا کہ خبط العشواء بے ڈھنگے پن سے چلنے والی اونٹنی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی غیر متوازن طریقہ سے چلے۔

قَوْلُہٗ: من الجنون یہ اَلْمَسّ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن عکسِ التشبیه الخ عکس اس لیے ہے کہ کلام ربوا میں ہے نہ کہ بیع میں لہٰذا ربوا کو بیع کے ساتھ تشبیہ دینا چاہیے تھا نہ کہ بیع کو ربوا کے ساتھ، ایسا مبالغہ کے طور پر کیا ہے، اس لیے کہ جواز ربوا ان کے نزدیک اصل تھا اسی پر بیع کو قیاس کیا۔

قَوْلُہٗ: وعظ، موعظة، کی تفسیر وعظ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ موعظة مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلُہٗ: عنه، ای عن آکل الربوا.

قَوْلُہٗ: الی اکلهٖ مشبهاً له بِالْبَیْعِ فی الحِلِّ اس عبارت سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سَوْال: یہ ہے کہ آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ممانعت کے بعد اکل ربوا کا اعادہ و ارتکاب کرے گا تو وہ دائمی طور پر دوزخ میں جائے گا، جو کہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ دائمی جہنم میں داخلہ اس صورت میں ہوگا کہ ربوا کو بیع کی مانند حلال سمجھ کر استعمال کرے۔

قَوْلُہٗ: یُعَاقِبهٗ یہ لا یُحبُّ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: بِحَرْبٍ، حرب کی تنکیر تعظیم وشدت پر دلالت کرتی ہے، نیز اللہ اور اس کے رسول کی جانب نسبت سے اس کی شدت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: لا یَدَی لَنَا، ای لا طاقة لنا.

قَوْلُہٗ: وَقَعَ غَرِیمٌ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کان تامّہ ہے اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے یعنی کان، بمعنی وَقَعَ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای عَلَیْکُمْ تاخیرہ، فَنَظِرة، مبتداء ہے اس کی خبر عَلَیْکُمْ تاخِیْرَہٗ محذوف ہے، خبر کے حذف کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی تاکہ فَنَظِرة جملہ ہو کر جواب شرط واقع ہو جائے، تاخیرہ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ نَظِرة، انظار سے ہے جو بمعنی مہلت ہے نہ کہ نظر سے بمعنی رویت۔

قَوْلُہٗ: وقت یسرہ اس سے اشارہ کر دیا کہ مَیْسرة، ظرف ہے مصدر میمی نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا (الآیة) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی ہے سود خور کی جو حالت روز محشر قبر سے نکلنے کے وقت ہوگی اس کیفیت کو مشبہ یہ اور دنیا میں جو ایک سود خور کی کیفیت ہوتی ہے اس کو مشبہ قرار دے کر تشبیہ

مرکب منتزع کی گئی ہے، اسی کا نام تشبیہ تمثیلی ہے۔

دراصل اس آیت میں روز قیامت سود خوروں کے قبروں سے نکلنے کی حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، سود خور اپنی قبروں سے نکلنے کے وقت سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو دیوانوں متوالوں خبطیوں اور شرابیوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے غیر متوازن طریقہ سے کھڑے ہوں گے، جیسا کہ اس حالت کی ایک ہلکی سی جھلک سود خور میں دنیا میں بھی پائی جاتی ہے، مہاجن، ساہوکار جو روپے کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے جن بھوت لپٹ گیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے بس اس پر ایک ہی دُھن سوار رہتی ہے اور وہ دُھن ہوتی ہے سود کی، جس کی حرص و طمع اس قدر بڑھی ہوئی ہو لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اسی مخبوط جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔

❿ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، اس میں تشبیہ قلب جس کو عکس بھی کہتے ہیں استعمال ہوئی ہے یعنی بیع کو مشبہ اور ربوا کو مشبہ بہ قرار دیا ہے بطور مبالغہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حلت میں اصل ربوا ہے اور بیع بھی حلت میں ربوا کے مانند ہے حالانکہ حلت میں اصل بیع ہے بیع کو مشبہ بہ اور ربوا کو مشبہ ہونا چاہیے تھا۔

تفسیر و تشریح

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ (الآیة) اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں، یعنی جس وقت، جس گھڑی، جب بھی ضرورت ہو خواہ دن ہو یا رات غرضیکہ ہمہ وقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

شانِ نزول:

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کیے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں، دس ہزار پوشیدہ طریقہ سے اور دس ہزار علانیہ طریقہ سے، تو ان کی فضیلت بیان کرنے کے لیے مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد الرزاق اور عبد بن حمید وغیرہ نے عبد الوہاب ابن مجاہد عن ابیہ عن ابن عباس کے طریق سے اس آیت کا نزول حضرت علی کی شان میں نقل کیا ہے، کہ حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ کے پاس چار درہم تھے انہوں نے ایک کو رات میں اور ایک کو دن میں اور ایک کو پوشیدہ طریقہ سے اور ایک کو علانیہ طریقہ سے خرچ کیا، اس کے علاوہ بھی اور روایتیں مذکور ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

''ربوا'' کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں اور شریعت میں اس کا استعمال ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے ربا الفضل اس کو

کہتے ہیں جو اشیاء میں بلا عوض حاصل ہوتا ہے اور ربا النسیئہ اس فائدہ کو کہتے ہیں جو مدت کے عوض حاصل ہو۔ اصطلاح میں ربوا اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے ہیں جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ وصول کرتا ہے اسی کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔

نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی متعدد شکلیں رائج تھیں۔ اور وہ یہ تھیں مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیتا اگر وہ مدت گذر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا، یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی، یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک خاص شرح طے ہو جاتی تھی، اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو پھر مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اسی نوعیت کے معاملات کا بیان یہاں کیا جا رہا ہے۔

یہ کل چھ آیتیں ہیں جن میں سود کی حرمت اور احکام کا بیان ہے، پہلی آیت کے جملہ میں سود خوروں کے انجام بد اور محشر میں ان کی رسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے جس میں سود خور کی حالت کو ایک آسیب زدہ کی حالت سے تشبیہ دی ہے، ضمناً اس آیت سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ شیطان کے اثر سے انسان بیہوش یا مجنون ہو سکتا ہے، اور اہل تجربہ کے متواتر مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔ اور حافظ ابن قیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ اطباء اور فلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بیہوشی یا جنون مختلف اسباب سے ہوتا ہے ان میں بعض اوقات جنات و شیاطین کے اثر کا سبب بھی ہوتا ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ان کا کہنا تھا کہ بیع اور ربوا میں کیا فرق ہے دونوں میں مقصد حصول نفع ہے پھر تجارت حلال اور ربوا کیوں حرام ہو؟ یہ نظریہ کی خرابی بلکہ عقل کا دیوالیہ پن نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ تجارت میں اصل لاگت پر جو نفع لیا جاتا ہے اس کی نوعیت اور سود کی نوعیت کا فرق وہ نہیں سمجھتے اور دونوں کو ایک ہی قسم کی چیز سمجھ کر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے تو قرض پر دیئے ہوئے روپے کا منافع کیوں ناجائز ہے؟ اسی قسم کے دلائل موجودہ زمانہ کے سود خور بھی سود کے حق میں پیش کرتے ہیں، مگر یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا میں جتنے کاروبار ہیں خواہ وہ تجارت کے ہوں یا صنعت و حرفت کے یا زراعت کے، اور خواہ انھیں آدمی صرف اپنی محنت سے کرتا ہو یا اپنے سرمایہ اور محنت سے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں آدمی نقصان کا خطرہ مول نہ لیتا ہو اور جس میں آدمی کے لیے لازماً ایک حقیر منافع کی ضمانت ہو، پھر آخر پوری کاروباری دنیا میں ایک قرض دینے والا سرمایہ دار ہی ایسا کیوں ہو جو نقصان کے خطرہ سے بچ کر ایک مقرر لازمی نفع کا حقدار قرار پائے؟

سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کاروبار میں اپنا وقت، اپنی محنت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کھپاتے رہتے ہیں اور جن کی سعی و کوشش کے بل پر ہی اس کاروبار کا بار آور ہونا موقوف ہے ان کے لیے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو بلکہ

نقصان کا سارا خطرہ ان ہی کے سر ہو مگر سرمایہ دار جس نے اپنا روپیہ انہیں قرض دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے یہ آخر کس عقل اور کس اصول انصاف اور کس اصول معاشیات کی رو سے درست ہیں؟ متجددین کو نہ معلوم اس کی قباحت کیوں نظر نہیں آتی؟ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض اور منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت ومحبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں، اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی خود غرضی نفرت، وحشت وعداوت کا جذبہ فروغ پاتا ہے، ایک سود خور سرمایہ دار کو اپنے سرمایہ سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرہ میں ضرورت مند بیماری وافلاس سے کراہ رہے ہوں شریعت اس سنگدلی کو کس طرح پسند کرسکتی ہے؟ بہر حال سود مطلقاً حرام ہے خواہ ذاتی غرض کے لیے ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے۔

تجارت اور سود میں اصولی فرق:

جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہوسکتی یہ ہے کہ۔

❶ تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے، کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جسے اس نے بائع سے خریدا ہے اور بائع اپنی محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے، جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے یقیناً نفع بخش ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں، اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے، اور اگر وہ تجارت، زراعت یا صنعت وحرفت میں لگانے کے لیے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے یا ایک کے یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔

❷ تجارت میں بائع مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد نفع لے بہر حال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک ہی بار لیتا ہے، لیکن سود کے معاملہ میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے، مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو بہر حال اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا، مگر دائن اس فائدے کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لیے کوئی حد نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی، اس کے تمام وسائل معیشت حتی کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کرلے اور پھر بھی اس کا مطالبہ باقی رہے۔

❸ تجارت میں شئی اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا دکان یا زمین یا سامان کے کرایہ میں اصل شئی جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے

صرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے اور بجنسہ مالک جائداد کو واپس دیدی جاتی ہے، لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صرف کرسکتا ہے اور پھر اس کو صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کرکے اضافہ کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر تجارت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم فرق ہوجاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے پھر اخلاقی حیثیت سے سود کی یہ عین فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خودغرضی، شقاوت، نفرت، بے رحمی اور زر پرستی جیسی صفات پیدا کرتا ہے۔ اور ہمدردی وامداد باہمی کی روح کو فنا کرتا ہے اس بنا پر سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

سود کا اخلاقی نقصان:

اخلاقی اور روحانی حیثیت سے آپ دیکھیں تو آپ کو یہ بات بالکل واضح طور پر نظر آئے گی کہ سود دراصل خودغرضی، بُخل، تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور وہ ان ہی صفات کو انسان میں نشوونما دیتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات کے نتیجہ میں فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، اور صدقات پر عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر پرورش پاتی ہیں، کون ہے جو اخلاقی صفات کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلے مجموعہ کو بدترین اور دوسرے کو بہترین نہ مانتا ہو۔

سود کا معاشی نقصان:

معاشیات کے نقطۂ نظر سے سودی قرض دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ قرض جو تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں پر لگانے کے لیے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں، پہلی قسم کے قرض کے بارے میں تو دنیا جانتی ہے کہ اس پر سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت ہی تباہ کن ہے، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں کہ جس میں مہاجن افراد اور مہاجن ادارے اس ذریعہ سے غریب مزدوروں، کاشتکاروں، قلیل المعاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں، سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض لوگوں کے لیے ادا کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہوجاتا ہے ایک قرض ادا کرنے کے لیے دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اصل رقم سے کئی گنا سود دے چکنے کے باوجود بھی اصل رقم جوں کی توں باقی کھڑی رہتی ہے، محنت پیشہ کی آمدنی کا بیشتر حصہ مہاجن لے جاتا ہے اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی کافی روپیہ نہیں بچتا، یہ صورتِ حال رفتہ رفتہ کارکن کی اپنے کام سے دلچسپی ختم کردیتی ہے جس کی وجہ سے ملکی پیداوار میں شدید نقصان ہوتا ہے، جس سے ملک کی معیشت زوال پذیر ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ سودی قرض کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر وپریشانی گھلا دیتی ہے اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے لیے صحیح غذا اور علاج اس قدر

مشکل ہو جاتا ہے کہ کہ ان کی صحتیں کبھی درست نہیں رہ سکتیں، سودی قرض کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تو لاکھوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر نادار اور کمزور اور زیادہ نادار اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، اور انجام کار خود خون چوسنے والے افراد اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ ان کی اس خود غرضی سے غریب عوام کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی بدولت مالداروں کے خلاف غصے اور نفرت کا ایک طوفان دلوں میں انھتا رہتا ہے اور کسی انقلاب کے موقع پر جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرو سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَہٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ. اس جملہ میں یہ ارشاد ہے کہ سود حرام ہونے سے پہلے جس شخص نے کوئی رقم جمع کرلی تھی لیکن جب سود کو حرام قرار دیا گیا تو اگر آئندہ کے لیے اس نے توبہ کرلی اور باز آ گیا تو اس سے پہلے جمع شدہ رقم ظاہر شرع کے حکم سے اسی کی ہوگی اور باطنی معاملہ اس کا کہ وہ دل سے باز آیا یا منافقانہ توبہ کی اس کا یہ معاملہ خدا کے حوالہ رہا، عام لوگوں کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں ہے، اور جو شخص نصیحت سنکر بھی اسی قول وفعل کی طرف پھر عود کرے تو چونکہ سود خوری گناہ ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور چونکہ ان کا یہ قول کہ ''سود مثل بیع کے حلال ہے'' کفر ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ، اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے یہاں سود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے کیا گیا ہے وہ یہ کہ سود اور صدقہ کی حقیقت میں تضاد ہے اور اس کے نتائج بھی مختلف ہیں اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض اور نیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لیے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو کم یا ختم کردینے کا فیصلہ کرتا ہے اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے، اور ان دونوں کا انجام بھی متضاد ہے صدقہ سے معاشرہ میں ہمدردی، الفت، محبت وشفقت جنم لیتی ہے اور سود سے غصہ، عداوت، نفرت اور خود غرضی فروغ پاتی ہیں۔

سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کے وعدہ ووعید کا مشاہدہ پوری طرح تو آخرت میں ہو کر ہی رہے گا لیکن دنیا میں بھی سود کھانے میں برکت وخیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اس کے برعکس ایک شخص کو نبی ﷺ نے شب معراج میں خون کے دریا میں غوطہ کھاتے دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والا ہے۔ ایک سود خور مہاجن چونکہ عوام الناس قلیل المایہ لوگوں کا بے رحمی سے خون چوس چوس کر خود کو فربہ کرتا ہے اس لیے مثالی شکل کے طور پر سود خور کو خون کے دریا میں تیرتا ہوا دکھایا گیا، اس کے علاوہ دنیا میں بھی سود خور قوموں اور افراد کی تباہی وبربادی کا انجام بارہا دنیا نے دیکھا ہے سود خوری کی عادت بنیوں اور مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہ محبوب بنادیتی ہے۔ سود خور روپے پیسے سے محبت کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا جس کی وجہ سے روپیہ خرچ کرنا اس کے لیے جان نکالنے کے برابر

ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی اپنی دولت سے کماحقہ لطف وراحت حاصل نہیں کر پاتا۔ اس کے مقابلہ میں صدقہ کی برکتیں ملی غمخواری وہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت ومعاونت، قوم وافراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن لوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالیہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی وبربادی کس نے نہیں دیکھی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ، اس میں دونوں قسم کے نافرمان شامل ہیں سود کی حرمت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود سودی کاروبار کرنے والے اور سود کی حرمت کا عقیدہ نہ رکھنے والے بھی یہ دونوں جہنم میں جائیں گے لیکن دائمی دخول ان سودخوروں کی سزا ہے جو سود کو حلال سمجھ کر سودی کاروبار کرتے ہیں۔

سامانِ راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز:

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سودخوروں کو بڑی سے بڑی راحت وعزت حاصل ہے وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں عیش وآرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان وشوکت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں، کارخانوں میں بنتا ہے اور بازاروں میں بکتا ہے وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا ہے، لیکن جس شئ کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی منڈی میں بکتی ہے وہ تو ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے وہ بعض اوقات ہزاروں سامانِ راحت کے باوجود حاصل نہیں ہوتی، ایک نیند ہی کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لیے بہتر مکان بنائیں، ہوا، روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب ودل خوش کن ہو، مسہری اور گدے تکیے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ کی وجہ سے نیند نہیں آتی امریکہ جیسے مالدار ومتمول ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں پچھتر فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات خواب آور گولیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، نیند کا سامان تو آپ بازار سے خرید لائے مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لا سکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود کی وجہ سے اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک مہلت دو، اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، تنگدلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی تعاون اور ایک دوسرے کو

سہارا دینے والا نظام ہے اگر مسلمان خود ہی اس بابرکت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی افادیت اور اہمیت کو سمجھ لیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کرسکیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (الآية) بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ (ابن کثیر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ تعاملتم بِدَيْنٍ كسلم و قرض اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى معلوم فَاكْتُبُوْهُ استيثاقا و دفعا للنزاع وَلْيَكْتُبْ كتاب الدين بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ بالحق في كتابته لا يزيد في المال والاجل و لا ينقص وَلَا يَاْبَ يمتنع كَاتِبٌ من اَنْ يَّكْتُبَ اذا دعي اليها كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ اي فضله بالكتابة فلا يبخل بها والكاف متعلقة بياب فَلْيَكْتُبْ تاكيد وَلْيُمْلِلِ على الكاتب الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ الدين لانه المشهود عليه فيقر ليعلم ما عليه وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ في املائه وَلَا يَبْخَسْ ينقص مِنْهُ اي الحق شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا مبذرا اَوْ ضَعِيْفًا عن الاملاء لصغر او كبر اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ لخرس او جهل باللغة او نحو ذلك فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ متولي امره من والد ووصي و قيم ومترجم بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا اشهدوا على الدين شَهِيْدَيْنِ شاهدين مِنْ رِّجَالِكُمْ اي بالغي المسلمين الاحرار فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا اي الشاهدان رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ يشهدون مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ لدينه وعدالته و تعدد النساء لاجل اَنْ تَضِلَّ تنسى اِحْدٰىهُمَا الشهادة لنقص عقلهن و ضبطهن فَتُذَكِّرَ بالتخفيف والتشديد اِحْدٰىهُمَا الذاكرة الْاُخْرٰى الناسية وجملة الاذكار محل العلة اي لتذكر ان ضلت ودخلت على الضلال لانه سببه وفي قراءة بكسر ان شرطية ورفع تذكر استيناف جوابه وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا زائدة دُعُوْا الى تحمل الشهادة واداىها وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا تملوا من اَنْ تَكْتُبُوْهُ اي ما شهدتم عليه من الحق لكثرة وقوع ذلك صَغِيْرًا كان اَوْ كَبِيْرًا قليلا او كثيرا اِلٰۤى اَجَلِهٖ وقت حلوله حال من الهاء في تكتبوه ذٰلِكُمْ اي الكتب اَقْسَطُ اعدل عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ اي اعون على اقامتها لانه يذكرها وَاَدْنٰۤى اقرب الى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا تشكوا في قدر الحق والاجل اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تقع تِجَارَةً حَاضِرَةً وفي قراءة بالنصب فتكون ناقصة واسمها ضمير التجارة تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ اي تقبضونها و لا اجل فيها فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ في اَلَّا تَكْتُبُوْهَا والمراد بها المتجر فيه وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ عليه فانه ادفع للاختلاف و هذا وما قبله امر ندب وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ صاحب الحق ومن عليه بتحريف او امتناع من الشهادة او الكتابة او لا يضرهما صاحب الحق بتكليفهما ما لا يليق في الكتابة والشهادة وَاِنْ تَفْعَلُوْا ما نهيتم

عنه **فَإِنَّهُ فُسُوقٌ** خروجٌ عن الطاعة لاحقٌ **بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ** في امره ونهيه **وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ** مصالح اموركم حالٌ مقدرة او مستانفٌ **وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ** اى مسافرين وتداينتم **وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ** وفي قراءة فرُهُنٌ **مَقْبُوضَةٌ** تستوثقون بها وبيّنت السُّنّة جواز الرهن في الحضر ووُجود الكاتب فالتقييد بما ذُكر لانّ التوثّق فيه اشدّ وافاد قولُهٗ مقبوضةٌ اشتراط القبض في الرهن والاكتفاء به من المرتهن ووكيله **فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** اى الدائنُ المدينَ على حقه فلم يرتهن **فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ** اى المدينُ **أَمَانَتَهُ** دَينَهٗ **وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ** في ادائه **وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** اذا دُعيتم لاقامتها **وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ** خُصّ بالذكر لانه محلُّ الشهادة ولانّه اذا اثم تبعه غيرُهٗ فيعاقب معاقبة الآثمين **وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾** لا يخفى عليه شيءٌ منه.

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ادھار کا مثلاً بیع سلم کا اور قرض کا معاملہ ایک مدت معلومہ کے لیے کرنے لگو تو اس کو دستاویز کے طور پر نزاع دفع کرنے کے لیے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان قرض (کی تحریر) لکھنے والے کو چاہیے کہ حق (وانصاف) سے لکھے مال اور مدت میں نہ زیادتی کرے اور نہ کمی۔ اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ جب اس سے لکھنے کے لیے کہا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھلایا ہے۔ یعنی کتابت کے ذریعہ اس کو فضیلت بخشی ہے لہٰذا لکھنے میں بخیلی نہ کرے۔ اور کاف، یــاب سے متعلق ہے پس چاہیے کہ وہ لکھ دے۔ یہ تاکید ہے۔ اور جس پر حق ہے (یعنی) مقروض کو چاہیے کہ کاتب کو لکھائے۔ اس لیے کہ وہی مشہود علیہ ہے تو اقرار کرے تاکہ معلوم ہو کہ اس پر کیا واجب ہے؟ اور کاتب کو لکھانے میں اپنے رب اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے پس اگر مدیون کم عقل فضول خرچ ہو یا صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے (جسمانی طور) پر ضعیف ہو۔ یا گونگا ہو یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے لکھانے پر قادر نہ ہو تو اس کے کارندے کو چاہیے کہ ٹھیک ٹھیک لکھائے (کارندہ) خواہ والد ہو، یا وصی ہو، یا منیجر ہو، یا مترجم ہو، اور قرض پر بالغ، مسلمان آزاد مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لینا چاہیے۔ اور اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو جائیں، ایسے گواہ جن کو تم ان کے دین اور عدالت کی وجہ سے پسند کرتے ہو اور عورتوں کے دو عدد ہونے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک شہادت بھول جائے ان کی عقل اور یادداشت کے ناقص ہونے کی وجہ سے تو ان میں سے ایک یعنی یاد رکھنے والی دوسری یعنی بھولنے والی کو یاد دلا دے (فَتُذَكِّر) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے حقیقت میں اذکار لام علت کے داخلہ کا محل ہے، ای لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ، اگر بھول جائے تو یاد دلادے۔ اور لام علت ضلال پر اس لیے داخل ہوا ہے کہ وہی سبب تذکیر ہے اور ایک قراءت میں، اِنْ شرطیہ کسرہ اور تــذکیر رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ اور جواب شرط ہے اور جب گواہ بننے یا گواہی دینے کے لیے گواہوں کو بلایا جائے'' ما''

زائد ہے، تو انکار نہ کرنا چاہیے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادائیگی کی میعاد کی تعیین کے ساتھ لکھانے میں تساہل نہیں برتنا چاہیے، یعنی جس پر تم نے حق کی شہادت دی ہے، اس کے کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے اکتانا نہیں چاہیے (الــی اجلــہ) تـکتبـوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل ہے اور شہادت کو قائم کرنے پر زیادہ معاون ہے اس لیے کہ یہ تحریر شہادت کی یاد دلاتی ہے اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم حق کی مقدار اور مدت کے بارے میں شک میں نہ پڑو (اور) اگر لین دین دست بدست (نقد) ہو جس کا تم لین دین کرتے رہتے ہو (یعنی مبیع اور ثمن پر دست بدست قبضہ کرتے ہو اور اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی (یعنی ادھار نہیں ہوتا) اور (تجارةً حاضرةً) ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں "تـکـون" ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم، تـجـارة (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر ہوگی تو تمہارے لیے اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نہ لکھو، اور تجارت سے مراد سامان تجارت ہے (تب بھی تم اس پر) گواہ کرلیا کرو جب خرید و فروخت کرو اس لیے کہ یہ بات اختلاف کو زیادہ ختم کرنے والی ہے، اور (شہادت کا یہ حکم اور ماقبل میں کتابت کا حکم) استحبابی ہے۔ اور کاتب و گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی صاحب حق اور جس پر حق ہے نقصان نہ پہنچائیں۔ (تحریر) میں تحریف کرکے یا گواہ کو اور کاتب کو گواہی اور کتابت سے روک کر اور نہ صاحب حق کاتب اور گواہ کو تکلیف پہنچائے ان کو ایسی بات کے لیے مجبور کرکے جو شہادت اور کتابت کے لائق نہیں اور اگر تم ممنوعہ حکم کا ارتکاب کروگے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ ہے جو تم کو لاحق ہوگا۔ یعنی طاعت سے خروج ہے، اس کی امر و نہی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تمہارے معاملات کی مصلحتیں سکھاتا ہے اور (ویعلمکم، اتقوا کی ضمیر سے) حال مقدرہ ہے۔ یا کلام مستانفہ ہے اور اللہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اور اگر تم حالت سفر میں ہو یعنی مسافر ہو اور ادھار لینے دینے کی نوبت آجائے اور کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ تو رہن رکھنے کی چیزیں ہی قبضہ میں دیدی جائیں کہ جن کے ذریعہ تم معاملہ مضبوط کرلو، اور ایک قراءت میں "رُهُنٌ" ہے اور حدیث میں حالت حضر اور کاتب دستیاب ہونے کی صورت میں بھی رہن کو بیان کیا گیا ہے، اس لیے کہ مذکورہ دونوں قیدیں اس لیے ہیں کہ حالت سفر میں مضبوطی کی ضرورت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور مـقـبـوضـة کے لفظ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے، اور یہ کہ خود مرتہن یا اس کا وکیل قبضہ کرلے تو کافی ہے اور اگر آپس میں ایک دوسرے پر دائن اور مدیون کو اپنے حق کے بارے میں اعتبار ہو تو رہن نہ رکھے۔ تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (یعنی مدیون) تو اس کو چاہیے کہ اس کا دین ادا کرے اور اللہ سے جو کہ اس کا رب ہے ادائے دین کے بارے میں ڈرتا رہے اور جب تم کو ادائے شہادت کے لیے بلایا جائے تو تم شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا تو اس کا قلب گنہگار ہوگا اور قلب کا مخصوص طور پر ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہی محل شہادت ہے اور اس لیے بھی کہ جب قلب گنہگار ہوگا تو اس کی اتباع میں دیگر اعضاء بھی گنہگار ہوں گے تو گنہگاروں کے مانند ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے تمہارے اعمال میں سے اس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَدَايَنْتُمْ (تَدَايُنٌ) تفاعُلٌ. ماضی جمع مذکر حاضر، تم نے قرض کا لین دین کیا۔

قَوْلُہٗ: تعامَلْتُمْ اس کا اضافہ تَدَايَنْتُمْ، کے بیان معنیٰ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ تَدَايُنٌ، کے دو معنیٰ آتے ہیں آپس میں قرض کا معاملہ کرنا۔ اور بدلہ دینا (کما يقال. کما تُدِيْنُ تُدَانُ) یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ دَيْنٌ، تَدَايَنْتُمْ کے لیے تاسیس ہونہ کہ تاکید، اگر تَدَايَنْتُمْ کو دَيْنٌ کے معنیٰ میں لیا جائے تو آگے بِدَيْنٍ کا لفظ تَدَايَنْتُمْ کی تاکید ہوگا حالانکہ تاکید سے تاسیس بہتر ہے اسی لیے تَدَايَنْتُمْ کو تعاملتم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتِيْنَافٌ. یعنی فَتُذَكِّر جملہ مستانفہ ہے بایں معنیٰ کہ اِنْ شرطیہ اس میں عامل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: كَانَ، كَانَ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ صغيرًا اور كبيرًا، كان محذوف کی خبر ہیں۔

قَوْلُہٗ: تَقَعُ، كان کی تفسیر تقعُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ كان تامہ ہے تجارة حاضرة اس کا اسم، اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں تكون ناقصہ ہوگا۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی ''اِلَّا ان تكونَ التِّجَارَةُ تِجَارَةً حَاضِرَةً''.

قَوْلُہٗ: حَالٌ مقدرة اَوْ مُسْتَانِفٌ. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ. کا عطف واتقوا اللّٰه پر درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَاب: واؤ عاطفہ نہیں ہے بلکہ حالیہ یا استینافیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فرهانٌ مقبوضةٌ، موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے اور تَسْتَوْثِقُوْنَ جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَدَايَنْتُمْ، آپس میں لین دین کا معاملہ کرنا، يقال تَدَايَنْتُ الرَّجُلَ، اى عَامَلْتُهُ، يُمْلِلْ، مِنَ الْاِمْلَالِ، لکھنا، املا کرانا، الْاِمْلَال اور الْاِمْلَاء، دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، فَرِهٰنٌ، راء کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے یا رَهْنٌ، کی جمع ہے بعض قراءتوں میں رُهُنٌ بضمتین، جمع کا صیغہ ہے۔ عَلٰى سَفَرٍ، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اس میں مخاطب کو سوارے اور سفر کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ استعارہ تبعیہ وہ ہے کہ جس میں لفظ مستعار، فعل، یا حرف، یا اسم مشتق ہو جیسے فلان ركب على كتفي غريمه فلاں شخص اپنے قرض دار کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ یعنی اپنے قرضدار کے بری طرح پیچھے پڑ گیا۔

تفسیر وتشریح

ربط:

جب سابقہ آیت میں سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقہ وخیرات کی تاکید بیان کی گئی تو اب آپسی قرض کے لین دین کے احکام ومسائل کی ہدایات فرمائیں اس لیے کہ جب سودی لین دین کو حرام قرار دیدیا گیا اور ہر شخص صدقہ وخیرات کی استطاعت نہیں رکھتا، اس کے علاوہ بعض لوگ صدقہ وخیرات لینا پسند بھی نہیں کرتے، تو ایسی صورت میں ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک طریقہ قرض ہی کا باقی رہ جاتا ہے، اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا اجر وثواب بیان فرمایا گیا ہے، تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا سبب بھی ہوسکتی اسی لیے اس آیت میں جسے آیت دَین کہتے ہیں اور جو قرآن کی طویل ترین آیت ہے اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلہ میں ضروری ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

ادھار معاملہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبیع (چیز) نقد وصول کی اور قیمت کے لیے مدت طے کرلی دوسرے یہ کہ مبیع کی قیمت اسی وقت نقد دیدی اور مبیع وصول کرنے کے لیے وقت مقرر کردیا، اس کو اصطلاح میں بیع سلم کہتے ہیں یہ حدیث کی رو سے جائز ہے اگرچہ یہ معدوم کی بیع ہے۔ (تفصیلات کتب فقہ میں دیکھئے)۔

اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی، مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور غیر مبہم ہونی چاہیے، گول مول اور مبہم نہ رہے۔ مثلاً یہ کہ جاڑوں میں یا گرمیوں میں یا کھیتی کٹنے کے وقت دیدیں گے، اس لیے کہ ان مواعید میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے۔ اور ابہام کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ہے۔ مدت ماہ وتاریخ کے ساتھ متعین ہونی چاہیے۔

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ، یعنی جب تم آپس میں ادھار لین دین کا معاملہ کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اس آیت میں ایک اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ادھار لیتے دیتے وقت تحریر لکھ لیا کرو۔

عموماً دوستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں تحریر (دستاویز) لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کو معیوب اور بے اعتمادی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قراردادوں کو تحریر میں لانا چاہیے اور اس میں شہادت بھی ثبت کر لینی چاہیے، تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔ اس آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کرلی جائے۔ غیر معین مدت کے لیے ادھار لین دین جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے جھگڑے فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ میعاد بھی ایسی ہونی چاہیے کہ جس میں کوئی ابہام واجمال نہ ہو۔

وَلْیَکْتُبْ بَیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ، چونکہ لکھنا اس زمانہ میں عام نہ تھا بمشکل ہی کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا تھا، آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں دنیا کی بیشتر آبادی ناخواندہ ہے تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھ دے جس کی وجہ سے کسی کا نقصان اور کسی کا فائدہ ہوجائے اس لیے ارشاد فرمایا کہ لکھنے والے کو چاہیے کہ عدل وانصاف سے صحیح صحیح لکھے، اور دستاویز لکھنے کا ماحصل چونکہ اپنے ذمہ حق کا اقرار کرنا ہے لہٰذا لکھنے کا انتظام اسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ حق واجب الاداء ہے، لکھنے والے اور لکھوانے والے

کو دل میں خوف خدا رکھ کر لکھنا لکھانا چاہیے۔ (وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا (الآیة) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہوتا ہے وہ خفیف العقل ہو یا سٹھیایا ہوا بوڑھا ہو یا نابالغ بچہ یا گونگا، یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کی زبان کاتب نہیں سمجھتا، اس لیے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہ ہو تو ان کی طرف سے ان کا ولی لکھائے یا کوئی وکیل اور کار مختار لکھے یہاں ولی دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔

ضابطۂ شہادت کے چند اہم اصول:

سابقہ آیت میں تحریر و دستاویز لکھنے اور لکھانے کا بیان تھا، اس آیت میں بتایا گیا کہ صرف تحریر و دستاویز کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں تاکہ بوقت نزاع عدالت میں ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف تحریر حجت شرعیہ نہیں ہے، جب تک کہ اس پر شہادت شرعیہ موجود نہ ہو، آج کل کی عدالتیں بھی محض تحریر پر زبانی شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

شہادت کے لیے دو عادل مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے، اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰی، یہ ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت کا بیان ہے یعنی دو عورتوں کو بمنزلہ ایک مرد کے رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ عورت عام طور پر مرد کے مقابلہ میں ضعیف الخلقت اور قلیل الفہم ہوتی ہے اس لیے اگر ایک عورت معاملہ کا کچھ حصہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ رہا یہ شبہ کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں تسلیم کیا گیا ہے اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں ایسے ہی ہیں جیسے جسمانی ساخت و مادیت کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا؟ اور مرد کو باوجود اس کی قوت اور برداشت کے کیوں ناقابل سمجھا گیا؟ خالق کائنات جو کائنات کے ہر ایک ذرہ سے واقف ہے اس کے پیش نظر بھی ذہنیات اور اخلاقیات کی باریک سے باریک حقیقتیں ہیں، مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلس HOOLOCK ELLIS نے یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکا اور فریب بمنزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی، انگریزی)

ہاں اگر تجارتی لین دین دست بدست ہو اور اس کو نہ لکھا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی خرید و فروخت کی تحریر ضروری نہیں ہے پھر بھی اگر لکھ لیا جائے تو بہتر ہے جس طرح آج کل کیش میمو دینے کا رواج ہے۔

وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص کو دستاویز لکھنے اور گواہ بننے پر مجبور نہ کیا جائے اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کاتب اپنی کتابت کی اجرت طلب کرے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا خرچہ طلب کرے تو اس کا حق ہے۔ اسلام نے اپنے نظام عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیتے

اسی طرح اس کا انتظام بھی کیا ہے کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ (الآیة) اس کا یہ مطلب نہیں کہ رہن کا معاملہ سفر ہی میں ہو سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت چونکہ سفر میں زیادہ پیش آتی ہے اس لیے خاص طور پر سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ جب کوئی محض دستاویز لکھنے کی صورت میں قرض دینے کے لیے تیار نہ ہو تو اسی صورت میں رہن رکھ کر قرض لے لے، بلکہ دستاویز اور رہن دونوں بھی جائز ہیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے اطمینان کے لیے رہن رکھ سکتا ہے مگر اس لفظ ''مقبوضہ'' سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شئی مرہونہ سے نفع نہ اٹھایا جائے یہ اس کے لیے جائز نہیں، مرتہن کو صرف اتنا ہی حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک مرہون شئی پر اپنا قبضہ رکھے۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کو نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو تو اس کو شہادت نہ چھپانی چاہیے، اور اگر چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا دل کو اس لیے گنہگار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو صرف زبان کا گناہ نہ سمجھے اس لیے کہ ارادہ اول قلب ہی میں پیدا ہوتا ہے اس لیے اول گناہ قلب کا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا تُظْهِرُوْا **مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ السُّوْءِ و العَزْمِ علیه **اَوْ تُخْفُوْهُ** تُسِرُّوْهُ **یُحَاسِبْكُمْ** یُخْبِرْكُمْ **بِهِ اللّٰهُ** یومَ القیمةِ **فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ** المغفرةَ لَهٗ **وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ** تعذیبَهٗ وَالفِعلَانِ بالجزمِ عطفًا علٰی جَوابِ الشَّرطِ والرفعِ ای فهُوَ **وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۸۴)** ومنهُ مُحاسَبَتُكُم وجزاءُ كُم **اٰمَنَ** صَدَّقَ **الرَّسُوْلُ** محمدٌ **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ** مِنَ القُرْاٰنِ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ** عَطفٌ علیهِ **كُلٌّ** تَنوینُهٗ عِوَضٌ عَنِ المضافِ الیهِ **اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ** بالجَمعِ وَالإفرادِ **وَرُسُلِهٖ** یقولُونَ **لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** فنُؤمِنُ ببَعضٍ ونَكفُرُ ببَعضٍ كَمَا فعَلَ الیهُودُ والنصاریٰ **وَقَالُوْا سَمِعْنَا** مَا اَمَرْتَنا به سِماعَ قَبُولٍ **وَاَطَعْنَا** نَسألُكَ **غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ (۲۸۵)** اَلمَرجِعُ بالبَعثِ و لَمَّا نَزلَتِ الاٰیةُ التی قَبلَها شَكَا المؤمنونَ من الوَسْوَسَةِ وشَقَّ علیهِم المُحاسَبَةُ بِهَا فنَزلَ **لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** ای مَا تَسَعُهٗ قُدرَتُها **لَهَا مَا كَسَبَتْ** مِنَ الخیرِ ای ثوابُهٗ **وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ** مِنَ الشَّرِّ ای وِزرُهٗ ولَا یُؤَاخَذُ اَحَدٌ بذَنبِ اَحَدٍ و لا بِمَا لَمْ یَكسِبْهُ مِمَّا وَسوَسَتْ بِه نَفسُهٗ قُولُوا **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ** بالعِقابِ **اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا** تَرَكْنَا الصَّوابَ لا عَنْ عَمدٍ كَمَا اَخَذتَ به مَنْ قَبلَنا و قد رَفَعَ اللّٰهُ ذٰلكَ عَنْ هٰذِهِ الاُمَّةِ كما وردَ فی الحدیثِ فسُؤالُهٗ اِعتِرافٌ بنِعمةِ اللّٰهِ **رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا** امرًا یَثقُلُ علینا حَمْلُهٗ **كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا** ای بنی اسرائیلَ مِنْ قَتلِ النفسِ فی التوبةِ و اِخراجِ رُبعِ المالِ فی الزكوةِ و قَرضِ موضعِ النجاسةِ **رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ** قُوَّةَ **لَنَا بِهٖ** مِنَ التكالیفِ وَالبَلاءِ **وَاعْفُ عَنَّا** اُمْحُ ذُنُوبَنا **وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا**

في الرحمة زيادة على المغفرة **أَنْتَ مَوْلٰنَا** سيدنا ومتولي أمورنا **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۸۶﴾ بإقامة الحجة والغلبة في قتالهم فإن من شأن المولى أن ينصر مواليه على الأعداء في الحديث لما نزلت هذه الآية فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم قيل له عقب كل كلمة قد فعلت.

تَرْجَمَہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے برے اعمال اور ان کا پختہ ارادہ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ ان کی تم کو قیامت کے دن سزا دے گا، پھر جس کی مغفرت چاہے گا مغفرت کر دے گا اور جس کو عذاب دینا چاہے گا عذاب دے گا دونوں فعل (یغفر اور یعذب) جواب شرط (یحاسبکم) پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں اور تقدیر ھو کی وجہ سے مرفوع بھی، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور انہیں چیزوں میں سے تمہارا محاسبہ کرنا اور تم کو جزاء دینا ہے رسول یعنی محمد ﷺ نے اس قرآن کی تصدیق کی جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا، اور مومنین نے (بھی) اس کا عطف الرّسول پر ہے، یہ سب (کُلٌّ) کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے (ای کلّھم) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے (کُتُب. کتاب) جمع اور افراد کے ساتھ ہے، اور اس کے رسولوں پر وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا، اور انہوں نے کہا جس کا آپ نے ہم کو حکم دیا قبولیت کے کان سے ہم نے سن لیا، اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے پروردگار ہم آپ سے خطا بخشی کا سوال کرتے ہیں اور تیری ہی طرف واپسی ہے، یعنی بعث کے ذریعہ لوٹنا ہے اور جب ماقبل کی آیت نازل ہوئی تو مومنین نے وسوسوں کے بارے میں شکایت کی اور ان پر وسوسوں کے بارے میں حساب بھی گراں گزری تو لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نفسًا الخ نازل ہوئی، اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا یعنی جو اس کے بس میں ہو، جو نیکی جس نفس نے کمائی اس کا ثواب اس کے لیے ہے اور جس نے جو بدی کمائی اس کا گناہ اس پر ہے کوئی کسی کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا اور ناکردہ جرم یعنی نفس کے وسوسوں میں ماخوذ ہوگا کہو، اے ہمارے پروردگار ہماری عذاب کے ذریعہ گرفت نہ فرما اگر ہم سے بھول ہو یا چوک ہو جائے (یعنی) بلا قصد ہم درستگی کے تارک ہو جائیں جیسا کہ آپ نے اس پر ہم سے ماقبل والوں کی گرفت فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک کو معاف فرما دیا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، پھر (معافی) کی درخواست دراصل اللہ کی نعمت کا اعتراف ہے اے ہمارے پروردگار، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پیشتر تھے بنی اسرائیل، کہ وہ توبہ کے عوض قتل نفس ہے اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال کی زکوٰۃ نکالنا، اور مقام نجاست کو کاٹنا، یعنی ایسا حکم جو ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو، تکالیف اور مصائب کے قبیل سے، اور ہم سے ہمارے گناہوں کو درگذر فرما اور ہم کو معاف فرما اور رحم فرما رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے، تو ہی ہمارا آقا ہے یعنی ہمارے امور کا متولی ہے سو ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما قیام حجت میں اور ان سے قتال میں فتح کے ساتھ، اس لیے کہ آقا کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد

کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی، تو ہر کلمہ کے بعد (رسول) سے کہا گیا۔ قد فعلتُ، یعنی میں نے منظور کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تُظْهِرُوْا، تُبْدُوْا، کی تفسیر تُظْهِرُوْا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تُبْدُوْا، اِبداءٌ سے ہے نہ کہ بَدْءٌ سے جس کے معنی شروع کرنے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: من سوءٍ، مِن بیانیہ ہے، ''ما'' کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: یُحَاسِبْکُمْ اس کی دو تفسیریں ہیں ایک یُجزکُمْ اور دوسری یُخبِرُکم، ہے مفسر علام نے سوءٌ کی تفسیر والعزم علیه سے پہلے لفظ کے اعتبار سے کی ہے، اور والعزم علیه میں واؤ تفسیری ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو پختہ خیالات آتے ہیں یعنی جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم ہوتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے اس لیے کہ محض وساوس قلبی پر مواخذہ نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: والعزم علیه، سے ایک اعتراض کا جواب بھی مقصود ہے۔

سَوَال: وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ، سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبی پر بھی مواخذہ ہوگا حالانکہ وساوس قلبی پر بندے کا اختیار نہیں ہے نیز یہ تکلیف مالایطاق بھی ہے۔ اس کا جواب دیا کہ مافی انفسکم سے وہ وساوس مراد ہیں جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر لیا گیا ہو، اسی طرح مفسر علام نے یُحَاسِبْکُم کی تفسیر یخبرکم سے کر کے بھی اس سوال کا جواب دیدیا کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ وساوس قلبی پر کوئی مواخذہ نہیں جب کہ ان کو عملی جامہ نہ پہنائے۔ اس کا جواب دیا کہ یُحاسبکم کے معنی ہیں یخبرکم یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، قلبی وساوس سے بھی بندے کو آگاہ کر دے گا۔ اور جن نسخوں میں یُجزکم ہے تو پھر نسخ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سے ہوگا۔

سابقہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ الخ، کو اگر عام رکھا جائے جو قلبی وساوس اور معزومات کو بھی شامل ہو تو آئندہ آیت ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا'' الخ اس کی ناسخ ہوگی اور اگر سابقہ آیت کو عزم پر محمول کیا جائے تو پھر نسخ نہیں ہوگا بلکہ لاحقہ آیت سابقہ آیت کی توضیح ہوگی۔

قَوْلُہٗ: عطفاً علی جواب الشرط، اگر یَغْفِرْ اور یُعَذِّبْ کو جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو جوابِ شرط یعنی یُحَاسِبْ پر عطف ہوگا اور اگر دونوں کو مرفوع پڑھا جائے تو، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہوگی اور جملہ استینافیہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: تَنْوِیْنُهٗ عوض عن المضاف الیه، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوال: جب المؤمنون کا عطف الرسول پر ہے، تو جملہ معطوفہ ہوکر خبر مقدم ہوگی اور کُلٌّ مبتداء مؤخر ہوگا، حالانکہ کُلٌّ کا نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: کُلٌّ اضافت الی الغیر کی وجہ سے معرفہ ہے اس لیے کہ کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے تقدیر عبارت کلّھم ہے اور عوض کا حکم معوض کا ہوتا ہے۔

قولہ: یقولون. ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوال: یقولون کے مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: لا نُفرِّقُ. جمع متکلم کا صیغہ ہے اس میں جو ضمیر جمع متکلم ہے وہ الرسول اور المؤمنین کی طرف راجع ہے حالانکہ وہ اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے بحکم غائب ہیں، اور غائب کی طرف کلام واحد میں متکلم کی ضمیر نہیں لوٹ سکتی، لہٰذا نفرقُ سے پہلے یقولون مقدر مان لیا تاکہ جمع اور ضمیر میں مطابقت ہو جائے۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

الطاقة، المجهود والقدرة، یہ مصدر حذف زوائد کے ساتھ استعمال ہوا ہے اصل میں اَلإطَاقَةُ تھا، الإصر بھاری بوجھ، تکالیف شاقہ، سخت دشوار امور (ش) مقابلہ: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، اس میں صفت مقابلہ ہے۔ صفت مقابلہ کی تعریف یہ ہے کہ دو یا زیادہ متوافق معنی لائے جائیں پھر علی الترتیب ہر لفظ کا متقابل لایا جائے، جیسے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا یہاں یضحکوا اور قليلا متوافق لفظ ہیں اس کے بعد اسی ترتیب سے يبكوا اور كثيرا لایا گیا ہے مذکورہ آیت میں لَهَا، اور عَلَيْهَا، ان دونوں میں مقابلہ ہے اسی طرح، كَسَبَتْ اور ما اكْتَسَبَتْ میں بھی مقابلہ ہے اول فعل عمل خیر کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا فعل عمل شر کے ساتھ خاص ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

حسن الختام، یہ ہے کہ تفصیلی طور پر جن امور کو پورے مضمون میں بیان کیا گیا، اس پورے مضمون کے ایجاز و اختصار کے ساتھ خاتمہ کلام میں اعادہ کر دینا۔

سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، سورت کو ختم کرتے وقت بھی ان تمام بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے تقابل کے لیے اس سورت کے پہلے رکوع کو پیش نظر رکھا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔

تفسیر وتشریح

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ قرآن مجید کی طویل ترین سورت کا یہ آخری رکوع ہے اس میں عقیدۂ توحید کا پھر اعادہ ہے، سورت کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا، سورت کا خاتمہ بھی اسی جامعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے۔ اسی کو بلاغت کی اصطلاح میں حسن الختام کہا جاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑے پریشان ہوئے، دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وجہاد وغیرہ یہ سارے اعمال جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم بجالاتے ہیں، کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں، لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے باہر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فی الحال تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہی کہو صحابہ کے جذبہ سمع واطاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کو، آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا، سے منسوخ فرمادیا۔ (فتح القدیر)

صحیحین اور سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے، اِنَّ اللّٰہَ تجاوز لی عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل او تتکلم. اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کردیا ہے، البتہ ان باتوں پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ وساوس اور خیالات پر ہمیشہ مواخذہ نہیں ہوگا صرف اس وقت مواخذہ ہوگا جب وہ عمل کے قالب میں ڈھل جائیں اور ان کے کرنے کا پختہ عزم ہوجائے۔

امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اسلئے کہ محاسبہ کو معاقبہ لازم نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا محاسبہ فرمائیں تو لازمی طور پر اس کو سزا بھی دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا فرمائیں گے لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو محاسبہ کے باوجود اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ (الآیۃ) اس آیت میں بھی ان ایمانیات کا ذکر ہے، جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سے اگلی آیت "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ" میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت اور اس کے فضل وکرم کا تذکرہ ہے ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو اس کو کافی ہوجاتی ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

سورۂ بقرہ تمام ہوئی وللہ الحمد اولہ وآخرہ وظاہرہ وباطنہ وھو المستعان.

بندہ محمد جمال استاذ دارالعلوم دیوبند

بعد نماز مغرب بروز پیر

۲۱/شوال ۱۴۲۴ھ

۲۰۰۳/۱۲/۱۵ء

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا اٰيةٍ.

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور وہ دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ① اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **اَللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ**② **نَزَّلَ عَلَيْكَ** يا محمدُ **الْكِتٰبَ** القراٰنَ متلبسًا **بِالْحَقِّ** بالصِّدقِ فِي اِخْبارِه **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهُ مِنَ الْكُتُبِ **وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ**③ **مِنْ قَبْلُ** اى قَبْلَ تَنْزِيْلِه **هُدًى** حَالٌ بِمعنى هَادِيَيْنِ مِنَ الضَّلَالَةِ **لِّلنَّاسِ** مِمَّنْ تَبِعَهُمَا وَ عَبَّرَ فِيْهِمَا بِاَنْزَلَ وفي القراٰنِ بِنَزَّلَ المقتَضِيْ للتَّكْرِيْرِ لِاَنَّهُمَا اُنْزِلَا دُفْعَةً وَاحِدَةً بِخِلَافِه **وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ**ۃ بِمَعْنَى الْكُتُبِ الفَارِقَةِ بَيْنَ الحَقِّ و البَاطِلِ وَ ذُكِرَ بَعْدَ ذِكْرِ الثلاثةِ لِيَعُمَّ مَا عَدَاهَا **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ** القراٰنِ وغيرِه **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللهُ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِه فلا يَمْنَعُهُ شيءٌ مِنْ اِنْجَازِ وَعِيْدِه و وَعْدِه **ذُو انْتِقَامٍ**④ عقوبةٍ شديدةٍ مِمَّنْ عَصَاهُ لا يَقْدِرُ على مِثْلِهَا اَحَدٌ **اِنَّ اللهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ** كَائِنٌ **فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ**⑤ لِعِلْمِه بِمَا يَقَعُ فِي العَالَمِ مِنْ كُلِّيٍّ وجُزْئِيٍّ و خَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الحِسَّ لَا يَتَجَاوَزُهُمَا **هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ** مِنْ ذُكُوْرَةٍ و اُنُوْثَةٍ و بَيَاضٍ و سَوَادٍ وغيرِ ذٰلِكَ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ** فِي مُلْكِه **الْحَكِيْمُ**⑥ فِي صُنْعِه **هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ** واضِحَاتُ الدَّلَالَةِ **هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ** اَصْلُهُ الْمُعْتَمَدُ عليه فِي الاَحْكَامِ **وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ** لا يُفْهَمُ مَعَانِيْهَا كَاَوَائِلِ السُّوَرِ وَ جَعَلَهُ كُلَّهُ مُحْكَمًا فِي قَوْلِه تعالٰى اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهُ بمعنى اَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ عَيْبٌ و مُتَشَابِهًا في قولِه كِتَابًا مُتَشَابِهًا بمعنى اَنَّهُ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي الحُسْنِ و الصِّدْقِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ** مَيْلٌ عَنِ الحَقِّ **فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **الْفِتْنَةِ** لِجُهَّالِهِمْ لِوُقُوْعِهِمْ فِي الشُّبُهَاتِ واللَّبْسِ **وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ** تفسيرِه **وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللهُ** وحدَه **وَالرّٰسِخُوْنَ** الثَّابِتُوْنَ المتمَكِّنُوْنَ **فِي الْعِلْمِ** مبتدأ خبرُه **يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ** اى بِالْمُتَشَابِهِ اَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللهِ و لا نَعْلَمُ مَعْنَاهُ **كُلٌّ** مِنَ المُحْكَمِ والمُتَشَابِهِ **مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الاَصْلِ فِي الذَّالِ اى

يتعظ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ**﴿۷﴾ اصحابُ العقول و يقولون ايضا اذا رأوا من يتبعه **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا** تُمِلْهَا عن الحق بابتغاءِ تاويله الذي لا يليقُ بنا كما ازغتَ قلوبَ اولئك **بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا** ارشدتنا اليه **وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ** من عندك **رَحْمَةً** تثبيتا **اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ**﴿۸﴾ **رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ** تجمعهم **لِيَوْمٍ** اى فى يوم **لَّا رَيْبَ** شك **فِيْهِ** هو يومُ القيمة فتجازيهم باعمالِهم كما وعدت بذلك **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ**﴿۹﴾ موعِدَه بالبعث فيه التفاتٌ عن الخطاب و يحتملُ ان يكونَ من كلامه تعالى والغرض من الدُّعاء بذلك بيانُ ان همَّهم امرُ الاخرةِ و لذلك سألوا الثَّبات على الهداية لينالوا ثوابها روى الشيخان عن عائشة قالت تلا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هذه الاية هُوَ الَّذِيْٓ انزل عليك الكتب منهُ ايتٌ مُّحكمتٌ الى آخرها و قال فاذا رأيتِ الذين يتَّبعون ما تشابه منهُ فاولئك الذين سمىَّ اللّٰهُ تعالى فاحذروهم وروى الطبرانيُّ فى الكبير عن ابى مالكٍ ن الاشعرىِّ انّهُ سمع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يقولُ ما اخافُ على اُمّتى الّا ثلث خِلالٍ وذكر منها ان يُّفتحَ لَهُمُ الكتبُ فياخُذه المُؤمِنُ يبتغى تاويلهُ وليس يعلمُ تاويلهُ اِلّا اللّٰهُ والراسخون فى العلم يقولون امنّا به كُلٌّ من عند ربّنا ومايذّكّرُ اِلّا اولُوا الالباب الحديث.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓمّٓ اللہ ہی اپنی مراد کو اس سے بہتر جانتا ہے۔ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو (نظام کائنات کو) سنبھالے ہوئے ہے اس نے اے محمد آپ پر قرآن کو جو کہ خبر دینے میں صداقت پر مشتمل ہے بتدریج نازل فرمایا اپنے سے سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس کے نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل نازل کیں حال یہ ہے کہ وہ رہ نما ہیں (ھُـدًی) التوراۃ والانجیل سے حال ہے، یعنی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کرنے والی ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور ان دونوں میں اَنْـزَلَ کی تعبیر اختیار کی اور قرآن میں نـزَّلَ کی جو تکرار کا مقتضی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک وقت نازل کی گئیں بخلاف قرآن کے (کہ یہ بتدریج نازل کیا گیا) اور نازل کیا فرقان کو، مراد وہ کتابیں ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں، تینوں کے ذکر کے بعد فرقان کا ذکر کیا تا کہ مذکورہ تینوں (کتابوں) کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں (یعنی) قرآن وغیرہ سے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے، لہٰذا کوئی شئ اس کو اس کے وعدہ وعید کو پورا کرنے سے نہیں روک سکتی، اور اپنے نافرمانوں سے سخت بدلہ لینے والا ہے کہ اس جیسی عقوبت پر کوئی قادر نہیں، بلاشبہ اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی شئ مخفی نہیں خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں اس کے عالم میں واقع ہونے والی کلی و جزئی چیز سے واقف ہونے کی وجہ سے، اور زمین و آسمان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حس ان دونوں سے تجاوز نہیں کرتی۔ وہ ایسا ہے کہ رحموں میں تمہاری

صورتیں بناتا ہے جیسی چاہتا ہے، لڑکا یا لڑکی اور سفید اور کالی وغیرہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں جو اپنے ملک میں بڑا زبردست اور اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اس میں محکم آیتیں ہیں (یعنی) واضح، جو واضح الدلالت ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، یعنی اصل کتاب ہیں جو احکام میں معتمد علیہ ہیں اور دیگر متشابہ ہیں جن کے معانی مفہوم نہیں ہوتے جیسا کہ سورتوں کے اوائل، اور اللہ تعالیٰ کے قول ''اُحْکِمَتْ آیاتہٗ'' میں پورے قرآن کو محکم قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قول ''کتابًا متشابھًا'' میں پورے قرآن کو متشابہ قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس کا بعض بعض سے حسن و صدق میں مشابہ ہے، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی یعنی حق سے انحراف ہے وہ اپنے حامیوں کے لیے ان کے شہادت اور التباس میں واقع ہونے کی وجہ سے فتنہ کی تلاش میں پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، اور اس کی غلط تفسیر کی تلاش میں دراں حالیکہ اللہ وحدہ کے علاوہ اس کی حقیقی مراد کوئی نہیں جانتا اور پختہ کار اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم متشابہ پر ایمان لا چکے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم اس کی (حقیقی) مراد سے واقف نہیں ہیں (والراسخون فی العلم) مبتداء ہے اور (یقولون آمنا بہ) اس کی خبر ہے، محکم اور متشابہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں (یَذَّکَّرُ) اصل میں تاء کو ذال میں ادغام کرکے بنا ہے، یعنی نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کسی کو متشابہ کے پیچھے پڑتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارے قلوب کو حق سے نہ پھیر اس حق کی ایسی تاویل کی جستجو کے ذریعہ جو ہمارے لیے لائق نہیں ہے جیسا کہ تو نے ان لوگوں کے قلوب کو کج کردیا بعد اس کے کہ تو ہم کو راہ حق دکھا چکا، اور ہم کو اپنے پاس سے استقامت بخش کر خصوصی رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے، اے ہمارے رب یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے یعنی ایسے دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں وہ قیامت کا دن ہے، تو ان کو اپنے وعدہ کے مطابق ان کے اعمال کا صلہ دے گا، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی بعث بعد الموت کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اس میں خطاب سے (غیبت) کی جانب التفات ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ (انّ اللّٰہ لا یخلف المیعاد) اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، اور (ربّنا لا تُزِغ قلوبنا) سے دعاء کرنے کی غرض یہ ہے کہ ان کا مقصد امر آخرت ہے، اور اسی وجہ سے ہدایت پر استقامت کا سوال کیا تاکہ اس کا ثواب حاصل کریں۔

مسلم و بخاری نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا! آپ ﷺ نے یہ آیت (ھو الذی انزل علیك الکتاب منہ آیات مُحکمٰت الآیۃ) تلاوت فرمائی اور آپ ﷺ نے فرمایا! (اے عائشہ) جب تو دیکھے کہ لوگ قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑے ہیں (تو سمجھ لو) یہی ہیں وہ لوگ جن کی اللہ تعالیٰ نے نشاندہی فرمائی ہے۔ تو تم اس سے بچتی رہنا۔

طبرانی نے کبیر میں ابو مالک اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے میری امت پر صرف تین باتوں کا خوف ہے اور ان باتوں میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی، کہ لوگوں کے سامنے

کتاب (قرآن) کھولی جائے گی تو مومن اس کی تاویل کی جستجو میں لگ جائے گا حالانکہ اس کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ کل کا کل (قرآن) ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الحدیث)

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: آل، کنبہ، اہل خانہ، اولاد، عمران، کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے والد مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ عمران حضرت مریم کے والد کا نام ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران اور حضرت مریم کے والد عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قِوْلِہٗ: متلبّسًا اس میں اشارہ ہے کہ با الصاق کے لیے ہے، اور یہ کہ بالحق، متلبّسًا سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قِوْلِہٗ: قبل تنزیله اس میں اشارہ ہے کہ قبل قطع اضافت کی وجہ سے مبنی علی الضم ہے۔

قِوْلِہٗ: حال بمعنی ھا دِیِیْنَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: ھُدًی، مصدر ہے اس کا حمل کتابیں (یعنی توریت و انجیل) پر جائز نہیں ہے ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا۔

جَوَابٌ: ھدًی مصدر ہے یہ ھادیین کے معنی میں ہو کر حال ہے اور حال کا ذات پر حمل درست ہے۔

قِوْلِہٗ: بمعنی الکتب، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ فرقان قرآن کا نام ہے لہٰذا تکرار لازم آگیا اس لیے کہ سابق میں بھی قرآن کا ذکر ہو چکا ہے اور فرقان سے بھی قرآن ہی مراد ہے۔

جَوَابٌ: فرقان کے یہاں لغوی معنی مراد ہیں لہٰذا یہ ہر آسمانی کتاب کو شامل ہے۔

قِوْلِہٗ: من انجاز وَعْدِہٖ، ای اِتمام وعْدِہٖ۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

قِوْلِہٗ: التوراۃ والانجیل، یہ دونوں عجمی لفظ ہیں، اور بعض حضرات نے کہا کہ عربی ہیں، عربی ہونے کی صورت میں بعض نے وری الزند سے مشتق مانا ہے، چقماق سے چونکہ روشنی نکلتی ہے، اور تورات کے ذریعہ بھی گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکلتے تھے اس لیے وری الزند سے مشتق مانا ہے، زند، چقماق کو کہتے ہیں اور بعض نے وریت فی کلامی سے مشتق مانا ہے، اس وقت توریہ سے مشتق ہوگا جس کے معنی اشارہ کنایہ کرنا ہے، توریت، اس لیے کہا گیا اس میں تلویحات اور ایجازات اشارات و کنایات ہیں۔

قِوْلِہٗ: انجیل جو لوگ اس کو عربی کہتے ہیں وہ اس کو نجل سے مشتق مانتے ہیں اس کے معنی توسع کے ہیں، ان کا قول

عین نجلاء، وسیع چشمہ اور انجیل میں تورات کی بہ نسبت چونکہ توسع ہے اس لیے اس کو انجیل کہا گیا۔

المجاز: اللہ تعالیٰ کے قول "لِما بینَ یَدَیْہِ" میں صنعتِ مجاز ہے، بمعنیٰ اَمَامَہٗ.

الطباق: الارض والسماء، اس میں صنعت طباق ہے۔

الایجاز بالحذف: یشاءُ اس کا مفعول اظہار قدرت وغرابت کے لیے محذوف ہے۔

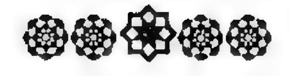
تفسیر وتشریح

یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں ہجرت کے بعد مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں اس سورت کا ابتدائی حصہ آیت ۸۳ تک نصاریٰ کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ عرب کا اگر نقشہ سامنے ہو تو جنوب مشرق میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ہے اس کے شمالی حصہ میں ایک مقام نجران ہے، عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی ۹ / یا ۱۰ ہجری میں ان کے چودہ اکابر کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، آنحضور ﷺ نے گفتگو کے دوران ان کے عقائد تثلیث اور ابنیت کی لغویات ان پر پوری طرح واضح فرمادی۔ اسی واقعہ کے دوران مباہلہ کا معاملہ بھی پیش آیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی، سورۂ بقرہ میں جس طرح خطاب خاص طور پر یہود کی جانب تھا، اسی طرح اس سورت میں مسیحیوں کی جانب ہے، سورۂ آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔

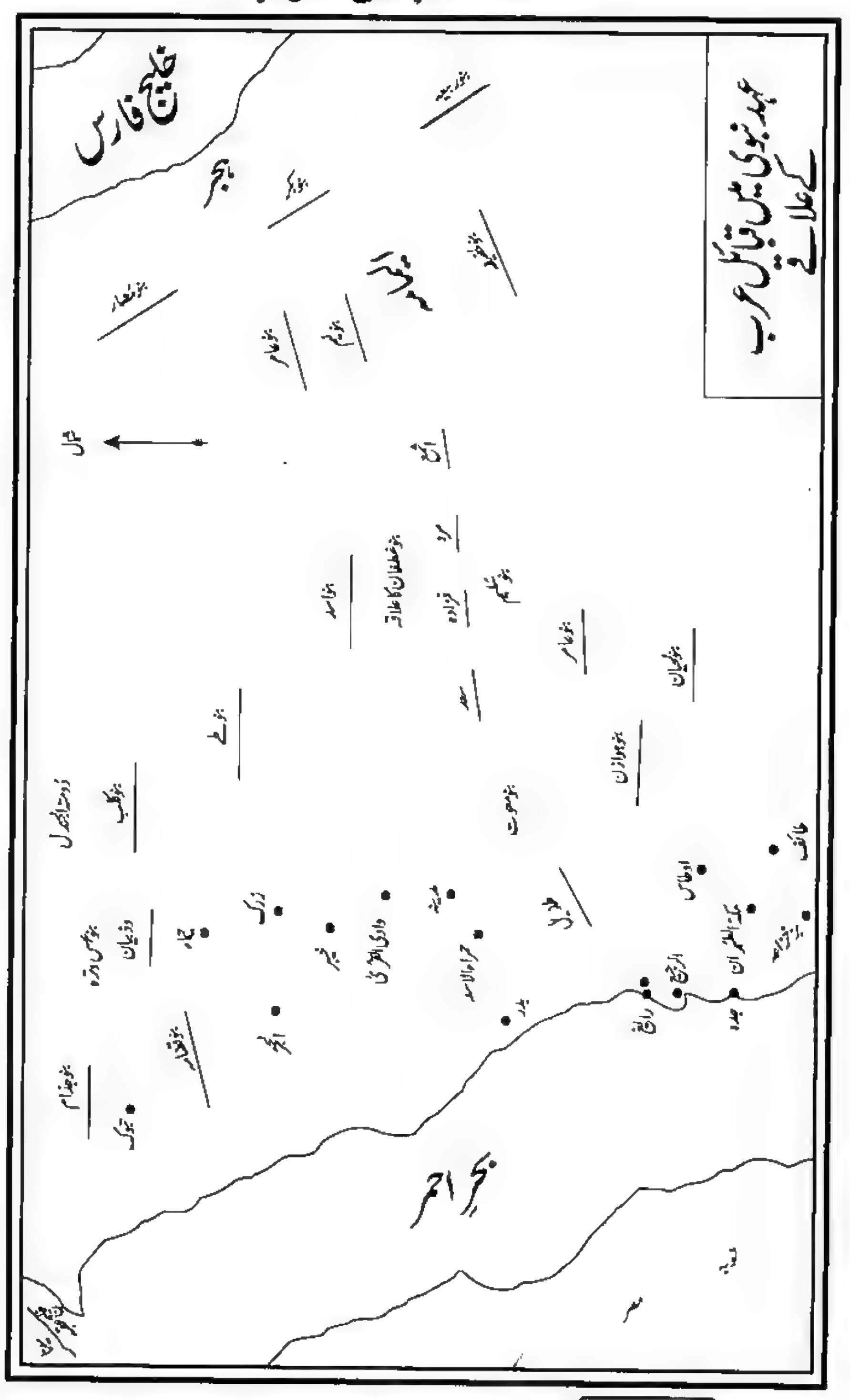
اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، یعنی اس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے اور نہ صفات میں اور نہ افعال میں بکثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک خدائے اعظم تو ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں بہت سی ہیں قرآن مجید اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی اس کے علاوہ کسی دوسرے خدا کا نہیں نہ چھوٹے کا اور نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمام تر ایک ہی ذات میں ہے، آیت میں علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، حیّ، القیوم، اللہ کی خاص صفات ہیں، حیّ کا مطلب ہے کہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اسے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ہے ساری کائنات کا قائم رکھنے والا محافظ و نگران۔ عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں کا ایک مانتے ہیں، ان کو بتایا جارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی اللہ کی مخلوق ہیں وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانۂ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت بعد کا ہے تو پھر اللہ، یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں، اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہے تو ان کو الوہیت کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ اور ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے ہم کنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ہم کنار ہو چکے۔

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ یعنی قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلی بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔



نقشہ قبائل عرب



سُوال: کیا موجودہ بائبل، تورات وانجیل میں جو کچھ ہے قرآن ان سب کی تائید وتصدیق کرتا ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لیے تورات وانجیل کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

تورات وانجیل کا تاریخی پس منظر:

تورات سے دراصل وہ احکام مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال میں ان پر نازل ہوئے، ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے ان کو دیئے تھے، باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے لکھ کر اس کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دیدی تھیں، اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالہ کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں، اسی کتاب کا نام تورات تھا، یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ رہی، اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالہ کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوقوں میں رکھدی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو تورات ہی کے نام سے جانتے تھے، لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ بن آمون کے عہد میں اس کی تخت نشینی کے اٹھارہ سال بعد جب ہیکل سلیمان کی صفائی ومرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن خلقیاہ کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبہ کی طرح شاہی منشی کو دیدی اور شاہی منشی نے اسے بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک نیا انکشاف ہوا ہے، (ملاحظہ ہو ۲ باب سلاطین ۲۲ آیت ۸ تا ۱۳) یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر (بنوکد نصر) نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جوان کے یہاں طاق نسیان پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لیے گم کر دیئے پھر عزراء کاہن (عزیر علیہ الصلاۃ والسلام) کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے بچے کچھے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزیر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جواب بائبل کی پہلی سات کتابوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے چار باب یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت پر مشتمل ہے اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کردی گئیں ہیں جو عزراء اور ان کے بزرگوں کی مدد سے دستیاب ہوئی تھیں، پس اب دراصل تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں، ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ فرمایا۔ یا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں سے پھر سیرت شروع ہوتی ہے وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن ان ہی منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے اور ان ہی کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان سرِ مو بھی فرق نہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے، بہر حال ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مرتب ہوئی اور مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کردیئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ پہنچے تھے، آج متّی، مرقس، لوقا، یوحنا، کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہیں بلکہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کے پہنچانے اور مصنفین کے اپنے کلام سے ممتاز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت نگار کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا، یا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں، قرآن ان ہی اجزاء کے مجموعہ کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے، آج کوئی ان کے بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کرکے قرآن سے ان کا مقابلہ کرکے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت کم فرق پائے گا۔

خلاصہ کلام:

موجودہ اصطلاح میں تورات متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کے نام کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں کسی صحیفہ کی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو بھی نہیں اسی طرح انجیل بھی متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مجہول الحال لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں اور ملفوظات ہیں لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور توقع تیار ہوگیا۔ (تفسیر ماجدی بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۳: ص: ۵۱۳) ایسے بے سند مقدس صحیفوں کی تصدیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہد عتیق اور عہد جدید کا کوئی جزء بھی قرآن کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ، یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ، کو دوبارہ لاکر اشارہ کردیا کہ مگر اب تورات اور انجیل کا دور ختم ہوگیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے اب وہی فرقان اور حق و باطل کی پہچان ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ، (الآیة) محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس آیات متشابہات ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضاء و قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماوراء العقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو، اس لیے آگے کہا جارہا ہے جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے

رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ فتنہ برپا کرتے ہیں جیسے عیسائی ہیں، قرآن نے حضرت عیسیٰ کو عبداللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں یہی حال اہل بدعت کا ہے قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑے ہیں، وہ ان ہی متشابہات کو بنیاد بناتے ہیں۔

وما یعلم تاویلہ الا اللہ، ''تاویل'' کے ایک معنی تو ہیں کسی چیز کی اصل حقیقت جاننا اس معنی کے اعتبار سے ''الا اللہ'' پر وقف ضروری ہے کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت صرف اللہ ہی جانتے ہیں اور ''تاویل'' کے دوسرے معنی میں کسی چیز کی تفسیر اور تعبیر وبیان وتوضیح، اس اعتبار سے وقف الا کے بجائے والراسخون فی العلم پر بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ راسخین فی العلم بھی صحیح تفسیر وتوضیح کا علم رکھتے ہیں تاویل کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ تدفع عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ اى عذابه شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ بفتح الواو ما يوقد به ذابهم كَدَأْبِ كعادة آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ من الامم كعاد وثمود كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ اهلكهم بِذُنُوبِهِمْ ۗ والجملة مفسرة لما قبلها وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪ ونزل لما امر النبى صلى الله عليه وسلم اليهود بالاسلام فى مرجعه من بدر فقالوا له لا يغرنك ان قتلت نفرا من قريش اغمارا لا يعرفون القتال قُلْ يا محمد لِلَّذِينَ كَفَرُوا من اليهود سَتُغْلَبُونَ بالتاء والياء فى الدنيا بالقتل والاسر وضرب الجزية و قد وقع ذلك وَتُحْشَرُونَ بالوجهين فى الاخرة إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ فتدخلونها وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ الفراش هى قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ عبرة و ذكر الفعل للفصل فِي فِئَتَيْنِ فرقتين الْتَقَتَا ۖ يوم بدر للقتال فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اى طاعته وهم النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه رضى الله تعالى عنهم وكانوا ثلث مائة وثلاثة عشر رجلا معهم فرسان و ست ادرع و ثمانية سيوف و اكثرهم رجالة وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ بالياء والتاء اى الكفار مِثْلَيْهِمْ اى المسلمين اى اكثر منهم كانوا نحو الف رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ اى رؤية ظاهرة معاينة و قد نصرهم الله تعالى مع قلتهم وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ يقوى بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ نصره إِنَّ فِي ذَٰلِكَ المذكور لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ⑬ لذوى البصائر افلا تعتبرون بذلك فتؤمنون زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ما تشتهيه النفس و تدعو اليه زينها الله تعالى ابتلاء او الشيطان مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الاموال الكثيرة الْمُقَنْطَرَةِ المجمعة مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ الحسان وَالْأَنْعَامِ اى الابل و البقر و الغنم وَالْحَرْثِ ۗ الزرع ذَٰلِكَ المذكور مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ يتمتع به فيها ثم يفنى وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ⑭ المرجع وهو الجنة فينبغى الرغبة فيه دون غيره قُلْ يا محمد لقومك

أَؤُنَبِّئُكُمْ أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ المذكور مِنَ الشَّهَوَاتِ استفهامُ تقريرٍ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ عِنْدَ رَبِّهِمْ خبرٌ مبتدؤُهُ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ اى مُقدَّرِيْنَ الخُلُودَ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ مِن الحَيْضِ وغيرِهٖ مِمَّا يُسْتَقْذَرُ وَّرِضْوَانٌ بكسرِ اَوَّلِهٖ و ضَمِّهٖ لغتانِ اى رِضًى كثيرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ عالمٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ فيُجازِيْ كُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهٖ اَلَّذِيْنَ نعتٌ اَوْ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قبلَهٗ يَقُوْلُوْنَ يا رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِكَ وَ بِرَسُوْلِكَ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ عَلَى الطَّاعَةِ و عَنِ الْمَعْصِيَةِ نعتٌ وَالصّٰدِقِيْنَ فِى الْاِيْمَانِ وَالْقٰنِتِيْنَ الْمُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ وَالْمُنْفِقِيْنَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ اللّٰهَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ اَوَاخِرِ اللَّيْلِ خُصَّتْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهَا وَقْتُ الْغَفْلَةِ وَ لَذَّةِ النَّوْمِ شَهِدَ اللّٰهُ بَيَّنَ لِخَلْقِهٖ بِالدَّلَائِلِ وَالْاٰيَاتِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ لا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِى الْوُجُوْدِ اِلَّا هُوَ وَ شَهِدَ بِذٰلِكَ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالْاِقْرَارِ وَاُولُوا الْعِلْمِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِعْتِقَادِ وَاللَّفْظِ قَآئِمًا بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ وَ نَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَ الْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ اى تَفَرَّدَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا الْعَزِيْزُ فِى مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ فِى صُنْعِهٖ اِنَّ الدِّيْنَ الْمَرْضِيَّ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الْاِسْلَامُ اى الشَّرْعُ الْمَبْعُوْثُ بِهِ الرُّسُلُ الْمَبْنِيُّ عَلَى التَّوْحِيْدِ و فِى قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اَنَّ بَدَلٌ مِنْ اَنَّهٗ الخ بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِى الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَ كَفَرَ بَعْضٌ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيْدِ بَغْيًا مِنَ الْكٰفِرِيْنَ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ اى الْمُجَازَاةِ لَهٗ فَاِنْ حَآجُّوْكَ خَاصَمَكَ الْكُفَّارُ يا محمدُ فِى الدِّيْنِ فَقُلْ لَهُمْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ اَنْقَدْتُ لَهٗ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَ خَصَّ الْوَجْهَ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهٖ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْاُمِّيّٖنَ مُشْرِكِى الْعَرَبِ ءَاَسْلَمْتُمْ اى اَسْلِمُوْا فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا مِنَ الضَّلَالِ وَاِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ التَّبْلِيْغُ لِلرِّسَالَةِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ و هٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ.

ترجمہ: یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اوران کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں ہرگز ان کے کچھ کام نہ آئیں گے (یعنی عذاب کو) رفع نہ کریں گے، اور وہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے ، واؤ کے فتحہ کے ساتھ، جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے جیسا کہ معاملہ آلِ فرعون اوران سے قبل والوں کے ساتھ ہوا، (یعنی) سابقہ امتوں کے ساتھ جیسا کہ عاد وثمود (کے ساتھ) انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث ان کی گرفت کی یعنی ان کو ہلاک کردیا اور جملہ "كَذَّبُوْا" الخ ماقبل کے جملہ "كَدَاْبِ اٰلِ فرعون الخ" کی تفسیر ہے، اوراللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے، اور جب آپ ﷺ غزوۂ بدر سے واپس ہوئے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو یہود نے آپ سے کہا کہ ناتجربہ کار اور فن قتال سے

ناواقف چند قریش کو قتل کر دینا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اے محمد آپ کفر کرنے والے یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے، سیغلبون، یاء اور تاء کے ساتھ دنیا میں قتل وقید اور جزیہ عائد کر کے، اور ایسا ہی ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے (یُحشرون) یاء اور تاء کے ساتھ تو تم اس میں داخل ہو گے، اور وہ برا ٹھکانہ فرش ہے، بے شک تمہارے لیے یوم بدر میں دونوں فریقوں کے قتال کے لیے مقابل ہونے میں عبرت ہے (کسان) فعل کو درمیان میں فصل کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے، ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی یعنی اس کی اطاعت میں، اور وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان کے ساتھ (صرف) دو گھوڑے اور چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں ان میں کے اکثر لوگ پا پیادہ تھے۔ اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جو ان (مسلمانوں) کو اپنے سے کئی گنا زیادہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، یعنی اپنے سے زیادہ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، (یَرَوْنَ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قلت کے باوجود مدد فرمائی، اور اللہ جس کی نصرت چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد کرتا ہے بلاشبہ اس مذکورہ (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے بڑا سبق ہے تو تم اس سے سبق نہیں لیتے کہ ایمان لے آؤ۔ اور خوشنما کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوبات کی محبت یعنی قلب جس کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان مرغوبات کو بطور آزمائش خوشنما بنا دیا ہے یا شیطان نے (خوشنما بنا دیا ہے) خواہ (وہ مرغوبات) عورتیں ہوں اور بیٹے اور اموال کثیرہ یا سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے عمدہ گھوڑے اور مویشی یعنی اونٹ گائے اور بکری اور زراعت یہ سب دنیوی زندگی کے سامان ہیں، دنیا ہی میں ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اور حسن انجام تو اللہ کے پاس ہے اور وہ جنت ہے چنانچہ وہی رغبت کے لائق ہے نہ کہ اس کے علاوہ اور چیز۔ اے محمد آپ اپنی قوم سے کہئے کیا میں ان مذکورہ (مرغوبات) سے بھی بہتر چیزیں نہ بتلاؤں؟ ان (لوگوں) کے لیے جو کہ شرک سے ڈرتے رہتے ہیں، استفہام تقریر کے لیے ہے، ان کے پروردگار کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، اور وہ جب جنت اس میں داخل ہو جائیں گے (عند ربھم) مبتداء ہے، اور (جنّٰت تجری) اس کی خبر ہے، اور حیض وغیرہ (مثلاً بول و براز) سے کراہت ہوتی ہے صاف ستھری بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی خوشنودی ہوگی۔ (رِضوانٌ) راء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ۔ یہ دو لغت ہیں یعنی بڑی رضامندی، اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھے ہوئے ہے، ان میں سے ہر ایک کو ان کی جزاء دے گا، (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں (الذین) یہ سابق اَلّذِیْنَ کی صفت یا بدل ہے، اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے یعنی ہم نے تیری اور تیرے رسول کی تصدیق کی، سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا، یہ طاعت پر اور معصیت سے صبر کرنے والے ہیں۔ (یہ بھی) صفت ہے، اور ایمان میں سچے ہیں اور اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، اور صدقہ کرنے والے ہیں اور صبح کے وقت، یا پچھلے پہر رات میں "اَللّٰھُمَّ اغفِرلَنا" کہتے ہوئے اللہ سے مغفرت مانگنے والے ہیں اور وقت سحر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ وہ غفلت اور نیند کی لذت کا وقت ہے، اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے دلائل اور آیات کے ذریعہ (عقلی و نقلی دلائل کے ذریعہ)

بیان فرمادیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی کوئی معبود برحق موجود نہیں، اور ملائکہ نے بھی اقرار کرکے یہی گواہی دی ہے اور اہل علم نے کہ وہ انبیاء اور مومنین ہیں جنہوں نے اعتقاد کے ذریعہ (دل سے) گواہی دی ہے اور زبان سے تلفظ (اقرار) کر کے۔ اور وہ عدل سے انصاف قائم رکھنے والا ہے، یعنی اپنی مخلوقات کی تدبیر کرنے والا ہے (اور) قائما، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور عامل اس میں جملہ کے معنیٰ ہیں۔ ای تَفَرَّدَ (یعنی لا الٰہ الا ھو، تَفَرَّدَ کے معنیٰ میں ہے) بجز اس کے کوئی معبود نہیں تاکیداً اس کو مکرر لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں زبردست ہے، اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے یقیناً پسندیدہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے یعنی وہ شریعت کہ جس کو لیکر رسول مبعوث ہوئے جس کا مدار توحید پر ہے، اور ایک قراءت میں انَّ کے فتحہ کے ساتھ اَنَّهُ الخ سے بدل الاشتمال ہے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے توحید کا علم آجانے کے بعد جو اختلاف کیا کہ بعض توحید کے قائل ہوئے اور بعض منکر محض کافروں کی جانب سے آپسی ضد کی وجہ سے کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا اللہ بلاشبہ جلدی حساب لینے والا ہے، یعنی اس کو جزاء دینے والا ہے سوائے محمد ﷺ اگر یہ کافر آپ سے دین میں حجت کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اور جس نے میری اتباع کی تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا ہوں (یعنی) اس کا فرمانبردار ہو چکا ہوں، اور چہرہ کی تخصیص اس کے افضل ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا غیر تو بطریق اولیٰ فرمانبردار ہوگا، اور آپ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ناخواندہ مشرکین عرب سے دریافت کیجئے کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ یعنی اسلام لے آؤ، سو اگر اسلام لے آئے تو وہ گمراہی سے راہ ہدایت پر آگئے اور اگر انہوں نے اسلام سے اعراض کیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھنے والا ہے لہٰذا وہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دے گا، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَقُوْدُ، واؤ کے فتحہ کے ساتھ ایندھن اسم ہے واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، مصدر کا حمل ذوات پر چونکہ درست نہیں ہے اس لیے مفتوح الواؤ کو اسم قرار دیا گیا تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلُهُ: دَأْبُهُمْ، یہ لفظ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کَدَأْبِ فرعونَ مبتداء محذوف کی خبر ہو کر جملہ مستانفہ ہے اس کا تعلق نہ لن تغنی سے ہے اور نہ وَقُوْدُ النار، سے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ دأبٌ بمعنیٰ عادت، حال دأبٌ (ف) سے مصدر ہے لگاتار کسی کام میں لگنا اسی وجہ سے اس کے معنی عادت کے ہیں۔

قَوْلُهُ: الجملة مفسرة مفسر علام نے مذکورہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کَذَّبُوْا بآیاتِنَا، جملہ حالیہ نہیں ہے اس لیے کہ ماضی کے حال واقع ہونے کے لیے "قد" ضروری ہوتا ہے بلکہ یہ جملہ، سابقہ جملہ کی تفسیر ہے یہی وجہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان واؤ نہیں لائے۔

قَوْلُهُ: اغمار، غمرٌ کی جمع ہے ناتجربہ کار جاہل۔

قِوْلُہٗ: ذُکِرَ الفعل للفصل یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: آیَةٌ، کان کا اسم ہے اور فعل کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ کانَتْ لانا چاہیے تھا تاکہ فعل اور اسم میں موافقت ہو جاتی۔

جَوَاب: فعل اور اس کے اسم میں جب فصل واقع ہو جائے تو موافقت ضروری نہیں ہوتی، یہاں لَکُمْ، کا فصل واقع ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلْفِئَۃُ جماعت لفظوں میں اس کا واحد مستعمل نہیں ہے اس کی جمع فئات ہے۔

قِوْلُہٗ: المذکور، ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ذٰلِکَ کا مشارٌ الیہ التقلیل و التکثیر ہے، اسم اشارہ اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: التقلیل و التکثیر بمعنی المذکور ہے لہٰذا مطابقت موجود ہے۔

قِوْلُہٗ: مَا تشتھِیْہِ اس میں اشارہ ہے کہ شہوات، مصدر مبالغۃً بمعنی مفعول کے ہے، کقولہ احببت حبّ الخیر میں۔

قِوْلُہٗ: نعتٌ او بدلٌ مِن الَّذِیْنَ قَبْلَہٗ اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا دفاع ہے کہ العباد جو کہ قریب ہے، سے بدل یا نعت ہو اس کو دفع کر دیا کہ یہ اِتقوا سے بدل یا نعت ہے نہ کہ العباد سے۔

قِوْلُہٗ: یا ربّنا، یا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ربّنا، یا کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: نعتٌ یعنی جس طرح الَّذِیْنَ اتقوا سے نعت ہے یہ اتقوا بھی نعت ہے۔

قِوْلُہٗ: نَصْبُہٗ علی الحال، یعنی قائماً ھُوَ سے حال ہے نہ کہ اِللّٰہ، کی صفت ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ صفت اور موصوف کے درمیان فصل بالاجنبی واقع ہے۔

قِوْلُہٗ: و الفاعل فیھا معنی الجملۃ، ای تفرّد. یہ دراصل سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ قائماً اگر معطوف اور معطوف علیہ کے مجموعہ سے حال ہے تو اس صورت میں حمل درست نہ ہوگا اور اگر فقط لفظ اللہ، سے حال ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ جاء زیدٌ و عمرو راکباً اس وقت حال کا کوئی عامل نہ رہے گا۔

جَوَاب: یہ دیا کہ جملہ "لا الٰہ الّا ھو" معنی میں تفرّدَ کے ہے، اس لیے کہ استثناء نفی کے بعد تفرد کا فائدہ دیتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الاِحتباك: دو کلاموں میں حذف ہو اور اول کلام سے وہ حذف کر دیا جائے جو ثانی سے مفہوم ہو اور ثانی سے وہ حذف کر دیا جائے جو اول سے مفہوم ہو۔ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فی سبیل اللّٰہ و اخری کافِرَۃٌ۔ اس میں صنعتِ احتباک ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، فِئَۃٌ مؤمِنَۃٌ تقاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَفِئَۃٌ اُخری کافِرَۃٌ فِی سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ، فِئَۃٌ تقاتلُ فی سبیل اللّٰہ یہ اول کلام ہے اور اخری کافرۃٌ یہ ثانی کلام ہے ثانی کلام میں کافِرَۃٌ کے لفظ سے مؤمنۃ مفہوم ہے لہٰذا اس کو اول کلام سے حذف کر دیا

اور اول کلام میں تقاتل فی سبیل اللّٰہ مذکور ہے اسی سے تقاتل فی سبیل الشیطان مفہوم ہے لہٰذا اس کو ثانی کلام میں حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُہٗ: اَلْقَنطَرة، یہ قنطارٌ کی جمع ہے مال کثیر، ڈھیر کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُسَوَّمَة عمدہ گھوڑا، علامت لگایا ہوا گھوڑا۔

قَوْلُہٗ: مَآب مصدر بھی ہو سکتا ہے اور اسم مکان و اسم زمان بھی، یہ اصل میں (ن) مَاْوَبٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا، واؤ کی حرکت نقل کر کے ہمزہ کو دیدی واؤ کو الف سے بدل دیا مَآبٌ ہو گیا لوٹنے کی جگہ یا زمانہ۔

قَوْلُہٗ: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، (الآیة) اس آیت میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔

مَرَاعَاةُ النظير: اس کو صنعت تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں۔

مراعَاةُ النظير: یہ ہے کہ ایسے دو یا زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کر دیں جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں، لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو، ورنہ یہ صنعت طباق ہو جائے گی مذکورہ آیت میں متعدد ایسی چیزوں کو جمع کر دیا ہے جن میں مناسبت ہے، مگر یہ مناسبت تضاد نہیں ہے، اردو میں جیسے اس شعر میں ہے۔ ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں بتاتا باغباں رو رو کے یاں غنچہ یہاں گل تھا

ان دو شعروں میں چمن کے مناسب بہت سے الفاظ شاعر نے جمع کر دیے ہیں۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیة) ممکن ہے کہ کوئی اس آیت میں یہ شبہ کرے کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار مغلوب ہوں گے، حالانکہ دنیا کے سب کفار مغلوب نہیں ہیں لیکن یہ شبہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ یہاں کفار سے تمام دنیا کے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ اس وقت کے مشرکین اور یہود مراد ہیں، چنانچہ مشرکین کو قتل وقید اور یہود کو قتل وقید اور جزیہ اور جلاوطنی کے ذریعہ مغلوب کر دیا گیا تھا، چنانچہ بنوقینقاع اور بنونضیر جلاوطن کیے گئے، بنوقریظہ قتل کیے گئے اور فتح خیبر کے بعد تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ (الآیة) اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، اور دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ زائد تھے جن کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، اور تماشہ یہ تھا کہ ہر فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار دل میں مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہو رہے تھے، اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور

زیادہ حق کی طرف متوجہ ہو رہے تھے، کافروں کی پوری تعداد جو مسلمانوں کی تعداد کی تین گنی تھی منکشف ہو جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمانوں پر خوف طاری ہو جاتا اس لیے کہ مسلمانوں کو دو گنوں پر تو "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّاْئَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ" میں غلبہ کی پیش گوئی کر دی گئی تھی اور خدا کا وعدہ تھا مگر تین گنے پر فتح کا وعدہ نہیں تھا، اور فریقین کا دو گنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ (الآیة) ان ہی چیزوں کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کرنے کا سبب بن جاتی ہے شہوات سے یہاں مراد مشتہیات ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں اس لیے انکی رغبت محبت ناپسندیدہ نہیں بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے ان کی تزئین بھی اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ، آخر شب کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی قوی کی بیداری و بالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی گذرتا ہے یہ مطلب نہیں کہ استغفار بجز سحر کے وقت کے دوسرے وقت میں نہیں ہو سکتا۔

اَلصَّابِرِیْنَ وَالصَّادِقِیْنَ یعنی صبر کرنے والے، امام رازی نے لکھا ہے کہ فعل کے صیغے کے بجائے اسم فاعل کا صیغہ اس لیے لائے ہیں کہ ان سے اشخاص کی یہ عام اور مستقل عادت ظاہر ہو۔

شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (الآیة) شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا اس کے ذریعہ سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ فرشتہ اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ اہل علم کا بھی ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہوں۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ، اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت وتعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید، رسالت اور آخرت پر اسی طرح یقین وایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے اور کچھ نیک اعمال کر لینا اسلام نہیں نہ اس سے نجات حاصل ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ وفی قراءۃ یُقَاتِلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ بالعدل مِنَ النَّاسِ وَھُمُ الیھود رُوِیَ اَنَّھُمْ قتلوا ثلثةً واربعین نبیًّا فنهاھم مائة و سبعون من عُبَّادِھِم فقتلوھم فی یومھم فَبَشِّرْھُمْ اَعْلِمْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ مُؤْلِمٍ وذکر البشارة تھکّمٌ بھم و دخلت الفاء فی خبر اِنَّ لِشِبْهِ اسمھا الموصول بالشرط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ بطلت اَعْمَالُھُمْ ما عملوہ من خیرٍ کصدقةٍ و صلة رحمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فلا اعتداد بھا لعدم شرطھا وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ مانعین لھم من العذاب اَلَمْ تَرَ تنظر اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا حظًّا مِّنَ الْکِتٰبِ التوراة یُدْعَوْنَ حال اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ عن قبول حكمه نزل في اليهود زنى منهم اثنان فتحاكموا الى
النبي صلى الله عليه وسلم فحكم عليهما بالرجم فابوا فجئ بالتورة فوجد فيها فرجما فغضبوا ذٰلِكَ
التولي والاعراض بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اي بسبب قولهم لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اربعين يوما مدة عبادة
آبائهم العجل ثم تزول عنهم وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ متعلق بقوله مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ من قولهم ذلك فَكَيْفَ حالهم
اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ اي في يوم لَّا رَيْبَ شك فِيْهِ هو يوم القيمة وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ من اهل الكتب وغيرهم
جزاء مَّا كَسَبَتْ عملت من خير وشر وَهُمْ اي الناس لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۵ بنقص حسنة او زيادة سيئة ونزل لما وعد
صلى الله عليه وسلم امته ملك فارس والروم فقال المنافقون هيهات قُلِ اللّٰهُمَّ يا الله مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي
تعطي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ من خلقك وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ بايتائه اياه وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بنزعه منه
بِيَدِكَ بقدرتك الْخَيْرُ اي والشر اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶ تُوْلِجُ تدخل الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ تدخله
فِي الَّيْلِ فيزيد كل منهما بما نقص من الآخر وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كالانسان والطائر من النطفة
والبيضة وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ كالنطفة والبيضة مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷ اي رزقا واسعا
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ يوالونهم مِنْ دُوْنِ اي غير الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اي يواليهم فَلَيْسَ مِنَ
دين اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مصدر تقيته اي تخافوا مخافة فلكم موالاتهم باللسان دون
القلب وهذا قبل عزة الاسلام ويجري فيمن هو في بلد ليس قويا فيها وَيُحَذِّرُكُمُ يخوفكم اللّٰهُ نَفْسَهٗ
اي ان يغضب عليكم ان واليتموهم وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸ المرجع فيجازيكم قُلْ لهم اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ
قلوبكم من موالاتهم اَوْ تُبْدُوْهُ تظهروه يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹
ومنه تعذيب من والاهم واذكر يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ مبتدأ خبره
تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا غاية في نهاية البعد فلا يصل اليها وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ كرره للتاكيد
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور ایک قراءت میں ”یقاتلون“
ہے اور ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم دیتے ہیں مار ڈالتے ہیں، اور وہ یہود ہیں، روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے تینتالیس نبیوں کا
قتل کیا ہے، ان کو ایک سو ستر بنی اسرائیل کے عابدوں نے منع کیا تو ان کو بھی اسی دن قتل کر دیا، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری
دیدیجئے (بجائے خبر کے) خوشخبری کا ذکر ان کے ساتھ مذاق کے طور پر ہے اور اِنَّ کی خبر پر فاء داخل ہوئی ہے اس کے اسم
موصول کے شرط کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے، یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں (یعنی) صدقہ

اور صلہ رحمی کے طور پر انہوں نے جو اعمال کیے وہ سب اکارت ہو گئے لہٰذا شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے وہ کسی شمار میں نہیں اور ان کا کوئی مدد گار نہ ہوگا (یعنی) ان کو عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب تورات کا ایک حصہ دیا گیا تھا ان کو بلایا جاتا ہے (یُدْعَوْنَ، اَلَّذِیْنَ) سے حال ہے تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتے ہوئے اس کا حکم قبول کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ ان میں سے دو شخصوں نے زنا کیا تو وہ اپنا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا، تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا، تو تورات لائی گئی تو اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ چنانچہ ان دونوں کو رجم کر دیا گیا، تو یہود ناراض ہو گئے، یہ اعراض اور روگردانی اس وجہ سے تھی کہ ان کا کہنا تھا کہ ہم کو آگ چند دن چھوئے گی جو کہ چالیس دن ہیں اور یہ وہ مدت ہے کہ جس میں ان کے آباء نے گائے پرستی کی تھی، پھر ان سے زائل ہو جائے گی (یعنی نجات پا جائیں گے) اور ان کو ان کے دین کے بارے میں ان کے تراشے ہوئے قول ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ'' نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، فی دینھم کا تعلق ما کانوا یفترون سے ہے، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب ہم ان کو اس دن میں جمع کریں گے کہ جس کے آنے میں ذرا شک نہیں ہے، وہ قیامت کا دن ہے۔ اور ہر شخص کو خواہ اہلِ کتاب سے ہو یا غیر اہلِ کتاب سے، ان کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی اور لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں میں کمی کر کے اور برائیوں میں اضافہ کر کے۔ اور جب آپ ﷺ نے اپنی امت سے ملک فارس اور روم کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تو منافقوں نے کہا یہ بات بہت بعید ہے آپ کہیے اے سارے جہانوں کے مالک اللّٰھم بمعنیٰ یا اللہ تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ملک عطاء کرے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے ملک دے کر عزت دے اور جس کو چاہے چھین کر ذلت دے تیرے ہی قبضۂ قدرت میں خیر و شر ہے، بلا شبہ تو ہی ہر شئ پر قادر ہے، رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے ہر ایک میں سے جو مقدار کم ہوتی ہے وہ دوسرے میں زائد ہو جاتی ہے اور تو جاندار کو بے جان سے مثلاً انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے اور بے جان کو مثلاً نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے، مومنوں کو چاہیے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں کہ مومنین کو چھوڑ کر ان سے محبت کرنے لگیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا یعنی ان سے (دلی) دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے دین کے بارے میں کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے اندیشہ (ضرر) رکھتے ہو تُقَاۃً، تَقِیَّۃً، کا مصدر ہے، یعنی اگر تم ان سے کسی قسم کے ضرر کا خوف رکھتے ہو تو تم کو ان سے زبانی دوستی کی اجازت ہے نہ کہ دلی دوستی کی، اور یہ حکم اسلام کے غلبہ سے قبل کا ہے، اور مذکورہ حکم اس کے لیے بھی ہے جو کسی ایسے شہر میں ہو کہ اسلام اس میں قوی نہیں ہے۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یہ کہ وہ تم سے ناراض ہوگا اگر تم ان سے (دلی) دوستی کرو گے اور اللہ کی طرف آنا ہے، تو وہ تم کو جزا دے گا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی دوستی جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ اس کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب کو) جانتا ہے، اور اللہ ہر شئ پر قادر ہے، اور ان ہی میں سے کافروں سے دوستی کرنے والے

کو سزا دینا بھی ہے، جس دن ہر شخص اپنے نیک و بد اعمال کو موجود پائے گا (ما عملت من سوءٍ) مبتدا خبر ہیں۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس (قیامت کے) دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکتا، اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے تاکید کے لیے مکرر لائے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَفِی قِرَاءةٍ یُقَاتِلُوْنَ، بہتر ہوتا کہ مفسر علام اس اختلاف کو بعد والے یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ کے بعد، ذکر کرتے، اس لیے کہ مذکورہ اختلاف ثانی یَقْتُلُوْنَ میں ہے نہ کہ اول میں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: یُدْعَوْنَ، حَالٌ، یُدْعَوْنَ، اَلَّذِیْنَ سے حال ہے نہ کہ صفت اس لیے کہ جملہ معرفہ کی صفت نہیں ہو سکتا۔

قَوْلُہٗ: ای الناس الناس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ھُمْ، ضمیر نَفْسٌ، کی طرف راجع ہے جو کہ مونث سماعی ہے لہٰذا مرجع و ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: ھم ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جو کہ نفس سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: یا اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ، کی تفسیر یا اللہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَللّٰھُمَّ میں الف لام، یا حرف ندا کے عوض میں ہے، یہی وجہ ہے کہ لفظ اللہ پر دونوں بیک وقت داخل نہیں ہوتے۔

قَوْلُہٗ: رزقًا واسعًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کوئی بھی رزق غیر معلوم الحساب (بے شمار) نہیں ہے خاص طور پر اس لیے کہ اللہ کے علم میں ہر چیز معلوم و محسوس ہے، تو اس کا جواب دیا ہے بغیر حساب سے مراد وسیع اور کثیر ہے۔

قَوْلُہٗ: یُوَالُوْنَھُمْ، اس میں اشارہ کہ اَوْلِیَاء، ولی بمعنی محبت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی استعانت سے۔

قَوْلُہٗ: تُقَاةً (تُقَاة) یہ تَقِیَّۃٌ کا مصدر مفعول مطلق ہے بچنا حفاظت کرنا۔ تُقَۃٌ اصل میں وُقَیَۃ واؤ کو تاء سے بدلا اور یاء کو الف سے اور تاء کو حذف واؤ پر دلالت کرنے کے لیے ضمہ دیدیا۔ (اعراب القرآن متصرفا)

قَوْلُہٗ: اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ. اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ای غضبَ نفسہٖ یہ ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے تقۃ کو مفعول قرار دیا ہے، اس لیے کہ مفعول مجاز ہے اور مجاز بلا ضرورت جائز نہیں اور یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

قَوْلُہٗ: مبتداء خبرہ تَوَدُّ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وَمَا عَمِلَتْ کا عطف تجدُ کے معمول پر نہیں ہے بلکہ مبتداء ہے اور اس کی خبر یَوَدُّ ہے اس لیے کہ اس صورت میں تَوَدُّ عملت کی ضمیر سے حال ہوگا اور عدم معاونت کی وجہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اخبار بالعذاب کو بشارت سے تشبیہ دی ہے مشبہ بہ کو مشبہ کے لیے مستعار لیا ہے پھر بشارۃ سے بَشِّرْ مشتق کیا۔ تخرج الحیّ مِنَ المیت وتخرج المیتَ من الحیّ. اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے جب کہ حی ومیت سے مسلم وکافر مراد ہوں، مشبہ کو حذف کردیا اور مشبہ بہ کو باقی رکھا، اور اگر نطفہ اور بیضہ مراد ہوں تو کلام اپنی حقیقت پر ہوگا۔ اِلَّا اَنْ تتقوا، اس میں التفات من الغیبة الی الخطاب ہے اگر سابقہ طریقہ پر کلام ہوتا تو اِلّا أن یتّقوا ہوتا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیِّیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ. یعنی ان کی سرکشی اور بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان کو بھی قتل کر ڈالا جو حق وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین ومخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، یہ طنزیہ انداز بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے جن کرتوتوں پر وہ آج بہت خوش ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے کام کررہے ہیں انھیں بتادو کہ تمہارے ان اعمال کا انجام یہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً مِّنَ الْکِتَابِ (الآیة) ان اہل کتاب سے مراد مدینہ کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام اور مسلمانوں اور نبی کے خلاف مکروسازش میں مصروف رہے حتی کہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کردیا گیا۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ، یعنی اس کتاب کے ماننے سے گریز اور روگردانی کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے جائیں گے، ان من گھڑت باتوں نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے، یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کا چہیتا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے یہ اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہرحال جنت ہماری ہے ہم اہل ایمان ہیں اور ہم فلاں کی اولاد ہیں اور فلاں کی امت ہیں آگ کی کیا مجال کہ ہم کو چھو بھی جائے اور اگر بالفرض چھوئے گی بھی تو بس چند روز کے لیے گناہوں کی آلائشوں سے پاک صاف کرنے کے لیے اس کے بعد پھر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، ان ہی خیالات نے ان کو اتنا جری اور بے باک بنادیا ہے کہ وہ سخت سے سخت جرم کا ارتکاب کرجاتے ہیں اور ذرا بھر بھی خدا کا خوف نہیں کرتے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ (الآیة) اولیاء ولی کی جمع ہے ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور

خصوصی تعلق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے سے خصوصی تعلق اور قلبی لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا ولی دوست بنائیں، کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی، تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات اور ان سے خصوصی دوستی اور خصوصی تعلق سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہوسکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی، اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں ان سے حسنِ سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً. یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو دار الحرب میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا مَا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَيْهِ **قُلْ** لَهُمْ يا محمد **اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** بمعنى اَنَّهُ يُثِيْبُكُمْ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِمَنِ اتَّبَعَنِيْ مَاسَلَفَ منه قَبْلَ ذٰلِكَ **رَّحِيْمٌ**۝ به **قُلْ** لهم **اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** فيما يَاْمُرُكُمْ به مِنَ التوحيد **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الطاعةِ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ**۝ فيه اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اى لا يُحِبُّهُمْ بمعنى اَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى** اِخْتَارَ **اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ** بمعنى اَنْفُسِهِمَا **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ**۝ بِجَعْلِ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِمْ **ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ** وَلَدِ **بَعْضٍ** منهم **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ**۝ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** حَنَّةُ لَمَّا اَسَنَّتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتِ اللّٰهَ وَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ يا **رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ** اَنْ اَجْعَلَ **لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا** عَتِيْقًا خَالِصًا مِنْ شَوَاغِلِ الدنيا لِخِدْمَةِ بَيْتِكَ الْمُقَدَّسِ **فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلدُّعَاءِ **الْعَلِيْمُ**۝ بِالنِّيَّاتِ وَهَلَكَ عمرانُ وَهِيَ حَامِلٌ **فَلَمَّا وَضَعَتْهَا** وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وكانت تَرْجُوْ اَنْ يكونَ غُلَامًا اِذْ لَمْ يَكُنْ يُحَرَّرُ اِلَّا الْغِلْمَانُ **قَالَتْ** مُعْتَذِرَةً **رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** اى عَالِمٌ **بِمَا وَضَعَتْ ۭ** جملةُ اِعْتِرَاضٍ مِنْ كَلَامِهِ تعالى وفى قراءةٍ بِضَمِّ التاءِ **وَلَيْسَ الذَّكَرُ** الذى طَلَبَتْ **كَالْاُنْثٰى ۚ** التى وُهِبَتْ لِاَنَّهُ يُقْصَدُ للخدمةِ وَهِيَ لا تَصْلَحُ لَهَا لِضُعْفِهَا وعَوْرَتِهَا وما يَعْتَرِيْهَا مِنَ الْحَيْضِ ونَحْوِهِ **وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا** اَوْلَادَهَا **مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ**۝ الْمَطْرُوْدِ فى الحديثِ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشيطانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا اِلَّا مريمَ وَابْنَهَا رواه الشيخان **فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا** اى قَبِلَ مريمَ مِنْ اُمِّهَا **بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ** اَنْشَاَهَا بِخَلْقٍ حَسَنٍ فكانت تَنْبُتُ فى اليومِ كما يَنْبُتُ الْمَوْلُوْدُ فى الْعَامِ وَاَتَتْ بِهَا اُمُّهَا الْاَحْبَارَ سَدَنَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَتْ دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيْرَةَ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا لِاَنَّهَا بِنْتُ اِمَامِهِمْ فَقَالَ زكريا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِىْ فَقَالُوْا لَا حَتّٰى نَقْتَرِعَ فَانْطَلَقُوْا

وهُمْ تسعةٌ و عشرُونَ الى نهر الأرْدُن و ألقوا اقلامَهُمْ على أنّ من ثبت قَلَمُهُ في الماء و صعد فهو اولى بها فثبت قلمُ زكريا فأخذها وبنى لها غُرفةً في المسجد بسُلَّمٍ لا يصعدُ اليها غيرُهُ و كان يأتيها بأكلها و شُربها و دهنها فيجدُ عندها فاكهة الشتاء في الصَّيف وفاكهة الصَّيف في الشتاء كما قال الله تعالى **وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا** ضمّها اليه وفي قراءة بالتشديد و نصب زكريا ممدودًا ومقصورًا والفاعل الله **كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ** الغُرفةَ وهي اشرف المجالس **وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى** من اين **لَكِ هٰذَا قَالَتْ** وهي صغيرةٌ **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** يأتيني به من الجنة **إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ**(۳۷) رزقًا واسعًا بلا تبعة **هُنَالِكَ** اى لمّا راى زكريا ذلك وعلم أنّ القادر على الإتيان بالشيء في غير حينه قادرٌ على الاتيان بالولد على الكبر وكان اهل بيته انقرضوا **دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ** لمّا دخل المحراب للصلوة جوف الليل **قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ** من عندك **ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** ولداً صالحًا **إِنَّكَ سَمِيعُ** مُجيب **الدُّعَآءِ**(۳۸) **فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ** اى جبرئيل **وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ** اى المسجد **أَنَّ** اى بأنّ وفي قراءة بالكسر بتقدير القول **اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ** مُثقلاً و مُخففًا **بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ** كائنةٍ **مِّنَ اللّٰهِ** اى بعيسى أنه روح الله و سُمّي كلمةً لأنه خُلق بكلمة كُن **وَسَيِّدًا** متبوعًا **وَّحَصُورًا** ممنوعًا عن النساء **وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ**(۳۹) رُوي أنه لم يعمل خطيئةً و لم يهمّ بها **قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِي غُلٰمٌ** ولدٌ **وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ** اى بلغتُ نهاية السن مائةً وعشرين سنةً **وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ** بلغت ثماني وتسعين **قَالَ** الامر **كَذٰلِكَ** من خلق الله غلامًا منكما **اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ**(۴۰) لا يُعجزهُ عنه شيءٌ و لإظهار هذه القدرة العظيمة ألهمه الله السؤال ليُجاب بها ولمّا تاقت نفسُهُ الى سُرعة المُبشّر به **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً** اى علامةً على حمل امرأتي **قَالَ آيَتُكَ** عليه **أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** اى تمتنع من كلامهم بخلاف ذكر الله تعالى **ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ** اى بلياليها **إِلَّا رَمْزًا** اشارة **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ** صلّ **بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ**(۴۱) أواخر النهار وأوائله .

تَرجمہ: جب مشرکین نے کہا ہم (ان بتوں کی) اللہ کی محبت میں پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو اس کا مقرب بنادیں آیت نازل ہوئی۔ اے محمد ﷺ ان سے کہدو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم کو اس کا ثواب دے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ اس شخص کے جس نے میری پیروی کی ان تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے جو اس سے سابق میں ہو چکے ہیں اور اس پر رحم کرنے والا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو توحید وغیرہ میں جس کا وہ حکم کرتا ہے، اس پر بھی اگر وہ روگرداں رہیں یعنی طاعت سے اعراض کریں۔ تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے، یعنی ان سے محبت نہیں کرتا اس معنی کر کہ ان کو سزا دے گا بیشک اللہ

تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو یعنی خود ان کو سارے جہان پر انبیاء کو ان کی نسل سے کر کے برگزیدہ کیا ہے، یہ بعض بعض کی ذرّیت ہیں اور اللہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے جب کہ وہ بوڑھی ہوگئیں اور بچہ کی خواہشمند ہوئیں، اور حمل محسوس کیا عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ اس کو دنیوی مشاغل سے بالکلیہ الگ رکھ کر بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد رکھا جائے گا یعنی میں اس کو آزاد کر دوں گی، سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو دعاء سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اور عمران کا انتقال ہوگیا، جس وقت (ان کی بیوی حنہ) حاملہ تھیں، پھر جب اس نے لڑکی کو جنم دیا حالانکہ اس کو لڑکے کی امید تھی اس لیے کہ (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) لڑکے ہی آزاد کئے جاتے تھے۔ تو عذر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے حالانکہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں وَضَعْتُ، ضمہ کے ساتھ ہے، جو لڑکا میں نے طلب کیا تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہوسکتا ہے جو مجھے دی گئی اس لیے کہ اس سے ایک خاص خدمت مقصود ہے جس کی یہ لڑکی اپنے ضعف اور اس کے عورت ہونے کی وجہ سے اور ان اعذار یعنی مثلاً حیض و نفاس وغیرہ پیش آنے کی وجہ سے صلاحیت نہیں رکھتی (خیر) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو چونکے لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ زور زور سے چلاتا ہے، البتہ مریم اور اس کا بیٹا اس سے مستثنیٰ ہیں، (رواہ الشیخان) پھر اس کے پروردگار نے بدرجہ احسن اس کی ماں مریم سے قبول کرلیا۔ اور اس کو اچھا نشوونما دیا، یعنی اچھی تخلیق کے ساتھ اس کو پروان چڑھایا تو وہ ایک دن میں اتنی بڑھتی تھی کہ جتنا بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے۔ تو اس کو اس کی والدہ بیت المقدس میں (بیت المقدس کے) خدمتگار احبار کے پاس لائی اور ان سے کہا اس نذر مانی ہوئی کو لو۔ تو سب نے اس میں رغبت کی اس لیے کہ یہ ان کے امام کی بیٹی تھی، زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے تو لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ ہم تو قرعہ اندازی کریں گے تو وہ نہر اردن کی طرف چلے ان کی تعداد انتیس تھی انہوں نے اپنے قلم (دریا) میں ڈال دیئے۔ یہ بات طے کرکے کہ جس کا قلم پانی میں کھڑا ہوجائے گا اور سطح آب پر چڑھ آئے گا، تو وہی شخص مریم کا زیادہ مستحق ہوگا۔ چنانچہ (حضرت) زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلم کھڑا ہوگیا لہٰذا زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مریم کو لے لیا اور اس کے لیے مسجد میں ایک زینہ و بالا خانہ بنوایا، اس پر سوائے زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہیں چڑھتا تھا۔ اور حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس کھانا پانی اور تیل (وغیرہ) لے جاتے تھے تو مریم کے پاس موسم سرما کے پھل موسم گرما میں، اور موسم گرما کے پھل موسم سرما میں پاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور ان کا سرپرست زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنا دیا یعنی اس کو ان کے ساتھ ملا دیا اور ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ ہے۔ ممدودہ اور مقصورہ دونوں ہیں اور اللہ اس کا فاعل ہے، جب بھی زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے اور وہ سب سے افضل جگہ تھی، تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (ایک روز) پوچھا اے مریم تیرے

پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں، اس وقت وہ کم سن ہی تھیں، وہ ان کو میرے پاس جنت سے لاتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی بلا مشقت کے کافی رزق، (بس) وہیں یعنی جب زکریا علیہ السلام نے یہ صورت حال دیکھی تو سمجھ گئے کہ جو ذات بے موسم کی چیز کو لانے پر قادر ہے تو وہ بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے، اور زکریا علیہ السلام کے اہل خانہ وفات پا چکے تھے، زکریا علیہ السلام نے جب وہ رات کے وقت مسجد میں نماز کے لیے گئے دعاء کی، عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد یعنی نیک اولاد عطا فرما بے شک آپ دعاء کے قبول کرنے والے ہیں۔ سو ان کو فرشتوں یعنی جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی حال یہ کہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اللہ تم کو یحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے۔ اَنَّ اصل میں بِاَنَّ ہے، اور ایک قراءت میں کسرہ کے ساتھ ہے، قول کی تقدیر کے ساتھ (یُبَشِّرُ) مشدد اور غیر مشدد دونوں قراءتیں ہیں۔ جو کلمۃ اللہ کی کہ جو من جانب اللہ ہوگا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا، کہ وہ روح اللہ ہیں، اور اس کا نام ''کلمہ'' رکھا گیا، اس لیے کہ وہ کلمہ ''کُن'' کے ذریعہ سے پیدا کیا گیا اور مقتدا ہوگا اور بہت زیادہ ضبط نفس کرنے والا ہوگا۔ اور عورتوں سے بہت کنارہ کش رہنے والا ہوگا اور نبوت سے سرفراز ہوگا صالحین میں شمار ہوگا۔ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی خطاء کا ارتکاب کیا اور نہ کبھی اس کا قصد کیا۔ (زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں بوڑھا ہو چکا ہوں یعنی ایک سو بیس سال کی انتہائی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے، جو کہ اٹھانوے سال کو پہنچ چکی ہے۔ جواب ملا تم دونوں سے لڑکے کی تخلیق کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے کوئی شئی اس کو عاجز نہیں کر سکتی۔ اور اس قدرتِ عظیمہ کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سوال الہام فرمایا تاکہ قدرت عظیمہ کے ذریعہ جواب دے، اور جب حضرت زکریا علیہ السلام کا نفس مبشر بہ کی عجلت کے لیے آرزو مند ہوا تو عرض کیا اے میرے رب تو میرے لیے میری عورت کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا اس پر تیری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دنوں تک مع ان کی راتوں کے اشارہ کے سوا بات نہ کر سکو گے۔ یعنی لوگوں سے کلام کرنے پر قادر نہ ہوگے بخلاف ذکر اللہ کے، اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور صبح و شام یعنی آخر دن اور اول دن میں تسبیح کرتے رہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بمعنی انہ یُثیبکم، یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کی تفسیر یُثیبُکُمْ سے کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوال: اللہ کی جانب محبت کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ محبت میلان القلب الی الشئی کو کہتے ہیں، یہ ذات خداوندی کے لیے محال ہے۔

جواب: محبت کرنے سے مراد اجر و ثواب عطا کرنا ہے۔

قولہ: اعرضوا اس میں اشارہ ہے کہ تولوا، ماضی کا صیغہ ہے نہ کہ مضارع کا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اسلئے کہ

مضارع کی صورت میں ایک تاء کا حذف لازم آنے کا۔ عموم کے قصد سے اور اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اعراض موجب کفر ہے، "ھم" ضمیر کی جگہ اسم ظاہر الکافرین لائے ہیں، یعنی لایُحِبُّھُمْ کے بجائے الکفرین کہا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنَ التوحید، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اعمال فرعیہ میں اعراض موجب کفر نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لایحبُّ الکافرین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراض عن الاعمال الفرعیہ مرکب موجب کفر ہے۔

جَوَاب: یہاں اعراض سے مراد اعراض عن التوحید ہے جو کہ موجب کفر ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی انفسھما، آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد خود ابراہیم اور عمران ہیں اس لیے کہ ان کی آل میں کافر اور مومن سب ہوئے ہیں، حالانکہ کافر مراد نہیں ہیں، عمران حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام ہے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ اور حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران ہے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ اَجْعَلَ، نذرتُ کی تفسیر اَنْ اَجْعَلَ سے کرکے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سَوَال: نذر فعل کی مانی جاتی ہے نہ کہ شئ اور ذات کی، مافی بطنی ذات ہے نہ کہ فعل۔

پہلا جَوَاب: اَنْ اَجْعَلَ کہہ کر اسی سوال کا جواب دیا ہے، اور نذر ماننا فعل ہے نہ کہ عین، اس میں اس سوال کا جواب بھی ہے کہ، نذرتُ متعدی بیک مفعول ہے حالانکہ یہاں دو مفعول کی طرف متعدی ہے ایک مافی بطنی اور دوسرا محررا

دوسرا جَوَاب: نذرتُ معنیٰ میں جَعَلَ کے ہے، اور جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای جبرئیل، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نادت کا فاعل ملائکہ ہیں حالانکہ ندا دینے والے تنہا حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

جَوَاب: الف لام جنس کا ہے اور یہاں اقل جنس مراد ہے یعنی فرد واحد اور وہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. اس میں مجاز مرسل ہے۔

مجاز مرسل:

مجاز مرسل وہ مجاز ہے جس میں علاقہ تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہو، (مثلاً علاقہ سببیت ومسببیت) یا جزئیت وکلیت وغیرہ یہاں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان رضامندی کا علاقہ ہے بندے اللہ سے راضی اور اللہ بندہ سے راضی۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا (الآیۃ) اس آیت میں فن توشیح ہے۔

فن توشیح:

وہ ہے کہ جس کلام کا اول کلام قافیہ پر، اگر نظم ہو اور تبع پر، اگر نثر ہو دلالت کرے۔ یعنی اول کلام ہی سے قافیہ یا تبع سمجھ میں آجائے۔ آیت مذکورہ میں اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی ہی سے فاصلہ (آخر آیت) سمجھ میں آگیا کہ فاصلہ العٰلمین آئے گا اس لیے کہ مذکورین مندرج فی العٰلمین ہی کی صفت سے ہیں۔

اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی، یہ جملہ خبریہ ہے، جملہ خبریہ کے دو مقصد ہوتے ہیں، فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر۔

فائدۃ الخبر مخاطب کو اس حکم کی خبر دینا جس پر وہ کلام مشتمل ہے۔

لازم فائدۃ الخبر، مخاطب کو یہ بتانا کہ متکلم اس حکم سے واقف ہے، مذکورہ جملے میں مذکورہ دونوں فائدے مقصود نہیں ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر دونوں سے واقف ہے۔

تَنْبِیْہ: کبھی مذکورہ دونوں فائدوں کے علاوہ کے لیے بھی جملہ خبریہ لایا جاتا ہے، مثلاً اظہار حسرت وافسوس کے لیے یہاں جملہ خبریہ اسی مقصد کے لیے لایا گیا ہے، یعنی مجھے لڑکے کی امید تھی مگر افسوس کہ لڑکی ہوئی۔

تفسیر و تشریح

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (الآیۃ) یہود ونصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ کو ہم سے محبت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دعووں سے اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور رضا حاصل نہیں ہو سکتی یہ محض دعویٰ ہے جو بغیر دلیل مقبول نہیں۔ اس لیے کہ محبت ایک مخفی چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں، کم ہے یا زیادہ اس کا کوئی پیمانہ نہیں بجز اس کے کہ حالات اور معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کی کچھ علامات وآثار ہوتے ہیں ان سے پہچانا جاتا ہے یہ لوگ اللہ کی محبت کے دعویدار اور محبوبیت کے متمنی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں اپنی محبت کا معیار بتلا دیا ہے یعنی دنیا میں اگر کسی کو اپنے مالک سے حقیقی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لیا جائے سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ، (الآیۃ) اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی بھی تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعویدار کیوں نہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو

عمران ہوئے ہیں ایک حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے دوسرے عمران مراد لیے ہیں اس خاندان کو حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نام مفسرین نے حنہ بنت فاقوذ لکھا ہے اس خاندان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت میں جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی . اس جملہ سے حسرت کا اظہار بھی مقصود ہے اور عذر بھی، حسرت اس وجہ سے کہ میری امید کے برخلاف لڑکی ہوئی ہے اور عذر اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمتگار وقف کرنا تھا یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہے۔

بچہ کا نام کب رکھا جائے:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچہ کا نام ولادت کے پہلے ہی روز رکھنا چاہیے اور ساتویں روز نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن قیم نے تمام احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلے روز تیسرے روز ساتویں روز رکھنے کی گنجائش ہے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ، (الآیة) حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت مریم کے خالو ہوتے تھے، اس طرح کہ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی حنہ اور عمران کی بیوی اشاع دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ مریم عمران کی بیٹی تھیں اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مریم اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، خالہ زاد بھائی بہن ہیں اور زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام مریم کے خالو اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمران خالو تھے۔ اس رشتہ کے علاوہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وقت کے پیغمبر بھی تھے اس لحاظ سے وہ بہتر کفیل ہو سکتے تھے مگر بیت المقدس کے دیگر خدام بھی حضرت مریم کی کفالت کے دعویدار تھے جس کی وجہ سے آپس میں نزاع پیدا ہوا آخر فیصلہ اس پر ہوا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے جس کے حق میں قرعہ نکلے وہ کفالت کا حقدار قرار دیا جائے چنانچہ یہ سب حضرات ایک دریا کے کنارے گئے اور یہ طے کیا کہ اپنے اپنے قلم سب دریا میں ڈالدیں جس کا قلم کھڑا ہو جائے پس وہی حقدار ہوگا جب ایسا کیا گیا تو حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام قرعہ نکل آیا اور وہی ان کی کفالت کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔

محراب سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں حضرت مریم رہائش پذیر تھیں، رزق سے مراد پھل ہے یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے تھے گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی میں ان کے کمرہ میں موجود ہوتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت زکریا اور دوسرا کوئی شخص لا کر دینے والا نہیں تھا اس لیے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے از راہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گویا کہ حضرت مریم کی کرامت تھی، معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو پھر اگر کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا

ہے نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ معجزہ اور کرامت جب چاہے صادر کردے، اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی دلیل تو ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کردیتے ہیں۔

هُنَا لِكَ دَعَا زَكَرِيَّا، بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جو ذات بے موسم پھل دے سکتی ہے وہ بے وقت اولاد بھی دے سکتی ہے چنانچہ بے اختیار بارگاہ الٰہی میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھ گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ چنانچہ فرشتے نے پکار کر کہا اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تصدیق کرنے والا سردار اور ضابط النفس اور نبی ہے اور نیک لوگوں میں سے ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت ''حصور'' فرمائی ہے جس کے معنی ضابط النفس گناہوں کے قریب نہ پھٹکنے والے یعنی حصور بمعنی محصور ہے بعض حضرات نے حصور کے معنی نامرد کے کیے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حصور یہاں مقام مدح وفضیلت میں واقع ہوا ہے اور نامردی صفت مدح نہیں ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کیفیت معلوم کرنے کے لیے تھا۔ آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا بڑھاپا بدستور رہنے کے باوجود اولاد ہوگی یا کیا صورت ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی حالت میں اولاد ہوگی۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً، بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوشخبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تیری زبان بند ہو جائے گی، جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تم اس خاموشی میں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرنا۔

وَ اذكُر اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اي جبرئيل يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ اِختارَكِ وَطَهَّرَكِ مِن مَسِيسِ الرِّجَالِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ اي اَهلِ زمانِكِ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ اَطِيعِيهِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳ اي صَلِّي مَعَ المُصَلِّينَ ذٰلِكَ المَذكُورُ مِن اَمرِ زكريّا و مريمَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ اَخبارِ مَا غَابَ عنكَ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ يا محمد وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ في الماءِ يَقتَرِعُونَ لِيَظْهَرَ لَهُم اَيُّهُمْ يَكْفُلُ يُربّي مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴ في كَفالَتِها فَتَعرِفُ ذلكَ فَتُخبِرُ بهِ و اِنَّمَا عَرَفتَهُ مِن جهةِ الوَحيِ اذكر اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اي جبرئيلُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۙ اي وَلَدٍ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

خاطبَہا بنِسبَتِہِ الیہا تنبیہًا علیٰ انہا تلِدُہٗ بلا اب اِذ عادۃُ الرِّجالِ نِسبَتُہم الی آبائِہم **وَجِیْہًا** ذا جاہٍ **فِی الدُّنْیَا** بالنُّبوّۃِ **وَالْاٰخِرَۃِ** بالشفاعۃِ والدرجاتِ العُلیٰ **وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ** ﴿۴۵﴾ عند اللّٰہ **وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ** ای طِفلًا قبلَ وَقتِ الکلامِ **وَکَہْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ** ﴿۴۶﴾ **قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی** کیف **یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ** بتزوّجٍ ولا غیرِہ **قَالَ** الامرُ **کَذٰلِکِ** مِن خَلقِ وَلَدٍ مِنکِ بلا اب **اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا** ارادَ خلقَہٗ **فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** ﴿۴۷﴾ ای فہو یکونُ **وَیُعَلِّمُہُ** بالنُّونِ والیاءِ **الْکِتٰبَ** الخطَّ **وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ** ﴿۴۸﴾ **وَ** نَجعَلُہٗ **رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** فی الصِّبا او بَعدَ البلوغِ فنَفَخَ جبرئیلُ فی جَیبِ دِرعِہا فحملتْ وکان مِن اَمرِہا ما ذُکِرَ فی سورۃِ مریمَ فلمّا بَعثَہُ اللّٰہُ تعالیٰ اِلٰی بَنِی اِسرائیلَ قالَ لہم اِنِّی رَسُولُ اللّٰہِ الیکم **اَنِّیْ** ای بانّی **قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ** علامۃٍ علیٰ صِدقِی **مِّنْ رَّبِّکُمْ** ہی **اَنِّیْٓ** وفی قراءۃٍ بالکسرِ استینافًا **اَخْلُقُ** اُصوِّرُ **لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَہَیْئَۃِ الطَّیْرِ** مِثلَ صُورَتِہ والکافُ اسمُ مفعولٍ **فَاَنْفُخُ فِیْہِ** الضَّمیرُ للکافِ **فَیَکُوْنُ طَیْرًا** وفی قراءۃٍ طائِرًا **بِاِذْنِ اللّٰہِ** بارادتِہ فخَلَقَ لہم الخُفّاشَ لانّہٗ اکملُ الطَّیرِ خلقًا فکانَ یَطِیرُ وہم یَنظُرُونَہٗ فاذا غابَ عن اَعیُنِہم سَقَطَ مَیتًا **وَاُبْرِئُ** اَشفِی **الْاَکْمَہَ** الذی وُلِدَ اَعمٰی **وَالْاَبْرَصَ** وخُصّا لانّہما داءا اَعیَیا الاطبّاءَ وکانَ بَعثُہٗ فی زَمَنِ الطِّبِّ فَاَبرَأَ فِی یَومٍ خمسینَ الفًا بالدُّعاءِ بشرطِ الایمانِ **وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ** بارادتِہ کَرَّرَہٗ لِنَفیِ توہُّمِ الاُلوہیّۃِ فیہِ فاَحیا عازَرًا صَدِیقًا لہٗ وابنَ العَجُوزِ وابنۃَ العاشرِ فعاشُوا وَوُلِدَ لہم وسامَ بنَ نوحٍ وماتَ فِی الحالِ **وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ** تخبأُونَ **فِیْ بُیُوْتِکُمْ** مِمّا لم اُعایِنہُ فکانَ یُخبِرُ الشخصَ بما اَکَلَ وما یأکُلُ بعدُ **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ** المذکورِ **لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** ﴿۴۹﴾ **وَ** جئتُکم **مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ** قبلِی **مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ** فیہا فاَحَلَّ لہم مِنَ السَّمَکِ والطَّیرِ ما لا صِیصِیَۃَ لہٗ وقیلَ اَحَلَّ الجمیعَ فبَعضٌ بمعنی کُلٍّ **وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ** کَرَّرَہٗ تاکیدًا ولِیَبنِیَ علیہ **فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ** ﴿۵۰﴾ فیما اٰمُرُکُم بہ مِن توحیدِ اللّٰہِ وطاعتِہ **اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ہٰذَا** الذی اٰمُرُکُم بہ **صِرَاطٌ** طریقٌ **مُّسْتَقِیْمٌ** ﴿۵۱﴾ فکذَّبُوہُ ولم یُؤمِنُوا بہ **فَلَمَّآ اَحَسَّ** عَلِمَ **عِیْسٰی مِنْہُمُ الْکُفْرَ** وارادُوا قتلَہٗ **قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ** اَعوانِی ذاہبًا **اِلَی اللّٰہِ** لانصرَ دینَہٗ **قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ** اَعوانُ دینِہ وہم اَصفِیاءُ عیسٰی اوّلُ مَن اٰمنَ بہ وکانوا اثنَی عشرَ رَجُلًا مِنَ الحَوَرِ وہو البیاضُ الخالصُ وقیلَ کانُوا قَصّارِینَ یُحَوِّرُونَ الثِّیابَ ای یُبَیِّضُونَہا **اٰمَنَّا** صَدَّقنا **بِاللّٰہِ وَاشْہَدْ** یا عیسٰی **بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۵۲﴾ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ** مِنَ الانجیلِ **وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** عیسٰی **فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰہِدِیْنَ** ﴿۵۳﴾ لکَ بالوحدانیّۃِ ولرسولِکَ بالصِّدقِ قال تعالیٰ **وَمَکَرُوْا** ای کُفّارُ بنی اسرائیلَ بعیسٰی اِذ وَکَّلُوا بہ مَن یَقتُلُہٗ غِیلۃً **وَمَکَرَ اللّٰہُ** بہم بان اَلقی شَبَہَ عیسٰی علیٰ مَن قَصَدَ قتلَہٗ فقتلُوہُ ورَفَعَ عیسٰی **وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ** ﴿۵۴﴾ اعلمُہم بہ.

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبرئیل نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھ کو برگزیدہ کیا ہے اور مردوں کے مس کرنے سے تجھے پاک کردیا ہے، اور تجھ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں یعنی اپنے زمانہ کی عورتوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کرلیا ہے۔ اے مریم تو اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہیے اور سجدہ کرتی رہیے۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیے یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھتی رہیے۔ یہ مذکورہ واقعات (یعنی) زکریا علیہ الصلاۃ والسلام اور مریم علیہا السلام کا واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہیں یعنی ان خبروں میں سے جو تم سے پردۂ غیب میں ہیں ہم آپ کے اوپر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کر رہے ہیں اور جب وہ اپنے قلموں کو قرعہ اندازی کے لیے پانی میں ڈال رہے تھے تاکہ ان پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مریم کی کون سرپرستی کرے؟ اور ان کی سرپرستی کے بارے میں جب وہ اختلاف کر رہے تھے تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ آپ اس واقعہ کو جانتے ہوں جس کی بنا پر آپ اس کی خبر دے رہے ہوں، آپ کو تو علم بذریعہ وحی ہوا ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبرئیل نے کہا اے مریم اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ یعنی لڑکے کی کہ اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا بچے کی، مریم کی جانب نسبت کرکے مریم سے خطاب اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا کہ وہ اس کو بغیر باپ کے جنے گی، جب کہ لوگوں کی عادت ان کے آباء کی جانب نسبت کرنے کی ہے، دنیا میں نبوت کی وجہ سے اور آخرت میں شفاعت اور اعلیٰ درجات کی وجہ سے عند اللہ معزز اور مقربین میں سے ہوں گے۔ اور وہ لوگوں سے گہوارہ میں یعنی بچپن میں کلام کرنے کی عمر سے پہلے کلام کریں گے اور پختہ عمر میں بھی، اور صالحین میں سے ہوں گے۔ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا درانحالیکہ مجھے کسی مرد نے نہ نکاح کرکے اور نہ بغیر نکاح کے ہاتھ تک نہیں لگایا ارشاد ہوا بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہونے کا معاملہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کردیتا ہے جب کسی شئ کے پیدا کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے لیے کن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ اسے **نعلمه، يعلمه** نون اور یاء کے ساتھ ہے لکھنا سکھائے گا اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور ہم اس کو بچپن اور بالغ ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا پیغمبر بنائیں گے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی تو وہ حاملہ ہوگئیں۔ اور اس کا قصہ اس طرح ہوا کہ جو سورۂ مریم میں مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ جب ان کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔ تو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور کہے گا) میں تمہارے پاس اپنی صداقت پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں اور ایک قراءت میں بصورت اِنّی، کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کے لیے۔ تمہارے لیے مٹی سے پرندوں کے مانند صورت بنا دیتا ہوں یعنی پرندہ جیسی صورت اور کَھَیْئَۃ کا کاف اسم مفعول ہے، پھر اس میں دم کردیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور ایک قراءت میں طائر ا ہے، تو ان کے لیے چمگادڑ پیدا کی اس لیے کہ وہ پرندوں میں تخلیق کے اعتبار سے کامل ترین ہے چنانچہ وہ اڑتی تھی اور وہ اسے دیکھتے تھے، اور جب وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی تو وہ مردہ ہو کر گر جاتی تھی، اور میں اللہ

کے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو، ان دونوں مرضوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نے اطباء کو عاجز کر دیا تھا اور آپ کی بعثت طب کے زمانہ میں ہوئی چنانچہ ایک دن میں ایمان کی شرط کے ساتھ دعاء کے ذریعہ پچاس ہزار کو تندرست کیا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں باذن اللّٰہ کو مکرر ذکر کیا ہے آپ میں الوہیت کے وہم کی نفی کرنے کے لیے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دوست عاذر اور بڑھیا کے بیٹے کو اور عشر وصول کرنے والے کی بیٹی کو زندہ کیا چنانچہ یہ لوگ (ایک مدت تک) زندہ رہے اور صاحب اولاد ہوئے۔ اور سام بن نوح کو زندہ کیا (مگر) وہ اسی وقت انتقال کر گئے، اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم چھپا کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ ان چیزوں کو کہ جن کو میں نے دیکھا بھی نہیں ہے چنانچہ آپ آدمی کو بتا دیتے تھے کہ اس نے کیا کھایا ہے؟ اور آئندہ کیا کھائے گا؟ بے شک ان مذکورہ واقعات میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارے پاس اپنے سے پہلی (کتاب) تورات اور انجیل کی تصدیق کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ (اور اس لیے آیا ہوں) کہ جو کچھ تمہارے اوپر تورات میں حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں چنانچہ ان کے لیے مچھلی اور وہ پرندہ کہ جس کے خار نہ ہو حلال کر دیا۔ اور کہا گیا ہے کہ سب کو حلال کر دیا گیا (اس صورت میں) بعض بمعنیٰ کل ہوگا اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں اس کو تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے یا اس لیے کہ اس پر (فاتقوا اللّٰہ وَاطیعون) کی بنا ہو سکے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور جس کا میں تم کو حکم دوں اس میں میری اطاعت کرو، اور وہ اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت ہے، بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بس اس کی عبادت کرو، یہی ہے وہ سیدھی راہ ہے جس کا میں تم کو حکم کرتا ہوں مگر انہوں نے (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی طرف سے انکار کو محسوس کیا اور انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے میرا کون مددگار ہوگا؟ حال یہ کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں تاکہ میں اس کے دین کی مدد کروں تو حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار یعنی اس کے دین کے مددگار۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منتخب کردہ لوگ تھے، اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اور وہ بارہ آدمی تھے، (حواریوں) حَوَر سے مشتق ہے اس کے معنیٰ خالص سفیدی کے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کہ کپڑوں کو سفید (صاف) کرتے تھے۔ ہم اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور اے عیسیٰ تم گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے انجیل پر جو تو نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے رسول کی اتباع کی جو کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں تو ہم کو بھی اپنی توحید کے گواہوں کے ساتھ اور اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ لکھ لے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تدبیر کی جب کہ ان کو ان لوگوں کے حوالہ کر دیا جو ان کو اچانک قتل کرنا چاہتے تھے اور اللہ نے بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی اسی طریقہ پر کہ اس شخص پر جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کی شبیہ ڈال دی چنانچہ لوگوں نے اسی کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔ اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔ یعنی خفیہ تدبیر کو ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ، یہ سابقہ قَالَتْ پر عطف قصہ علی القصہ ہے قصہ بنت کا قصہ اُم پر عطف کیا گیا ہے مناسبت ظاہر ہے۔ اور بعض حضرات نے اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب کہا ہے مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے۔

قولہ: ای جبرئیل، اس میں اشارہ ہے کہ الملائکة اسم جنس ہے مراد ادنیٰ فرد یعنی واحد ہے، یا الملائکہ کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے طور پر جمع لایا گیا ہے۔

قولہ: اِصْطَفٰى اِصْطِفَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے چن لیا، اس نے برگزیدہ بنایا، اس نے منتخب کیا۔

قولہ: ای وَلَدٍ یہ کلمةٍ کی تفسیر ہے۔

قولہ: اَلْمَسِیْحُ عیسٰی، عیسیٰ المسیح سے بدل ہے، آپ کا لقب مسیح ہے اور مسیح عبرانی زبان میں مبارک کو بھی کہتے ہیں مسیح کو مسیح یا تو اس لیے کہتے تھے کہ آپ سفر و سیاحت زیادہ کرتے تھے یا اس لیے کہ آپ جس مریض کو مسح کر دیتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔

قولہ: عیسٰی یہ ایسوع سے ماخوذ ہے اور کہا گیا ہے کہ العیس سے ماخوذ ہے اس سفیدی کو کہتے ہیں جس میں سرخی غالب ہو، چونکہ آپ گندم گوں تھے اس لیے آپ کو عیسیٰ کہا گیا۔

قولہ: ابن مریم، یہ مبتداء محذوف، هُو، کی خبر ہے۔

قولہ: وَجِیْهًا یہ کلمة، سے حال ہے اگرچہ کلمة نکرہ ہے مگر موصوفہ ہے ای کلمةٍ کائنةٍ منه.

قولہ: ای طِفلاً الخ اس میں اشارہ ہے کہ المهد سے مراد محض گہوارہ ہی نہیں بلکہ حالت طفولیت ہے خواہ کلام کرتے وقت گہوارہ میں ہوں یا ماں کی گود میں یا بستر پر۔

قولہ: ومن الصالحین اس کا عطف وَجِیْهًا پر ہے۔

قولہ: فهو یکونُ اس میں اشارہ ہے کہ یکون، هُو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قولہ: الخط الکتبَ کی تفسیر الخط سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: التوراة اور انجیل کا عطف الکتاب پر صحیح نہیں ہے اس لیے کہ کتاب میں انجیل و تورات دونوں شامل ہیں لہٰذا یہ عطف الشئ علی نفسہ کے قبیل سے ہوگا۔

جواب: الکتاب سے مراد الکتابة ہے، اسی کی طرف الخط سے اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ: هِیَ اَنّی، هِیَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَنّی مع اپنے مابعد کے مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ نہ کہ اَنّی قَدْ جئتکم سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب۔

قِوْلَہٗ: الکاف اسم مفعول، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سَوَال: فَانْفُخُ فِیْهِ، فِیْهِ کی ضمیر کَهَیْئَةِ الطیر میں کاف کی طرف راجع ہے اور کاف حرف ہے اور حرف کی طرف ضمیر راجع نہیں ہو سکتی۔
جَوَاب: کاف بمعنی مثل ہے جو کہ اسم مفعول ہے، مماثل هَیْئَة الطیر، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قِوْلَہٗ: الکنایۃُ، یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ یہ کنایہ ہے قرعہ اندازی سے چند قلم جن سے تورات لکھی جاتی تھی وہ ہیکل میں محفوظ رہتے تھے اور جب قرعہ اندازی کرنی ہوتی تھی تو ہر امیدوار ان میں سے ایک قلم لے لیتا تھا اور اس کو نشان زدہ کر دیتا تھا اور دریا کے کنارے جا کر سب کو دریا میں ڈال دیا جاتا تھا جس کا قلم پانی کے رخ کے خلاف اوپر کی طرف چڑھتا تھا قرعہ اسی کے نام سمجھا جاتا تھا۔
قِوْلَہٗ: الصِیصِیَۃُ (ما یُتَحَصَّنُ بها) وہ آلہ جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے اسی وجہ سے بیل اور ہرن کے سینگوں اور مرغ کے خار کو بھی کہتے ہیں جسے شوکۃ الدیک کہتے ہیں مرغ کی ایک ساق میں اکثر اور بعض اوقات دونوں میں پنجہ سے اوپر ایک نوکیلا ناخن ہوتا ہے، جسے شوک الدیک کہتے ہیں، اس شوک کے ذریعہ مرغ اپنا دفاع کرتا ہے اور اسی سے حملہ آور بھی ہوتا ہے، قاضی نے صیصیہ، اس مچھلی کو بھی کہا ہے جس کے اوپر فلوس اور اندر کانٹے نہ ہوں۔
قِوْلَہٗ: ذَاهِبًا، ذاهِبًا کو مفرد لا کر اشارہ کر دیا کہ متکلم سے حال ہے۔

استعارہ تمثیلیہ: فَلَمَّا اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ، میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔

اَحَسَّ سے مراد عَلِمَ وَاَدْرَكَ ہے اس لیے کہ احساس حواس خمسہ ظاہرہ سے مجسم شئی کا ہوتا ہے نہ کہ عقلی شئی کا اور کفر عقلی ہے لہٰذا اَحَسَّ سے مراد عَلِمَ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا کفر اس قدر واضح اور ظاہر تھا گویا کہ مجسم شئی کے درجہ میں آگیا تھا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ (الآیة) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس بغیر باپ کے اللہ کی قدرت خاصہ اور اس کے کلمۂ کُن سے ہوئی تھی، پہلے اصطفیٰ کا تعلق مریم کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے آپ کو شروع ہی سے بزرگی دے رکھی تھی۔ آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعتِ وجود بخشا گیا، اس کے علاوہ ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں کے لیے مخصوص تھا آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع

عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرے میں بے موسمی پھل جس اعجازی طریقہ پر پہنچائے اس نے زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متحیر کر دیا، یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ، یہ آیت خصوصیت سے یہود کی رد میں ہے جو گندے الزامات حضرت مریم کو لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آرہے ہیں۔ اس اصطفیٰ کا تعلق بلوغ کے بعد سے ہے مثلاً مواصلت صنفی کے بغیر مَس ملکی سے انہیں ماں بنا دیا گیا، انجیل میں بھی فضیلت مریم کا ذکر ہے مگر بہت ہلکے الفاظ میں۔

اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتے نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھکو، جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے۔

(لوقاء ۱:۲۷، ۲۸)

حضرت مریم کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خیر نسائھا (سب عورتوں سے بہتر کہا گیا ہے) اور بعض عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے، حضرت مریم، حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے وہ بیٹا جس کو بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ کہا گیا ہے مریم اس وقت تک یہودی رسم و رواج کے لحاظ سے ناکتخدا تھیں (غیر شادی شدہ) البتہ آپ کی منگنی آپ کے کفو آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی لڑکے سے ہوئی تھی، جن کے یہاں لکڑی کا کام ہوتا تھا، انجیل کا بیان ہے۔

جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک شخص یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ (لوقاء ۱:۲۶، ۲۷)

یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے رکھنا ہوئے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی ۱:۱۸)

وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، یہ فقرہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین وافتراء روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت واکرام ہیں۔

یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر و توہین کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ یہ قرآن کی برکت واعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے آخرت کا اعزاز تو خیر جب ہوگا، ہوگا مگر دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے سو کروڑ سے زیادہ مسلمان آج بھی انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کے بغیر نہیں

لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں نصاریٰ ہیں جو انھیں رسول کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں، یہ عقیدہ گو باطل واحمقانہ ہے لیکن بہر حال آپ کی تعظیم واحترام کا ہی نتیجہ ہے۔

یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ. مہد (گہوارہ) میں کلام کرنے کا مقصد تو صاف ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں اعجازی طور پر بامعنیٰ کلام کریں گے۔ کہولت (ادھیڑ عمر) میں بات کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ادھیڑ عمر میں تو سب ہی بات کرتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقصد تو حالت شیر خوارگی کے کلام کا بیان کرنا ہے اس کے ساتھ بڑی عمر میں کلام کرنے کو اس لئے لایا گیا ہے کہ جس طرح انسان بڑی عمر میں عاقلانہ دانشمندانہ کلام کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچپن میں ہی ایسا کلام کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی، جو عین جوانی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے آپ پر کہولت کا زمانہ نہیں آیا جب آپ نزول فرمائیں گے تب آپ پر کہولت کا زمانہ آئے گا۔ گویا کہ اس میں آپ کے نزول کی طرف اشارہ ہے اس طریقہ سے ان کے بچپن کے کلام ہی کی طرح زمانہ کہولت کا کلام بھی معجزانہ ہوگا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ. تیرا تعجب بجا، لیکن قدرت الٰہی کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ ظاہر یہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر دے۔

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ، (الآیة) یہاں ''خلق'' پیدائش کے معنیٰ میں نہیں ہے اس پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے یہاں اس کے معنیٰ ظاہری شکل وصورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔ مفسر علام نے اخلق کی تفسیر اُصور سے کر کے اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت عیسیٰ نے خفاش (چمگاڈر) کی مٹی کی صورت بنائی مشہور ہے کہ چمگاڈر اکمل طیور میں سے ہے۔ اسلئے کہ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں اور پستان بھی ہوتی ہیں نیز بغیر پروں کے اڑتی ہے اس کو صرف مغرب کے بعد اور صبح کے بعد نظر آتا ہے۔ (صاوی)

بِاِذْنِ اللّٰهِ، دوبارہ باذن اللہ کہنے کا مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہوں، یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تا کہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا انہیں ایسا ہی معجزہ عطا کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ زندہ کرنے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا کیا گیا۔ جو کوئی بھی بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعہ سے کرنے پر قادر نہیں تھا، ہمارے

نبی ﷺ کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پُر اعجاز کلام عطا فرمایا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء و ادباء و شعراء عاجز رہے۔ اور یہ چیلنج آج بھی موجود ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: پرند کی شکل بنانا تصویر ہے جو شریعت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جائز تھا، آپ ﷺ کی شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: وَلِاُحِلَّ لَکُمْ، یہ فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے جئتکم لِاُحِلَّ التحلیل، مصدقاً، پر عطف نہیں ہے اس لیے کہ مصدقاً حال ہے اور یہ علت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ، رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کی مخلوق مربوب اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے پیغمبر اور امتی سب برابر ہیں۔

فَاعْبُدُوْہُ، یعنی اس کی بندگی کرو، آج جو انجیلیں روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں ایک انجیل برناباسی ہے اس کے انگریزی۔ عربی ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برناباس نامی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور آپ ﷺ کے ختم رسل ہونے کی بابت پیش گوئیاں ایسے صاف اور صریح الفاظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کردیں اور اس کی تصنیف کو کسی مسلمان کی طرف منسوب کردیں، جب کہ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے اس کو غیر معتبر کتابوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا تھا، انجیل برناباس تو ہر سچے خدائی کلام کے سفیر کی طرح توحید کی تعلیم و تاکید سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس توحید کی تعلیم سے خالی نہیں۔

یہود کی عدالت میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سزائے موت:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ، اللہ کی طرف جو مکر کی نسبت کی گئی ہے یہ فن مشاکلت کے طور پر ہے۔ پہلے مکروا کے فاعل یہود ہیں، یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت اور ایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ یسوع نامی اسرائیلی مدعیِ نبوت کو ختم ہی کر دینا چاہیے، چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا، پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزو تھا، اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی شہنشاہ رومہ کی طرف سے ایک نائب السلطنت (وائسرائے) سارے ملک شام کا تھا، اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر صوبہ فلسطین کا تھا، رومیوں کا مذہب شرک و بت پرستی تھا، یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالت میں چلائیں، لیکن سزاؤں

کے نفاذ کے لیے ان مقدمات کو ملکی عدالت میں لانا پڑتا تھا جرم الحاد میں قتل کا فتویٰ خود یہود کی عدالت دے سکتی تھی، اور اس نے اسی سزا کا حکم سنایا لیکن واقعۃً سزائے موت کا نفاذ صرف رومی ملکی عدالت کے ہاتھ میں تھا، اور سزائے موت رومی حکومت میں سولی کے ذریعہ دی جاتی تھی یہود کی اس گہری سازش کا تذکرہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔

وَمَكَرَ اللّٰهُ ، یعنی اللہ نے مخالفین اور معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی کی موت سے بچالیا۔

اذکر **اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ** قابضك **وَرَافِعُكَ اِلَىَّ** مِنَ الدنیا مِن غیرِ موتٍ **وَمُطَهِّرُكَ** مُبعدُك **مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ** صدَّقوا نبوّتك مِن المسلمين والنصارى **فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** بك وهم اليهودُ يَعلُونهم بالحُجّةِ والسيف **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۵۵﴾ مِن امرِ الدين **فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا** بالقتلِ و السَّبيِ و الجزيةِ **وَالْاٰخِرَةِ** بالنار **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** ﴿۵۶﴾ مانعين منه **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ** بالياءِ والنون **اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۵۷﴾ اى يُعاقِبُهم رُوِىَ انّ اللّٰهَ تعالى اَرسَلَ اليهِ سَحابَةً فَرفَعَتْهُ فتعلّقت به اُمُّهُ وبَكَتْ فقالَ لها اِنّ القيٰمة تَجمَعُنا وكانَ ذلك ليلةَ القدرِ ببيتِ المقدسِ ولهُ ثلثٌ وثلثون سنةً و عاشت اُمُّهُ بعدَهُ ستَّ سنينَ وروى الشيخانِ حديثَ اَنّهُ يَنزِلُ قُربَ الساعةِ ويَحكُمُ بشريعةِ نبيّنا صلى الله عليه وسلم و يَقتُلُ الدّجّالَ والخنزيرَ ويَكسِرُ الصليبَ و يَضَعُ الجزيةَ وفى حديثِ مسلمٍ اَنّهُ يَمكُثُ سبعَ سنينَ وفى حديثِ ابى داوٗدَ الطَّيالسى اربعينَ سنةً ويُتَوفّى و يُصَلّى عليه فَيحتَمِلُ اَنّ المرادَ مَجمُوعُ لُبثِه فى الارضِ قبلَ الرَّفعِ وبعدَهُ **ذٰلِكَ** المذكورُ مِن امرِ عيسى **نَتْلُوْهُ** نَقُصُّهُ **عَلَيْكَ** يا محمدُ **مِنَ الْاٰيٰتِ** حالٌ مِنَ الهاءِ فى نَتْلُوْهُ و عامِلُهُ ما فى ذٰلِكَ مِن مَعنَى الاِشارةِ **وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ** ﴿۵۸﴾ المُحكَمِ اى القُراٰنِ **اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى** شانَهُ الغريبَ **عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ** كشانِهِ فى خلقِهِ مِن غيرِ ابٍ وَ هُوَ مِن تشبيهِ الغريبِ بالاغربِ لِيكونَ اَقطعَ لِلخصمِ و اَوقَعَ فِى النفسِ **خَلَقَهٗ** اى ادمَ اى قالبَهُ **مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ** بشرًا **فَيَكُوْنُ** ﴿۵۹﴾ اى فكانَ و كذلكَ عيسى قالَ لهُ كُن مِن غيرِ ابٍ فكانَ **اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** خبرُ مبتداٍ محذوفٍ اى امرُ عيسى **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۶۰﴾ الشّاكّينَ فيه **فَمَنْ حَآجَّكَ** جادلك مِن النصارى **فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بامرِهِ **فَقُلْ** لهم **تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ** فنجمعُهم **ثُمَّ نَبْتَهِلْ** نتضرّع فى الدعاءِ **فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ** ﴿۶۱﴾ بِاَن نقولَ اللّٰهُمّ العَنِ الكاذبَ فى شانِ عيسى وقد دعا صلى الله عليه وسلم وَفدَ نَجرانَ لذلكَ لَمّا حاجّوهُ فيه فقالوا حتّى ننظرَ

فی امرنا ثم نأتیك فقال ذو رأیهم لقد عرفتم نبوته وانه ما باهل قوم نبیا الا هلكوا فوادعوا الرجل وانصرفوا فأتوه وقد خرج ومعه الحسن والحسین وفاطمة وعلی رضی الله عنهم وقال لهم اذا دعوت فأمنوا فأبوا ان یلاعنوا وصالحوه علی الجزیة رواه ابو نعیم وروی ابو داود انهم صالحوه علی الفی حلة النصف فی صفر والبقیة فی رجب وثلاثین درعا وثلاثین فرسا وثلاثین من كل صنف من اصناف السلاح وروی احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال لو خرج الذین یباهلونه لرجعوا لا یجدون مالا ولا اهلا وروی الطبرانی مرفوعا لو خرجوا لاحترقوا **إِنَّ هٰذَا** المذكور **لَهُوَ الْقَصَصُ** الخبر **الْحَقُّ** الذی لا شك فیه **وَمَا مِنْ** زائدة **إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیزُ** فی ملكه **الْحَكِیمُ** ﴿٦٢﴾ فی صنعه **فَإِنْ تَوَلَّوْا** اعرضوا عن الایمان **فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِیمٌ بِالْمُفْسِدِینَ** ﴿٦٣﴾ فیجازیهم وفیه وضع الظاهر موضع المضمر.

ترجمہ: (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے عیسیٰ میں تم کو وفات دینے والا (یعنی) تم کو (اپنے) قبضہ میں لینے والا ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اپنی طرف اٹھانیوالا ہوں اور ان لوگوں سے تم کو پاک الگ کرنے والا ہوں جو منکر ہوئے اور ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی (یعنی) مسلمانوں اور نصاریٰ میں سے جس نے تیری تصدیق کی ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہوئے قیامت تک کے لیے غلبہ دینے والا ہوں اور وہ (منکرین) یہود ہیں، وہ (یہود پر) دلیل اور تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے۔ پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی سو میں تمہارے درمیان دینی معاملہ میں فیصلہ کروں گا سو جن لوگوں نے کفر کیا تو میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں قتل وقید اور جزیہ کے ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ اور ان کو کوئی اس عذاب سے بچانیوالا نہیں ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو میں ان کو پورا پورا صلہ دوں گا یاء اور نون کے ساتھ۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی ان کو سزا دے گا۔ روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اٹھالیا تو ان کو ان کی والدہ نے پکڑ لیا اور رونے لگیں تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: قیامت ہم کو جمع کرے گی، اور یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بیت المقدس میں پیش آیا اس وقت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر تینتیس سال تھی اور آپ کی والدہ اس کے بعد چھ سال بقید حیات رہیں اور ایک حدیث کو شیخین نے روایت کیا کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے، اور ہمارے محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے اور دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ مقرر کریں گے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام (دنیا میں) سات سال قیام فرمائیں گے۔ اور ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ اور ان کو وفات دیجائے گی اور ان پر نماز پڑھی جائے گی اور یہ بھی

احتمال ہے کہ قبل الرفع اور بعد الرفع دنیا میں قیام کی مجموعی مدت مراد ہو۔ اے محمد (ﷺ) عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مذکورہ واقعہ جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں نشانیوں میں سے ہے (مِن الآیات) (نتلوہ) کی "ھاء" سے حال ہے، اور عامل اس میں ذالک کے معنی (یعنی) "اُشِیرُ" ہیں۔ اور ذکر محکم یعنی قرآن کریم ہے۔ بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام کی شان عجیب بغیر باپ کے ان کی تخلیق میں اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی شان عجیب کے مانند ہے اور یہ عجیب کی اعجب کے ساتھ تشبیہ کے قبیل سے ہے تاکہ مخالف کے لیے مسکت، اور اوقع فی النفس ہو۔ آدم یعنی ان کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان سے کہا بشر ہو جاؤ تو وہ (بشر) ہو گئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہو جا تو وہ ہو گئے۔ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے، (یہ) مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای امر عیسیٰ علیہ السلام۔ لہٰذا اس میں آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ پھر جو کوئی نصاریٰ میں سے آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں علم پہنچ چکا ہے۔ تو ان سے کہو (اچھا) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور خود ہم تم بھی (آئیں) ان سب کو جمع کریں پھر عاجزی سے دعاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ اس طرح کہیں، اے اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھوٹے پر لعنت فرما، اور نبی ﷺ نے جب انہوں نے اس معاملہ میں آپ ﷺ سے جھگڑا کیا، تو نبی ﷺ نے وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے معاملہ میں غور کر لیں۔ پھر ہم آپ کے پاس آئیں گے، تو ان کے صاحب الرائے نے ان سے کہا: تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو اور واقعہ یہ ہے کہ کسی قوم نے اپنے نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہلاک ہو گئی۔ لہٰذا تم اس شخص سے صلح کر لو اور واپس چلو (مشورہ کے بعد) وہ لوگ آپ کے پاس آئے، اور حال یہ ہے کہ آپ (مباہلہ) کے لیے نکل چکے تھے، اور آپ کے ساتھ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور آپ نے ان سے فرمایا جب میں بددعاء کروں تو تم آمین کہنا، تو انہوں نے مباہلہ سے انکار کر کے صلح کر لی۔ روایت کیا ہے اس کو ابو نعیم نے اور روایت کیا ابو داؤد نے کہ انہوں نے دو سو حلّوں (جوڑوں) پر صلح کر لی۔ آدھے ماہ صفر میں اور بقیہ ماہ رجب میں۔ اور تیس زرہوں اور تیس گھوڑوں اور تیس اونٹوں اور ہر قسم کے ہتھیاروں میں سے تیس (تیس) پر (صلح کر لی) اور احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مباہلہ کرنے والے نکلتے تو اس حال میں لوٹتے کہ نہ مال (باقی) پاتے اور نہ اہل (زندہ) اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اگر نکلتے تو جل جاتے۔ بے شک یہ مذکورہ ہی سچی خبر ہے کہ جس میں شک نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ "مِنْ"، زائدہ ہے۔ بے شک اللہ ہی زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے۔ اپنی صنعت میں۔ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی کریں۔ (یعنی) ایمان سے اعراض کریں۔ تو بے شک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو تو ان کو سزا دے گا اس میں ضمیر کو اسم ظاہر کی جگہ رکھا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مُتَوَفِّیْكَ، مُتَوَفِّیْ، تَوَفِّیٌ (تفعّل) سے اسم فاعل واحد مذکر مضاف كَ مضاف الیہ، میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ میں تجھے اپنی گرفت میں لے کر اٹھا لینے والا ہوں۔ میں تجھے سلانے والا ہوں۔ تَوَفّی کے معنی پورا پورا لینا۔ علماء سلف نے اس کی تشریح میں لفظ قبض استعمال کیا ہے۔ یعنی گرفت میں لے لینا، لیکن قبضہ میں اور گرفت میں لینے سے کیا مراد ہے؟ قبض روح مع البدن یا صرف قبض روح، یعنی مارنا یا نیند مسلط کرنا مراد ہے۔ یعنی میں تجھ کو سلا دوں گا پھر نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھا لوں گا۔ اس معنی کا مستدل اللہ تعالیٰ کا قول "هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ" ہے اللہ تم کو رات کو سلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تَوَفّی، کا معنی سلا دینے کا آتا ہے، واقعہ بھی اسی طرح ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلا کر اٹھا لیا (معالم) ابو البقاء نے کلیات میں کہا ہے مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ، یہ دونوں اگرچہ اسم فاعل کے صیغہ ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اصل میں رَافِعُكَ وَمُتَوَفِّیْكَ ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے آسمان پر اٹھایا گیا پھر آئندہ ان کی موت ہوگی، تفسیر عباسی میں بھی اسی کی تائید ہے۔

حضرت امام رازی نے نفیس اور دقیق تفسیر کی ہے۔ اِنِّی متوفیكَ کے معنی اِنِّی متمم عمرك فحینئذ اتوفّاكَ فلا اَتْرُكُهُمْ حَتّٰی یقتلوك، بل انا رافعكَ الی سمائی ومقرك بملائکتی واصونك عن ان یتمکّنوا من قتلِكَ (کبیر) یعنی اِنِّی متوفیك، کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور پوری عمر کرنے کے بعد تم کو وفات دوں گا کافروں کے ہاتھوں تمہیں قتل نہ ہونے دوں گا، بلکہ اپنے آسمان کی طرف تم کو اٹھا لوں گا اور فرشتوں کے پاس تمہاری قیام گاہ ہے، وہاں تم کو پہنچا دوں گا۔ اور کافروں کے قتل سے تم کو محفوظ رکھوں گا۔

قولہ: مُبْعِدُكَ، مُطَهِّرُكَ، کی تفسیر مُبْعِدُكَ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ ملزوم بول کر لازم مراد ہے اس لیے کہ تطہیر کے لیے ابعد نجاست مستلزم ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ تطہیر کے لیے تلویث لازم ہے اور وہ یہاں مقصود نہیں، جواب کا حاصل یہ کہ مُطهرك بمعنی مُبْعِدُكَ ہے۔

قولہ: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ، ذالك مبتدا، نتلوه علیك یا محمد ﷺ اس کی خبر مِنَ الآیات، نتلوه کی ضمیر سے حال ہے، اور اس کا عامل ذالك کے معنی یعنی اُشِیْرُ ہے۔

قولہ: فکان سے اشارہ کر دیا کہ یکون، کان کے معنی میں ہے۔

قولہ: فَوَادِعُوْا ای صالحوا، یعنی مباہلہ مت کرو بلکہ ان سے صلح کر لو۔

قولہ: فأتوه تو وہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی۔

قولہ: وضع الظاهر موضع المضمر، یعنی اللّٰہ علیم بهِمْ کے بجائے اللّٰہ علیم بالمفسدین فرمایا۔ تاکہ ان کی صفت فساد کی صراحت ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: نَبْتَهِلْ از (اِبْتِهَالٌ) ہم گڑ گڑا کر دعاء کریں گے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ بَھْلَۃ کی اصل دعاء لعنت ہے، پھر مطلق دعاء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: القصص، اسم بمعنی مصدری استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التقديم و التاخير: اِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ.

اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے جو کہ فن بلاغت کا ایک جزء ہے۔

اصل تقدیر اِنِّي رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُتَوَفِّيْكَ بمعنی بعد ذالك.

قَوْلُہٗ: حَاجَّكَ، ای خَاصَمَكَ وَجَادَلَكَ (مفاعلۃ) لا تَقَعُ اِلَّا مِن اثنَيْنِ فَصَاعِدًا.

قَوْلُہٗ: تَعَالَوْا امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، اس کا مطلب ہے بلند مقام کی طرف بلانا مطلق بلانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اب مطلقاً ھَلُمَّ کے معنی میں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ، لفظ مُتَوَفِّيْكَ، کی تحقیق سابق میں گذر چکی ہے، روح قبض کرنا اس کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ Torecall، کے معنی میں مستعمل ہے، یعنی کسی عہدے دار کو اس کے منصب سے واپس بلالینا چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانی کر رہے تھے اور بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جارہی تھی پے در پے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے، ہر اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہوجاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف ان کو دعوت دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا، جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق وصداقت سے انتہا درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت وبے باکی حد کو پہنچ چکی ہو، مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کرا دیا، اور ان کے علماء اور فقہاء نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلانے کی کوشش کی، اس لیے بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلالیا اور اعلان کرادیا کہ اب بنی اسرائیل کی سرداری اور ریاست کا دور

ختم ہو کر بنی اسماعیل کا دور شروع ہونے والا ہے، اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔

واقعات اور حالات کی رفتار کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا یہ انجام صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے، اور پھر رومیوں کی عدالت میں لے جا کر سزائے موت دلوائیں گے، یہ ارشاد الٰہی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسکین کے لیے اسی گرفتاری کے موقع پر ہو رہا ہے۔

لفظ مُتَوَفِّيكَ، سے یہ لازم نہیں آتا کہ موت اسی وقت اور فی الفور واقع ہوگی ہمارے اکابر مفسرین اسی طرف گئے ہیں بلکہ امام رازی نے اسی کو بہتر تفسیر قرار دیا ہے۔ یعنی تمہاری موت تو وقت مقررہ پر جب ہوگی، ہوگی تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے منصوبہ میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سر دست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کی صراحت گو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لیکن قریب بصراحت ہونے کے یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے اسے صاف اور مؤکد کر دیا ہے، ابن جریر کی عبارت میں "لتواتر الاخبار عن رسول اللّٰہ" کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اس لیے اب جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدہ توالد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخہ جبرائیل سے ہوئی تو اب رفع جسمانی میں آخر اس قدر استبعاد کیا ہے؟ بلکہ یہ تو بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام ظاہری بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا ہے۔

اور یہ دلیل تو بالکل ہی بودی ہے کہ رفع آسمانی سے آپ کی افضلیت خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آتی ہے، آخر خدا کو معلوم کتنے فرشتے رات دن آسمان پر جاتے رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء سے افضل ہو گئے؟ ایک مسیحی یورپین فاضل DE BUNSEN ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب "اسلام یا حقیقی مسیحیت" کے نام سے لکھی تھی اس نے اس کے ص: ۱۴۳، کے حاشیہ پر اس سے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح کے رفع جسمانی کا تھا نہ کہ وفات مسیح کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ پر اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ کلمہ گویوں کے ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے۔ (ماجدی)

مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے۔ ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورۂ نساء میں واضح کر دی ہے۔ اور اس آیت "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ" میں بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے لیے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کرکے بالکل عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ڈھال دی، اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا آیت کے الفاظ یہ ہیں: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈالدیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوش ہولیے۔

نصاریٰ کا یہ کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقتول مصلوب تو ہوگئے تھے مگر پھر دوبارہ زندہ کرکے آسمانوں پر اٹھالیے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منارہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لیے شُبِّہَ لھم کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہوگئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت وصراحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لیے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر یہودیوں پر فتح حاصل کریں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔

اسی پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ص: ۳۱۹، میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع امت سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (الآیة) یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے مباہلہ کے معنی ہیں دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعاء کرنا، مطلب یہ کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق و باطل ہونے میں اختلاف ونزاع پیدا ہوجائے اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں فریق بارگاہ الٰہی میں یہ دعاء کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما، اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ھ میں نصاریٰ نجران کے چودہ اکابر کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گفتگو الوہیت مسیح کے مسئلہ پر رہی اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا، لیکن مسیحی نمائندے اپنی بات پر اڑے رہے آخر کار آپ نے وہی کیا جو ایک سچا مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہوچکی اب آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور خاص اقرباء کو لیکر اپنے پروردگار سے یہ تضرع والحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو اور آپ اپنی حقیقی اور حکمی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ سیدنا علی سیدنا حسن سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہمراہ لے کر تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور بجائے اس آزمائش میں پڑنے کے عافیت اسی میں سمجھی کہ جزیہ دے کر ذمی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا گوارا کرلیا جائے۔

سر ولیم میور، مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے ان کے قلم سے ملاحظہ ہو

سارے واقعہ میں محمد کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت ہے کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لیے حق تمام تر ان ہی کے ساتھ ہے۔ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز تخمین کے اور کچھ نہ تھا (میور، لائف آف محمد ﷺ)۔

اِنّ هٰذا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (الآیة) یعنی سارا سلسلہ واقعات جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور مادر مسیح دونوں بشر محض تھے، کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بلحاظ ذات اور نہ بلحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصے تو سب واہیات ہیں۔ مِنْ تاکید کلام کے لیے زائدہ ہے۔

اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ، ہر ارادہ پر غالب، قادر مطلق، اس صفت میں مسیح وغیرہ کوئی بھی باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اپنے اسی علم کامل محیط کے ذریعہ ہر ایک کو سزا دینے والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اگر اپنی سرتابی جاری رکھیں اور دین واعتقاد میں فساد برپا کرتے رہیں اور بجائے توحید کے شرک کی جانب جاتے ہیں تو اللہ کے علم سے کوئی کلی یا جزئی بات خارج نہیں ہے وہ ان کو اپنے علم محیط کے اعتبار سے سزا دے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اليهود والنصارى تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ مصدر بمعنى مستوٍ امرها بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هي اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ كما اتخذتم الاحبار والرهبان فَاِنْ تَوَلَّوْا اعرضوا عن التوحيد فَقُوْلُوا انتم لهم اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۶۴) موحدون ونزل لما قالت اليهود ان ابراهيم يهودي ونحن على دينه وقالت النصارى كذلك يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ تخاصمون فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ بزعمكم انه على دينكم وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ بزمن طويل وبعد نزولهما حدثت اليهودية والنصرانية اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۶۵) بطلان قولكم هٰٓاَ للتنبيه اَنْتُمْ مبتدأ هٰٓؤُلَآءِ والخبر حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ من امر موسى وعيسى وزعمكم انكم على دينهما فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ من شان ابراهيم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ شانه وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۶) قال تعالى تبرئة لابراهيم مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مائلا عن الاديان كلها الى الدين القيم مُّسْلِمًا موحدا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۶۷) اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ احقهم بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ في زمانه

وَهٰذَا النَّبِيُّ محمد لموافقته له في اكثر شرعه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا من امته فهم الذين ينبغي ان يقولوا نحن على دينه لا انتم وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ ناصرهم وحافظهم ونزل لما دعا اليهود معاذا وحذيفة وعمارا الى دينهم وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ط وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ لان اثم اضلالهم عليهم والمؤمنون لا يطيعونهم فيه وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ بذلك يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ القرآن المشتمل على نعت محمد صلى الله عليه وسلم وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ تعلمون انه حق يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ تخلطون الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ بالتحريف والتزوير وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اي نعت النبي صلى الله عليه وسلم وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ انه حق.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب یہودیو! اور نصرانیو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، (سواء) مصدر بمعنی مستو امرھا (اسم فاعل) اور وہ یہ ہے کہ ہم بجز اللہ کے کسی کی بندگی نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ جیسا کہ تم نے احبار اور رہبان کو ٹھہرا رکھا ہے پھر بھی اگر وہ روگردانی کریں یعنی توحید سے اعراض کریں۔ تو تم ان سے کہدو، گواہ رہنا ہم تو فرمانبردار ہیں، موحد ہیں (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہودی تھے اور ہم ان ہی کے دین پر ہیں اور ایسا ہی نصاریٰ نے کہا۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اپنے اس گمان کی وجہ سے کہ وہ تمہارے دین پر تھے۔ توریت اور انجیل تو ان کے طویل زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہیں اور ان کے نزول کے بعد ہی یہودیت اور نصرانیت پیدا ہوئی ہے۔ تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ یعنی تم اپنے قول کے بطلان کو کیوں نہیں سمجھتے؟ ہاں تم لوگ وہی تو ہو "ھاء" تنبیہ کے لیے ہے، اَنْتُمْ، مبتداء ہے۔ (یاھؤلاء. جملہ ندائیہ معترضہ) حاججتم، خبر، کہ اس امر میں جھگڑ چکے ہو، جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا (اور) وہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ ہے اور تم نے دعویٰ کیا کہ تم ان کے دین پر ہو۔ سو (اب) تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں؟ (اور) وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ ہے اللہ ان کے حال کو جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت کرتے ہوئے فرمایا۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن وہ تو راہ راست والے مسلمان موحد تھے۔ تمام باطل ادیان سے اعراض کرکے دین حق کی جانب مائل ہونے والے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ بے شک لوگوں میں ابراہیم سے سب سے قریب یعنی ان میں کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانے میں ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے اُن کے اکثر شرع احکام میں موافق ہونے کی وجہ سے۔ اور وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایمان لائے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو حق ہے کہ کہیں ہم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

دین پر ہیں اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے (یعنی) مددگار اور محافظ ہے۔ اور جب یہود نے معاذ اور حذیفہ اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے دین کی طرف دعوت دی تو (یہ آیت) وَدَّتْ طَائِفَة نازل ہوئی۔ اہل کتاب کی ایک جماعت تو یہ چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہیں حالانکہ وہ بجز اپنے کسی کو گمراہ نہیں کرتے اس لیے کہ ان کے گمراہ کرنے کا گناہ انہیں پر ہے اور مومن اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کریں گے۔ مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے کیوں انکار کیے جاتے ہو؟ حالانکہ تم گواہ ہو یعنی تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے۔ اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس، تحریف، تکذیب کے ذریعہ باطل کے ساتھ کیوں کرتے ہو؟ اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو، کہ حق یہی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ، تَعَالَوْا، امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، یہ مبنی بر حذفِ نون پر اور واؤ فاعل ہے، تَعَالَوْا اصل میں تَعَالَیُوْا تھا، یاء کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے بدل دیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے الف حذف ہو گیا۔ (جمل)

سَوَال: یہاں تَعَالَوْا کا مفعول اِلٰی کلمةٍ مذکور ہے اور ماقبل میں تَعَالَوْا کا مفعول مذکور نہیں ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جَوَاب: اول تَعَالَوْا سے صرف متوجہ کرنا مقصود ہے اور ثانی سے متحدہ کلمہ کی طرف بلانا مقصود ہے۔

سَوَال: سوآء کو مستوٍ کے معنی میں لینے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: سَوَآء چونکہ مصدر ہے اس کا کلمة پر حمل درست نہیں اس لیے سوآء بمعنی مُسْتَوٍ اسم فاعل لیا تاکہ حمل درست ہو جائے۔

سَوَال: امرها محذوف ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: چونکہ مُسْتَوٍ، مذکر ہے جس کا حمل کلمة پر درست نہیں اس لیے کہ کلمة مونث ہے، اس لیے کلمہ سے پہلے امر محذوف مانا تاکہ حمل درست ہو جائے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: ھِیَ اَنْ لَاالخ. کلمة کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: طویلٍ. حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی مدت ایک ہزار سال اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی مدت دو ہزار آٹھ سو سال ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہودی اور نصرانی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مذاہب تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

قَوْلُہٗ: ھٰٓؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ. ھا، حرف تنبیہ ہے، اَنْتُمْ مبتداء، یا حرف نداء محذوف ھٰؤُلَاءِ منادیٰ، ندا منادیٰ مل کر جملہ معترضہ، حَاجَجْتُمْ، مبتداء کی خبر۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰؤُلَاءِ، اَنْتُمْ کی خبر ہو اور حَاجَجْتُمْ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے بیان کے

لیے ہو ای انتم ھٰؤُلَاءِ الحُمَقٰی حَاجَجْتُمْ فیما لَیْسَ لکم بہ علم.

قِوْلِہٗ: مُوَحِّدًا.

سَوَالٌ: مُسْلِمًا، کی تفسیر مُوَحِّدًا، سے کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: مسلمًا سے ظاہری اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں ورنہ جو اعتراض یہودیت اور نصرانیت پر ہوا تھا وہی اعتراض اسلام پر بھی ہوگا اس لیے کہ اسلام اصطلاحی تو آپ ﷺ کے زمانہ سے وجود میں آیا ہے آپ کی بعثت حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بھی ہزاروں سال بعد ہے۔ اس لیے مسلمًا کی تفسیر مُوَحِّدًا، سے کردی تاکہ مذکورہ اعتراض نہ ہو۔

قِوْلِہٗ: تعلمون، تشھدون کی تفسیر تعلمون سے کرکے اشارہ کردیا کہ شہادت الزام علی الغیر کو کہتے ہیں اور یہاں کوئی الزام علی الغیر نہیں ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ، اہل کتاب کا لفظ اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں کے لیے عام ہے مگر کلام کا تسلسل یہ بتا رہا ہے کہ یہ گفتگو بھی نجرانی وفد سے ہوئی تھی اور بعض مفسرین نے یہود کو مخاطب قرار دیا ہے، مگر دونوں کو مخاطب قرار دینا اولیٰ ہے، اس لیے کہ جس کلمہ کی طرف دعوت دی جارہی ہے وہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کرلو جس پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کرسکتے تمہارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے، تمہاری اپنی کتب مقدسہ میں بھی اس کی تعلیم موجود ہے۔

دعوت کا ایک اہم اصول:

اس آیت سے دعوت کا ایک اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی ایسی جماعت کو دعوت دی جائے جو کہ عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف ایسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔

فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ تم گواہ رہو، اس سے یہ تعلیم دی گئی کہ جب دلائل واضح ہونے کے بعد کوئی حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کرکے بات ختم کردینی چاہیے۔ مزید بحث و تکرار مناسب نہیں۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ. اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں

جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ یعنی تمہاری یہودیت اور نصرانیت بہر حال تورات اور انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دونوں کے نزول سے ہزاروں سال پہلے گزرے ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس مذہب پر تھے وہ بہر حال موجودہ یہودیت اور نصرانیت نہیں تھا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ. یہاں پر ھا کلمۂ تحقیر کے لیے ہے یعنی تم ایسے احمق ہو کہ جس بارے میں تمہیں علم تھا مثلاً تم کہتے ہو کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر یا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہیں اس باب میں تمہارے پاس جیسا تیسا ہی سہی علم موجود ہے گو تم حد سے بڑھ گئے ہو اور اس کے بہت سے احکام بدل دیئے تاہم ایک تعلق ضرور ہے مگر جس کا علم تمہارے پاس ہے ہی نہیں اس میں کیوں دخل اندازی کرتے ہو اللہ کو ہر چیز کا علم ہے تمہیں نہیں۔

مَاكَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا. اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمادیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین حنیف تھا یعنی تمام باطلوں سے رخ موڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا۔ اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خود باطل سے نافر اور دین حق کی طرف مائل اور فرمانبردار تھے، نہ یہودی تھے نہ نصرانی، نہ اہل مکہ کے مانند مشرک۔

تمہارے خیالات اور عقائد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غلط اور باطل ہیں تمام انسانوں میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے وہ لوگ قریب تر ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں ان کے دین اور ان کی سنت کی پیروی کی اور وہ محمد ﷺ ہیں اور ان پر ایمان لانے والے ساتھی ہیں، چونکہ دین اسلام دین ابراہیمی ہے اور اکثر احکام شریعت ابراہیمی کے اس میں ہیں لہٰذا وہی دین ابراہیمی پر ہونے کے دعوے کا زیادہ حق دار ہے، اللہ صرف انہی کا حامی اور مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ. روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے، اور انہیں باطل پر اتنا غرّہ تھا کہ خود تو اسلام قبول کرنا الگ ہے مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کردینے کی فکر میں لگے رہتے تھے، آج بھی کتنے ہی مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا موجود ہے کہ مسلمان خود مسیحیت قبول کرلیں یا اگر مسیحیت قبول نہ کریں تو کم از کم صحیح اسلام پر باقی نہ رہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ (الآیۃ) اے اہل کتاب! کیوں حق پر باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کرکے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جارہی ہے پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق و باطل واضح نہ ہوسکے، دوسرا کتمان حق یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے انہیں لوگوں سے چھپانا تاکہ نبی کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہوسکے، اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دوچند ہوگئی تھی۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الیہود لبعضہم اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ای القرآن وَجْهَ النَّهَارِ اولہ

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ اى المؤمنين يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ عن دينهم اذ يقولون ما رجع هؤلاء عنه بعد دخولهم فيه وهم اولو علم الّا لعلمهم بطلانه وقالوا ايضا وَلَا تُؤْمِنُوْٓا تصدقوا اِلَّا لِمَنْ اللام زائدة تَبِعَ وافق دِيْنَكُمْ قال تعالى قُلْ لهم يا محمد اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ الذى هو الاسلام وما عداه ضلال والجملة اعتراض اَنْ اى بان يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ من الكتب والحكمة والفضائل وان مفعول تؤمنوا والمستثنى منه احد قدم عليه المستثنى المعنى لا تقروا بان احدا يؤتى ذلك الا لمن تبع دينكم اَوْ بان يُحَآجُّوْكُمْ اى المؤمنون يغلبوكم عِنْدَ رَبِّكُمْ يوم القيامة لانكم اصح دينا وفى قراءة أ أن بهمزة التوبيخ اى ايتاء احد مثله تقرون به قال تعالى قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ فمن اين لكم انه لا يؤتى احد مثل ما اوتيتم وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كثير الفضل عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ بمن هو اهله يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ اى بمال كثير يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ لامانته كعبد الله بن سلام اودعه رجل الفا ومائتى اوقية ذهبا فاداها اليه وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا لا تفارقه فمتى فارقته انكره ككعب بن الاشرف استودعه قرشى دينارا فجحده ذٰلِكَ اى ترك الاداء بِاَنَّهُمْ قَالُوْا بسبب قولهم لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ اى العرب سَبِيْلٌ اى اثم لاستحلالهم ظلم من خالف دينهم ونسبوه اليه تعالى قال تعالى وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فى نسبة ذلك اليه وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ انهم كاذبون بَلٰى عليهم فيهم سبيل مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ الذى عاهد الله عليه او بعهد الله اليه من اداء الامانة وغيره وَاتَّقٰى الله بترك المعاصى وعمل الطاعات فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ فيه وضع الظاهر موضع المضمر اى يحبهم بمعنى يثيبهم ونزل فى اليهود لما بدلوا نعت النبى صلى الله عليه وسلم وعهد الله اليهم فى التوراة او فيمن حلف كاذبا فى دعوى او فى بيع سلعة اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ يستبدلون بِعَهْدِ اللّٰهِ اليهم فى الايمان بالنبى صلى الله عليه وسلم واداء الامانة وَاَيْمَانِهِمْ حلفهم به تعالى كاذبا ثَمَنًا قَلِيْلًا من الدنيا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ نصيب لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ غضبا عليهم وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يرحمهم يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ يطهرهم وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ مؤلم وَاِنَّ مِنْهُمْ اى اهل الكتاب لَفَرِيْقًا طائفة ككعب بن الاشرف يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ اى يعطفونها بقراءته عن المنزل الى ما حرفوه من نعت النبى صلى الله عليه وسلم ونحوه لِتَحْسَبُوْهُ اى المحرف مِنَ الْكِتٰبِ الذى انزل الله تعالى وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ انهم كاذبون ونزل لما قال نصارى نجران ان عيسى امرهم ان يتخذوه ربا او لما طلب بعض المسلمين

السجود له صلى الله عليه وسلم **مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ** أي الفهم للشريعة **وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ** يقول **كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ** علماء عاملين منسوبين إلى الرب بزيادة ألف ونون تفخيما **بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ** بالتخفيف والتشديد **الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾** أي بسبب ذلك فإن فائدته أن تعملوا **وَلَا يَأْمُرَكُمْ** بالرفع استئنافا أي الله والنصب عطفا على يقول أي البشر **أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا** كما اتخذت الصابئة الملائكة واليهود عزيرا والنصارى عيسى **أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾** لا ينبغي له هذا.

تَرْجَمَہ: اہل کتاب کا ایک گروہ اپنے بعض لوگوں کو مشورہ دیتا ہے کہ جو قرآن (بواسطہ نبی) مومنین پر نازل کیا گیا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو انکار کردو، کیا عجب کہ وہ (مومنین) اس (ترکیب سے اپنے دین سے) پھر جائیں۔ اس لیے کہ وہ کہیں گے کہ اہل کتاب کا اہل علم ہونے کے باوجود، دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر جانا (اس دین) کے بطلان سے واقف ہونے ہی کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا، اور تم اس کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کی موافقت کرے، لِمَن میں لام زائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد ﷺ تم کہدو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور) وہ اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے۔ اور (فعل، تؤمنوا، اور مفعول أن یُؤتی کے درمیان) (اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ) جملہ معترضہ ہے۔ اور یہ اسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دیدیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا، کہ وہ کتاب، حکمت، اور فضائل ہیں۔ اور اَنْ یُّؤْتٰی الخ. تُؤْمِنُوْا کا مفعول ہے۔ اور مستثنیٰ منہ احدٌ ہے جس پر مستثنیٰ کو مقدم کردیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کا اقرار نہ کرو کہ کسی کو یہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کو جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یا پھر مومنین تمہارے رب کے سامنے قیامت کے دن غالب آجائیں اس لیے کہ تم صحیح ترین دین پر ہو اور ایک قراءت میں، أأن، ہمزۂ توبیخ کے ساتھ ہے۔ یعنی کیا تم اس جیسا کسی کو ملنے کا اقرار کروگے؟ (یعنی اقرار نہ کرنا) آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عطا کرے تو پھر تم یہ کہاں سے کہتے ہو کہ تمہارے جیسا (فضل) کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے اور اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر یعنی مال کثیر امانت رکھ دو تو وہ اس کو واپس کردیں اپنی امانت داری کی وجہ سے جیسا کہ عبداللہ بن سلام۔ کہ ایک شخص نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا (امانت) رکھدیا تو وہ سونا انہوں نے مالک کو ادا کردیا۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو تو وہ اپنی خیانت کی وجہ سے تجھے واپس نہ کریں مگر یہ کہ تم ان کے سروں پر ہمیشہ سوار رہو کہ ان کا پیچھا نہ چھوڑو اور اگر تم ان کا پیچھا چھوڑ دو تو وہ اس کا انکار کردیں۔ جیسا کہ کعب بن اشرف، کہ اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھدیا تو اس نے اس کا انکار کردیا اور یہ

ادانہ کرنا ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ ہمارے اوپر ناخواندہ عرب کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اپنے دین کے مخالفین پر ظلم روا رکھنے کے (عقیدہ) کی وجہ سے، اور اس جواز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ اور اس بات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے اللہ پر بہتان تراشتے ہیں حالانکہ وہ (خود) سمجھ رہے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ہاں کیوں نہیں؟۔ ان پر (اُمّیین) کے بارے میں مواخذہ ہے۔ جس نے اپنے عہد کو پورا کیا وہ کہ جو اللہ نے ان سے لیا۔ یا اللہ کے عہد کو جو اداء امانت وغیرہ کا ہے (پورا کیا) اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرا۔ اور اطاعت گزار بنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ يُحِبُّهُمْ، معنی میں يُثِيبهم کے ہے، اور (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے تورات میں مذکور آپ ﷺ کی صفات کو یا ان سے اللہ کے عہد کو بدل دیا، یا اس شخص کے بارے میں جس نے دعوے میں جھوٹی قسم کھائی یا سامان فروخت کرنے کے معاملہ میں (جھوٹی قسم کھائی) بلاشبہ وہ لوگ جو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور اداء امانت کے بارے میں اللہ کے عہد کو اور اللہ کی جھوٹی قسموں کو دنیوی قلیل معاوضہ کے عوض بدل دیتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ روز قیامت ناراضگی کی وجہ سے نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ رحمت کی نظر سے ان کو دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے اور کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہیں جیسا کہ کعب بن اشرف جو کتاب (تورات) پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو منزل سے گھما دیتے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ کی صفات وغیرہ کو محرف کی جانب گھما دیتے ہیں، تاکہ تم اللہ کی نازل کردہ کتاب کے اس محرف جزء کو بھی (منزل) کتاب کا جزء سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں ہے، اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور وہ اللہ پر بہتان لگاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، (اور آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو حکم دیا ہے کہ اس کو اپنا رب بنائیں (یا اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض مسلمانوں نے آپ ﷺ سے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی، کسی بشر سے کہ جس کو اللہ نے کتاب اور حکمت یعنی فہم شریعت اور نبوت عطا کی ہو اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ (وہ تو یہی کہے گا) اللہ والے بن جاؤ، یعنی عالم باعمل بن جاؤ، (ربانیین) الف و نون کی زیادتی کے ساتھ رب کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ تم (آسمانی) کتاب کو پڑھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو (تعلمون) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تو اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ تم عمل کرو۔ اور وہ یعنی اللہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا (لا یامُرکم) بطور استیناف مرفوع ہے (ای اللّٰہ لا یامُرکم) اور یقول پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے (ای ان یقول البشرُ) اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہ دے گا کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنالو، جیسا کہ فرقۂ صابیہ نے ملائکہ کو اور یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (رب بنالیا) کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو۔ یہ ہرگز اس سے نہ ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وقالت طائفۃٌ من اھل الکتاب، یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا مقصد یہود کی ایک دوسری قسم کی تلبیس کو بیان کرنا ہے۔

قولہ: اوّلہٗ، اول نہار کو وجہ اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح چہرہ حسین اور خوبصورت ہوتا ہے اول نہار بھی حسین اور بھلا ہوتا ہے۔ اور وجہ کی تفسیر اول سے اس لیے کی ہے کہ جس طرح ملاقات کے وقت چہرہ سب سے پہلے سامنے آتا ہے اسی طرح اول نہار بھی اختتام شب کے بعد سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔

قولہ: والجملۃ اعتراض، فعل لا تؤمنوا اور اس کے مفعول، ان یُّؤتی الخ کے درمیان "اِنّ الھدیٰ ھدی اللّٰہ" جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: الّا لمن تبع، مستثنیٰ مقدم ہے، ان یُّؤتی احد، مستثنیٰ منہ مؤخر ہے۔

قولہ: باَنْ یُحاجُّوکُمْ اَنْ مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس کا عطف باَنْ یُّؤتی پر ہے نہ کہ اَنْ یُّؤتی پر، اس لیے کہ یہ مجاز ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے۔

قولہ: وفی قراءۃ ءَاَنْ بھمزۃِ التوبیخ، یہ اَنْ یُّؤتی احدٌ مثلَ ما اُوتیتم میں دوسری قراءت کے مطابق ہمزہ استفہام توبیخی ہوگا یعنی کیا تم اپنے جیسی حکمت اور فضیلت دوسروں کو دیئے جانے کا اقرار کرتے ہو نہیں کرنا چاہیے۔

قولہ: ایتاء احد، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ یُّؤتی میں اَنْ مصدریہ ہے۔

قولہ: قِنطارًا، واحد، جمع قَنَاطِیْر، مال کثیر۔

قولہ: ولا تؤمنوا الّا لمن تبع دینکم یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے مشکل ترین آیتوں میں شمار ہوتی ہے، بعض حضرات نے اس آیت کی کئی ترکیبیں کی ہیں مگر ان میں سے صرف ایک جو آسان ترین ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے اور علامہ زمخشری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی اپنی کتاب "کشاف" میں تحریر کی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لا ناہیہ، تؤمنوا فعل مضارع مجزوم بلا، اور واؤ فاعل، اور الّا، حرف استثناء، اور لمن میں لام حرف جر، مَن، اسم موصول لام کی وجہ سے مجرور جار اور مجرور محذوف سے مل کر استثناء کی وجہ سے محل میں نصب کے، تقدیری عبارت یہ ہوگی ولا تؤمنوا، وتظھروا بان یؤتی اَحدٌ بمثل ما اوتیتم لاحد من النّاس الّا لاشیاعکم دون غیرکم

تبع فعل ماضی ھُوَ اس میں ضمیر فاعل، جملہ فعلیہ صلہ اور دینَکُم مفعول بہ درمیان میں قُلْ اِنَّ الھُدیٰ ھُدَی اللّٰہ جملہ معترضہ "اَنْ یُّؤتیٰ مثلَ ما اُوْتِیتُمْ" اَنْ اپنے مابعد سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور بنزع الخافض، اور جار مجرور مل کر تؤمنوا سے متعلق اور، احدٌ، یُؤتی، کا نائب فاعل، اور مثل، مفعول بہ ثانی، ما، اسم موصول اضافت کی وجہ

سے محلاً مجرور اور جملہ اُوْتِيتُمْ، صلہ مضارع۔

قِوْلَہٗ: الاُمِّيِّين، مراد جو اہل کتاب نہ ہوں۔

قِوْلَہٗ: يَلْوٗنَ مضارع جمع مذکر غائب، لَيٌّ، مصدر (ن) وہ گھماتے ہیں، وہ موڑتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: اَلْبَشَر، انسان، مذکر ہو یا مونث واحد ہو یا جمع لفظوں میں واحد نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ. اس میں استعارہ مکنیہ ہے۔

استعارہ بالکنایہ:

استعارہ بالکنایہ وہ لفظ ہے جس کے لازم معنی مراد لیے جائیں۔ اس کے ساتھ اس کا معنی ملزوم (اصلی معنی) مراد لینا بھی درست ہو یہاں يَشْتَرُوْنَ، بول کر يَسْتَبْدِلُوْنَ مراد ہے۔

قِوْلَہٗ: وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ. یہ شدت غضب سے کنایہ ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِيْح

یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، ای اليهود لبعضهم، یہ یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر ہے، جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، قالت طائفة میں اطراف مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ ہے، یہ ان چالوں میں سے ایک چال تھی جو اطراف مدینہ کے رہنے والے یہود کے لیڈر اور احبار، اسلام کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیے چلاتے رہتے تھے یہودیوں نے مسلمانوں کو بددل کرنے اور عام لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے بدگمان کرنے کے لیے خفیہ طور پر آدمیوں کو تیار کر کے بھیجنا شروع کیا کہ پہلے علانیہ اسلام قبول کریں اور جلد ہی مرتد ہو جائیں پھر جگہ جگہ لوگوں میں یہ مشہور کرتے پھریں کہ ہم نے اسلام میں اندر گھس کر دیکھ لیا سب ڈھکوسلہ ہے اسلام کے اندر کچھ نہیں ہے ہم تو سمجھتے تھے کہ اسلام کی کچھ حقیقت ہوگی مگر جب ہم نے اسلام قبول کیا تو اندر سے بالکل خالی پایا جس کی وجہ سے ہم نے اسلام کو خیرباد کہہ دیا اور یہ کہ اسلام میں یہ خامی اور مسلمانوں میں یہ خرابی اور رسول میں یہ کمی وغیرہ وغیرہ ہے ان ہی اسباب کی وجہ سے ہم اسلام سے الگ ہو گئے۔

تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کی جانب سے فرضی یا واقعی مظالم کی بناء پر بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوے کے مطابق اسلام کا اظہار کرنا شروع کر دیا دراں حالیکہ دل سے ایک بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد اول ص ۴۳۲/۴۳۳)

موجودہ زمانہ میں جو بڑے بڑے فرنگی محققین، یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ النبی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ علم و تحقیق، وسعت مشرب اور بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں معلوم ہونے لگتا ہے کہ پیغمبر عرب مصلح عالم کی تعریف اور مقنن اعظم، مثیل موسیٰ کی منقبت میں دریا بہا دیں گے، لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انہیں کچھ خلل دماغ تھا یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے کچھ مضامین کہیں سے سن سنا کر ترتیب دے لیتے تھے (علی ہذا القیاس) یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و مکر کا ایک جدید فرنگی طریقہ ہے اور بس۔

یہ محض یہودی عوام ہی کا جاہلانہ خیال نہ تھا بلکہ ان کے یہاں ان کی مذہبی تعلیم بھی یہی تھی اور ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے۔ بائبل، قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔ (استثناء ۱۵:۱:۳/۲۳_۲:۲۳)

تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے، اگر کسی شخص کو کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ گرد و پیش آبادی کن لوگوں کی ہے؟ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے، اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوا دے اور کہے کہ ہمارا قانون ہے اور اگر امیوں کے قانون کے مطابق جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوا دے اور کہے کہ یہ تمہارا ہی قانون ہے، اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس فیصلہ سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کر سکتا ہے کرے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(تالمودك مسنیلنی، بال ۱۸۸۰ء)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ، یعنی یہ بھی انہوں نے آپس میں کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب یہودی کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت کرو۔

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ، یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا ماقبل و مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے صرف ان کے مکر و حیلے کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے ان حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیوں کہ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو ہدایت دینا چاہے تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

اَنْ یُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ (الآیة) یہ بھی یہود کا قول ہے اور اس کا عطف وَلَا تُؤْمِنُوْا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمہارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ. اس آیت کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھے ایمان لاؤ اور دن اترتے مرتد ہو جاؤ تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذبذب ہو کر مرتد ہو جائیں، تو ان شاگردوں کو مزید تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا حقیقۃً اور واقعۃً مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی رہنا اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے، یا تمہارے بجائے کوئی اور بھی حق پر ہے جو تمہارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے، اور تمہیں غلط ٹھہرا سکتا ہے، اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک کل کا کل یہود کا قول ہوگا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمہیں اس بات کا غم ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی اور شریعت اور دین تمہیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں دے دیا گیا؟ دوسرا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمہیں دنیا میں جو جاہ اور وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا بھی پردہ فاش ہو جائے گا، اور اس پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے، حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے، اور یہ کسی کی میراث نہیں بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے؟

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ (الآیة) یہ یہود کی خیانت فی الدین کے بعد خیانت فی المال کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ بعض ان میں متدین بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر ایمان کی توفیق نصیب فرما دی۔ جیسا کہ عبداللہ بن سلام ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا (ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ کا) امانت رکھ دیا، بوقت مطالبہ بلا تاخیر ادا کر دیا، اس کے برخلاف کعب بن اشرف کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھدیا تھا، بوقت مطالبہ صاف انکار کر دیا۔ اور یہ کوئی ایک یا دو فرد کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہود کی یہ عام عادت تھی کہ غیر یہود کے مال کو حلال و حرام ہر طریقہ سے ہڑپ کرنا جائز سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ دینی عقیدہ تھا کہ غیر یہود کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا جائز ہے اور اس حکم کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے کہتے تھے کہ تورات میں یہ حکم لکھا ہوا ہے کہ ہم پر اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ بات غلط ہے۔ ایسے ایسے اخلاقی جرم کرنے کے بعد بھی سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے مقرب اور چہیتے ہیں۔

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ (الآیة) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیوں نہیں ضرور مواخذہ ہوگا، جو عہد وفا کرے اور اللہ سے ڈرے وہ متقی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. زاہدی کے حوالہ سے صاحب خلاصۃ التفاسیر نے لکھا ہے کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا بعض یہود مسلمان ہوگئے تھے وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے جو کہ یہود کا سردار تھا، اور مدد کی درخواست کی کعب بن اشرف نے کہا اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، انہوں نے جواب دیا اللہ کا نبی اور اس کا بندہ ہے، کعب نے کہا تم مجھ سے کچھ نہیں پاسکتے، نو مسلم یہود بولے ہم نے یہ بات یوں ہی کہہ دی تھی مہلت دیجئے کہ سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد آئے اور کہنے لگے یہ خاتم الانبیاء نہیں ہیں تو اس نے ان کو قسم دلائی وہ قسم کھا گئے کعب نے ہر شخص کو پانچ صاع جو اور آٹھ گز کپڑا دیا، مذکورہ آیت ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم کھا کر مار لیا اللہ اس پر دوزخ واجب اور جنت حرام کر دے گا۔ کسی نے عرض کیا اگر حقیر و قلیل چیز بھی ہو فرمایا: اگرچہ پیلو کی ٹہنی بھی ہو۔

(مسلم شریف)

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ. اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب الٰہی کے معانی میں تحریف کرتے ہیں یا الفاظ کا الٹ پھیر کرکے کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہیں، لیکن اس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا کسی خاص فقرے کو جو ان کے مفاد یا خود ساختہ عقائد کے خلاف ہو زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ اس کی نظیریں قرآن کے ماننے والوں میں بھی مفقود نہیں ہیں مثلاً بعض لوگ جو نبی کے بشریت کے منکر ہیں آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں اِنَّمَا کو اِنَّ مَا پڑھتے ہیں اور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اے نبی! کہہ دو کہ تحقیق نہیں ہوں میں بشر تم جیسا" اور پھر محرف کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے وہ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ (الآية) یہودیوں کے یہاں جو علماء عہدیدار ہوتے تھے اور جن کا کام مذہبی امور میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور عبادت کے قیام اور احکام دین کا اجراء کرنا ہوتا تھا ان کے لیے رَبَّانِی کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا ہے "لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ. (الآية)

سلسلۂ کلام کے درمیان یہود کا تذکرہ آگیا تھا اب پھر دوبارہ نصاریٰ کا ذکر شروع ہوتا ہے، مذکورہ آیت مسیحیوں سے متعلق ہے، مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا، اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ، ربّانی رب کی طرف منسوب ہے الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ (الآية) بعض مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا ہے کہ: ابن اسحٰق اور ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے

یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا۔ اے محمد ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح بندگی کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی کرتے ہیں **فقال رسول الله** ﷺ **معاذ الله** آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا غیر اللہ کی بندگی کا حکم کریں۔ نہ اللہ نے مجھے اس کے لیے مبعوث کیا اور نہ مجھے اس کا حکم دیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ **نُسلم علیك کما یسلّم بعضنا علی بعض افلا نَسْجُدُلَكَ**، ہم جس طرح آپس میں سلام کرتے ہیں، اسی طرح آپ کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں **قال**: لَا، فرمایا نہیں، مگر یہ کہ اپنے نبی کا اکرام کرو اور اس کے اہل کا حق پہچانو کسی کے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ** حِيْنَ **اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ** عَهْدَهُمْ **لَمَآ** بِفَتْحِ اللَّامِ لِلْاِبْتِدَاءِ وَتَوْكِيْدِ مَعْنَى الْقَسَمِ الَّذِيْ فِيْ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَيْ لِلَّذِيْ **اٰتَيْتُكُمْ** اِيَّاهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اٰتَيْنٰكُمْ **مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم **لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ** جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُمْ **ءَاَقْرَرْتُمْ** بِذٰلِكَ **وَاَخَذْتُمْ** قَبِلْتُمْ **عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا** عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَاَتْبَاعِكُمْ بِذٰلِكَ **وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۸۱﴾ عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ **فَمَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ **بَعْدَ ذٰلِكَ** الْمِيْثَاقِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** ﴿۸۲﴾ **اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ** بِالْيَاءِ اَيِ الْمُتَوَلُّوْنَ وَالتَّاءِ **وَلَهٗٓ اَسْلَمَ** اِنْقَادَ **مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** بِلَا اِبَاءٍ **وَّكَرْهًا** بِالسَّيْفِ وَمُعَايَنَةِ مَا يُلْجِئُ اِلَيْهِ **وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ** ﴿۸۳﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهٖ **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۸۴﴾ مُخْلِصُوْنَ فِي الْعِبَادَةِ وَنَزَلَ فِيْمَنِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۸۵﴾ لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ **كَيْفَ** اَيْ لَا **يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا** اَيْ وَشَهَادَتِهِمْ **اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** الْحُجَجُ الظَّاهِرَاتُ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۸۶﴾ الْكَافِرِيْنَ **اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ** ﴿۸۷﴾ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** اَيِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا **لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ** ﴿۸۸﴾ يُمْهَلُوْنَ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ **رَّحِيْمٌ** ﴿۸۹﴾ بِهِمْ وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بعيسى بَعْدَ إِيمَانِهِمْ بموسى ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا بمحمد لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ إذا غرغروا أو ماتوا كفارًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ مقدار ما يملؤها ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أدخل الفاء في خبر إنّ لشبه الذي بالشرط وإيذانًا بتسبب عدم القبول عن الموت على الكفر أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾ مانعين منه.

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء سے عالم ارواح میں اللہ نے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم) سے دوں۔ لَمَا، لام کے فتحہ کے ساتھ لام ابتداء ہے اور اس معنی قسم کی تاکید کے لیے ہے جو اخذ المیثاق سے مفہوم ہیں اور کسرۂ لام کے ساتھ اخذ کے متعلق ہے۔ اور مَا دونوں صورتوں میں موصولہ ہے، ای الذی، اور ایک قراءت میں آتَیْنٰکُمْ ہے پھر تمہارے پاس اس کتاب وحکمت کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے اور وہ (رسول) محمد ﷺ ہیں۔ تو تم ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا۔ (لَتُؤْمِنُنَّ الخ) جواب قسم ہے (یعنی) اگر تم اس کو پاؤ، اس حکم میں انبیاء کی امتیں ان کے تابع ہیں (پھر) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو اپنے اوپر اور اپنے متبعین پر اس بات کے گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے اور ان کے اوپر گواہوں میں سے ہوں تو اب جو کوئی اس عہد کے بعد روگردانی کرے گا تو وہی نافرمانوں میں شمار ہوگا سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا (کسی اور دین) کو تلاش کرتے ہیں (یَبْغُوْنَ) یاء کے ساتھ بمعنی متولّون، ای معرضون، اور تاء کے ساتھ (ای تبغون) ای تعرضون، درانحالیکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے خوشی سے بغیر انکار کے اور ناخوشی سے تلوار اور اس چیز کے مشاہدہ کی وجہ سے جو فرمانبرداری کے لیے مجبور کردے (مثلاً قوت وغیرہ) اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (ترجعون) یاء اور تاء کے ساتھ (افغیر) میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور جو ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اور اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اور اسحاق عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اور یعقوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور (دیگر) نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں باہم تصدیق وتکذیب کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم تو عبادت میں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو مرتد ہو کر کفار میں شامل ہو گیا اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے زیاں کاروں میں سے ہوگا۔ اور اللہ کیسے ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا (یعنی) نہیں دے گا۔ جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا (اور اس کے بعد کہ وہ) شہادت دے چکے کہ رسول برحق ہیں (اور بعد اس کے) کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکی تھیں یعنی آپ ﷺ کی صداقت پر واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہوتی ہے اور اس لعنت یا آگ میں جس پر لعنت دلالت کرتی ہے ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی البتہ وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور یہود کے بارے میں (آئندہ آیت نازل ہوئی) بے شک جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے محمد ﷺ کا انکار کرکے۔ تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی جب حالت نزع (غرغرہ) میں پہنچ گئے یا حالتِ کفر میں مرگئے، یہی لوگ تو گمراہ ہیں بلاشبہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مرگئے ان میں سے کسی سے بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا زمین بھر سونا یعنی اتنی مقدار کہ جو زمین کو بھردے، اگر وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے اِنَّ، کی خبر پر فاء داخل کی گئی، اَلَّذِیْنَ، کے شرط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ عدم قبول کا سبب موت علی الکفر ہے (نہ کہ محض کفر) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے جن کے لیے کوئی بھی مددگار عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

وَ اذکر اِذْ حِینَ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ.

قِوْلَہٗ: حِیْنَ، لفظ حِیْنَ سے اشارہ کردیا کہ اِذْ ظرفیہ ہے اور اذکر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ اس آیت کی متعدد ترکیبیں کی گئی ہیں یہ آیت بھی مشکل ترکیبی مقامات میں شمار ہوتی ہے۔

صاحب جلالین کی اختیار کردہ ترکیب: واؤ استینافیہ اِذْ ظرفیہ متعلق فعل محذوف اذکر کے، لَمَا، لام کے فتحہ کے ساتھ برائے ابتداء اور معنی قسم جو کہ اخذ میثاق سے مفہوم ہیں، کی تاکید کے لیے لام کو بالکسر بھی پڑھا گیا ہے اَخَذَ کے متعلق، دونوں صورتوں میں مَا، موصولہ ہے اٰتَیْتُکُمْ اِیَّاہ، اور ایک قراءت میں۔ اٰتَیْنٰکُمْ، لَتُؤْمِنُنَّ جواب قسم اِیَّاہُ عائد محذوف جو کہ موصول کی طرف راجع ہے۔

مَا موصولہ ہے جائز ہے کہ متضمن بمعنی شرط ہو اور لَتُؤْمِنُنَّ قائم مقام جواب قسم اور جواب شرط ہو۔

قِوْلَہٗ: ءَاَقْرَرْتُمْ استفہام بمعنی امر ہے، استفہام تقریری بھی ہوسکتا ہے، اَفَغَیْرَ، میں ہمزہ انکار کا ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ اللہ کو سوال کرنے کے کیا معنی؟

قِوْلَہٗ: بالتصدیق والتکذیب اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: اللہ تعالیٰ کے قول، لانفرق کا مطلب ہے کہ ہم انبیاء میں فرق نہیں کرتے بلکہ سب کو مساوی سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فضیلت و درجات میں مختلف ہیں اور یہی بات تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

جواب: تفریق نہ کرنا تصدیق و تکذیب کے اعتبار سے ہے نہ کہ فضیلت و درجات کے اعتبار سے، یعنی ہم یہود کی طرح بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب نہیں کرتے۔

قولہ: مخلصون.

سُؤال: مسلمون کی تفسیر مخلصون سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: مسلمون بمعنی مخلصون اس لیے کیا گیا ہے کہ نفس ایمان تو آمَنَّا سے مفہوم ہے۔

قولہ: وَشَهَادَتِهِمْ. اس میں اشارہ ہے کہ اس کا عطف بتقدیر بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ پر ہے اور فعل معطوف تاویل میں اسم کے ہے۔

قولہ: قد. حذف قد میں اشارہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

مِيْثَاق. اسم، عہد و پیان اِصْر. بھاری بوجھ، سخت و دشوار اور محنت شاقہ، الاسباط، سِبْط، کی جمع ہے ولد الولد، ولد البنت پر بھی تغلیباً اطلاق ہوتا ہے، حفید یعنی ولد الابن پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، والاسباط من الیھود، القبیلة من العرب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

میثاق کہاں ہوا؟

میثاق کا لفظ قرآن کریم میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی عہد و پیان کے ہیں۔ اب یہ میثاق کہاں ہوا ہے؟ یا تو عالم ارواح میں یا دنیا میں بذریعہ وحی، دونوں احتمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تین طرح کے عہد لیے ہیں۔

پہلے میثاق کا ذکر:

سورۂ اعراف میں "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے تحت لیا گیا۔ اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔

دوسرے میثاق کا ذکر:

وَاِذْاَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ الخ یہ عہد صرف اہل کتاب کے علماء سے لیا گیا تھا کہ وہ حق کو نہ چھپائیں۔

تیسرے عہد کا بیان:

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیّین لمآ اٰتیتُکُم من کتاب وّحکمۃ سے لیا گیا۔

یہ میثاق کس چیز کے بارے میں لیا گیا؟

اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ﷺ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد تمام انبیاء سے صرف محمد ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید ونصرت کریں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی ہدایت کر جائیں۔

حضرت طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میثاق انبیاء سے اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تائید ونصرت کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

فَائِدَہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی عہد کی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد میں آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت وتاکید کی ہے، لیکن قرآن میں اور حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ ﷺ نے اپنی امت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ، اس ارشاد کا مقصود اہل کتاب کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم اللہ سے عہد کو توڑ رہے ہو محمد ﷺ کا انکار اور ان کی مخالفت کر کے اس میثاق کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمہارے انبیاء سے لیا گیا تھا خدا

اب تم ایمان کی حدود سے نکل چکے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے خارج ہوگئے۔

اگر نبی ﷺ کی بعثت انبیاء کے زمانہ میں ہوتی تو ان سب کے نبی آپ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء آپ کی امت میں شمار ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی شان محض نبی امت ہی کی نہیں بلکہ نبی الانبیاء کی بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ہی کے احکام پر عمل کریں گے۔ (معارف، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت عامہ اور شامل ہے اور آپ ﷺ کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں اس کی تائید آپ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے آپ کا ارشاد ہے۔ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ آپ کی نبوت آپ کے زمانہ سے قیامت تک کے لیے ہے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں "کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" محشر میں شفاعت کبریٰ کے لیے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت کرانا حضور ﷺ کی اسی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کے آثار ہیں۔

کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَ شَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ (الآیة) یہاں پھر اسی بات کا اعادہ کیا جا رہا ہے جو اس سے پہلے بار بار بیان کی جا چکی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں عرب کے یہودی علماء جان چکے تھے اور ان کی زبانوں تک سے اس امر کی شہادت ادا ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں اور جو تعلیم آپ لائے ہیں وہ وہی تعلیم ہے جو پچھلے انبیاء لاتے رہے ہیں اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ محض تعصب، ضد اور حق کی دشمنی، اس پرانی عادت کا نتیجہ تھا جس کے وہ صدیوں سے مجرم چلے آ رہے تھے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (الآیة) لیکن جو مرتد ہونے کے بعد شرمندہ ہوئے اور توبہ کی اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمانے والا اور انہیں دنیا میں عمل خیر کی طرف اور آخرت میں جنت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

مرتد کی بھی توبہ قبول ہے:

کوئی بھی گناہ کیوں نہ ہو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، توبہ میں شرط یہ ہے کہ جس قسم کا گناہ ہو ویسی ہی توبہ کرے ظلم سے توبہ یہ ہے کہ مظلوم سے معاف کرائے سود خوری سے توبہ یہ ہے کہ پچھلا لیا ہوا واپس کرے اور اگر ایسا نہ کیا مگر توبہ کی بکمال ندامت کی تو حقوق اللہ معاف اور حقوق العباد باقی رہیں گے۔ (معالم)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا (الآیة) مطلب یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس ارتداد پر اڑے رہے اور توبہ نہ کی اور اسی حالت میں غرغرہ کی حالت آگئی تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا اس عذابِ نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ''ہاں'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔

(مسند احمد، هکذا اخرجه البخاری و مسلم، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دائمی عذاب ہے اس دنیا میں اگر کچھ کارِ خیر بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عبداللہ بن جدعان کے بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کیوں کہ اس نے ایک دن بھی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ (مسلم)



لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اى ثوابه وهو الجنة **حَتّٰى تُنْفِقُوْا** تصدقوا **مِمَّا تُحِبُّوْنَ** ۵ من اموالكم **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴿٩٢﴾ فيجازى عليه ونزل لما قال اليهود انك تزعم انك على ملة ابراهيم وكان لا ياكل لحوم الابل والبانها **كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا** حلالا **لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ** يعقوب **عَلٰى نَفْسِهٖ** وهو الابل لما حصل له عرق النسا بالفتح والقصر فنذر ان شفى لا ياكلها فحرم عليه **مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ** وذلك بعد ابراهيم ولم تكن على عهده حراما كما زعموا **قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ** ليتبين صدق قولكم **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿٩٣﴾ فيه فبهتوا ولم ياتوا بها قال تعالى **فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ** اى ظهور الحجة بان التحريم انما كان من جهة يعقوب لا على عهد ابراهيم **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿٩٤﴾ المتجاوزون الحق الى الباطل **قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ** فى هذا كجميع ما اخبر به **فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ** التى انا عليها **حَنِيْفًا** مائلا عن كل دين الى دين الاسلام **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿٩٥﴾ ونزل لما قالوا قبلتنا قبل قبلتكم **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ** متعبدا **لِلنَّاسِ** فى الارض **لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ** بالباء لغة فى مكة سميت بذلك لانها تبك اعناق الجبابرة اى تدقها بناه الملائكة قبل خلق ادم ووضع بعده الاقصى وبينهما اربعون سنة كما فى حديث الصحيحين وفى حديث انه اول ما ظهر على وجه الماء عند خلق السموات والارض زبدة بيضاء فدحيت الارض من تحته **مُبٰرَكًا** حال من الذى اى ذا بركة **وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** ﴿٩٦﴾ لانه قبلتهم **فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ** منها **مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ** اى الحجر الذى قام عليه عند بناء البيت فاثر قدماه فيه وبقى الى الان مع تطاول الزمان وتداول الايدى عليه ومنها تضعيف الحسنات فيه وان الطير لا يعلوه **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا** لا يتعرض اليه بقتل او ظلم او غير ذلك **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** واجب بكسر الحاء وفتحها لغتان فى مصدر حج بمعنى قصد ويبدل من الناس **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** طريقا فسره صلى الله عليه وسلم بالزاد والراحلة رواه الحاكم وغيره **وَمَنْ كَفَرَ** بالله او بما فرضه من الحج **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿٩٧﴾ الانس والجن والملائكة وعن عبادتهم **قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القران **وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿٩٨﴾ فيجازيكم عليه **قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ** تصرفون **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى دينه **مَنْ اٰمَنَ** بتكذيبكم النبى وكتم نعته **تَبْغُوْنَهَا** اى تطلبون السبيل **عِوَجًا** مصدر بمعنى معوجة اى مائلة عن الحق **وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ** عالمون بان الدين المرضى القيم دين الاسلام كما فى كتابكم **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿٩٩﴾ من الكفر والتكذيب وانما يؤخركم الى وقتكم فيجازيكم ونزل لما مر

بعض اليهود على الأوس والخزرج فغاظه تآلفهم فذكرهم بما كان بينهم في الجاهلية من الفتن فتشاجروا وكادوا يقتتلون ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ﴾ استفهام تعجيب وتوبيخ ﴿وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ﴾ يتمسك ﴿بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: جب تک اپنے محبوب مالوں کو خرچ نہ کروگے (صدقہ نہ کروگے) ہرگز نیکی کا اجر جو کہ جنت ہے حاصل نہ کرسکو گے اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے لہٰذا وہ اس کی جزاء دے گا، اور نازل ہوئی جب یہودیوں نے یہ بات کہی کہ تم اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم ملت ابراہیمی پر ہو حالانکہ وہ تو اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ (اور تم کھاتے پیتے ہو) ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جس کو اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور وہ اونٹ تھا، ایسا اس وقت کیا تھا کہ جب ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہوگیا تھا (نسا،) فتحہ نون کے ساتھ اور قصر الف کے ساتھ (بروزن عصا) ہے، (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نذر مانی تھی کہ اگر میں شفایاب ہوگیا تو اس کو میں نہ کھاؤں گا، چنانچہ انہوں نے اس کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا، ایسا تورات نازل ہونے سے قبل کیا تھا اور یہ (واقعہ) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہوا، اور یہ حرمت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہیں تھی جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ تو آپ ان سے کہئے کہ تورات لاؤ اور اس کو پڑھو تاکہ تمہارے قول کی صداقت ظاہر ہوجائے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو وہ ہکا بکا رہ گئے اور تورات نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو شخص اس کے یعنی حجت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی اللہ پر بہتان تراشی کرے کہ تحریم یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے تھی نہ کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں تو یہی لوگ ہیں ظالم (یعنی) حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ دیگر باتوں کی طرح اللہ نے یہ بات بھی سچ فرمادی تو تم سیدھی راہ والے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی جس پر میں ہوں پیروی کرو یعنی ہر دین سے (اعراض کرکے) دین اسلام کی جانب رخ کرکے اور (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) مشرکوں میں سے نہ تھے، اور آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ تمہارے قبلے سے قدیم ہے، سب سے پہلا گھر جو معبد کے طور پر لوگوں کے لیے مبارک بنا کر وضع کیا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، مکہ میں ایک لغت بکہ بھی ہے باء کے ساتھ، بکہ کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ بکہ کے معنی توڑنے، پھوڑنے کے ہیں چونکہ یہ بڑے بڑے جباروں (ظالموں) کی گردنوں کو جو اس کے انہدام کا قصد کریں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی اس کے بعد مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت سطح آب پر سفید جھاگ کی شکل میں جو چیز نمودار ہوئی تھی وہ کعبۃ

اس کے بعد زمین کو اس کے نیچے سے پھیلایا گیا، (مُبٰرکًا) اَلَّذِی سے حال ہے ای ذابر کة، اور اہل عالم کے لیے ہدایت والا ہے اس لیے کہ یہ ان کا قبلہ ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان ہی میں سے مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے یعنی وہ پتھر کہ تعمیر بیت اللہ کے وقت جس پر (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کھڑے ہوتے تھے۔ آپ کے قدموں کے اس میں نشان پڑ گئے اور زمانہ دراز کے باوجود اور لوگوں کے بار بار مس کرنے کے باوجود آج تک باقی ہیں۔ اور ان ہی نشانیوں میں سے اس میں نیکیوں کے اجر کا دوگنا ہونا ہے۔ اور کوئی پرندہ اس کے اوپر سے نہیں گزر سکتا۔ اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے قتل یا ظلم وغیرہ کے لیے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج واجب ہے (حج) کے مصدر میں حاء کا فتحہ اور کسرہ دو لغت ہیں۔ حَجٌّ بمعنی قصد، اور (مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا) النَّاس، سے بدل ہے جو وہاں تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، (استطاعت) کی تفسیر آپ ﷺ نے زاد و راحلہ (سواری اور سفر خرچ) سے فرمائی۔ روایت کیا اس کو حاکم وغیرہ نے اور جو کوئی اللہ کا کفر کرے اور جو اس پر حج فرض کیا ہے (اس کا منکر ہو) تو اللہ تعالیٰ عالم والوں سے یعنی جن وانس اور ملائکہ اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ آپ کہئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو؟ درانحالیکہ اللہ تمہارے اعمال پر شاہد ہے تم کو اس کی جزاء دے گا۔ آپ کہئے اے اہل کتاب تم اس شخص کو جو ایمان لا چکا ہے اللہ کے دین سے نبی ﷺ کی تکذیب اور ان کی علامات کو چھپا کر کیوں روکتے ہو؟ اس راہ (دین) میں کجی نکالتے ہو (عِوَجًا) مصدر ہے مُعْوَجة، کے معنی میں ہے یعنی حق سے انحراف کرکے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ پسندیدہ اور صحیح دین اسلام ہی ہے جیسا کہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر و تکذیب وغیرہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور اس نے تم کو محض ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے پھر تم کو اس کی سزا دے گا (آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض یہودیوں کا گزر اوس و خزرج پر ہوا تو ان کی آپسی الفت و محبت نے ان کو غضب ناک کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں نے ان کے زمانہ جاہلیت کی (آپسی) فتنہ کی باتوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کی وجہ سے وہ آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ آپس میں خون ریزی ہو جائے۔ اے ایمان والو اگر اہل کتاب کے کسی فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے باوجود کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو استفہام تعجب اور توبیخ کے لیے ہے، حالانکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: تَنَالُوْا، تم حاصل کرو گے، تم پاؤ گے (س) مضارع جمع مذکر حاضر، نال ینالُ نَیلًا پہنچنا، حاصل کرنا۔

قِوْلُہٗ: ای ثوابهٗ مفسر علام نے مضاف و مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ نفس

بر تو نیک عمل کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود عمل نیک کرنے سے ہو جاتا ہے البتہ عملِ نیک کا اجر و ثواب محبوب و پسندیدہ چیز خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

قِوْلُہٗ: تَصَدَّقُوْا. تُنْفِقُوْا کی تفسیر تَصَدَّقُوْا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مطلق انفاق خواہ اپنی ذات پر ہو یا برے کاموں میں ہو مراد نہیں ہے بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ کرنا مراد ہے۔

قِوْلُہٗ: مِمَّا تُحِبُّوْنَ، مَا تبعیضیہ ہے، اس لیے کہ ایک قراءت میں بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ ہے۔

قِوْلُہٗ: كُلُّ الطَّعَامِ الف لام عہد کا ہے ای كُلُّ الاطعمة الَّتِي كَانَتْ تَدَّعِي اليهودُ حُرْمَتَهَا على اِبْرَاهِيْمَ.

قِوْلُہٗ: عِرق النساء، عرق النساء اکثر بائیں سرین سے شروع ہو کر گھٹنے اور بعض اوقات ٹخنے تک اتر آتا ہے اگر یہ مرض زیادہ دنوں تک رہے تو مریض لنگڑا ہو جاتا ہے۔ (شرح موجز، اقرائی)

قِوْلُہٗ: اَنَا عَلَيْهَا اتباع ملتِ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے مراد ملت اسلام کی اتباع ہے اس لیے کہ ملت ابراہیمی ملت اسلامی ہی تھی، اور آپ ﷺ بھی اسی ملت ابراہیمی پر تھے۔

قِوْلُہٗ: مُتَعَبَّدًا، یہ لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اول بیت سے مطلق اول بیت مراد نہیں بلکہ عبادت گاہ کے طور پر اول بیت مراد ہے۔

قِوْلُہٗ: لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ میں لام تاکید ہے اس کو لام مزحلقہ بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ لام مبتداء پر اس کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے مگر جب مبتدا پر اِنَّ داخل ہو جاتا ہے تو اِنَّ اپنی صدارت کی خاطر اس لام کو خبر کی طرف دھکیل دیتا ہے اس لیے اس لام کو لام مزحلقہ کہتے ہیں۔

مَکّہ اور بَکّہ بلد حرام کے نام ہیں، یہ دونوں لغت ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بَکّہ، مقام بیت اللہ کا نام ہے اور مکہ بلد حرام کا نام ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسجد حرام کا نام بکہ ہے اور مکہ پورے حرم کا نام ہے اور بکّہ کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے معنی ازدحام الناس کے ہیں طواف کے وقت چونکہ ازدحام ہوتا ہے اسی لیے اس کو بکہ کہتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بَكَ کے معنی 'دَقّ' کے معنی ہیں کوٹنا، توڑنا، مروڑنا، اس لیے کہ جس ظالم و جابر نے بھی اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کی گردن مروڑ دی گئی، اور مکہ تسمیہ کی وجہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ قلت ماء کی وجہ سے مکہ کہا جاتا ہے، عرب بولتے ہیں مَلَكَ الفصيل ضَرْعَ اُمِّهٖ جب کہ بچہ ماں کا دودھ پی کر ختم کر دے اور قاموس میں ہے چونکہ مکہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور یہ تمك الذنوب سے مشتق ہے ای تمحوها وتُزيلُها.

مکہ کے بہت سے نام ہیں:

❶ مکه	❷ بکه	❸ البیت العتیق	❹ البیت الحرام
❺ البلدالامین	❻ المامون	❼ ام الرحیم	❽ امُّ القری
❾ صلاح	❿ العرش	⓫ القادس	⓬ المقدسه
⓭ البناسة	⓮ نون اور باء کے ساتھ	⓯ الحاطمه	⓰ الرأس
⓱ کوثاء	⓲ البلدة	⓳ البنية	⓴ الکعبه

(اعراب القرآن)

مجاہد نے کہا کہ، باء میم سے بدل گئی ہے جیسے سَبَدٌ اور سَمَدٌ، اور لازب ولازم میں۔

قَوْلُهُ: تطلبون السبیل، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ سبیل مذکر ہے لہٰذا تَبْغُوْنَهَا کے بجائے تَبْغُوْنَهٗ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: سبیل چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں استعمال ہوتا ہے لہٰذا تَبْغُوْنَهَا درست ہے۔

قَوْلُهُ: مصدرٌ بمعنی مُعَوَّجَةٌ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عِوَجًا، السبیل سے حال ہے حالانکہ اس کا حمل السبیل پر صحیح نہیں ہے۔

جَوَابٌ: عِوَجًا، مُعَوَّجًا کے معنی میں ہے۔ عِوَج عین کے کسرہ کے ساتھ غیر مجسّم اشیاء کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثل عقل فہم اور عَوَج عین کے فتحہ کے ساتھ مجسّم اشیاء مثلاً دیوار وغیرہ کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلُهُ: حِلًّا، (ض) حِلًّا وحَلالًا، دونوں مصدر ہیں بمعنی حلال ہونا۔

قَوْلُهُ: بَكَّة، میم اور با، چونکہ قریب المخرج ہیں اس لیے میم کو باء سے بدل دیا جیسا کہ لازم کو لازب کر لیا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: لـلذی ببکة، یہ لام تاکید مزحلقہ ہے، دراصل یہ اِنَّ کی خبر پر داخل ہونے والا وہ لام ہے جس کو اِنَّ نے اپنی صدارت کی وجہ سے اپنی خبر کی طرف دھکیل دیا ہے، مزحلقہ کے معنی ہیں دھکیلا ہوا۔

استخدام: مَنْ دخله کان آمنًا میں صنعت استخدام ہے اس لیے کہ مقام ابراہیم سے جائے قدم مراد ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی دخلہ کی ضمیر سے مطلق حرم مراد ہے، اسی کو استخدام کہتے ہیں کہ مرجع سے ایک معنی مراد ہوں اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں۔

تفسیر وتشریح

رابط: سابق میں صدقہ کافر کا ذکر تھا کہ صدقہ اور کسی بھی کار خیر سے ایمان کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں مومن کے صدقہ اور کار خیر کا ذکر ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (بِرّ) نیکی، بھلائی، یہاں مطلقاً عمل صالح یا جنت مراد ہے۔

آیت مذکورہ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا جذبہ عمل:

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جو کہ قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے اور آپ ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد اور احکام قرآنی پر عمل کرنے کے عاشق، اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے درخواست پیش کرنے لگے، انصار مدینہ میں ایک صحابی ابوطلحہ جو کہ باحیثیت تھے مسجد نبوی کے بالکل قریب بالمقابل ایک بہت عمدہ باغ تھا اس میں ایک کنواں بھی تھا جو کہ بیر حاء کے نام سے مشہور تھا اس کا پانی نہایت عمدہ اور نہایت شیریں تھا، اب اس باغ کی جگہ باب مجیدی کے سامنے اصطفیٰ منزل کے نام سے عمارت بنی ہوئی ہے جس میں زائرین مدینہ قیام کرتے ہیں اس کے شمال مشرق کے گوشہ میں یہ بیر حاء اب تک اسی نام سے موجود ہے آپ ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیر حاء کا پانی نوش فرماتے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت طلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے تمام اموال میں بیر حاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرما دیں، آپ نے فرمایا وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیا یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں ہے جو عام فقراء کو دی جائے، اپنے اہل وعیال اور عزیز و اقارب پر خرچ کرنا بھی بڑی خیرات اور موجب ثواب ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا ایک گھوڑا لیے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا مجھے اپنی املاک میں یہ گھوڑا سب سے

زیادہ محبوب ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا۔ لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ کو دے دیا، حضرت زید اس پر کچھ دلگیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر واپس آ گیا تو آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول فرمالیا۔ (مظهری بحواله ابن جرير، معارف)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ خیرات بھی ہو خواہ فرض خواہ نفل ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہی ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو اور بے کار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔

فالتو اور حاجت سے زائد چیز بھی خرچ کرنے میں ثواب ہے:

اگرچہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خیر کامل اور ثواب عظیم اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز کو راہ خدا میں صرف کریں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد اور فالتو مال خرچ کرنے میں کوئی اجر و ثواب ہی نہیں ہے بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے "وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ" اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ خیر کامل اور صف ابرار میں داخلہ محبوب چیز کے خرچ کرنے پر موقوف ہے لیکن مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو ہاں جو چیز مکروہ اور ممنوع ہے وہ یہ کہ کوئی شخص راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرے کہ جب خرچ کرے فالتو اور ناکارہ چیز کا انتخاب کرے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ. اہل کتاب سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ چل رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک بحث اس آیت میں بھی ہے۔ یہود نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ بتاؤ اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کی تھی؟ (قد اخرج الترمذی وحسنه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت یعقوب دیہات میں رہتے تھے ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا تھا تو احتیاط کے طور پر اونٹ کے گوشت اور دودھ کا استعمال موقوف کر دیا تھا، یہود نے کہا، صدقت آپ نے سچ فرمایا۔

روح المعانی میں بروایت واقدی کلبی سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنا ملت ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حرام تھا آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں تھا بلکہ حلال تھا، یہود نے کہا جتنی چیزیں ہم حرام سمجھتے ہیں یہ سب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام و حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے حرام چلی آ رہی ہیں تو اللہ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جس میں یہود کی تکذیب کی گئی ہے، جس میں ارشاد فرمایا کہ نزول تورات کے قبل باستثناء اونٹ کے گوشت کے جس کو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خاص وجہ سے خود اپنے لیے حرام کر لیا تھا اور وہ ان کی اولاد میں حرام چلا آیا، باقی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو عرق النساء کا درد تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اللہ اس سے شفاء عطا فرمائے تو میں اس کھانے کو جو مجھے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہوگئی اور سب سے زیادہ محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا۔ (اخرجه الحاكم وغيره بسند صحيح عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما)

ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں نذر سے تحریم بھی ہوجاتی ہو جس طرح ہمارے یہاں نذر سے وجوب ہوجاتا ہے، البتہ ہمارے یہاں تحریم کی نذر جائز نہیں ہے بلکہ اگر قسم کے طور پر نذر مانی ہو تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا واجب ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ. (الآية)

فضائل اور تاریخ تعمیر بیت اللہ:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا. (الآية)

یہ یہود کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل دیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔

مذکورہ آیت میں پوری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ (کعبہ) کے شرف اور فضیلت کا بیان ہے، اور یہ شرف اور فضیلت کئی وجہ سے ہے اول اس لیے کہ وہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے، تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے من جانب اللہ بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے عبادتخانہ مکہ میں تعمیر ہوا، اسکا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے گھروں میں سب سے پہلا گھر عبادت ہی کے لیے بنایا گیا اور وہ بیت اللہ ہے اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ تھا اور نہ دولت خانہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ، سدی، وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے قائل ہیں کہ زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلا گھر کعبہ عبادت خانہ کے طور پر تعمیر کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے گھر اور بھی بن چکے ہوں مگر عبادت خانہ کے طور پر یہ پہلا گھر بنا ہو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے۔

بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حکم ملا کہ وہ بیت اللہ بنائیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم کی تعمیل فرمائی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں۔ اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے۔

(معارف)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھی، طوفان نوح علیہ السلام میں منہدم ہوگئی، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک بار کسی حادثہ میں اس کی عمارت منہدم ہوگئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر ایک بار منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی دور میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی بذات خود شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی سرمایہ کی کمی کی وجہ سے بیت اللہ کا ایک حصہ الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں دو دروازے تھے ایک داخل ہونے کا اور دوسرا پشت کی جانب نکلنے کا۔ قریش نے صرف مشرقی دروازے کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ سطح زمین سے کافی بلند کر دیا کہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جاسکے بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جاسکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی پر بنا دوں۔ لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لیے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ اس دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفاء راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ میں ان کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کر کے ارشاد نبوی ﷺ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیا۔ مگر عبداللہ بن زبیر کی حکومت مکہ مکرمہ پر چند روزہ تھی، حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کر دیا، اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح وثنا کا ذریعہ بنا رہے اس لیے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ عبداللہ بن زبیر کا یہ فعل غلط تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا اسی حالت پر رکھنا چاہئے۔ اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح تعمیر کر دی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر چاہا کہ بیت اللہ کو پھر از سر نو حدیث رسول اکرم ﷺ کے مطابق بنا دیں۔ لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فتوی دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے یہی کام کرے گا۔ لہٰذا اب جس حالت پر ہے اسی حالت پر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تمام امت نے اس کو قبول کیا اسی وجہ سے آج تک اسی حجاج بن یوسف کا تعمیر کیا ہوا بیت اللہ باقی ہے۔ البتہ شکست و ریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان روایات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یا کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے قرآن کریم میں جہاں کعبہ کی تعمیر کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سابقہ بنیادوں پر اسی کے مطابق تعمیر فرمائی اور کعبہ کی اصل بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی۔

بائبل میں وادی بکہ کا ذکر موجود ہے:

تمام تر تحریفات کے باوجود بائبل میں بھی ایک جگہ وادی بکہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے۔ (زبور ۸۴-۶) بائبل کے قدیم مترجموں نے اپنی بے احتیاطی کی عادت کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا، صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے۔ (جلد۲ ص ۴۲۵)

اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق دے کہ یہی بے آب وادی مکہ معظمہ ہے۔ (ماجدی)

مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ یہ یا تو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای منها مقام ابراهيم، یا مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای اخذها مقام ابراهيم، اور بعض نے آیات بیّنت سے بدل بعض اور بعض نے عطف بیان قرار دیا ہے۔

ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے اسی لیے قرآن کریم نے اس کو مستقل علیحدہ طور پر بیان فرمایا۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ یہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا، اس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب آیات قدرت ہیں، جو بیت اللہ کی فضیلت ہی سے متعلق ہیں یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا۔ جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز پڑھو وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى اس وقت طواف کرنے والوں کی سہولت کے لیے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔ اور آج کل اس کو اسی جگہ ایک محفوظ مکان میں مقفل کیا ہوا ہے، طواف کے بعد دو رکعت اسی مکان کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، فی الحال یہ پتھر ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے، مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اصل میں اس خاص پتھر کا نام ہے۔ لیکن مقام ابراہیم اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے تمام مسجد حرام کو حاوی ہے، اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے اندر جس جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ مامون و محفوظ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص بیت اللہ (حرم) میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی اس جگہ سزا نہ دی جائے بلکہ اس کو حرم سے باہر نکلنے پر مختلف طریقوں سے مجبور کیا جائے باہر آنے پر سزا دی جائے، جاہلیت کے تاریک دور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دشمن ایک دوسرے کو وہاں دیکھتے تھے اور ایک دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ فتح مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لیے حرم میں

قتال کی اجازت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی پھر اس کی حرمت لوٹا دی گئی۔

حج فرض ہونے کے شرائط:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا یہ بیت اللہ کی تیسری خصوصیت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت اور استطاعت رکھتے ہوں، استطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ ضروت اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آمد و رفت اور وہاں قیام کا خرچ برداشت کرسکے اور اپنی واپسی تک اپنے ان اہل وعیال کا بھی انتظام کرسکے کہ جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔

اسی طرح عورت کے لیے چونکہ بغیر محرم کے سفر ممنوع ہے اس لیے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو خواہ محرم اپنے مال سے حج کر رہا ہو یا عورت اس کا خرچ برداشت کرے، اسی طرح راستوں کا مامون ہونا بھی استطاعت میں داخل ہے، اگر راستہ میں بدامنی ہو جان ومال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔

قُلْ يٰأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ سابق میں اہل کتاب کے عقائد فاسدہ کا بیان چل رہا تھا۔ درمیان میں حج کا ذکر آگیا، اب پھر سابق عنوان کی طرف عود کیا اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب ہے اور اس کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

ابن اسحٰق نے اور زید بن اسلم سے ایک جماعت نے بیان کیا کہ ایک یہودی جس کا نام شاس بن قیس تھا جو اسلام اور مسلمانوں سے نہایت بغض اور کینہ رکھتا تھا ایک روز اس کا گزر ایک مجلس پر ہوا جس میں انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے شاس نے جب ان کی محبت اور الفت کو دیکھا تو حسد کی آگ سے جل بھن گیا، زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں شدید عداوت اور دشمنی رہتی تھی جنگ بعاث جو عرب کی مشہور لڑائی ہوئی ہے وہ انہی دونوں قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی اور اس جنگ میں کامیابی اوس کو حاصل ہوئی تھی شاس بن قیس کو اوس اور خزرج کی محبت اور یگانگت ایک آنکھ نہ بھائی اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ان کے درمیان جنگ بعاث کا ذکر چھیڑا جائے اور اس موقع پر جو اشعار دونوں طرف سے اپنی اپنی مدح اور ثانی فریق کی ہجو میں پڑھے گئے تھے ان کو پڑھا جائے، چنانچہ ایک یہودی نوجوان جو اس کے ساتھ تھا اس سے کہا تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا پھر ان میں جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر جو اشعار پڑھے گئے تھے وہ پڑھے، ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ ایک آگ سی بھڑک اٹھی، اور تو تو میں میں سے بات بڑھ کر ہاتھا پائی اور پھر لاٹھی ڈنڈوں تک نوبت پہنچ گئی، حتیٰ کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک شخص میدان میں مبارزت کرتے ہوئے اتر پڑے، اوس بن قیظی بنی حارثہ کا ایک نوجوان اوس کی جانب سے اور جبار بن صخر بنی سلمہ کا ایک نوجوان خزرج کی جانب سے، دونوں

قبیلوں کے دیگر افراد بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ لڑائی کا وقت اور محل طے ہو گیا، آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا: کیا اندھیر ہے میرے رہتے ہوئے، اور مسلمان ہونے اور آپس میں میل ملاپ اور محبت کے بعد یہ کیا جہالت ہے کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو، تب سب متنبہ ہوئے اور سمجھ گئے یہ سب شیطانی حرکت تھی۔ آپس میں ایک دوسرے کو گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی اسی واقعہ میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ بان يُطاع فلا يُعصى ويُشكر فلا يُكفر ويُذكر فلا يُنسى فقالوا يا رسول الله ومن يقوى على ہذا فنُسخ بقوله فاتقوا الله ما استطعتم **وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** مُوحِّدون **وَاعْتَصِمُوْا** تمسّكوا **بِحَبْلِ اللّٰهِ** اى دينه **جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** بعد الاسلام **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** انعامه **عَلَيْكُمْ** يا معشر الأوس والخزرج **اِذْ كُنْتُمْ** قبل الاسلام **اَعْدَآءً فَاَلَّفَ** جمع **بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ** بالاسلام **فَاَصْبَحْتُمْ** فصرتم **بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** فى الدين والولاية **وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا** طرف **حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** ليس بينكم وبين الوقوع فيها الا ان تموتوا كفارا **فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** بالايمان **كَذٰلِكَ** كما بيّن لكم ما ذكر **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** الاسلام **وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ** الداعون الآمرون الناہون **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** الفائزون ومن للتبعيض لانّ ما ذُكر فرض كفاية لا يلزم كلّ الامة ولا يليق بكل احد كالجاہل وقيل زائدة اى لتكونوا امة **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا** عن دينهم **وَاخْتَلَفُوْا** فيه **مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** وہم اليہود والنصارى **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** **يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** اى يوم القيامة **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وہم الكافرون فيلقون فى النار ويقال لهم توبيخا **اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** يوم اخذ الميثاق **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** **وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وہم المؤمنون **فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ** اى جنته **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** **تِلْكَ** اى ہذه الآيات **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ** يا محمد **بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ** بان يأخذہم بغير جرم **وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ** ملكا وخلقا وعبيدا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ** تصير **الْاُمُوْرُ**

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اور اس کو یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کس کو قدرت ہے۔ تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم سے منسوخ کر دیا۔ اور تم جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم موحد ہو اور اللہ کی رسی یعنی اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور اسلام

کے بعد باہم نا اتفاقی نہ کرو اور اے اَوس اور خزرج کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے قلوب میں اسلام کی وجہ سے الفت ڈالدی تو تم اس کے انعام کی بدولت دین میں اور نصرت میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے اور تمہارے دوزخ میں گرنے میں صرف اتنی دیر تھی کہ تم کفر کی حالت میں مرو تو تم کو دوزخ سے ایمان کے ذریعہ بچالیا اسی طرح جیسا کہ تمہارے لیے مذکورہ احکام بیان کیے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو خیر یعنی اسلام کی دعوت دیا کرے اور نیک کام کا حکم کیا کرے اور برائی سے روکا کرے یہی دعوت دینے والے حکم کرنے والے (برائی) سے روکنے والے لوگ کامیاب ہیں اور (مِنْكُمْ) میں مِنْ تبعیضیہ ہے اس لیے کہ مذکورہ حکم فرض کفایہ ہے امت کے ہر فرد پر لازم نہیں ہے اور نہ ہر شخص کے لائق ہے جیسا کہ مثلاً جاہل کے۔ اور کہا گیا ہے کہ مِنْ، زائدہ ہے یعنی تاکہ تم ایک امت ہو جاؤ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا کہ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد پہنچ چکے اپنے دین میں تفریق کر لی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں انہیں کو عذابِ عظیم ہونا ہے روز قیامت کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور وہ کافر ہوں گے تو ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور بطور توبیخ ان سے کہا جائے گا کیا تم ہی نے کفر کیا؟ یوم اَلَست میں ایمان لانے کے بعد سو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور وہ مومن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت جنت میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو اے محمد ہم تم کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا کہ بغیر جرم کے ان سے مواخذہ کرے۔ اور ملک اور خلق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ ہی کیلئے ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہ: بانْ یُطَاعَ فَلَا یُعْصٰی (الخ) یہ کما حقہ تقویٰ کا بیان اور اس کی صورت کی وضاحت ہے۔

قِوْلُہ: مُوَحِّدُوْنَ.

سُوَال: مُسْلِمُوْنَ، کی تفسیر مُوَحِّدُوْنَ، سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: مرتے وقت چونکہ سوائے توحید کے جو قلبی ارادہ کا نام ہے دوسری کوئی عملی نیکی نہیں ہو سکتی مثلاً نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نہ روزہ رکھا جا سکتا ہے اور نہ حج کیا جا سکتا ہے علی ہذا القیاس اسی مصلحت و حکمت کے پیش نظر مُسْلِمُوْنَ کی تفسیر مُوَحِّدُوْنَ سے کی ہے عمل توحید آخر وقت میں بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلُہ: اِعْتَصِمُوْا، اعتصام سے ہے جمع مذکر حاضر، تم مضبوط پکڑلو۔

قَوْلُہٗ: الاوس والخزرج حارثہ یا ثعلبہ کے بیٹے دونوں حقیقی بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا۔ یہ دراصل یمن کے ایک شہر مآرب کے باشندے تھے جو کہ ایک بہت سرسبز و شاداب علاقہ تھا جو یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع تھا مشہور سد مآرب یہیں واقع تھا، جس کی وجہ سے اہل مآرب بڑی خوش حالی وفراخی کی زندگی گزارتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے نتیجے میں اسی بند (ڈیم) کے ذریعہ ان کو اوران کی معیشت کو تباہ کردیا۔ اس بند کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ اطراف میں منتشر ہوگئے ان میں سے کچھ مدینہ آکر آباد ہوگئے اور کچھ شام وغیرہ کی طرف نکل گئے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل پیش آیا۔

قَوْلُہٗ: یوم اخذ المیثاق، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہود ونصاریٰ کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے "کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اول ایمان لائے اس کے بعد وہ کافر ہوئے، حالانکہ وہ سرے سے ایمان نہیں لائے تھے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایمان سے مراد یوم میثاق کا ایمان ہے جو کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے جواب میں بلیٰ کہہ کر لائے تھے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

اَللُّغَۃُ وَالبَلَاغَۃُ

قَوْلُہٗ: شَفَا، گڑھے کا کنارہ، اس میں تذکیر وتانیث مساوی ہیں، شَفَا دراصل مذکر ہے مگر آیت میں اس کی طرف مونث کی ضمیر لوٹ رہی ہے اس لیے کہ اس نے اپنے مضاف الیہ حفرۃ سے تانیث کا اکتساب کرلیا ہے، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

استعارۃ تمثیلیہ. وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ، میں استعارہ تمثیلیہ ہے، دین یا قرآن کو مضبوط رسی سے تشبیہ دی ہے، جس طرح انسان مضبوط رسی کو تھامنے کے بعد گرنے سے مامون ومحفوظ رہتا ہے، اسی طرح دین صحیح اور قرآن کو تھامنے سے اخروی ہلاکت سے محفوظ ومامون رہتا ہے۔

اور رسی کو پکڑنے سے مراد ہے قرآن اور دین پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، یہ استعارہ ترشیحیہ ہے، اس لیے کہ استعارہ ترشیحیہ مشبہ بہ کے لیے اس کے مناسب کو ثابت کرنے کو کہتے ہیں، رسی کے لیے مناسب ہے کہ اس کو تھاما جائے اسی طرح قرآن کے لیے مناسب ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔

صنعتِ طباق، اَعْداء ا واخوانًا، میں صنعتِ طباق ہے اور اسی کو صنعت مقابلہ بھی کہتے ہیں۔

یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ، اس میں بھی صنعت طباق ہے امر اور نہی مقابل ہیں اسی طرح المعروف والمنکر مقابل ہیں۔ (اعراب القرآن)

استعارہ مکنیہ تبعیہ " فَذُوْقُوا الْعَذَابَ" اس میں عذاب کو کسی کڑوی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے عذاب مشبہ ہے اور تلخ چیز مشبہ بہ ہے یہ استعارہ مکنیہ ہوا اور مشبہ بہ کے لازم "ذوق" کو باقی رکھا یہ استعارہ تبعیہ کے طور پر ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام وفرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔

سعید بن جبیر سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پریشان ہوئے اور اس پر عمل کرنا دشوار معلوم ہوا، حتیٰ کہ ان کے پیر ورم کر گئے اور پیشانیاں زخمی ہوگئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کرتے ہوئے "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" نازل فرمائی۔ جس سے حق تقاتہ، منسوخ ہوگئی۔ لیکن اگر اسے ناسخ کے بجائے مبین (وضاحت کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ نسخ وہیں ماننا چاہئے کہ جہاں دونوں آیتوں میں جمع وتطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں تطبیق ممکن ہے، معنی یہ ہوں گے "اتقوا اللّٰه حق تقاتہ ما استطعتم" اللہ سے اس طرح ڈرو کہ جس طرح اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر)

حَقَّ تُقَاتِهٖ کیا ہے؟

اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ ﷺ سے بھی منقول ہے، حَقَّ تُقَاتِهٖ هُوَ اَنْ یُّطَاعَ فَلَا یُعْصٰی وَیُذْکَرَ فَلَا یُنْسٰی وَیُشْکَرَ وَلَا یُکْفَرَ. حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے کبھی فراموش نہ کیا جائے اور ہمیشہ اس کا شکر ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

حضرت ابن عباس اور طاؤس نے فرمایا کہ درحقیقت حق تقاتہ کی ہی تفسیر وتشریح ہے اتقوا اللّٰه ما استطعتم او. مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کردے تو حق تقویٰ ادا ہوگیا، اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو ہی گیا ہے تو وہ حقوق تقویٰ کے خلاف نہیں۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، یعنی مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ، اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے

جوایک اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے، اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اس کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں، جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی دلچسپیاں جزئیات اور فروع کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً تفرقہ واختلاف رونما ہوجائے گا۔ قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی توضیح وتعبیر میں اختلاف۔ یہ فرقہ بندی نہیں یہ اختلاف تو صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا کیوں کہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جمیعًا. اتحاد واتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود ومطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسانوں کا اتفاق ہے خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ کے ہوں، کسی مذہب ومشرب سے تعلق رکھتے ہوں، اس میں دو رائیں ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (الآیة) یہ اشارہ اس حالت کی طرف ہے جس میں اسلام سے پہلے عرب مبتلا تھے. قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب وروز کے کشت وخون جس کی وجہ سے قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست ونابود ہوجائے۔ زمانۂ جاہلیت کی جولڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ ہوگئی ہیں ان کی تعداد (۱۷۰۰) ہے اس جنگ وجدال کی آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے، کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے باہم مل کر شیر وشکر ہوچکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار ومحبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

فرنگی مصنفین کا اعتراف:

اپنی نوعیت کے انقلاب عظیم کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوتیں جو ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھیں اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص بھی بے نظیر رہا، جہاں مکی مکی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر وشکر کردیا کہ دونوں واقعی بھائی بھائی معلوم ہونے لگے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (الآیة) سابقہ آیت میں ہر فرد کو ایک خاص انداز سے اپنی اصلاح کرنے کی ہدایت دی گئی کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں (اسلام) سے مربوط ہوجائے۔ مذکورہ دو آیتوں میں ہدایت دی جارہی ہے کہ صرف اپنے اعمال وافعال کی اصلاح پر بس نہ کریں بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی فکر بھی ساتھ ساتھ رکھیں اسی صورت سے پوری قوم کی اصلاح بھی ہوگی اور ربط واتحاد کو بقاء وقیام بھی ہوگا۔

مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی فلاح دو چیزوں پر موقوف ہے:

پہلے تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور دوسرے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کی فکر۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ، میں اسی دوسری ہدایت کا بیان ہے۔ سورۂ (والعصر) کی آیت (اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

قومی اجتماعی زندگی کے لیے جس طرح حبل متین اور اس کا اعتصام ضروری ہے اسی طرح اس رشتہ کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے بھائیوں کو احکام قرآن و سنت کے مطابق اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کو ہر شخص اپنا فریضہ سمجھے تاکہ یہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رسّی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں البتہ چھوٹ سکتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اس رسّی کے چھوٹنے کے خطرہ کے پیش نظر یہ ہدایت جاری فرمائی کہ ہر مسلمان جس طرح خود نیک عمل کرنے کو اور گناہ سے بچنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اس کو بھی ضروری سمجھے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک عمل کی ہدایت اور برے عمل سے روکنے کی کوشش کرتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب مل کر مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسی کو تھامے رہیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کسی نہ کسی درجہ میں چھوٹے پیمانہ پر تو ہر فرد امت پر فرض ہے، لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہونی چاہئے کہ مخلوق کو دعوت خیر دے اور برے کاموں سے روکے، کام کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امت کا ہر فرد دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کی پوری پوری ذمہ داری ادا کرے مگر اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت اور ضعف بشری کی رعایت کرتے ہوئے تمام مخلوق کے بجائے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ایک مخصوص جماعت مقرر فرما دی اور یہ اس لیے کیا کہ جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب کہ بہت سوں کے لیے دشوار ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا (الآیة) اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف اور تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا اور اس کے دلائل سے بے خبر تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ اختیار کی تھی، قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے میں اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

سیاہ چہرے والے اور سفید چہرے والے کون ہوں گے؟

ان کی تعیین میں مفسرین کے مختلف اقوال مذکور ہیں، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کے چہرے

سفید ہوں گے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (قرطبی)

امام ترمذی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے اور سفید چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جن کو وہ قتل کریں گے۔ جب حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے تو حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے شمار کرکے بتایا کہ اگر میں نے یہ حدیث سات مرتبہ نہ سنی ہوتی تو میں بیان نہ کرتا۔ (ترمذی)

كُنْتُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ فِي عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ اُظْهِرَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ الْاِيْمَانُ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ الْكَافِرُوْنَ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اَيِ الْيَهُوْدُ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِشَيْءٍ اِلَّآ اَذًى ؕ بِاللِّسَانِ مِنْ سَبٍّ وَوَعِيْدٍ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ مُنْهَزِمِيْنَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ عَلَيْكُمْ بَلْ لَكُمُ النَّصْرُ عَلَيْهِمْ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا حَيْثُمَا وُجِدُوْا فَلَا عِزَّ لَهُمْ وَلَا اعْتِصَامَ اِلَّا كَائِنِيْنَ بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ عَهْدُهُمْ اِلَيْهِمْ بِالْاَمَانِ عَلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ اَيْ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ وَبَآءُوْ رَجَعُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اَيْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا اَمْرَ اللّٰهِ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ لَيْسُوْا اَيْ اَهْلُ الْكِتٰبِ سَوَآءً ؕ مُسْتَوِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ مُسْتَقِيْمَةٌ ثَابِتَةٌ عَلَى الْحَقِّ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ اَيْ فِيْ سَاعَاتِهٖ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُصَلُّوْنَ حَالٌ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ لَيْسُوْا كَذٰلِكَ وَلَيْسُوْا مِنَ الصَّالِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا بِالتَّاءِ اَيُّهَا الْاُمَّةُ وَبِالْيَاءِ اَيِ الْقَائِمَةُ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ بِالْوَجْهَيْنِ اَيْ تُعْدَمُوْا ثَوَابَهٗ بَلْ تُجَازَوْنَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ تَدْفَعَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَيْ عَذَابِهٖ شَيْئًا ؕ وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهٖ تَارَةً بِفِدَاءِ الْمَالِ وَتَارَةً بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْاَوْلَادِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ صِفَةُ مَا يُنْفِقُوْنَ اَيِ الْكُفَّارُ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِيْ عَدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهٖ كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ حَرٌّ اَوْ بَرْدٌ شَدِيْدٌ اَصَابَتْ حَرْثَ زَرْعَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِهٖ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ ذَاهِبَةٌ لَا يَنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِضَيَاعِ نَفَقَاتِهِمْ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ بِالْكُفْرِ الْمُوْجِبِ لِضَيَاعِهَا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً اصفياء تطلعونهم على سركم مِّنْ دُوْنِكُمْ اى غيركم من اليهود والمنافقين لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا نصب بنزع الخافض اى لا يقصرون لكم جهدهم فى الفساد وَدُّوْا تمنوا مَا عَنِتُّمْ اى عنتكم وهو شدة الضرر قَدْ بَدَتِ ظهرت الْبَغْضَآءُ العداوة لكم مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بالوقيعة فيكم واطلاع المشركين على سركم وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ من العداوة اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ على عداوتهم اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ذلك فلا تو الوهم هٰٓاَ للتنبيه اَنْتُمْ يا اُولَآءِ المؤمنين تُحِبُّوْنَهُمْ لقرابتهم منكم وصداقتهم وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ لمخالفتكم لهم فى الدين وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ اى بالكتب كلها ولا يؤمنون بكتابكم وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ اطراف الاصابع مِنَ الْغَيْظِ شدة الغضب لما يرون من ايتلا فكم ويعبر عن شدة الغضب بعض الانامل مجازا وان لم يكن ثم عض قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اى ابقوا عليه الى الموت فلن تروا ما يسركم اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ بما فى القلوب ومنه ما يضمره هؤلاء اِنْ تَمْسَسْكُمْ تصبكم حَسَنَةٌ نعمة كنصر وغنيمة تَسُؤْهُمْ تحزنهم وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ كهزيمة وجدب يَّفْرَحُوْا بِهَا وجملة الشرطية متصلة بالشرط قبل وما بينهما اعتراض والمعنى انهم متناهون فى عداوتكم فلم توالونهم فاجتنبوهم وَاِنْ تَصْبِرُوْا على اذاهم وَتَتَّقُوْا اللّٰه فى موالاتهم و غيرها لَا يَضُرُّكُمْ بكسر الضاد وسكون الراء وضمها وتشديدها كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بالياء والتاء مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ عالم فيجازيهم به.

ترجمہ: اے امت محمد ﷺ تم اللہ کے علم میں بہترین جماعت ہو جن کو لوگوں کے لیے نکالا گیا تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لے آتے تو ایمان لانا ان کے حق میں خوب ہوتا ان میں سے کچھ تو مومن ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ مگر اکثر ان میں سے نافرمان (یعنی کافر) ہیں۔ اے مسلمانو! یہ یہود زبانی گالی گلوچ اور دھمکی کی خفیف سی اذیت کے سوا تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر شکست خوردہ ہو کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو تمہارے خلاف مدد بھی نہ پہنچ سکے گی بلکہ تم کو ان کے خلاف مدد پہنچے گی۔ ان پر ذلت مسلط کردی گئی ہے خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں۔ ان کو عزت واستحکام حاصل نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں مسلمانوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں امن کا معاہدہ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت کے علاوہ ان کو تحفظ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے اور ان پر خواری ڈالدی گئی۔ یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہوجایا کرتے تھے اور نبیوں کو بلاوجہ قتل کرڈالتے تھے۔ اور یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے تھے سب اہل کتاب یکساں نہیں، ان ہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو راہ راست پر قائم

ہے اور حق پر ثابت قدم ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو شب کے اوقات میں بحالت نماز پڑھتے ہیں، یہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ یہ (یعنی) مذکورہ اوصاف کے حاملین ہی نیک لوگوں میں سے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان صفات کے حامل نہیں ہیں اور نہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم یا وہ یعنی امت قائمہ نیکی کرو گے اس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی دونوں صورتوں میں بایں طور کہ اس کے ثواب سے محروم کر دیئے جائیں بلکہ ان کو اس کا صلہ دیا جائے گا اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز ان سے اللہ کے عذاب کو ذرا بھی ان کے مال اور ان کی اولاد دفع نہ کرسکیں گے اور ان دونوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا کہ انسان کبھی اپنی ذات کا دفاع مال دے کر کرتا ہے اور کبھی اولاد سے مدد طلب کر کے (کرتا ہے)۔ یہی لوگ تو دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور یہ کفار اس دنیوی زندگی میں نبی ﷺ کی عداوت میں صدقہ وغیرہ کے طور پر جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں شدید سردی یا شدید گرمی ہو کسی قوم کی فصل کو لگ جائے جنہوں نے کفر و معصیت کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا ہو پھر وہ ہوا اس کھیتی کو برباد کر دے کہ جس سے وہ مستفید نہ ہو سکیں اسی طرح ان کے صدقات ہیں کہ ان کو ان صدقات سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کے صدقات کو ضائع کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے کفر کے ذریعہ جو کہ نفقات کی بربادی کا سبب ہے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اے ایمان والو! تم اپنوں کے علاوہ یہود و منافقین میں سے کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ کہ وہ تمہارے رازوں سے واقف ہو جائیں وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، خَبَالًا، حذفِ جار کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اور تم کو تکلیف پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ یعنی تمہارے دکھ کی اور وہ شدید نقصان ہے۔ اور تمہاری دشمنی تو ان کی زبان سے تمہاری غیبت کر کے اور مشرکوں کو تمہارے راز کی اطلاع کر کے ظاہر ہو چکی ہے اور جو عداوت وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ تو اور بھی بڑی ہے ہم تو تمہارے ساتھ ان کی عداوت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں اگر تم اس بات کو سمجھو گے تو ان کے ساتھ گہری دوستی نہ کرو گے، اے مومنو! تم تو ایسے ہو کہ ''ھا'' تنبیہ کے لیے ہے۔ ان کی تم سے رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے ان سے محبت رکھتے ہو۔ اور وہ دین میں تمہارے ساتھ مخالفت کی وجہ سے تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر شدید غیظ سے انگلیاں (یعنی پوروے) کاٹ کاٹ کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ تمہاری باہمی الفت کو دیکھتے ہیں، اور شدتِ غضب کو عضِّ انامل سے مجازاً تعبیر کیا ہے اگرچہ اس موقع پر (حقیقت) میں انگلیاں کاٹنا نہ ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم غصہ میں مر جاؤ۔ یعنی تم تا مرگ غصہ میں مبتلا رہو، اور تم ہرگز خوش کن چیز نہ دیکھو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور انہی باتوں میں سے وہ باتیں بھی ہیں جن کو یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں، اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے مثلاً نصرت اور غنیمت تو ان کو یہ بات غمزدہ کرتی ہے۔ اور اگر تم

پر کوئی بری حالت پڑتی ہے مثلاً شکست اور قحط سالی تو اس سے یہ خوش ہوتے ہیں اور جملہ شرطیہ (اِنْ تَمْسَسْكُمْ الخ) ماقبل شرط (وَاِذَا لَقُوْكُمْ الخ) سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (اور وہ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ الخ) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر تم ان سے (گہری) دوستی کیوں کرتے ہو؟ تم کو تو ان سے محتاط رہنا چاہئے۔ اور اگر تم ان کی ایذا رسانی پر صبر و تقویٰ اختیار کیے رہو اور ان سے دوستی وغیرہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی (لا يَضِرْكم) ضاد کے کسرہ اور راء کے سکون اور ضاد کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ (بھی قراءت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا پورا علمی احاطہ کیے ہوئے ہے (يعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے۔ لہٰذا وہ تم کو (اور) ان کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ. اُمَّة. کا لفظ چونکہ عام ہے لہٰذا اصحابہ اور غیر صحابہ سب کو شامل ہے۔

قِوْلُهُ: فى علم الله تعالىٰ.

سَوَال: فى علم الله، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: 'كنتم' ماضی کا صیغہ ایسے حدوث پر دلالت کرتا ہے جو مسبوق بالعدم اور منقطع بطریان العدم ہو اس لیے فی علم اللہ کے لفظ کا اضافہ کر دیا تا کہ مذکورہ شبہ دور ہو جائے اس لیے کہ اللہ کے علم کو نہ عدم سابق صحیح ہے اور نہ عدم لاحق۔

قِوْلُهُ: كائنين، یہ لفظ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ بحبل من الله حال ہے۔

قِوْلُهُ: لَاعَصْمَةَ لَهُمْ غير ذلك. اس میں مستثنیٰ منہ محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلُهُ: باءو، بَوْءٌ، سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے۔

قِوْلُهُ: يُصَلّوْن، حالٌ يسجدون کی تفسیر يصلون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ يسجدون بمعنی يصلون ہے اس لیے کہ سجدہ میں تلاوت نہیں ہوتی اور هم مقدر مان کر حال ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اوجز اور مختصر یہ تھا کہ وَيَسْجدون کہتے۔

قِوْلُهُ: بطانة. استر۔ بدن سے لگا ہوا کپڑا۔ یہ جگری دوست سے کنایہ ہے۔ جاء فى الحديث. الانصار شعار والناس دِثار. الشعار ثوبٌ على الجسدِ والدِثار فوقهٗ.

قِوْلُهُ: الوقيعه جمع وقائع، فتنہ، غیبت۔

قِوْلُهُ: ذلك اس میں اشارہ ہے کہ تفعلون کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلُهُ: فلا تُوَالُوْهُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: وجملة الشرط متصلة بالشرط قبلُ. مطلب یہ ہے کہ شرط اور جملہ شرطیہ کے درمیان فصل بالاجنبی نہیں ہے اس لیے کہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کا درمیان میں آنا عام بات ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

صنعتِ طباق (مقابلہ) مذکورہ آیت میں متعدد طباق ہیں (تَـأمُرُوْنَ، تَنْهَوْنَ) (المعروف والمنكر) (المؤمنون والفسقون).

استعاره تصريحيه:

لاتتخذوا بِطَانة مِن دُوْنِكم۔ اس میں استعارہ تصریحیہ ہے بِطَانَةٌ کے اصل معنی استر، وہ کپڑا جو اندر کی جانب لگایا جاتا ہے۔ یہاں بطانة سے جگری دوست، رازدار کے معنی مراد ہیں، جگری دوست کو بطانة سے تشبیہ دی ہے۔

استعاره تمثيليه:

وَإِذَاخَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ.
دشمن کی حالت غیظ وغضب کو نادم ومتحیر کی انگشت بدنداں کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔
خَبَالًا: الخَبَال بفتح الخاء، الفساد يقال خَبلَهُ وَخَبَّلَهُ بالتخفيف والتشديد خبَّلَهُ الشَّيطان، شیطان نے اس کو باؤلا، مجنون بنادیا۔
عَنِتُّمْ: العَنَت بفتح العين والنون. شدة الضرر والمشقة.

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (الآية) اس آیت میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے، اور اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے جو ایمان باللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، مطلب یہ کہ اگر یہ امت، دعوت کی ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو یہ خیر امت کے لقب کی مستحق ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت معلوم ہوتی ہے یعنی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے گا وہ اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، اہل کتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا "كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ" وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔

امر بالمعروف فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

اکثر علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے یعنی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیوں کہ معروف اور منکر شرعی کا صحیح علم علماء ہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضہ تبلیغ ودعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک جماعت کی طرف سے اس فرض کی ادائیگی امت کی جانب سے ادائیگی ہو جائے گی۔

یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کے سترہویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے، آپ ﷺ کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں امامت ورہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل کو ان کی نا اہلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ اس پر اب تم فائز کیے گئے ہو، اس لیے اخلاق واعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر جماعت بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ لہٰذا اب یہ کام تمہارے سپرد ہے اور تمہارے اوپر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ (الآية) بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی وذلت، ان کی جانوں اور مالوں اور ان کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہودی یہ ذلت اور پست حالی زمانہ نزول قرآن تک رہی بلکہ اس کے بعد بھی صدہا سال اسی طرح قائم رہی، چنانچہ بیسویں صدی کے ثلث اول تک یہودی جو کہ جرمنی میں ہنگری میں، اٹلی میں، زیکوسلواکیہ میں اور دیگر ملکوں میں باوجود ان کی خوشحالی اور زرداری کے بن چکی ہے وہ بجائے خود اس آیت کی تفسیر ہے اس کی مفصل تشریح سورۂ بقرہ کے رکوع ۶ میں گزر چکی ہے قند مکرر کے طور پر یہاں اتنا عرض ہے کہ اگر دنیا میں کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب ہوا بھی ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر نہیں ہوا، بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا نتیجہ ہے قرآن کا فیصلہ ہے کہ یہود پر ذلت وخواری لکھی رہے گی مگر دو صورتوں میں وہ اس ذلت سے بچ سکتے ہیں ایک اللہ کا عہد مثلاً نابالغ بچہ یا عورت یا گوشہ نشین راہب ہونے کی بنا پر بحکم خداوندی وہ قتل وغیرہ سے مامون ہیں، دوسرے بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ لوگوں سے معاہدۂ صلح کی بنا پر ان کی ذلت وخواری کا ظہور نہ ہو اس جگہ قرآن کے الفاظ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ جو مومن اور کافر سب کو شامل ہیں اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معاہدۂ صلح کر کے بے فکر ہو جائیں، جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت حال ہے جو کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت امریکہ وبرطانیہ وغیرہ کی ایک مشترکہ چھاؤنی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں اس کی جو قوت نظر آتی ہے وہ سب دوسروں کے بل بوتے پر ہے، اگر امریکہ برطانیہ، روس وغیرہ آج اس سے دست بردار ہو جائیں تو ایک دن بھی اسکا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. یہ ان کے کرتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

لَیْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ (الآیۃ) یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں کہ جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اسد بن عبیداللہ، ثعلبہ بن سعید، اُسید بن سعید وغیرہ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (الآیۃ) ایک عام فہم اور ظاہر مثال سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے نہ کچھ مال کام آئے گا اور نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور ظاہری بھلائی کے کاموں پر جو خرچ کرتے ہیں وہ بھی بے کار ہو جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس مثال میں کھیتی سے مراد کشتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ (الدنیا مزرعة الآخرة).

''ہوا'' سے مراد اوپری جذبۂ خیر ہے جس کی بنا پر کفار رفاہِ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں، اور ''پالے'' سے مراد صحیح ایمان اور ضابطۂ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اس کی پوری زندگی غلط رخ پر پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتیوں کی پرورش اور نشوونما کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کی کشتِ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اس کے اندر کفر وریا و نمود کا زہر ملا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے الٹی مہلک بن جاتی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ (الآیۃ) اے ایمان والو! مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ۔

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے لوگوں کے قدیم تعلقات تھے انفرادی طور پر بھی بعض کے بعض سے ذاتی تعلقات تھے اور اجتماعی بھی، جب اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی اوس اور خزرج کے تعلقات کو نبھاتے رہے لیکن یہودیوں کو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی اس کی بناء پر انہوں نے انصار کے ساتھ تو بظاہر وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے۔ اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کر دیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں، اللہ یہاں ان کی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں اور ایک نہایت ہی اہم ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ یعنی ایمان والو! اپنے یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ۔

اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اپنا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی ملت وحکومت کے راز کھول دو، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع کر دی

اور ابھی رسول اللہ ﷺ کو چند صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا۔ امام قرطبی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے حسرت، قلق اور درد کے لہجے میں لکھتے ہیں۔

وقد انقلبت الاحوال فی هذه الازمان باتخاذ اهل الكتاب كتبة وامناء وتسودوا بذلك عند الجهلة الاغنياء من الولاة والامراء. (قرطبی)

یہ حال اس زمانہ کا تھا، تو آج پندرہویں صدی ہجری میں جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں منکروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **تُبَوِّئُ** تُنْزِلُ **الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ** مَرَاكِزَ يَقِفُوْنَ فِيْهَا **لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۲۱﴾ بِاَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْمُ اُحُدٍ خَرَجَ صلى الله عليه وسلم بِاَلْفٍ اَوْ اِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَةُ اٰلَافٍ وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعَ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَ جَعَلَ ظَهْرَهُ وَعَسْكَرَهُ اِلَى اُحُدٍ وَ سَوّٰى صُفُوْفَهُمْ وَ اَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاةِ وَ اَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَ قَالَ انْضَحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَاْتُوْنَا مِنْ وَرَائِنَا وَ لَا تَبْرَحُوْا، غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ **هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ** بَنُوْ سَلَمَةَ وَبَنُوْ حَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ **اَنْ تَفْشَلَا** تَجْبُنَا عَنِ الْقِتَالِ وَ تَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ الْمُنَافِقُ وَ اَصْحَابُهُ وَ قَالَ عَلَامَ نَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَ قَالَ لِاَبِيْ جَابِرٍ السَّلَمِيِّ الْقَائِلِ لَهُ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ فِيْ نَبِيِّكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَنْصَرِفَا **وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا** نَاصِرُهُمَا **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ لِيَثِقُوْا بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ** مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ **وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَ السِّلَاحِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ نِعَمَهُ **اِذْ** ظَرْفٌ لِنَصَرَكُمْ **تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ** تَوْعِدُهُمْ تَطْمِيْنًا لِقُلُوْبِهِمْ **اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ** يُعِيْنَكُمْ **رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ** ﴿۱۲۴﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **بَلٰٓى** يَكْفِيْكُمْ ذٰلِكَ وَ فِي الْاَنْفَالِ بِاَلْفٍ لِاَنَّهُ اَمَدَّهُمْ اَوَّلًا بِهَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةً ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةً كَمَا قَالَ تَعَالٰى **اِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى لِقَاءِ الْعَدُوِّ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِي الْمُخَالَفَةِ **وَيَاْتُوْكُمْ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **مِّنْ فَوْرِهِمْ** وَقْتِهِمْ **هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ** ﴿۱۲۵﴾ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَ فَتْحِهَا اَيْ مُعَلَّمِيْنَ وَقَدْ صَبَرُوْا وَ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ بِاَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ اَوْ بِيْضٌ اَرْسَلُوْهَا بَيْنَ اَكْتَافِهِمْ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ** اَيِ الْاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ** بِالنَّصْرِ **وَلِتَطْمَئِنَّ** تَسْكُنَ **قُلُوْبُكُمْ بِهٖ** فَلَا تَجْزَعَ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَ قِلَّتِكُمْ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** ﴿۱۲۶﴾ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَآءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ **لِيَقْطَعَ** مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمْ

ای لیہلک **طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا** بالقتل والاسر **اَوْ يَكْبِتَهُمْ** یذلہم بالھزیمۃ **فَيَنقَلِبُوا** یرجعوا **خَائِبِينَ**﴿۱۲۷﴾ لم ینالوا ما راموہ ونزل لما کسرت رباعیتہ صلی اللہ علیہ وسلم وشج وجھہ یوم أحد وقال کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیہم بالدم **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ** بل الامر للہ فاصبر **اَوْ** بمعنی الی ان **يَتُوبَ عَلَيْهِمْ** بالاسلام **اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ**﴿۱۲۸﴾ بالکفر **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** ملکا وخلقا وعبیدا **يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ** المغفرۃ لہ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ** تعذیبہ **وَاللّٰهُ غَفُورٌ** لاولیائہ **رَّحِيمٌ**﴿۱۲۹﴾ باہل طاعتہ۔

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کرو جب آپ مدینہ سے اپنے اہل کے پاس سے نکلے تھے مسلمانوں کو قتال کے مناسب مراکز پر کھڑے کرتے ہوئے اور اللہ ان کے اقوال کو بڑا سننے والا اور ان کے احوال کو بڑا جاننے والا ہے اور یہ احد کا دن تھا۔ آپ ﷺ ہزار یا پچاس کم ہزار افراد کے ساتھ نکلے تھے، اور مشرکوں کی تعداد تین ہزار تھی ۳ھ کے ماہ شوال کی ساتویں تاریخ بروز شنبہ گھاٹی میں نزول فرمایا، اور احد پہاڑ کی جانب اپنی اور لشکر کی پشت رکھی، اور آپ ﷺ نے لشکر کی صفوں کو درست فرمایا، اور تیر اندازوں کا ایک دستہ جس پر عبداللہ بن جبیر کو سالار نامزد فرمایا تھا پہاڑ کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا۔ اور فرمایا کہ تیراندازی کے ذریعہ (دشمن کو) منتشر کر کے تم ہمارا دفاع کرتے رہنا، تاکہ دشمن ہماری پشت کی جانب سے نہ آسکے، اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا خواہ ہم مغلوب ہوں یا غالب۔ جب تم میں سے دو جماعتیں، یہ اذ، سابقہ اذ، سے بدل ہے، بنوسلمہ اور بنوحارثہ جو کہ لشکر کے دو بازو تھے، یہ خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں۔ یعنی قتال سے بزدلی دکھائیں اور واپس چلی جائیں۔ جب کہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم کیوں اپنی جانوں کو اور اپنی اولادوں کو قتل کرائیں؟ اور (عبداللہ بن ابی) نے ابوحاتم سلمی سے کہا تھا کہ میں تم کو تمہاری جانوں اور تمہارے نبی کے بارے میں حفاظت کی قسم دیتا ہوں، کہا اگر ہم (اس کو) قتال سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ (یعنی یہ قتال نہیں بلاکت ہے) تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور یہ لوگ واپس نہیں ہوئے، درانحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور پر، (آئندہ آیت) اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لیے اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان شکست کھا گئے۔ اور یقینا بدر میں جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی، حالانکہ تم تعداد میں اور آلات کے اعتبار سے کم تھے۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اس کی نعمتوں کے شکر گزار بن جاؤ۔ اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ مومنین کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لیے مومنین سے وعدہ کر رہے تھے، کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل کردہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے (منزلین) میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں۔ بے شک یہ مقدار تمہارے لیے کافی ہوئی۔ اور سورۂ انفال میں ہزار کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ ابتداء ان کی مدد ایک ہزار سے فرمائی تھی، پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دشمن سے مقابلہ کے وقت صبر کرو اور اللہ کی مخالفت سے ڈرتے رہو اور مشرکین جب تمہارے اوپر اچانک

آپڑیں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار نشان زدہ (منتخب) فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ واؤ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔ یعنی آداب حرب سیکھے ہوئے (پہلی صورت میں) یا تربیت یافتہ (دوسری صورت میں) اور ان لوگوں نے صبر کیا، اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ بایں طور کہ فرشتوں نے ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرکوں سے قتال کیا جو کہ زرد یا سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ اور ان کے شملے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ اور یہ مدد تو اللہ نے اس لیے کی تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور تاکہ تمہارے قلوب اس سے مطمئن ہو جائیں اور تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے نہ گھبراؤ۔ اور نصرت تو بس زبردست اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ لشکر کی کثرت پر موقوف نہیں ہے۔ (اور یہ نصرت اس لیے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو قتل وقید کے ذریعہ ہلاک کردے (لیقطع) نصر کم کے متعلق ہے یا شکست کے ذریعہ ان کو ذلیل کردے اور وہ ناکام ہو کر واپس چلے جائیں اور وہ اپنے مطلوب کو نہ پاسکیں۔ اور جب احد کے دن آپ ﷺ کی رباعی مبارک شہید ہو گئیں اور آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی کہ جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلود کردیا۔ آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں بلکہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پس آپ تو صبر کریں۔ خواہ ان کو اسلام کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے۔ 'او' بمعنی الی ان ہے۔ اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے ظالم ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملک ہے۔ ملکیت کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکیت کے اعتبار سے۔ وہ جس کی مغفرت چاہتا ہے اس کی مغفرت کرتا ہے اور جس کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے دوستوں کو بڑا معاف کرنے والا اور اطاعت گزاروں پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: غَدَوْتَ، غدوٌ، سے ماضی واحد مذکر حاضر معروف۔ الغدو صبح کے وقت نکلنا۔

قَوْلُہٗ: تُبَوِّئُ، تَبْوِئَة سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو جگہ دیتا ہے، اتارتا ہے، جاتا ہے، اس کا تعدیہ مفعول ثانی کی طرف بنفسہ بھی ہوتا ہے اور بالام بھی۔

قَوْلُہٗ: اِذْهَمَّتْ طَآئِفَتَانِ، یہ اِذْ سابق اِذْغَدَوْتَ سے بدل ہے نہ کہ سمیع علیم سے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لیے کہ سمیع و علیم ہونا کسی زمان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بــدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنویں کا نام ہے۔ یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کا تھا اسی کے نام سے یہ جگہ موسوم ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: مُسَوِّمِيْنَ. واؤ کے کسرہ کے ساتھ یعنی فرشتوں نے اپنے گھوڑوں کی دموں اور پیشانیوں پر اور اپنے اوپر لباس کے ذریعہ علامت لگائی ہوئی تھی، اور اگر واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا کہ وہ گھوڑے نشان زدہ تھے۔

قولہ: ای مُعَلِّمِیْنَ یہ مُسَوِّمِیْنَ کی تفسیر ہے۔
قولہ: بُلْق، اَبْلَق کی جمع ہے، چتکبرا۔
قولہ: اَرْسَلُوْ هابين اكتافهم یعنی اپنے عماموں کے شملے کمر پر لٹکائے ہوئے تھے۔
قولہ: أو بمعنی اِلٰی أن، اَو، کو الی أن، کے معنی میں لینے کی وجہ یہ ہے کہ یَتُوْبَ، فعل ہے اور ماقبل میں الامر اور شیٔ، دونوں اسم ہیں لہٰذا فعل کا عطف اسم پر درست نہیں ہے اور معنی کے درست نہ ہونے کی وجہ سے لَیْسَ پر بھی عطف درست نہیں ہے۔ اور اَوْ بِمَعْنٰی اِلٰی أن بکثرت مستعمل ہے۔

تفسیر وتشریح

غزوۂ اُحد:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ، جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے جنگ اُحد کا واقعہ مراد ہے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شوال ۳ھ کے شروع میں کفار مکہ تقریباً تین ہزار مسلح لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز وسامان بھی مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا اور اسکے علاوہ جنگ بدر کی ذلت آمیز شکست کے انتقام کا شدید جوش اور جذبہ بھی رکھتے تھے۔ خود نبی ﷺ اور تجربہ کار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کی جائے عبداللہ بن ابی منافق کی رائے بھی یہی تھی۔ مگر چند نوجوانوں نے جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنہیں بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا آخر کار آپ ﷺ نے ان کے اصرار کی وجہ سے باہر نکل کر دفاع کرنے ہی کا فیصلہ فرمالیا اور جنگی لباس زرہ وغیرہ پہن کر آپ تیار ہو گئے اس وقت صحابہ کو احساس ہوا کہ آپ مجبوراً اپنی رائے کے برخلاف مدینے سے باہر نکل کر لڑنے پر تیار ہوئے ہیں، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا پسند فرماتے ہیں تو ایسا ہی کیجئے۔ مگر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نبی جب حربی لباس پہن لیتا ہے تو اس کے لیے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلہ کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔

ایک ہزار مجاہد آپ کے ساتھ نکلے، مگر مقام شوط پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر عین اس وقت جب کہ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ جب ہماری بات ہی نہیں مانی گئی تو خواہ مخواہ ہم اپنی جان کیوں گنوائیں؟ عبداللہ منافق کی بروقت اس حرکت سے اضطراب کا پھیل جانا ایک فطری بات تھی، حتیٰ کہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے لوگ ایسے دل شکستہ ہوئے کہ انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا، پھر اکابر صحابہ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہو گیا، ان باقی ماندہ سات سو افراد کے ساتھ نبی ﷺ آگے بڑھے اور اُحد کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ منورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ اُحد پہاڑ پشت پر تھا، اور قریش کا لشکر سامنے پہلو میں صرف ایک درّہ تھا جس سے اچانک

حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا، وہاں آپ نے عبداللہ بن جبیر کی زیر قیادت پچاس تیر انداز بٹھا دیئے اور ان کو تاکید کردی کہ ہمارا خواہ کچھ بھی انجام ہو ہم ہاریں یا جیتیں تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔

قریش بڑے اہتمام کے ساتھ میدان میں اترے، ان کی تین ہزار کی جمعیت تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے دو سو گھوڑ سوار باقی شتر سوار تھے قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تھے، ہمت بڑھانے اور جوش دلانے کے لیے عورتیں بھی شریک لشکر تھیں، ہاتھوں میں باجے لیے پرجوش ترانے گاتی جاتی تھیں، اور مقتولین بدر کے انتقام پر عزیزوں، قریبوں کو ابھارتی تھیں۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار سے بھی کم تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ آپ ﷺ کی سواری کے فوج میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔

ابتداء مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی، لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مال غنیمت حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئے، ادھر جن تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے، حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو نبی ﷺ کا تاکیدی حکم یاد دلایا، بہت روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ رکا، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھالیا اور پہاڑ کا چکر کاٹ کر پہلو کے درہ سے حملہ کردیا عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی مگر مدافعت نہ کرسکے، اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا دوسری طرف بھاگا ہوا دشمن بھی پلٹ آیا اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، اور مسلمان غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ایک بڑا حصہ پراگندہ ہو کر بھاگ نکلا تاہم چند بہادر صحابہ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی ﷺ شہید ہوگئے، اس خبر نے صحابہ کے رہے سہے ہوش بھی گم کردیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی بہت کم رہ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گرد صرف دس جاں نثار صحابہ رہ گئے تھے، اور آپ ﷺ خود زخمی ہو چکے تھے، شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی لیکن عین وقت پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ زندہ و سلامت ہیں چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر آپ کے گرد جمع ہوگئے اور آپ کو بسلامت پہاڑ کی طرف لے آئے۔ لیکن اس موقع پر یہ معمہ باقی رہا اور آج تک معمہ ہی ہے جو حل طلب ہے کہ وہ کیا چیز تھی کہ کفار مکہ خود بخود واپس ہوگئے؟ مسلمان اس قدر پراگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا دوبارہ مجتمع ہو کر جنگ کرنا مشکل تھا اگر کفار اس فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو بظاہر ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم وہ کس طرح آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر بھاگے اور واپس چلے گئے؟

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. اس آیت میں اشارہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کی طرف ہے ان دونوں قبیلوں کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف تین ہزار ہیں اور ہمارے صرف سات سو ہیں اور اسلحہ کے اعتبار سے بھی مسلمان، اہل مکہ کے مقابلہ میں نہتے جیسے تھے تو

مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگے تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے بذریعہ وحی یہ کلمات ارشاد فرمائے: مومنوں کو اللہ ہی پہ بھروسہ کرنا چاہیے آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کرچکا تھا، حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (الآیة) مسلمان بدر کی جانب محض قریش کے قافلہ پر جو غیر مسلح تھا چھاپہ مارنے نکلا تھا اس لیے کہ قریش مکہ نے یہ طے کیا تھا کہ اس قافلہ کی تجارت سے جو آمدنی ہوگی وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کی جائے گی اسی غرض کے پیش نظر اہل مکہ نے اس قافلہ کی تجارت میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانے کی کوشش کی تھی، اسی لیے مسلمانوں نے اس قافلہ پر چھاپہ مار کر پورا مال ضبط کرنے کی کوشش کی اور یہ جنگی اصول کے عین مطابق ہے اور موجودہ دور میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے، بلکہ صرف بہانہ بنا کر لوگوں اور حکومتوں کے غیر جنگی سامان کو جنگی سامان بتا کر ضبط کرلیا جاتا ہے۔

غزوۂ بدر کا خلاصہ اور اس کی اہمیت:

بدر، مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک کنویں کا نام ہے دراصل یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا اسی شخص کے نام سے اس کنویں کا نام بھی بدر ہوگیا، اس وقت اس کو اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی ساحل بحر احمر سے ایک منزل پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے یہ مقام شام، مدینہ اور مکہ کی سڑکوں کا تراہا تھا اور قریش کے تجارتی قافلے اسی راستہ سے آمد و رفت کرتے تھے۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سے پہلا معرکہ ۱۷ رمضان بروز جمعہ ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا۔ فرنگی مؤرخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے۔ ہسٹورنیس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے ''فتوحات اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے'' جلد ۸ ص ۱۲۲ (ماجدی) اور امریکی پروفیسر ہٹی (HATTI) کی ''ہسٹری آف دی عربس'' میں ہے، یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی۔ (ص ۱۱۷)

مشرکین مکہ کے لشکر کی تعداد اور ان کے مسلح ہونے کی صورت حال کو سنکر مسلمانوں کی صفوں میں گھبراہٹ اور تشویش اور جوش کا ملا جلا ردعمل ہونا ایک قدرتی بات تھی اور ہوا بھی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء اور فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار فرشتے اتارے اور مزید کا یہ وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کردی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مقدار پوری کی گئی فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد براہ راست لڑائی میں حصہ لینا نہیں تھا بلکہ محض حوصلہ افزائی مقصود تھی ورنہ اگر فرشتوں کے ذریعہ مشرکوں کو ہلاک کرانا ہوتا تو اتنے فرشتے نازل

کرنے کی ضرورت نہیں تھی ایک فرشتہ ہی سب کو ختم کر دیتا۔ ایک فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری بستی کو تہس نہس کر کے ہلاک کر دیا تھا، چونکہ یہ جہاد کا مسئلہ تھا اور جہاد انسانوں ہی کو کرنا ہوتا ہے کہ وہ اجر وثواب کے مستحق ہوسکیں فرشتوں کا کام صرف ہمت افزائی اور حوصلہ بڑھانا تھا جو پورا ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً بألف ودونها بأن تزيدوا في المال عند حلول الأجل وتؤخروا الطلب وَّاتَّقُوا اللّٰهَ بتركه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تفوزون وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ أن تعذبوا بها وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَسَارِعُوْٓا بواو ودونها اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ أي كعرضهما لو وصلت إحداهما بالأخرى والعرض السعة اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الله بعمل الطاعات وترك المعاصي الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ في طاعة الله فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ أي اليسر والعسر وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ الكافين عن إمضائه مع القدرة وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ممن ظلمهم أي التاركين عقوبتهم وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ بهذه الأفعال أي يثيبهم وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ذنبا قبيحا كالزنا اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بما دونه كالقبلة ذَكَرُوا اللّٰهَ أي وعيده فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ أي لا يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا لا يديموا عَلٰى مَا فَعَلُوْا بل أقلعوا عنه وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ أن الذي أتوه معصية اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ حال مقدرة أي مقدرين الخلود فِيْهَا إذا دخلوها وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ بالطاعة هذا الأجر ونزل في هزيمة أحد قَدْ خَلَتْ مضت مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ طرائق في الكفار بإمهالهم ثم أخذهم فَسِيْرُوْا أيها المؤمنون فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ الرسل أي آخر أمرهم من الهلاك فلا تحزنوا لغلبتهم فأنا أمهلهم لوقتهم هٰذَا القرآن بَيَانٌ لِّلنَّاسِ كلهم وَهُدًى من الضلالة وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ منهم وَلَا تَهِنُوْا تضعفوا عن قتال الكفار وَلَا تَحْزَنُوْا على ما أصابكم بأحد وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ بالغلبة عليهم اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ حقا وجوابه دل عليه مجموع ما قبله اِنْ يَّمْسَسْكُمْ يصبكم بأحد قَرْحٌ بفتح القاف وضمها جهد من جرح ونحوه فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ الكفار قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ببدر وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا نصرفها بَيْنَ النَّاسِ يوما لفرقة ويوما لأخرى ليتعظوا وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ علم ظهور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أخلصوا في إيمانهم من غيرهم وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ يكرمهم بالشهادة وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين أي يعاقبهم وما ينعم به عليهم استدراج وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يطهرهم من الذنوب بما يصيبهم وَيَمْحَقَ يهلك الْكٰفِرِيْنَ اَمْ بل حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا لم يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ علم ظهور وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ في الشدائد وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ فيه حذف إحدى التاءين في الأصل

فی الاصل **اَلْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ** حیث قلتم لیت لنا یوما کیوم بدر لننال مانال شہداءہ **فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ** ای سببہ وہو الحرب **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ**﴿۱۴۳﴾ ای بصراء تتأملون الحال کیف ہی فلم انہزمتم.

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو (مُضٰعَفَةً) الف اور بغیر الف دونوں طریقوں پر ہے۔ اس طور پر کہ مدت پوری ہونے پر مالی مطالبہ بڑھا دو۔ اور مطالبہ میں مہلت دے دو۔ (اکلِ ربا) کو ترک کرکے اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آگ سے ڈرو جو (اصالۃً) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ تم کو اس میں عذاب دیا جائے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کی وسعت زمین وآسمان ہیں (سَارِعُوْا) میں قبل السین واؤ اور بدون واؤ دونوں (قراءتیں) ہیں۔ یعنی (جنت کی وسعت) ان دونوں کی وسعت کے مانند ہے اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیے جائیں، اور ''عرض'' کے معنی وسعت کے ہیں، عمل اطاعت اور ترک معاصی کرکے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں) میں اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں، (یعنی فراخ دستی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں) اور غصہ کو پی جانے والے ہیں یعنی قدرت کے باوجود غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے ان پر ظلم کیا ہے ان کو درگذر کرنے والے ہیں یعنی اس کی سزا کو ترک کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال کے ذریعہ نیکوکاروں سے محبت کرنے والا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرنے والا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی ناشائستہ حرکت یعنی ناپسندیدہ برائی کر بیٹھتے ہیں، مثلاً زنا یا زنا سے کم مثلاً بوسہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یعنی اس کی وعید کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ اور یہ لوگ اپنے کیے پر اڑ نہیں جاتے بلکہ اس سے باز آجاتے ہیں حال یہ ہے کہ وہ اس کی (قباحت) کو جانتے ہیں کہ ان سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے وہ گناہ ہے ایسے لوگوں کی جزاء ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب ان میں داخل ہو جائیں گے (خٰلِدِیْنَ) حال مقدرہ ہے یعنی ان کے لیے ان باغوں میں رہنا مقدر کر دیا گیا ہے۔ اطاعت گزاروں کے لیے یہ بہترین اجر ہے اور شکست احد کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، تم سے پہلے بھی کفار کو مہلت دینے اور پھر گرفت کرنے کے واقعات گزر چکے ہیں تو اے مومنو! زمین میں چلو پھرو اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام میں غور کرو یعنی ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا۔ لہٰذا تم ان کے (وقتی) غلبہ سے کبیدہ خاطر نہ ہو میں ان کو (ان کی ہلاکت) کے وقت تک مہلت دے رہا ہوں۔ یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے بیان ہے۔ اور ان میں سے پرہیزگاروں کے لیے گمراہی سے ہدایت اور نصیحت ہے اور نہ ہمت ہارو یعنی کفار کے مقابلہ میں قتال میں کمزور نہ پڑو۔ اور احد میں جو کچھ تم کو پیش آیا اس سے غم زدہ نہ ہو اور اگر تم صحیح معنی میں مومن رہے تو ان پر فتح حاصل

کرکے تم ہی غالب رہوگے اور جواب شرط پر مجموعۂ ماقبل یعنی (فسیروا ولاتھنوا الخ) دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم احد میں زخمی ہوئے (قَرح) میں قاف کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے ضمہ کے ساتھ۔ زخم وغیرہ کی تکلیف۔ تو بدر میں کفار کو بھی اسی قسم کا زخم لگ چکا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں (یعنی) ادل بدل کرتے رہتے ہیں، ایک دن ایک فریق کے حق میں اور دوسرے دن دوسرے فریق کے حق میں، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ (شکست اُحد) اس لیے تھی کہ مخلص مومنوں کو دوسروں (غیر مخلصوں) سے ممتاز کرکے ظاہر کردے اور تم میں سے بعض کو شہادت عطا فرمائے اور بذریعہ شہادت ان کو اعزاز بخشے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا۔ اور ان پر جو کچھ انعام کیا جاتا ہے وہ ڈھیل ہے۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس تکلیف کے ذریعہ جو ان کو پہنچی گناہوں سے پاک وصاف کردے اور کافروں کو ہلاک کردے شاید تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں داخل ہوگے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے علم ظہور کے طور پر ان لوگوں کو جانا نہیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں؟ اور تکالیف میں صبر کرنے والے کون ہیں؟ جنگ سے پہلے تو تم موت کی آرزو کر رہے تھے، اصل میں ایک تاء کو حذف کرکے۔ جب تم نے کہا تھا کہ کاش ہمارے لیے بھی یوم بدر کے مانند ہوتا تاکہ ہم بھی وہ حاصل کرتے جو شہداء بدر نے حاصل کیا سو تم موت کو یعنی اس کے سبب کو کہ وہ حرب ہے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے یعنی شکست کے اسباب میں غور وفکر کر رہے تھے کہ یہ شکست کن اسباب کی وجہ سے ہوئی، یعنی تم کیوں شکست کھا گئے؟

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: كعَرضِهِمَا، اس میں اشارہ ہے کہ حرف تشبیہ اور مضاف محذوف ہے۔

سَوَال: مضاف محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: تاکہ جنت کی وسعت کی تشبیہ ارض وسماوات کے ساتھ صحیح ہوجائے، اس لیے کہ عرضِ جنت مقولہ کم متصل یعنی مقدار سے ہے اور ارض وسماوات مقولہ جوہر سے ہے حالانکہ جوازِ تشبیہ کے لیے مقولہ کا متحد ہونا ضروری ہے، اور جب عرض محذوف مان لیا تو دونوں یعنی مشبہ اور مشبہ بہ مقولہ کم متصل سے ہوگئے۔ لہٰذا تشبیہ درست ہوگئی۔

قِوْلَہٗ: بِمَادونه. اس حذف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عطف درست ہوجائے کیونکہ عطف کے لیے مغایرت ضروری ہے۔

قِوْلَہٗ: اى وَعِيْده اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ کے ذکر سے استغفار ہی مراد لینا ضروری نہیں ہے۔

جَوَاب: ذکر سے مراد اس کی وعید کا ذکر ہے۔

قِوْلَہٗ: حال مقدرة یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ، حال کے لیے مقارنت یعنی حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد ہونا ضروری ہے،

حالانکہ خلودِ نفس جزاء کے ثبوت کے بعد ہوگا۔

جَوَابٌ: ان کے لیے خلود مقدر کردیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: وَجوابه دَلّ علیه مجموع ماقبلهٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: اِنْ کُنْتُمْ مومنین شرط ہے اس کی جزاء اگر ماقبل کا جملہ فَسِیْرُوْا فِی الارضِ الخ ہے تو یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ ماقبل کے جملہ فَسِیْرُوا فی الارض سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: لِیَتَّعِظُوا، یہ لفظ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ لِیَعْلَمَ کا عطف محذوف پر ہے۔

قَوْلُهُ: یکرمهم بالشهادة اس میں اشارہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے نہ کہ شاہد کی،

قَوْلُهُ: بل، یعنی ام بمعنی بل ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ اَمْ منقطعہ ہے نہ کہ متصلہ کہ اس کو عدیل (مقابل) کی ضرورت ہو۔

قَوْلُهُ: ای بُصَرَاءُ.

سُوَالٌ: فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ کے بعد انتم تنظرون کہنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: پہلی رویت سے مراد رویتِ بصری ہے، رَاَیْتُمُوْهُ کی ضمیر مفعولی موت کی طرف راجع ہے مگر موت چونکہ نظر آنے والی چیز نہیں اس لیے سبب مضاف، محذوف مانا یعنی سبب موت، یعنی حرب کو دیکھ لیا اور انتم تنظرون سے صاحبِ بصیرت و علم و دانش ہونا مراد ہے لہٰذا معلوم ہوگیا کہ دونوں معنیٰ الگ الگ ہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَاْکُلُوا الرِّبٰوا یہ کلام مستانف ہے بیان ربا کے لیے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: الکاظمین، یہ کَظْمٌ کا اسم فاعل ہے، اس کے اصل معنیٰ مشک وغیرہ بھر کر اس کا منہ بند کرنے کے ہیں تاکہ اندر کی چیز باہر نہ آسکے، یہ کَظْمِ القِربة سے ماخوذ ہے۔

التنکیت فی التشبیه: أن یقصد المتکلم اِلیٰ شئ بالذکر دون غیره مِمّا یَسُدّ مسده لِاَجل نُکْتَةٍ، وَاذا وَقَعَ فی التشبیه فقد بَلَغَ الْغَایَةَ، وَهوهنا فی قوله تعالیٰ. عَرْضُهَا السمٰوات والارض "فقد اَرادَ وَصْفَهَا بالسعةِ فخص عَرضَهَا بالذکر دون الطول، وَاِنما عَدَلَ عن ذکر الطولِ. لأنه مستقر فی الاذهان اَنّ االطول، اَدَلّ علی السعة فاِذا کان عَرْضُهَا مِمّا یَسَعُ السمٰوت والارض، فَما بالك بطولها.

قَوْلُهُ: لَا تَهِنُوْا، تم سست مت ہوجاؤ، تم کمزور مت پڑ جاؤ۔ وَهْنٌ، سے فعل نہی جمع مذکر حاضر۔

قَوْلُهُ: نُدَاوِلُهَا، مُدَاوَلَت، سے مضارع جمع متکلم، ہم اس کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں مادہ، دولةٌ.

تفسیر وتشریح

ربط: چونکہ غزوۂ احد میں ناکامی کا بڑا سبب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو جانا تھا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی اور ناجائز طریقہ سے زراندوزی کے سرچشمہ پر بند باندھنا ضروری سمجھا۔ اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آجاؤ جس میں انسان رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان کے اندر مال کی حرص بے حد بڑھ جاتی ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً. اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کی قید حرمت کے لیے بطور شرط کے نہیں ہے، بلکہ واقع کی رعایت کے طور پر ہے یعنی زمانہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے اس لیے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کی قید بیان واقعہ کے لیے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آجاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں مزید اضافہ کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ جس سے سود کی رقم بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آگ سے ڈرو کہ جو درحقیقت کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر تم سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ سود خوری تم کو کفر تک پہنچا سکتی ہے کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربہ ہے۔

سود خوری کے نقصانات:

سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں ① سود لینے والوں میں حرص وطمع، بخل وخود غرضی اور ② سود دینے والوں میں نفرت اور غصہ اور بغض وحسد۔

انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد:

سود خوری سے جو اوصاف فریقین میں پیدا ہوتے ہیں اس کے بالکل برعکس انفاق فی سبیل اللہ سے فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، کون نہیں جانتا کہ ان دونوں صفات کے مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (الآية) مطلب یہ ہے کہ محض خوشحالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں یعنی ہر حال اور ہر موقع پر خرچ کرتے ہیں، اور انتقام پر قدرت ہونے کے باوجود زیادتی کو معاف کردیتے ہیں اور غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔

والذین اذا فعلوا فاحشة: یعنی جب ان سے تقاضائے بشریت کی غلطی یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو وہ فوراً استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

قد خلت من قبلکم سنن: یہ آیت غزوۂ احد میں شکست کے بارے میں نازل ہوئی، غزوہ کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

ولقد کنتم تمنون الموت من قبل: جب نبی کریم ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہمتیں جواب دے گئیں، اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کر دیا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان دلا دے، اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) اگر خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے؟ چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں، ان ہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اگر تمہاری حق پرستی محض محمد ﷺ کی شخصیت سے وابستہ ہے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

ونزل في هزيمتهم لما أشيع أن النبي صلى الله عليه وسلم قتل وقال لهم المنافقون إن كان قتل فارجعوا إلى دينكم **وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ** كغيره **انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ** رجعتم إلى الكفر والجملة الأخيرة محل الاستفهام الإنكاري أي ما كان معبودا فترجعوا **وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا** وإنما يضر نفسه **وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ** نعمه بالثبات **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ** بقضائه **كِتَابًا** مصدر أي كتب الله ذلك **مُؤَجَّلًا** مؤقتا لا يتقدم ولا يتأخر فلم انهزمتم والهزيمة لا تدفع الموت والثبات لا يقطع الحياة **وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا** أي جزاءه منها **نُؤْتِهِ مِنْهَا** ما قسم له ولا حظ له في الآخرة **وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا** أي من ثوابها **وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ وَكَأَيِّنْ** كم **مِنْ نَبِيٍّ قُتِلَ** وفي قراءة قاتل والفاعل ضميره **مَعَهُ** خبر مبتدؤه **رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ** جموع كثيرة **فَمَا وَهَنُوا** جبنوا **لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** من الجراح وقتل أنبيائهم وأصحابهم **وَمَا ضَعُفُوا** عن الجهاد **وَمَا اسْتَكَانُوا** خضعوا لعدوهم كما فعلتم حين قيل قتل النبي صلى الله عليه وسلم **وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ** على البلاء أي يثيبهم **وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ** عند قتل نبيهم مع ثباتهم وصبرهم **إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا** تجاوزنا الحد **فِي أَمْرِنَا** إيذانا بأن ما أصابهم لسوء فعلهم وهضما لأنفسهم **وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا** بالقوة على الجهاد **وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا** النصر والغنيمة **وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ** أي الجنة وحسنه التفضل فوق الاستحقاق **وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ**

ترجمہ: اور آئندہ آیت صحابہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ محمد ﷺ شہید کردیئے گئے، اور صحابہ (مخلصین) سے منافقین نے کہا اب جب کہ محمد ﷺ قتل کردیئے گئے تو اپنے (سابق) دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ تو (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رسول الخ) نازل ہوئی۔ اور محمد تو بس ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں سو اگر یہ وفات پاجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے؟ یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے۔ یعنی وہ معبود نہیں تھے (کہ اس کی موت کی وجہ سے) تم پلٹ جاؤ اور جو کوئی الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا بلکہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اور اللہ عنقریب اس کی نعمتوں کے شکر گذاروں کو ثواب کی صورت میں اچھا صلہ دے گا۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی جاندار مقررہ وقت پر قضائے الٰہی کے بغیر مرجائے (کِتَابًا) مصدر ہے یعنی اللہ نے موت کا وقت مقرر لکھ دیا ہے۔ موت نہ مقدم ہوتی ہے اور نہ مؤخر پھر تم کیوں ہمت ہار گئے؟ ہمت کا ہارنا موت کو نہیں ٹال سکتا، اور ثابت قدمی حیات کو ختم نہیں کرسکتی، اور جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا فائدہ چاہتا ہے۔ یعنی دنیا کا صلہ چاہتا ہے تو ہم اس میں سے جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے اس کو دیدیتے ہیں اور جو آخرت کا نفع چاہتا ہے تو ہم اس کو اس کا ثواب دیں گے اور ہم عنقریب شکر گذاروں کو صلہ دیں گے اور کتنے ہی نبی قتل کیے جاچکے ہیں اور ایک قراءت قَاتَلَ ہے اور فاعل اس کی ضمیر ہے، کہ ان کے ساتھ میں بہت سے اللہ والے تھے۔ مَعَهٗ، خبر ہے اور رِبِّیُّوْنَ کثیرٌ، اس کا مبتدا ہے۔ بڑی جماعت۔

دوسرا ترجمہ: اور بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہوکر بہت سے اللہ والے جہاد کرچکے ہیں۔ جو کچھ انہیں زخم اور ان کے انبیاء واصحاب کا قتل اللہ کی راہ میں پیش آیا۔ اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ جہاد میں کمزور پڑے اور نہ وہ اپنے دشمن سے دبے جیسا کہ تم نے کیا جب مشہور ہوگیا کہ آپ ﷺ شہید کردیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یعنی ان کو اجر دیتا ہے ان کے نبی کے قتل کے وقت ان کی ثابت قدمی اور صبر کے باوجود ان کی دعاء تو بس اتنی تھی کہ وہ دعاء کرتے رہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے معاملہ میں ہماری زیادتیوں یعنی ہمارے حد سے تجاوز کرنے کو معاف کردے یہ ظاہر کرنے کے لیے جو کچھ ان کو پیش آیا ہے وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے اور اپنی کسر نفسی کو ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ اور جہاد میں قوت دے کر ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما سو اللہ نے ان کی دنیا کا بھی عوض دیا یعنی نصرت اور غنیمت، اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا۔ اور وہ جنت ہے، اور ثواب کا حُسن، استحقاق سے بڑھ کر عطا کرنا ہے، اور اللہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: الجملة الاخیرة محل الاستفہام الانکاری. مطلب یہ ہے کہ اَفَاِنْ مَاتَ، پر جو ہمزہ استفہام داخل ہے وہ دراصل اِنْـقَلَبْتُمْ علیٰ اَعْقَابِکُمْ. پر داخل ہے اور یہی محل استفہام ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے "اَانْـقَلَبْتُمْ علیٰ اَعْقَابِکُمْ اِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ الخ" ای لاینبغی منکم الانقلاب والارتداد لانّ محمدًا ﷺ مبلِّغ لَا مَعْبُوْدٌ. لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ موت اور قتل سے سوال کے کیا معنی؟

قِوْلُہٗ: بقضائه. اِذن کی تفسیر قضاءٌ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سُوَال: مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ، سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موت اس کے اختیار میں ہے اس لیے کہ موت کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔

جَوَاب: اِذن بمعنی قضاء ہے۔

قِوْلُہٗ: مصدرٌ، یعنی کتابًا مفعول لہ نہیں ہے اس لیے کہ مفعول لہ کی صورت میں معنی درست نہیں۔ کتابًا مفعول مطلق برائے تاکید ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "کَتَبَ الموتَ کتاباً مؤجَّلًا" مؤجَّلًا کتابًا کی صفت ہے اور ابن عطیہ نے منصوب علی التمیز کہا ہے۔

قِوْلُہٗ: جزاء. یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اس شبہ کا جواب ہے کہ ثواب کا اطلاق اجر دنیا پر نہیں ہوتا ثواب کا اطلاق تو اجر آخرت پر ہوتا ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ ثواب بمعنی جزاء ہے جس کا اطلاق اجر آخرت اور صلۂ دنیا دونوں پر ہوتا ہے۔ خاص بول کر عام مراد ہے۔

قِوْلُہٗ: فیھـــــا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ ثواب کی اضافت دنیا کی طرف اضافتِ مظروف الی الظرف ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا ہے کہ دنیا ثواب کا نہ فاعل ہے اور نہ مفعول لہٰذا ثواب کی اضافت دنیا کی طرف کیا معنی؟

نَوْٹ: بعض نسخوں میں جزاء منھا کے بجائے جزاء فیھا ہے جو زیادہ صحیح ہے مذکورہ تشریح جزاء فیھا کے نسخہ کے مطابق کی گئی ہے۔

قِوْلُہٗ: کَـاَیِّنْ یہ دراصل اَیٌّ تھا، اس پر کاف تشبیہ داخل کیا نون، نونِ تنوین ہے خلاف قیاس اس کو باقی رکھا ہے، کَـاَیِّنْ بمعنی کم خبریہ برائے تکثیر ہے۔

قِوْلُہٗ: مَعَه، خبر مقدم ہے اور ربّیون، مبتداء موخر ہے، مبتدا خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے۔

قِوْلُہٗ: وَمَا کَـانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا الخ، قَوْلَهُمْ، کَانَ کی خبر مقدم اور اَنْ قَالُوْا بتاویل مصدر ہو کر کَانَ کا اسم مؤخر

ہے، ابن کثیر اور عاصم رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی نے ''قَوْلَهُمْ'' کو کان کے اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں ''اَنْ قالوا'' کان کی خبر ہوگی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الاعقاب. جمعُ عقب، ایڑی، الٹے پاؤں واپس ہونا، راہ فرار اختیار کرنا، قصر موصوف علی الصفت. فی اللغة: الحبس. وفی الاصلاح تخصیص احد الامرین علی الآخر ونفیه عما عداه. وهو یقعُ للموصوف علی الصفة وبالعکس، والآیة من النوع الاول، ای قصر الموصوف علی الصفة بالاضافة.

یعنی محمد ﷺ صفت رسالت پر ہی مقصور ہیں موت کی طرف متعدی نہیں۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ آپ کو بعید عن الہلاک سمجھتے تھے اور آپ کی جدائی کو امر عظیم سمجھتے تھے تو گویا کہ صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ نے آپ کے لیے دو وصف ثابت کیے، الرسالة، وعدم الهلاك، پھر تخصیص کے ذریعہ وصف رسالت پر مقصور کر دیا۔

قَوْلُهٗ: رِبِّيُّوْنَ. اللہ والے۔ خدا پرست، ہزاروں، جماعتیں، یہ رِبِّیٌّ کی جمع ہے امام بخاری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس کے معنی جماعتوں کے کیے ہیں۔ بقول قاضی بیضاوی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ربّیة کی طرف بطور مبالغہ منسوب ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، مجاہد اور قتادہ نے ربیون کثیر، کے معنی جماعات کثیر، بیان کیے ہیں، صاحب جلالین نے بھی جموع کثیر، کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، کلبی کا قول ہے کہ ربّیة دس ہزار کا ہوتا ہے۔

(لغات القرآن، ملخصًا)

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، محمد (ﷺ)، نام مبارک قرآن میں پہلی مرتبہ آیا ہے اس کے لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت زیادہ یا بار بار کی جائے۔ یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمیوں کے نام گنائے ہیں۔ (کتاب المعنبر، بحوالہ ماجدی)

ان میں سے ایک شخص محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت لکھا ہے کہ اس کے والد نے ایک شامی راہب سے یہ سن کر کہ آئندہ پیغمبر کا نام محمد ہوگا یہ نام اپنے لڑکے کا رکھ دیا۔

کان سفیان اتی الشام فنزل علی راهب فاعجبتهٗ فصاحته وعقله فسأل الراهب عن نسبهٖ فانتسب له الی مُضر فقال له اما انّه یُبعثُ فی العرب نبی یقال له محمد فسمّی سفیان اِبنه محمدًا. (ماجدی)

محمد ﷺ صرف رسول ہیں، یعنی ان کا امتیاز یہی وصف رسالت ہی ہے یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

جنگ اُحد کی شکست کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑادی کہ محمد قتل کردیئے گئے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ابن قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پتھر مارا جس کی وجہ سے آپ کی رباعی مبارک (آگے کے چار دانت) شہید ہوگئے۔ اور قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دفاع کیا اور وہی صاحب الرایہ (پرچم بردار) تھے ابن قمیہ نے حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کردیا اور وہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہوگئے تو اس نے شور مچادیا "قتلتُ محمدًا" اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے شور مچادیا کہ محمد قتل کردیئے گئے۔ یہ خبر آناً فاناً مشہور ہوگئی۔ اس خبر کو سن کر مسلمانوں میں بددلی اور کم ہمتی پیدا ہوگئی اور لڑائی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہوجانا یا ان کا موت سے دوچار ہوجانا کوئی نئی بات نہیں ہے پچھلے انبیا بھی موت اور قتل سے دوچار ہوچکے ہیں، آپ ﷺ بھی بالفرض اگر اس سے دوچار ہوجائیں تو کیا تم اس دین ہی سے پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحۂ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدّت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کررہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لے کر منبر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہوکر انہی آیات کی تلاوت کی جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متأثر بھی ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (الآیة) یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آکر ہی رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے سے کیا فائدہ؟ اسی طرح دنیا طلب کرنے سے بقدر قسمت تو دنیا مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں نعمتیں عطا فرمائے گا۔ آگے مزید حوصلہ افزائی کے لیے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے صبر و استقامت کی مثالیں بیان فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيمَا يَأْمُرُونَكُمْ بِهِ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ إِلَى الْكُفْرِ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ نَاصِرُكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ فَأَطِيعُوهُ دُونَهُمْ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِسُكُونِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ وَقَدْ عَزَمُوا بَعْدَ ارْتِحَالِهِمْ مِنْ أُحُدٍ عَلَى الْعَوْدِ وَاسْتِئْصَالِ الْمُسْلِمِينَ فَرَعَبُوا وَلَمْ يَرْجِعُوا بِمَآ اَشْرَكُوْا بِسَبَبِ إِشْرَاكِهِمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ حُجَّةً عَلَى عِبَادَتِهِ وَهُوَ الْأَصْنَامُ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى مَأْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الْكَافِرِينَ هِيَ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ إِيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ تَقْتُلُونَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ بِإِرَادَتِهِ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ جَبُنْتُمْ عَنِ الْقِتَالِ وَتَنَازَعْتُمْ اخْتَلَفْتُمْ فِي الْاَمْرِ أَيْ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَصَيْتُمْ أَمْرَهُ فَتَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ لِطَلَبِ الْغَنِيمَةِ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ اللّٰهُ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنَ النَّصْرِ

وجواب اذا دل عليه ما قبله اي منعكم نصره. **مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا** فترك المركز للغنيمة
وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ فثبت به حتى قتل كعبد الله بن جبير واصحابه **ثُمَّ صَرَفَكُمْ** عطف على
جواب اذا المقدر ردكم بالهزيمة **عَنْهُمْ** اي الكفار **لِيَبْتَلِيَكُمْ** ليمتحنكم فيظهر المخلص من غيره
وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ما ارتكبتموه **وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ** (۱۵۲) بالعفو اذكروا **إِذْ تُصْعِدُونَ**
تبعدون في الارض هاربين **وَلَا تَلْوُونَ** تعرجون **عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ** اي من
ورائكم يقول الي عباد الله الي عباد الله **فَأَثَابَكُمْ** فجازاكم **غَمًّا** بالهزيمة **بِغَمٍّ** بسبب غمكم
الرسول بالمخالفة وقيل الباء بمعنى على اي مضاعفا على غم فوت الغنيمة **لِّكَيْلَا** متعلق بعفا او
باثابكم فلا زائدة **تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ** من الغنيمة **وَلَا مَا أَصَابَكُمْ** من القتل والهزيمة
وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۱۵۳) **ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ** بالياء والتاء **طَائِفَةً مِّنكُمْ** وهم
المؤمنون فكانوا يميدون تحت الحجف وتسقط السيوف منهم **وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ** اي حملتهم
على الهم فلا رغبة لهم الا نجاتها دون النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه فلم يناموا وهم المنافقون
يَظُنُّونَ بِاللَّهِ ظنا **غَيْرَ** الظن **الْحَقِّ ظَنَّ** اي كظن **الْجَاهِلِيَّةِ** حيث اعتقدوا ان النبي قتل او لا ينصر
يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ اي النصر الذي وعدناه **مِن** زائدة **شَيْءٍ قُلْ** لهم **إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ** بالنصب توكيد
او الرفع مبتدأ خبره **لِلَّهِ** اي القضاء له يفعل ما يشاء **يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ** يظهرون **لَكَ يَقُولُونَ**
بيان لما قبله **لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا** اي لو كان الاختيار الينا لم نخرج فلم نقتل لكن اخرجنا
كرها **قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ** وفيكم من كتب الله عليه القتل **لَبَرَزَ** خرج **الَّذِينَ كُتِبَ** قضي **عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ** منكم
إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ مصارعهم فيقتلوا ولم ينجهم قعودهم لان قضاءه تعالى كائن لا محالة وفعل ما فعل
باحد **وَلِيَبْتَلِيَ** يختبر **اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ** قلوبكم من الاخلاص والنفاق **وَلِيُمَحِّصَ** يميز
مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۱۵٤) بما في القلوب لا يخفى عليه شيء وانما يبتلي ليظهر للناس
إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ عن القتال **يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ** جمع المسلمين وجمع الكفار باحد وهم المسلمون
الا اثني عشر رجلا **إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ** ازلهم **الشَّيْطَانُ** بوسوسته **بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا** من الذنوب وهو مخالفة امر
النبي صلى الله عليه وسلم **وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ** للمؤمنين **حَلِيمٌ** (۱۵۵) لا يعجل على العصاة

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل کفر کی طرف پلٹا دیں گے
(یعنی مرتد بنا دیں گے) اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ ہی تمہارا مددگار ہے اور وہی تمہارا بہترین مددگار ہے لہٰذا اسی کی

اطاعت کرو نہ کہ دوسروں کی۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیں گے (رعب) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خوف۔ اُحد سے پلٹنے کے بعد انہوں نے (احد) واپس آنے اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کیا تھا مگر مرعوب ہوگئے جس کی وجہ سے واپس نہیں آئے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرنے کی وجہ سے جن کے بارے میں ان کی عبادت پر (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری اور وہ بت ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالموں کافروں کا یہ برا ٹھکانہ ہے اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے قتال سے پست ہمتی دکھائی اور معاملہ میں اختلاف کرنے لگے یعنی پہاڑ کی گھاٹی میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق تیراندازی کے لیے رہنے کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہم جاتے ہیں اس لیے کہ ہمارے ساتھی کامیاب ہوگئے، اور بعض نے کہا ہم نبی کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اور تم نے نافرمانی کی، مال غنیمت کی طلب میں مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تم کو تمہاری محبوب چیز (یعنی) نصرت دکھادی اور جواب اِذَا (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے (اور وہ جواب) مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ ہے تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے تو انہوں نے مال غنیمت کے لیے مرکز کو چھوڑ دیا۔ اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا تو وہ اس مقام پر ڈٹے رہے حتی کہ شہید کر دیئے گئے جیسا کہ عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھی پھر تم کو کافروں سے شکست کے ساتھ پھیر دیا اِذَا کے جواب مقدر (مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ) پر عطف ہے، تاکہ تمہیں آزمائے جس کے نتیجے میں مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے۔ اور بلاشبہ اللہ نے تمہارے جرم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنین پر عفو و درگذر کے ذریعہ فضل کرنے والا ہے اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم میدان سے بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور (اللہ کے) رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آواز دے رہے تھے فرما رہے تھے۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ تو تمہیں غم پر غم پہنچا ایک غم ہزیمت کی وجہ سے (اور دوسرا) غم تمہارے رسول کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ باء، بمعنی علیٰ، ہے یعنی فوتِ غنیمت پر مزید غم تاکہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ مال غنیمت ہے اور نہ اس پر جو تم کو قتل و ہزیمت پیش آئی۔ (اس صورت میں) لِكَيْلَا کا تعلق عَفَا عَنْكُمْ، سے ہوگا۔ یا اس کا تعلق اَثَابَكُمْ سے ہے۔ تو اس صورت میں، لا، زائدہ ہوگا۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر راحت کی نیند نازل کی نُعَاسًا اَمَنَةً سے بدل ہے جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی يَغْشٰى یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور وہ مومن تھے۔ کہ وہ (اپنی) ڈھالوں کے نیچے (نیند کے) جھونکے مار رہے تھے اور تلواریں (ان کے ہاتھوں) سے گر گر پڑتی تھیں۔ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی تھی یعنی وہ غم میں مبتلا تھے انہیں تو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی نہ نبی ﷺ کی پڑی تھی اور نہ اصحاب نبی کی، چنانچہ ان کو نیند نہیں آئی اور وہ منافق تھے، وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے باایں طور کہ انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ نبی قتل کر دیئے گئے یا ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ (اور) کہہ رہے تھے کہ جس نصرت کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں سے کچھ نہیں ہے (دوسرا ترجمہ) کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟، مِنْ، زائدہ

ہے آپ کہہ دیجئے ان سے کہ اختیار تو سارا کا سارا اللہ کا ہے، کُلّه، نصب کے ساتھ تاکید کے لیے ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر للّٰہ ہے، یعنی حکم تو صرف اللہ کا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے کہتے ہیں کہ یہ ماقبل کا بیان ہے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ یعنی اگر ہم کو اختیار ہوتا (یعنی اگر ہماری بات چلتی) تو ہم (مدینہ) سے نہ نکلتے تو قتل بھی نہ کیے جاتے، لیکن ہم کو زبردستی یہاں لایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو تم میں سے جس کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوا تھا تو وہ مقتل کی طرف نکل کھڑے ہوتے، اور قتل کیے جاتے، (یعنی) تم میں سے اللہ نے جس کے قتل کا منصوبہ کر دیا، ان کا (گھروں) میں بیٹھ رہنا ان کو نہ بچا سکتا اس لیے کہ تقدیر الٰہی لامحالہ نافذ ہو کر رہتی ہے۔ اور اُحد میں اس کو جو کرنا تھا وہ کیا۔ (اور یہ سب اسی لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے سینوں میں جو اخلاص و نفاق ہے اس کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کرے (ممتاز کرے) اور اللہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے مخفی نہیں۔ اور آزمائش تو صرف اس لیے ہے کہ لوگوں پر ظاہر کرے۔ یقیناً تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے وقت احد میں قتال سے پھر گئے تھے (دونوں جماعتوں سے مراد) مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں ہیں اور بارہ افراد کے علاوہ سب مسلمان پلٹ گئے تھے۔ ان لوگوں کو ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے وسوسے کے ذریعہ پھسلا دیا اور (وہ کرتوت) آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والے اور حلیم ہیں (یعنی) نافرمانوں سے مواخذہ میں جلدی نہ کرنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: بسبب اشراکھم، اس میں اشارہ ہے کہ بِمَا میں باسببیہ اور ما مصدریہ ہے لہٰذا اس کو عائد کی ضرورت نہیں ہے۔

قِوْلَہُ: هِیَ، مخصوص بالذم ہے۔

قِوْلَہُ: تَحُسُّونَهُمْ ای تقتلونهم یہ حسّ یحسّ (ن) سے مشتق ہے اس وقت بولتے ہیں جب حس کو باطل کر دے۔ اور حس قتل سے باطل ہوتی ہے ملزوم بول کر لازم مراد ہے۔ قال جریر۔

تَحُسُّهُمُ السیوف کما تسامی عریق النار فی الاجم الحصید

قِوْلَہُ: جواب اذا، دل علیه ماقبلهٗ، یعنی اذا کا جواب ماقبل میں مذکور نہیں ہے کہ جزا کا شرط پر مقدم ہونا لازم آنے بلکہ مقدر ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور وہ دال "لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰهُ" ہے اور مدلول جو کہ مقدر ہے ہے "منعکم نصرہٗ" ہے جیسا کہ صاحب جلالین نے ظاہر فرما دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: عطف على جواب اذاالمقدر ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صَرَفَکُمْ ، کا عطف اذا کے جواب مقدر پر ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل مضارع ہے اور صَرَفَکُمْ ، ماضی ہے لہٰذا ماقبل پر عطف نہیں ہوسکتا۔

قَوْلُہٗ: مِنْ وَرَائِکُمْ ، اس میں اشارہ ہے کہ فی بمعنی مِنْ ہے۔

قَوْلُہٗ: متعلق بعَفَاوبأثابكم فلا زائدة اگر لکیلا کا تعلق عفا سے مانا جائے تو لا نافیہ غیر زائدہ ہوگا۔ یعنی تم کو ہزیمت کے ذریعہ غم دیا تاکہ تم مالِ غنیمت کے فوت ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: وَلَا مَا اَصَابکمْ، لا زائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: اَمَنَةً مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور نُعَاسًا اس سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: الجَحَف ، بفتحتین، جُحْفَةٌ، کی جمع ہے، بمعنی ڈھال (سپر)۔

قَوْلُہٗ: ظنًا غَيرَ الظَّنِّ الحقِّ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "غیر الحقِّ" محذوف کی صفت ہے جو کہ یَظُنُّ کا مفعول مطلق ہے۔ الظَّنّ کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ غیر مفعول بہٖ نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس سے مفعول بہٖ مراد ہوتا تو الظن کے بجائے الأمر یا الشئ مقدر مانا جاتا۔

قَوْلُہٗ: ای کظنِّ اس میں اشارہ ہے کہ ظنّ منصوب بنزع الخافض ہے۔

قَوْلُہٗ: اَزَلَّهُمْ اس سے اشارہ کردیا کہ استفعال بمعنی افعال ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تُصْعِدُوْنَ ، بضم التاء، (افعال) مضارع جمع مذکر حاضر۔ تم چڑھے چلے جارہے تھے، تم دور جارہے تھے، تَلْوٗنَ، لَیٌّ، سے جمع مذکر حاضر اس کے صلہ میں جب علیٰ ، آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنا، متوجہ ہونا۔ فُلَانٌ لا یَلْوِیْ علی اَحَدٍ (فلاں کسی کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھتا) سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰى اَحَدٍ. جب تم بھاگم بھاگ چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف مڑکر بھی نہ دیکھتے تھے۔ یہ اسی سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔

الكناية: فقد کنی بالمضاجع عن المصارع. یعنی خوابگاہ سے مقتل کی طرف کنایہ ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو عارضی شکست اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو ان کو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے کہنے لگے کہ محمد اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے؟ یہ تو

دوسرے انسانوں کی طرح ایک معمولی انسان ہیں آج فتح ہے تو کل شکست، خدا کی جس نصرت وحمایت کا انہوں نے یقین دلا رکھا تھا وہ محض ایک ڈھونگ تھا اور جب آپ ہی نہ رہے تو ہم اپنا دین ہی کیوں نہ اختیار کرلیں جس سے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں، ان باتوں سے منافقین کی خباثت اور ان کا مسلمانوں کا بدخواہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک نہ کریں۔

پچھلی آیت میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی ہدایت تھی اس میں منافقین اور مخالفین اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچتے رہنے کی ہدایت ہے۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ (الآیة) دشمنانِ دین کے دلوں میں القاءِ رعب کی یہ واضح مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکہ کو ہوگئی تھی۔ اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے لیکن انہیں اس کی ہمت نہ پڑی، اور بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے، پھر جب کچھ راستہ طے کرچکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہو ہی چکی تھی تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی۔ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کسی راہ گیر کو کچھ مال دے کر اس بات پر راضی کرلیا کہ تم مدینہ جاکر مسلمانوں کو ڈرادو کہ وہ پھر لوٹ کر واپس آرہے ہیں، یہاں یہ سارا واقعہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب کے لیے مقام حمراء الاسد تک پہنچے مگر وہ بھاگ چکے تھے یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اى المنافقين وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اى في شانهم اِذَا ضَرَبُوْا سافروا فِي الْاَرْضِ فماتوا اَوْ كَانُوْا غُزًّى جمع غاز فقتلوا لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا اى لا تقولوا كقولهم لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ القول في عاقبة امرهم حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فلا يمنع عن الموت قعود وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بالتاء والياء بَصِيْرٌ فيجازيكم به وَلَئِنْ لام قسم قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى الجهاد اَوْ مُتُّمْ بضم الميم وكسرها من مات يموت ويمات اى اتاكم الموت فيه لَمَغْفِرَةٌ كائنة مِّنَ اللّٰهِ لذنوبكم وَرَحْمَةٌ منه لكم على ذلك واللام ومدخولها جواب القسم وهو في موضع الفعل مبتدأ خبره خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ من الدنيا بالتاء والياء. وَلَئِنْ لام قسم مُّتُّمْ بالوجهين اَوْ قُتِلْتُمْ في الجهاد او غيره لَاِلَى اللّٰهِ لا الى غيره تُحْشَرُوْنَ في الاخرة فيجازيكم فَبِمَا ما زائدة رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ يا محمد لَهُمْ اى سهلت اخلاقك اذ خالفوك وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا سيئ الخلق غَلِيْظَ الْقَلْبِ جافيا فاغلظت لهم لَانْفَضُّوْا تفرقوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ تجاوز عَنْهُمْ ما أتوه وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ذنوبهم حتى أغفر لهم وَشَاوِرْهُمْ استخرج آراءهم فِي الْاَمْرِ اى شانك من الحرب وغيره تطييبا لقلوبهم وليستن بك وكان صلى الله عليه وسلم

كثير المشورة لهم **فَإِذَا عَزَمْتَ** على امضاء ما تريد بعد المشاورة **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ** ثق به لا بالمشاورة **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾** عليه **إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ** يعنكم على عدوكم كيوم بدر **فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ** بترك نصركم كيوم احد **فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ** اى بعد خذلانه اى لا ناصر لكم **وَعَلَى اللَّهِ** لا غيره **فَلْيَتَوَكَّلِ** ليثق **الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾** ونزل لما فقدت قطيفة حمراء يوم بدر فقال بعض الناس لعل النبي صلى الله عليه وسلم اخذها **وَمَا كَانَ** ينبغي **لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ** يخون في الغنيمة فلا تظنوا به ذلك وفي قراءة بالبناء للمفعول اى ينسب الى الغلول **وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** حاملا له على عنقه **ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ** الغال وغيره جزاء **مَّا كَسَبَتْ** عملت **وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾** شيئا **أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ** فأطاع ولم يغل **كَمَن بَاءَ** رجع **بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ** بمعصيته وغلوله **وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾** المرجع هي لا **هُمْ دَرَجَاتٌ** اى اصحاب درجات **عِندَ اللَّهِ** اى مختلفوا المنازل فلمن اتبع رضوانه الثواب ولمن باء بسخطه العقاب **وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾** فيجازيهم به **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ** اى عربيا مثلهم ليفهموا عنه ويشرفوا به لا ملكا ولا عجميا **يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ** القرآن **وَيُزَكِّيهِمْ** يطهرهم من الذنوب **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ** القرآن **وَالْحِكْمَةَ** السنة **وَإِن** مخففة اى انهم **كَانُوا مِن قَبْلُ** اى قبل بعثه **لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾** بين **أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ** باحد بقتل سبعين منكم **قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا** ببدر بقتل سبعين واسر سبعين منهم **قُلْتُمْ** متعجبين **أَنَّىٰ** من اين لنا **هَٰذَا** الخذلان ونحن مسلمون ورسول الله فينا والجملة الاخيرة في محل الاستفهام الانكاري **قُلْ** لهم **هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ** لانكم تركتم المركز فخذلتم **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾** ومنه النصر ومنعه وقد جازاكم بخلافكم **وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ** باحد **فَبِإِذْنِ اللَّهِ** بارادته **وَلِيَعْلَمَ** الله علم ظهور **الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾** حقا **وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا** الذين **وَقِيلَ لَهُمْ** لما انصرفوا عن القتال وهم عبد الله بن ابي واصحابه **تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** اعداءه **أَوِ ادْفَعُوا** عنا القوم بتكثير سوادكم ان لم تقاتلوا **قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ** نحسن **قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ** قال تعالى تكذيبا لهم **هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ** بما اظهروا من خذلانهم للمؤمنين وكانوا قبل اقرب الى الايمان من حيث الظاهر **يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ** ولو علموا قتالا لم يتبعوا **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾** من النفاق الذين بدل من الذين قبله او نعت **الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ** في الدين **وَ** قد **قَعَدُوا** عن الجهاد **لَوْ أَطَاعُونَا** اى شهداء احد او اخواننا في القعود **مَا قُتِلُوا قُلْ** لهم **فَادْرَءُوا** ادفعوا **عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾** في ان القعود ينجي منه ونزل في الشهداء **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا** بالتخفيف والتشديد **فِي سَبِيلِ اللَّهِ** اى لاجل دينه **أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ** ارواحهم في حواصل

طيور خضر تسرح في الجنة حيث شاءت كما ورد في الحديث **يُرْزَقُونَ** ﴿١٦٩﴾ يأكلون من ثمار الجنة **فَرِحِينَ** حال من ضمير يرزقون **بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ** وَ هم **يَسْتَبْشِرُونَ** يفرحون **بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ** من اخوانهم المؤمنين ويبدل من الذين أن اى بأن **أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** اى الذين لم يلحقوا بهم من خلفهم من اخوانهم المؤمنين **وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** ﴿١٧٠﴾ في الاخرة المعنى يفرحون بامنهم وفرحهم **يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ** ثواب **مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ** زيادة عليه **وَأَنَّ** بالفتح عطفا على نعمة والكسر استئنافا **اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ** ﴿١٧١﴾ بل يأجرهم.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان کافروں منافقوں کی سی باتیں نہ کرو جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جب کہ وہ سفر میں ہوتے ہیں اور انتقال کر جاتے ہیں یا کہیں جہاد میں جاتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ غُزًّی، غازٍ کی جمع ہے۔ کہتے ہیں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی ان کے جیسی بات مت کہو (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آئی تھی) تاکہ اللہ تعالیٰ اسے (یعنی) اس بات کو آخر کار ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے۔ اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ لہذا گھروں میں بیٹھ رہنا ان کو موت سے نہیں بچا سکتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے تو اس کی وہ تم کو جزاء دے گا۔ تاء اور یاء کے ساتھ اگر تم اللہ کے راستہ یعنی جہاد میں مارے جاؤ یا مر جاؤ میم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ (اول) مَاتَ يَمُوتُ سے اور (دوسرا) مَاتَ يَمَاتُ (س) سے ہے یعنی تم کو اس میں موت آ جائے، تو تمہارے گناہوں کے لیے اللہ کی مغفرت اور اس پر اس کی رحمت کہیں بہتر ہے۔ اس دنیا سے جس کو تم جمع کر رہے ہو تاء اور یاء کے ساتھ، لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے، اور وہ مقام فعل میں مبتداء ہے اور اس کی خبر (خَيْرٌ مِّمَّا تَجْمَعُوْنَ) ہے اور اگر تم مر جاؤ یا جہاد وغیرہ میں مارے جاؤ (لَئِنْ) میں لام دونوں صورتوں میں قسمیہ ہے۔ تو تم ضرور اللہ ہی کی طرف نہ کہ کسی اور کی طرف آخرت میں جمع کیے جاؤ گے، سو وہ تم کو جزاء دے گا۔ سوائے محمد ﷺ اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں۔ مَا، زائدہ ہے اور اگر آپ بدزبان اور تندخو خشک مزاج ہوتے اور ان پر سختی کرتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، لہذا آپ ان سے (یوم احد) میں جو کچھ (کوتاہی) ہوئی اس سے درگذر کیجئے۔ اور ان کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ تاکہ میں ان کی مغفرت کروں اور جنگ وغیرہ کے معاملات میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان سے ان کی دل جوئی کے لیے مشورہ کیجئے اور اس لیے تاکہ آپ کی سنت قائم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب سے بکثرت مشورہ فرمایا کرتے تھے، اور جب آپ مشورہ کے بعد کسی کام کے کرنے کا پختہ عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ نہ کہ مشاورت پر۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اگر اللہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے جیسی کہ یوم بدر میں کی۔ تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے یعنی تمہاری مدد ترک کر دے۔ جیسا کہ یوم احد میں ہوا۔ تو پھر کون ہے جو اس کے علاوہ تمہاری مدد کرے یعنی اس کے چھوڑنے

کے بعد، یعنی تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے اور جب یوم بدر میں ایک سرخ چادر گم ہوگئی تو بعض نے کہا شاید نبی ﷺ نے لے لی ہوگی۔ اور نبی کی شان نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے لہٰذا آپ اس کے بارے میں ایسا گمان مت کرو اور ایک قراءت میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، یعنی خیانت کی جانب نسبت کی جائے، اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اور ہر خائن اور غیر خائن نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کیا جو شخص رضائے الٰہی کا تابع ہو کہ اس نے اطاعت کی اور خیانت نہیں کی۔ بھلا وہ اس جیسا ہو جائے گا جو معصیت اور خیانت کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتا ہے؟ نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے اور اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے لوگوں میں بدرجہا فرق ہے۔ یعنی ان کے مختلف درجے ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہوگا اس کے لیے ثواب ہوگا، اور جو اس کا غصہ لے کر لوٹے گا وہ مستحق عذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کو دیکھتے ہیں، لہٰذا ان کے اعمال کا ان کو بدلہ دیں گے حقیقت میں اللہ نے مومنین پر (بڑا) احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، یعنی ان کے جیسا عربی۔ تاکہ اس کی بات سمجھیں اور اس سے شرف حاصل کریں۔ نہ کہ فرشتہ اور غیر عربی۔ جو ان کو آیتیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں گناہوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب قرآن اور حکمت سنت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً اس سے (یعنی) اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور جب اُحد میں تمہیں ایسی تکلیف پہنچی کہ تمہارے ستر آدمی مقتول ہوئے۔ جس کی دوچند تکلیف (فریق مقابل کو) بدر میں ستر کو قتل کرکے اور ستر کو قید کرکے پہنچا چکے تھے۔ تو تم تعجب سے کہنے لگے یہ کہاں سے آگئی؟ حالانکہ اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے آپ کہہ دیجئے یہ خود تمہاری طرف سے ہے اس لیے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے تم شکست کھا گئے۔ آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور مصیبت تم پر اس دن پڑی جس دن اُحد میں دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئیں۔ اور اس لیے تاکہ اللہ مومنین کو علم ظہور کے طور پر جان لے اور تاکہ منافقین کو جان لے جن سے کہا گیا جب وہ قتال سے پھر گئے اور وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے آؤ اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑو یا اگر تم نہیں لڑ سکتے تو کافروں کو ہم سے اپنی تعداد بڑھا کر ہٹاؤ تو وہ بولے اگر ہم کوئی (ڈھنگ) کی جنگ دیکھتے تو ضرور ہم تمہارا ساتھ دیتے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا یہ لوگ اس روز ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہوگئے اس سبب سے کہ انہوں نے مومنین کے لیے اپنی بزدلی ظاہر کردی اور اس سے پہلے وہ بظاہر ایمان کے قریب تھے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اگر انہیں قتال کا علم ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ آتے اور جو نفاق یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دینی بھائیوں سے کہا حال یہ کہ وہ خود بھی جہاد سے بیٹھے رہے اور اگر شہداء احد یا ہمارے بھائی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ سے بیٹھ رہنا موت سے بچا سکتا ہے تو خود کو موت سے بچا لو اور (آئندہ آیت) شہدائے اُحد

کے بارے میں نازل ہوئی، جو لوگ راہِ خدا میں دین کے لیے مارے گئے۔ تم ان کو ہرگز مردہ خیال مت کرو (قتلوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، ان کو ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ حال یہ کہ وہ ان (نعمتوں) سے خوش ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء کی ہیں (فرحین) یرزقون کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ان کی بابت کہ ان کے مومن بھائیوں میں سے بعد والے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ہیں خوشی منا رہے ہیں اس پر کہ انہیں (یعنی) جو ابھی ان سے جا کر نہیں ملے ہیں۔ نہ کوئی خوف ہے اور نہ آخرت میں وہ غم زدہ ہوں گے اور اَلَّذِیْنَ سے اَنْ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ بدل ہے۔ وہ ان کے امن اور ان کی مسرت سے خوش ہیں وہ لوگ اللہ کے انعام ثواب اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں۔ اور اس پر کہ اللہ مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا (اَنَّ) فتحہ کے ساتھ ہے نِعْمَةٍ پر عطف کرتے ہوئے اور کسرہ کے ساتھ استیناف ہے۔ بلکہ ان کو اجر عطا کرے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہ: فی شانھم، اس میں اشارہ ہے کہ لام بمعنی فی، ہے۔

قِوْلَہ: فی عاقبۃِ اَمْرِھِمْ، اس میں اشارہ ہے کہ لِیَجْعَلَ، میں لام، لام عاقبت ہے۔

قِوْلَہ: کائنۃ، کائنۃ مقدر مان کر ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوْال: لَمَغْفِرَۃ، اپنے معطوف وَرَحْمَۃٌ، سے مل کر مبتدا ہے حالانکہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتدا بننا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ جب موصوف بالصفت ہو تو اس کا مبتدا بننا درست ہوتا ہے یہاں پر مِنَ اللّٰہِ جار مجرور سے مل کر کائنۃٌ کے متعلق ہو کر مغفرۃ کی صفت ہے لہٰذا مَغْفِرَۃٌ کا مبتدا بننا درست ہے۔ اور خَیْرٌ، اس کی خبر ہے اور لَمَغْفِرَۃٌ اپنی خبر سے مل جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔

قِوْلَہ: وَھُوَفی موضع الفعل ھُوَ کا مرجع لَمَغْفِرَۃٌ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَاللّٰہِ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ لَغَفَرْتُ لَکُمْ وَرَحِمْتُکُمْ، جواب شرط محذوف ہے۔ اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو مذکور، مقدم کا جواب ہوتا ہے اور مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے، اسی قاعدہ کی رو سے، لَمَغْفِرَۃ الخ، جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔

ملحوظۃ: مفسر علام کا وَھُوَفِی مَوْضِعِ الفِعْلِ، کہنا محل تامل ہے اس لیے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ جواب قسم کے لیے فعل ہونا ضروری ہے حالانکہ اسم اور فعل دونوں جواب قسم واقع ہوتے ہیں فتامل۔

قَوْلُهُ: من الدنیا، یہ اشارہ ہے کہ بِمَا یَعْلَمُوْنَ، میں ما، موصولہ ہے اور یَعْلَمُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے اور مِنْهُ، عائد محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: بوجھین یعنی مُتُّمْ بالضمة والکسرۃ.

قَوْلُهُ: زائدة للتاکید، مَا، کو زائدہ قرار دینے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ مَا، یہاں نہ موصولہ ہو سکتا ہے اور نہ شرطیہ اور نہ نافیہ اور نہ موصوفہ اور نہ مصدریہ اس لیے کہ یہاں ان میں سے کوئی بھی معنیٰ درست نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مَا، کو زائدہ قرار نہ دیا جائے تو حرف کا حرف پر داخل ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: اَصْحَابُ الدرجات، اصحاب، مقدر مانا ہے تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلُهُ: بَیَّنَ، مُبِیْن کی تفسیر بَیَّن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ متعدی بمعنیٰ لازم ہے۔

قَوْلُهُ: الجملة الاخیرة. ای قُلْتُمْ اَنّٰی لَنَا ھٰذا.

قَوْلُهُ: وَقَدْ قَعَدُوْا، قَعَدُوْا، قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ماضی بغیر قد کے حال نہیں ہو سکتا اس لیے مفسر علام نے قد مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ قَعَدُوْا بتقدیر قد، حال ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الضرب فی الارض. ای السّفر. ضَرَبُوْا فی الأرض، ای سافروا فیھا. غُزًّی، خلاف قیاس غازٍ کی جمع ہے، اور قیاس غُزَاۃ تھا بروزن رُمَاۃ.

حکایة حال الماضیة. اِذا ضربوا فی الارض، ضربوا فعل ماضی ہے مناسب تھا کہ اِذا کے بجائے اِذْ، لاتے اس لیے کہ اِذْ ماضی کے لیے آتا ہے۔ مگر حکایت حال صیغہ کے طور پر اذا لائے ہیں، تاکہ حال، ماضی کا ذہن میں استحضار ہو جائے۔

طباق: یُحْیٖ ویمیت. لام صَیرورت. لیجعل اللّٰہ میں لام صیرورت کے لیے ہے جس کو لام عاقبت بھی کہتے ہیں۔ یہ لام انجام اور مآل شی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد اَنْ مقدر ہونے میں لام تعلیل کے مانند ہے۔ غَلَّ. کسی چیز کو خفیہ و خیانۃ لینا غُل بالضم خیانت، بالکسر کینہ جو، یقال. یدُالمومنین لایغُلُّ وقلب المومن لایَغِلُّ بالکسر، یعنی مومن کا ہاتھ خیانت نہیں کرتا اور نہ مومن کا قلب حسد اور کینہ کرتا ہے۔

تشبیہ بلیغ: ھُمْ دَرَجَاتٌ، درجات کو اصحاب درجات کا عین قرار دیا ہے، یہ عین تشبیہ بلیغ کے طور پر ہے، اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الآیة) اہل ایمان کو فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیوں کہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے نیز یہ کہ

موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یعنی یہ باتیں جو کفار و منافقین کرتے ہیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قضائے الٰہی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں پر ہی موقوف سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس قسم کے قیاسات حسرت و اندوہ بن کر رہ جاتے ہیں اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا، یہ نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (الآیة) موت تو بہر حال آنی ہی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پائے تو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد سے گریز نہیں بلکہ اس میں شوق و رغبت ہونا چاہئے کہ اس طرح اللہ کی رحمت و مغفرت یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (الآیة) نبی ﷺ خلق عظیم کے پیکر تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر ایک احسان عظیم فرما رہے ہیں کہ آپ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی، دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے اگر آپ کے اندر یہ وصف نہ ہوتا بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ تندخو، سخت دل، تلخ سخن ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ عفو و درگذر سے کام لیتے رہیے۔

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، یعنی مسلمانوں کی دل جوئی اور تطییب خاطر کے لیے ان سے مشورہ کر لیا کیجئے اس آیت سے مشورہ کی اہمیت و افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے مشاورت کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے۔ (ابن کثیر)

حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہے۔ فوج کے سربراہ ہونے سے فوجی معاملات میں اور سربرآوردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام اور والیوں سے ان کے علاقوں کی ضروریات و ترجیحات کے بارے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمرانوں کے عزل پر اختلاف نہیں ہے جو اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتے، یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی مشورہ کے بعد جس پر آپ ﷺ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر بھروسہ کر کے اسے کر گزریئے۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمراں ہی کا ہوگا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے دوسری یہ کہ پورا اعتماد و توکل اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ (الآیة) جنگ اُحد کے دوران جو لوگ مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے سمیٹ لے جائیں گے، اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس

مال میں تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا؟ کیا تمہیں اپنے قائد محمد ﷺ پر اطمینان نہیں؟ یاد رکھو ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن نہیں ہے کیوں کہ خیانت نبوت کے منافی ہے، اگر نبی ہی خائن ہو تو اس کی نبوت پر کیوں کر یقین کیا جا سکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے۔ احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے مامور کیا تھا انہوں نے اس خیال سے کہ دشمن کا لشکر لوٹا جا رہا ہے کہیں ہم محروم نہ رہ جائیں؟ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر نافرمانی کی وجہ دریافت فرمائی انہوں نے کچھ اعذار پیش کیے جو کمزور ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں تھے اس پر آپ نے فرمایا "بل ظننتم انا نغل ولا نقسم لکم" اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہمارے اوپر اطمینان نہیں تھا تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو تمہارا حصہ نہیں دیں گے، اس آیت میں اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت "وما کان لنبی ان یغل" ایک سرخ چادر کے بارے میں جو کہ یوم بدر میں گم ہو گئی تھی نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہوگی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (الآیة) اس آیت میں نبی کے بشر اور انسان ہونے ہی کو اللہ ایک احسان کے طور پر بیان فرما رہے ہیں اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے، تیسرے، انسان کے لیے انسان کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے، اس لئے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں، اس لیے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے، قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ (الآیة) اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حقیقت شناس تھے ہی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے، اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہمارے اوپر فتح نہیں پا سکتے، اس لیے اُحد میں جب شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے گئے تھے اور شکست بھی ان سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے، یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

جنگ اُحد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے اس کے برخلاف جنگ بدر میں کفار کے ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ستر گرفتار کیے گئے تھے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ، یعنی یہ سب کچھ تمہاری اس غلطی کی وجہ سے ہوا جو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی کا مورچہ چھوڑ کر کی تھی۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (الآیة) اور اس شکست کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے ممتاز کردے۔

عبداللہ بن ابی جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستہ سے واپس ہونے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا، مگر اس نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ یہ کوئی جنگ نہیں ہے بلکہ ہلاکت اور خودکشی ہے اگر کوئی ڈھنگ کی لڑائی ہوتی تو ہم ضرور ساتھ چلتے ایسے غلط کام میں ہم آپ کا کیوں ساتھ دیں؟ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کی ان کی بات نہیں مانی گئی تھی عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی جب مقام شوط پر پہونچ کر واپس ہو رہے تھے۔ اور عبداللہ بن حرام انصاری انہیں سمجھا کر واپس لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآیة) اس آیت میں شہداء کے خاص فضائل کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیل وارد ہوئی ہے، یہاں شہداء کی پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مردے نہیں بلکہ دائمی زندگی کے مالک ہو گئے ہیں، یہاں پر بظاہر ان کا مرنا اور قبر میں دفن ہونا تو مشاہد ہے پھر قرآن کی متعدد آیات میں ان کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے، تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو حاصل ہے مرنے کے بعد اس کی روح زندہ رہتی ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد مومنین صالحین کے لیے سامان راحت اور کفار و فجار کے لیے قبر کا عذاب قرآن وسنت سے ثابت ہے تو یہ حیات برزخی جب سب کے لیے عام ہے تو شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جوابٌ: یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی مل جاتی ہے جو ہر عام مردوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ امتیاز کیا اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ جاننے کی ضرورت ہے البتہ بعض اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی، جس کے بہت سے واقعات مشاہدہ کیے گئے ہیں۔

شان نزول:

اس آیت کا شانِ نزول جس کو ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے فرمایا کہ جب واقعۂ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لیے عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنی آرام وراحت کی یہ زندگی

دیکھیں تو کہنے لگے کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ہمارے عزیزوں کو پہنچا سکتا ہے جو ہمارے شہید ہونے کی مسرت نہ دیتیں
غمزدہ ہیں تاکہ وہ غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے
ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف، قرطبی)

اَلَّذِيْنَ مبتدأ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ دعاءه بالخروج للقتال لما اراد ابو سفيان واصحابه العود وتواعدوا مع
النبي صلى الله عليه وسلم سوق بدر العام المقبل من يوم أحد مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ بأحد وخبر
المبتدأ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ بطاعته وَاتَّقَوْا مخالفته اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ هو الجنة اَلَّذِيْنَ بدل من الذين قبله او
نعت قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اى نعيم بن مسعود الاشجعي اِنَّ النَّاسَ ابا سفيان واصحابه قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ الجموع
ليستأصلوكم فَاخْشَوْهُمْ ولا تأتوهم فَزَادَهُمْ ذلك القول اِيْمَانًا ۖ تصديقا بالله ويقينا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
كافينا امرهم وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ المفوض اليه الامر هو وخرجوا مع النبي صلى الله عليه وسلم
فوافوا سوق بدر والقى الله الرعب فى قلب ابى سفيان واصحابه فلم يأتوا وكان معهم تجارات
فباعوا وربحوا قال تعالى فَانْقَلَبُوْا رجعوا من بدر بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ بسلامة وربح لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ من
قتل او جرح وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ بطاعته ورسوله فى الخروج وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ على اهل طاعته
اِنَّمَا ذٰلِكُمُ اى القائل لكم ان الناس الخ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ الكفار فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ فى ترك امرى
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ حقا وَلَا يَحْزُنْكَ بضم الياء وكسر الزاى وبفتحها وضم الزاى من حزنه لغة فى احزنه
الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ يقعون فيه سريعا بنصرته وهم اهل مكة او المنافقون اى لا تهتم لكفرهم
اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ بفعلهم وانما يضرون انفسهم يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا نصيبا فِى الْاٰخِرَةِ اى الجنة
فلذلك خذلهم وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ فى النار اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اى اخذوه بدله لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
بكفرهم شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ مؤلم وَلَا يَحْسَبَنَّ بالياء والتاء الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ اى املاءنا لَهُمْ
بتطويل الاعمار وتأخيرهم خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ وان ومعمولاها سدت مسد المفعولين فى قراءة التحتانية ومسد
الثانى فى الاخرى اِنَّمَا نُمْلِيْ نمهل لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ بكثرة المعاصى وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ ذو اهانة فى
الآخرة مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ ليترك الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ ايها الناس عَلَيْهِ من اختلاط المخلص بغيره
حَتّٰى يَمِيْزَ بالتخفيف والتشديد يفصل الْخَبِيْثَ المنافق مِنَ الطَّيِّبِ ۭ المؤمن بالتكاليف الشاقة المبينة
لذلك ففعل ذلك يوم احد وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فتعرفوا المنافق من غيره قبل التمييز
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ يختار مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فيطلعه على غيبه كما اطلع النبى صلى الله عليه وسلم على

حال المنافقين **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا** النفاق **فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ** بالياء والتاء **الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** اى بزكاته **هُوَ** اى بخلهم **خَيْرًا لَّهُمْ** مفعول ثان والضمير للفصل والاول بخلهم مقدرا قبل الموصول على الفوقانية وقبل الضمير على التحتانية **بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ** اى بزكاته من المال **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بان يجعل حية في عنقه تنهشه كما ورد في الحديث **وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** يرثهما بعد فناء اهلهما **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بالتاء والياء **خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾** فيجازيكم به.

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے (دوبارہ) قتال کے لیے نکلنے کے حکم پر لبیک کہہ دیا باوجودیکہ وہ اُحد میں زخم خوردہ ہو چکے تھے۔ (اور یہ اس وقت ہوا) کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے پلٹ کر آنے کا ارادہ کیا۔ اور نبی ﷺ سے یوم اُحد کے بعد آئندہ سال بازار بدر کے موقع پر (مقابلہ آرائی) کا چیلنج کیا۔ اَلَّذِيْنَ مبتدا ہے اور اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ، اس کی خبر ہے۔ ان میں سے جنہوں نے اس کی اطاعت کے ذریعہ نیکی اختیار کی اور اس کی مخالفت سے اجتناب کیا ان کے لیے اجر عظیم ہے اور وہ جنت ہے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں (الذین) سابق الذین سے بدل یا صفت ہے۔ کہ جب ان سے لوگوں یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا کہ لوگوں (یعنی) ابوسفیان اور اس کے اصحاب نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک بڑی جماعت جمع کرلی ہے تاکہ تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں لہٰذا تم ان سے ڈرو، اور ان کے مقابلے کے لیے نہ نکلو۔ تو اس بات نے ان کے اللہ پر یقین اور تصدیق میں اضافہ کر دیا۔ اور ان لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ان کے معاملہ میں ان کے لیے کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ معاملہ اسی کے حوالہ ہے۔ اور وہ نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے اور بازار بدر میں فروکش ہوئے اور اللہ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آنے کی ہمت نہیں کی اور مسلمانوں کے ساتھ سامان تجارت (بھی) تھا جس کو فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ (نتیجہ یہ ہوا) کہ یہ لوگ مقام بدر سے اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ صحیح وسلامت اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو قتل یا زخم، کسی قسم کی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ اور ان لوگوں نے نکلنے میں اطاعت کے ذریعہ اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ اپنے اطاعت گذاروں پر بڑے فضل والا ہے یقیناً یہ (اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ) کا قائل شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں (یعنی) کافروں سے خوف زدہ کر رہا ہے۔ تم ان کافروں سے خوف زدہ نہ ہونا، اور میرے حکم کو ترک کرنے میں مجھ سے ہی ڈرنا اگر تم صحیح معنی میں مومن ہو اور وہ لوگ جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی نصرت مدد کرکے اس میں جلدی واقع ہو جاتے ہیں اور وہ اہل مکہ ہیں یا منافقین ہیں، آپ کو غمگین نہ کریں (لَا يُحْزِنْكَ) یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ اور یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ ساتھ، حَزَنَهٗ سے اَحْزَنَهٗ میں ایک لغت ہے۔ یقیناً یہ لوگ اپنی

حرکتوں سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اللہ کی یہی مشیت ہے کہ ان کے لیے آخرت یعنی جنت میں کچھ حصہ نہ رکھے۔ اور ان کے لیے جہنم میں بڑا عذاب ہے یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر خرید لیا ہے یعنی ایمان کے بجائے کفر اختیار کر لیا ہے وہ اپنے کفر کی وجہ سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور کافر لوگ ہماری اس درازی عمر اور تاخیر (مواخذہ) کی دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں (تحسبن) یاء اور تاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔ اور انّ کو مع اپنے معمول کے یَحْسَبَنَّ بالیاء کی صورت میں قائم مقام دو مفعولوں کے قرار دیا ہے، اور تَحْسَبَنَّ، بالتاء کی صورت میں مفعول ثانی کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے، ہم ان (کافروں) کو صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ کثرت معاصی کے ذریعہ ان کے گناہ زیادہ ہو جائیں۔ اور آخرت میں ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔ اے لوگو مخلص اور غیر مخلص کی اختلاط کی جس حالت پر تم ہو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس حال پر نہ چھوڑے گا تا آنکہ خبیث یعنی منافق کو طیب (یعنی) مومن سے اس کو ظاہر کرنے والی تکالیف شاقہ کے ذریعہ ممتاز نہ کر دے چنانچہ یوم اُحد میں ایسا کیا، اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے کہ تم منافق کو غیر منافق سے شناخت کر سکو البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے تو اس کو غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کو منافقین کے حال پر مطلع کر دیا سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اگر تم ایمان لے آئے اور نفاق سے اجتناب کیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے اور جنہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے تو اس میں بخیلی کو بہتر نہ خیال کریں (یَحْسَبَنَّ) تاء اور یاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں، (خیرًا) مفعول ثانی ہے اور هُوَ ضمیر متصل کے لیے ہے اور مفعول اول (بُخْلَهُمْ) فوقانیہ کی صورت میں موصول سے پہلے مقدر ہے اور ضمیر سے پہلے تحتانیہ کی صورت میں۔ بلکہ وہ ان کے لیے نہایت برا ہے عنقریب قیامت کے دن ان (بخیلی کرنے والوں کی گردنوں) میں اس مال زکوٰۃ کا جس میں انہوں نے بخیلی کی ہے طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اس طور پر کہ اس مال کو سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور وہ اس کو ڈستا رہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اہل ارض و سماء کے فنا ہونے کے بعد اللہ ان کا وارث ہوگا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یاء اور تاء کے ساتھ پس تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَلَّذِیْنَ. مبتدأ. یعنی اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے۔ اور لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ الخ خبر مقدم ہے، اَجْرٌ عظیم مبتداء مؤخر ہے۔ مبتداء مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے اَلَّذِیْنَ اول کی۔

قَوْلُهٗ: بدل من الذین . او نعت، مفسر علام نے الذین ثانی کو الذین اول سے بدل یا صفت قرار دیا ہے مگر اس میں اشکال ہے اس لیے کہ پہلے الذین سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جو غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے تھے اور ثانی الذین سے عام

مسلمان مراد ہیں حالانکہ بدل اور نعت کے لیے دونوں میں اتحاد ضروری ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ الـذیـن ثانی کو امدح فعل محذوف سے منصوب قرار دیا جائے۔ (اعراب القرآن)

قولہ: ھُوَ، یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قولہ: کُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ کُمْ، یُخَوِّفُ کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول محذوف ہے۔

قولہ: فتح الیاء وضم الزاء یعنی باب نصر سے۔

قولہ: یقعون فیہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یُسارِعُوْنَ متعدی بالی ہوتا ہے اور یہاں متعدی بفی۔

جواب: یسارعون، یقعُوْنَ کے معنی کو متضمن ہے۔

قولہ: مؤلمٌ الیمٌ کی تفسیر مؤلمٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ الازم بمعنی متعدی ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ عذاب صاحب الم خود (دردمند) نہیں ہوتا بلکہ اس میں داخل ہونے والا صاحب الم (دردمند) ہوتا ہے۔

قولہ: ای املاء نا اس میں اشارہ ہے کہ ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ جیسا کہ انَّ و ما کے متصل لکھنے کی وجہ سے وہم ہوتا ہے مناسب یہ تھا انَّ مَا کو اِنَّمَا لکھا جاتا مگر چونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح مکتوب ہے اس لیے اس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ایک تو عائد کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہے دوسرے یہ کہ معنی بھی درست نہیں ہیں۔

قولہ: قبل الموصول تقدیر عبارت یہ ہوگی "ولاتحسبن بخل الذین"۔

قولہ: قبل الضمیر تقدیر عبارت یہ ہوگی "ولایحسبنّ البُخلاءُ بُخلَهُمْ هُو خیرًا لهم، مقدر کو ضمیر پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر فصل مبتدا اور خبر ہی کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ.

استعارة مکنیة فی اشترء الکفر بالایمان. وقدتقدّم القولُ فی هذا.

❷ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا.

استعارة تـصـریحیة فـی الاملاء. فقد شبّه امهالهم، وترك الحبل لهم علی غوار بهم، بالفرس الذی یملی لهم الحبل لیجری علی سجیة.

ویرتقی کیف یشاء، فحذف المشبه وهو الامهال والترك، وابقی مشبه به وهو الاملاء.

الطباق: الطباق بین خیر وشرٍّ وبین السمٰوٰت والارض.

تفسیر وتشریح

ربط آیات اور شانِ نزول:

اوپر غزوہ اُحد کا ذکر تھا مذکورہ آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک اور غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

جنگ اُحد سے پلٹ کر جب مشرکین کئی منزل دور چلے گئے تو انہیں ہوش آیا اور آپس میں کہنے لگے ہم نے یہ کیا حرکت کی کہ محمد ﷺ کی طاقت توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا اسے کھو کر چلے آئے چنانچہ مشرکین مکہ نے ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کہ مدینہ منورہ پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے لیکن پھر ہمت نہ پڑی ان پر اللہ نے ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ سیدھے مکہ مکرمہ کو ہولیے۔ اور ایک شخص جس کا نام نعیم بن مسعود تھا جو مدینہ کی طرف آ رہا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ عبد قیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو ابوسفیان نے مسلمانوں کو کہلوایا کہ ابوسفیان نے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اس کا ارادہ ہے کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کر کے سب نیست و نابود کر دے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو حمراء الاسد کے مقام پر پہنچائی تو آپ نے اور مسلمانوں نے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ''اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ'' آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی گفتگو معلوم ہو گئی تو آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک نکلے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اُحد کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے مگر اس میں صرف وہی لوگ جا سکتے ہیں جو کل کے معرکہ میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دو سو مجاہدین جمع ہو گئے۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک شخص مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا یہ شخص اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا اس کا قبیلہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا۔ راستہ میں جب ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہے ہیں اور واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ میں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الاسد کے مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے سامان کے ساتھ تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔ ابوسفیان اس خبر سے مرعوب ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر صغریٰ کے موقعہ پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل

گئیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین لڑائی کے لیے پھر پوری تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں، بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعہ لیا تھا، لیکن مسلمان ان افواہوں سے خوفزدہ ہونے کی بجائے مزید عزم و حوصلہ سے سرشار ہوگئے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ وهم اليهود قالوا لما نزل من ذا الذي يقرض الله قرضًا حسنًا وقالوا لو كان غنيًا ما استقرضنا **سَنَكْتُبُ** نأمر بكتب **مَا قَالُوْا** في صحائف أعمالهم ليجازوا عليه وفي قراءة بالياء مبنيًا للمفعول **وَ** نكتب **قَتْلَهُمُ** بالنصب والرفع **الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ** بالنون والياء أي الله لهم في الآخرة على لسان الملائكة **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** ﴿١٨١﴾ النار ويقال لهم إذا ألقوا فيها **ذٰلِكَ** العذاب **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ** عبر بها عن الإنسان لأن أكثر الأفعال تزاول بهن **وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ** أي بذي ظلم **لِّلْعَبِيْدِ** ﴿١٨٢﴾ فيعذبهم بغير ذنب **اَلَّذِيْنَ** نعت للذين قبله **قَالُوْٓا** لمحمد **اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ** في التوراة **اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ** نصدقه **حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ** فلا نؤمن لك حتى تأتينا به وهو ما يتقرب به إلى الله تعالى من نعم وغيرها فإن قبل جاءت نار بيضاء من السماء فأحرقته وإلا بقي مكانه وعهد إلى بني إسرائيل ذلك إلا في المسيح ومحمد صلى الله عليه وسلم قال تعالى **قُلْ** لهم توبيخًا **قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزات **وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ** كزكريا ويحيى فقتلتموهم والخطاب لمن في زمن نبينا وإن كان الفعل لأجدادهم لرضاهم به **فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿١٨٣﴾ في أنكم تؤمنون عند الإتيان به **فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ** المعجزات **وَالزُّبُرِ** كصحف إبراهيم **وَالْكِتٰبِ** وفي قراءة بإثبات الباء فيهما **الْمُنِيْرِ** ﴿١٨٤﴾ الواضح هو التوراة والإنجيل فاصبر كما صبروا **كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ** جزاء أعمالكم **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ** بعد **عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ** نال غاية مطلوبه **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ** أي العيش فيها **اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** ﴿١٨٥﴾ الباطل يتمتع به قليلًا ثم يفنى **لَتُبْلَوُنَّ** حذف منه نون الرفع لتوالي النونات والواو ضمير الجمع لالتقاء الساكنين لتختبرن **فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ** بالفرائض فيها والجوائح **وَاَنْفُسِكُمْ ۣ** بالعبادات والبلاء **وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** اليهود والنصارى **وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** من العرب **اَذًى كَثِيْرًا ۭ** من السب والطعن والتشبيب بنسائكم **وَاِنْ تَصْبِرُوْا** على ذلك **وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴿١٨٦﴾ أي من معزوماتها التي يعزم عليها لوجوبها **وَ** اذكر **اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** أي العهد عليهم في التوراة **لَتُبَيِّنُنَّهٗ** أي

الکتاب لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ بالتاء والیاء فی الفعلین فَنَبَذُوهُ طرحوا المیثاق وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ فلم یعملوا به وَاشْتَرَوْا بِهِ اخذوا بدله ثَمَنًا قَلِيلًا من الدنیا من سفلتهم برياستهم في العلم فكتموه خوف فوته عليهم فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ شراؤهم هذا لَا تَحْسَبَنَّ بالتاء والیاء الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا فعلوا من اضلال الناس وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا من التمسك بالحق وهم على ضلال فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بالوجهين تاكيد بِمَفَازَةٍ بمكان ينجون فيه مِنَ الْعَذَابِ في الآخرة بل هم في مكان يعذبون فيه وهو جهنم وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ مؤلم فيها ومفعولا يحسب الاولى دل عليهما مفعولا الثانية على قراءة التحتانية وعلى الفوقانية حذف الثاني فقط وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ خزائن المطر والرزق والنبات وغيرها وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيبُ الْكَافِرِينَ وَإِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں اور یہ (کہنے والے) یہود ہیں یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب "مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا" آیت نازل ہوئی اور یہ (بھی) کہا کہ اگر اللہ مالدار ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا، ہم ان کے قول کو ان کے اعمال ناموں میں لکھ رہے ہیں تاکہ اس کی ان کو جزاء دی جائے۔ اور ایک قراءت میں (یکتب) یاء کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے۔ اور ہم ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو بھی لکھ رہے ہیں (قتلهم) کے نصب اور رفع کے ساتھ، اور ہم کہیں گے آتش سوزاں کا عذاب چکھو۔ (یَقُوْلُ) نون اور یاء کے ساتھ، یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ بزبان ملائکہ کہے گا، اور جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا یہ عذاب تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے ہے جو تم نے کیے ہیں۔ انسان کی تعبیر ہاتھوں سے کی ہے اس لیے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بے خطاء سزا دے۔ یہ (قائلین) وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ ماقبل والے اَلَّذِيْنَ کی صفت ہے جنہوں نے محمد ﷺ سے کہا کہ اللہ نے ہم کو توریت میں حکم دیا کہ ہم کسی نبی پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں (یعنی) اس کی تصدیق نہ کریں، جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے کہ اس کو آگ کھا جائے لہٰذا تم پر بھی اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لاؤ گے، اور وہ قربانی وہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے جانور وغیرہ کے قبیل سے۔ اگر قربانی مقبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آتی اور اس کو جلا ڈالتی ورنہ اپنی جگہ پڑی رہتی۔ بنی اسرائیل کو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے اس کا حکم دیا گیا تھا۔ قربانی کی مقبولیت کی علامت آسمانی آگ کا قربانی کے جانور کو جلا دینا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے تھی۔ اسی طرح آسمانی آگ کا جلانا نبی کی صداقت کی دلیل مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ نبی کے لیے تھی۔ آپ ان سے کہہ دیجئے مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ معجزہ بھی لائے تھے جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا؟ مثلاً زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ تم نے ان

کو قتل کردیا۔ اور خطاب ان (یہود) سے ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے اگرچہ یہ فعل (قتل) ان کے باپ دادوں کا تھا۔ ان لوگوں کے اس فعل سے راضی ہونے کی وجہ سے۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لائیں گے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو معجزات اور صحیفے جیسا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام۔ اور واضح کتابیں اور ایک قراءت میں دونوں میں (یعنی زُبر اور کتاب) میں باء کے اثبات کے ساتھ ہے (ای بالزبر وبالکتاب) لے کر آئے۔ وہ تورات اور انجیل ہیں۔ لہٰذا جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تم کو تمہارے اعمال کی پوری جزا تو قیامت کے دن دی جائے گی تو جو شخص آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہی کامیاب ہوا یعنی اس نے اپنا مکمل مطلوب پالیا۔ دنیا کی زندگی یعنی اس کا عیش تو محض باطل کا سودا ہے کہ چند دن اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے پھر فنا ہو جائے گا، یقیناً تم کو اس میں نون رفع مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے اور واؤ ضمیر بھی اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔ تمہارے مالوں میں ان کے فرائض اور آفات کے ذریعہ اور تمہاری جانوں میں عبادات اور مصائب کے ذریعہ آزمایا جائے گا۔ اور یقیناً تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ (یعنی) یہود و نصاری اور مشرکین عرب سے بہت سی دل آزار باتیں مثلاً گالی گلوچ اور طعنہ زنی اور تمہاری عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار سننے پڑیں گے اگر تم اس پر صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں یعنی ان مقاصد میں سے ہیں جن کا ان کے واجب ہونے کی وجہ سے قصد کیا جاتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے تورات میں عہد لیا کہ تم اس کتاب کو سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں دونوں فعلوں میں تاء اور یاء کے ساتھ۔ سو انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا کہ اس طور پر اس پر عمل نہ کیا۔ اور اس کے عوض اپنے کمتر لوگوں سے اپنی علمی سربراہی کی وجہ سے دنیا کی حقیر قیمت لے لی اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے خوف سے اس عہد کو چھپالیا۔ سو کیسی بری چیز ہے وہ جس کو وہ خرید رہے ہیں یعنی ان کا اس کو خریدنا کس قدر برا ہے! سو ایسے لوگوں کے بارے میں جو اپنے کرتوتوں یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے پر خوش ہو رہے ہیں ہرگز خیال نہ کریں (کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی مدح سرائی ایسے کارناموں پر بھی کی جائے جن کو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے اور وہ حق کو تھامنا ہے۔ حالانکہ وہ گمراہی میں ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ وہ آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں گے یعنی ایسی جگہ میں ہوں گے کہ وہ نجات پاجائیں، بلکہ وہ تو ایسی جگہ میں ہوں گے جس میں عذاب دیئے جائیں گے۔ اور وہ دوزخ ہے اور ان کے لیے اس میں دردناک (دردمند) عذاب ہوگا۔ اور پہلے یَحْسَبُ کے دونوں مفعول کہ جن پر یَحْسَبُ ثانی کے دونوں مفعول یاء تحتانیہ کی قراءت کی صورت میں دلالت کررہے ہیں اور فوقانیہ (قراءت) کی صورت میں فقط ثانی مفعول حذف کیا گیا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین یعنی بارش اور رزق اور نباتات وغیرہ کے خزانوں پر اللہ ہی کی سلطنت ہے اور اللہ ہی ہر شی پر قادر ہے اور اسی میں سے کافروں کی تعذیب اور مومنوں کو نجات دینا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا. یہ کلام مستانف ہے۔ اس کو یہود کی بیہودہ گوئی اور افواہوں کا نمونہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ لَقَدْ میں لام توطیہ ہے قسم کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے ای وَاللّٰه لَقَدْ سَمِعَ اللّٰه الخ. قَدْ حرف تحقیق ہے اور لام جواب قسم پر داخل ہے۔

قِوْلَهُ: نكتب. اس میں اشارہ ہے کہ قَتْلَهُمْ کا عطف ما پر ہے نہ کہ قالوا پر۔

قِوْلَهُ: بالنصب والرفع. وَقَتْلَهُمْ، میں دونوں قراءتیں ہیں، اس لیے کہ قتلهم کا معطوف علیہ ماقالوا ہے۔ اور معطوف علیہ محل کے اعتبار سے منصوب اور مرفوع دونوں ہے اگر نَكْتُبُ، نون کے ساتھ پڑھیں تو مَاقَالُوْا محلاً منصوب ہوگا اس لیے کہ نکتب کا مفعول ہوگا اور اگر يُكْتَبُ یاء کے ساتھ پڑھیں تو معطوف علیہ مرفوع ہوگا اس لیے کہ يُكتب، مجہول کا صیغہ ہوگا اور مَاقالوا نائب فاعل۔

قِوْلَهُ: ای بذی ظلم، اس میں اشارہ ہے کہ ظلّام. مبالغہ کا صیغہ اسم فاعل کے معنی میں ہے قرآن کریم میں مبالغہ کا صیغہ اکثر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے۔

قِوْلَهُ: جوائح، یہ جائحة کی جمع ہے، آفت، پھلوں کا روگ۔

قِوْلَهُ: التشبيب، غزل گوئی، عشق و محبت کی باتیں، تشبیب دراصل جوانی کی باتوں کے ذکر کو کہتے ہیں۔ بعد میں غزل کے شروع میں عشقیہ باتوں کے ذکر کو کہنے لگے۔

قِوْلَهُ: مَعْزُوْمَاتِهَا، اس میں اشارہ ہے کہ عزم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ امور جمع، عزم کی اضافت امور جمع کی جانب کی وجہ سے ہے۔

قِوْلَهُ: لَتُبَيِّنُنَّهُ، تَبَيِّن سے جمع مذکر حاضر با نون ثقیلہ۔ تم ضرور بیان کرو گے اس میں لام قسمیہ ہے۔

قِوْلَهُ: شراء هم هذا، شراء هم، بئس کا فاعل ہے اور۔ هذا، مخصوص بالمدح ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① استعارة مكنية: فی قوله تعالىٰ "ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ. استعارة مكنية، وقد تقدمت الاشارة اليها.

② الطباق: الطباق بين فقير و اغنياء.

③ المجاز المرسل: فی قوله تعالىٰ "اَيْدِيْكُم" اذ المراد سيئاتكم، والعلامة هی

السببية، لأن اليد يعني السبب فيما يقترفه الانسان من اعمال، مَتَاعُ الغرور. المتاع كل ما استمتع به الانسان من مال وغيره.

والغرور: مصدر غَرّاى خدع، والغرور، الباطل.

ما الحيوة الدنيا الامتاع الغرور. في الآية تشبيهٌ بليغٌ. فقد شبّه الدنيا بالمتاع الذى يدلس به باعه علم طالبه حتى يتخدع ويشتريه.

الاستعارة المكنية: في قوله تعالى، وَاشتروا به ثمناً قليلا. وقد تقدمت.

تفسیر وتشریح

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا "مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو یہودیوں نے کہا اے محمد (ﷺ) تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فنحاص کو مارنا:

ابن عباس سے ابن اسحٰق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر بیت المدراس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ ایک یہودی جس کا نام فنحاص تھا، کے پاس جمع تھے یہ شخص یہودی علماء میں سے تھا۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا۔ افسوس تیرے حال پر اے فنحاص تو اللہ سے ڈر اور اسلام لے آ، واللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تم تورات میں یہ بات لکھی ہوئی پاتے ہو، تو فنحاص نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا واللہ اے (ابوبکر) ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں اللہ ہمارا محتاج ہے اور اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے بقول تمہارے صاحب کے قرض طلب نہ کرتا۔ تمہارا خدا ہم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود دوگنا چوگنا دینے کا وعدہ کرتا ہے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فنحاص کی اس گستاخی پر غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ایک طمانچہ رسید کر دیا، اور فرمایا واللہ اگر باہم معاہدہ نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیری گردن مار دیتا فنحاص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کرتے ہوئے کہا اے محمد (ﷺ) دیکھو تمہارے دوست نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے خدا کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا فنحاص اپنے اس قول سے مکر گیا مگر اللہ نے اپنے صدیق کی تصدیق فرماتے

ہوئے "لقد سمع اللّٰہ قول الذین قالوا انّ اللّٰہ فقیر ونحن اغنیاء" نازل فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ.

یہود کا طلب معجزۂ قربان:

بنی اسرائیل کی شریعت میں چونکہ صدقہ اور مال غنیمت کھانا حلال نہیں تھا اس لیے قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اور صدقہ کے مال کو جمع کر کے رکھ دیا جاتا تھا اگر آسمانی آگ آ کر اس کو جلا دیتی تو یہ اس کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی ورنہ وہ صدقہ مردود و نامقبول سمجھا جاتا تھا۔ اور یہود کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ ہم کو تورات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو تم اس سے نذر و صدقات کے مال کو آسمانی آگ سے جلانے کا مطالبہ کرو اگر وہ معجزہ دکھا دے تو اس کی نبوت پر ایمان لاؤ ورنہ نہیں، اس معجزہ سے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام اور محمد ﷺ مستثنیٰ تھے ان پر اس معجزہ کے بغیر ہی ایمان لانے کا حکم تھا۔

اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو یہ جواب دے سکتے تھے کہ ہمارے اوپر ایمان لانے کے لیے یہ معجزہ دکھانا شرط نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال کا جواب دوسرے طریقہ سے دیا، کہ اے رسول مقبول آپ ان سے کہیے کہ ہم سے پہلے جو پیغمبر آئے اور وہ یہ معجزہ بھی لائے پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ اگر اسی معجزہ پر تمہارے ایمان لانے کا دارومدار تھا تو ان پر ایمان لاتے۔

بائبل میں متعدد مقامات پر یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کے یہاں کسی کی قربانی کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر اسے جلا دیتی تھی، (قضاۃ ۶: ۲۰-۱۲) لیکن یہ کسی جگہ نہیں لکھا ہے کہ اس طرح کی قربانی نبوت کی کوئی ضروری شرط ہے یا جس نبی کو یہ معجزہ نہ دیا گیا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک من گھڑت بہانہ تھا جو یہودیوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے تصنیف کر لیا تھا لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی حق دشمنی کا ثبوت یہ تھا کہ خود انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض نبی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے قربانی کا مذکورہ معجزہ پیش کیا مگر پھر بھی جرائم پیشہ لوگ ان کے قتل سے باز نہ آئے۔ مثال کے طور پر بائبل میں حضرت الیاس (ایلیا) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بعل کے پجاریوں کو چیلنج کیا کہ مجمع عام میں ایک بیل کی قربانی تم کرو اور ایک کی قربانی میں کرتا ہوں جس کی قربانی کو غیبی آگ کھا لے وہی حق پر ہے، چنانچہ ایک خلق کثیر کے سامنے یہ مقابلہ ہوا اور غیبی آگ نے حضرت الیاس کی قربانی کھالی، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی بعل پرست ملکہ حضرت الیاس کی دشمن ہو گئی اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر ان کے قتل کے درپے ہوا اور ان کو مجبوراً ملک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ (۱۔ سلاطین، باب ۱۸/۱۹)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (الآیۃ) شرط ہے اس کا جواب شرط محذوف ہے جس کو مفسر علام نے فاصبر کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کی تکذیب سے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں کیوں کہ یہ معاملہ تو سب ہی انبیاء کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. اس آیت میں اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے اچھا یا برا جو کچھ کیا ہوگا اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا، تیسرے کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ ہر کامیاب انسان اصل میں وہ ہے کہ جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے محفوظ اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا وہ ناکام اور نامراد ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآية) اے مسلمانو! تمہیں مال اور جان کی آزمائش پیش آکر رہے گی اور اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

اہل ایمان کی آزمائش:

اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمایا جائے گا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آیت ۱۵۵؍ میں گزر چکا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین سے تکلیف پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے دین اسلام کی تحقیر پیغمبر اسلام کی توہین اور ان کی طعن و تشنیع اور ان کے الزامات اور ان کا بیہودہ طرز کلام سننا پڑے گا لہٰذا تم ان کے مقابلہ میں صبر و استقامت سے کام لینا۔ بے شک یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے، راستہ میں ایک مجلس میں مشرکین یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کی سواری سے جو گرد اڑی عبداللہ بن ابی نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے، وہاں بعض مسلمان بھی تھے انہوں نے اس کے برعکس آپ ﷺ کی تحسین فرمائی قریب تھا کہ ان کے اندر جھگڑا ہو جائے آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کر دیا، پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں بھی یہ واقعہ سنایا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی اب آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس سے اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں، اس لیے آپ درگذر ہی سے کام لیں۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ملخصًا)

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ. ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات لوگوں میں پھیلانی ہوں گی۔ انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت

ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کررہے ہیں۔ مذکورہ تین آیتوں میں علماء اہل کتاب کے دو جرم اور ان کی سزا کا بیان ہے۔ اور یہ کہ ان کو حکم یہ تھا کہ اللہ کی کتاب میں جو احکام آئے ہیں ان کو سب کے سامنے بے کم وکاست بیان کریں گے، اور کسی حکم کو چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اپنی دنیاوی اغراض اور طمع نفسانی کی خاطر اس عہد کی پرواہ نہ کی۔ بہت سے احکام کو لوگوں سے چھپالیا۔

دوسرے یہ کہ وہ نیک عمل کرتے تو ہیں نہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر عمل کے ان کی تعریف کی جائے۔

تورات کے حکم کو چھپانے کا واقعہ:

احکام تورات کو چھپانے کا واقعہ تو صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ایک بات پوچھی کہ کیا یہ تورات میں ہے مگر ان لوگوں نے انکار کردیا حالانکہ وہ حکم تورات میں موجود تھا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِالْمَجِيْ وَالذَّهَابِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ لِذَوِي الْعُقُوْلِ اَلَّذِيْنَ نَعْتٌ لِمَا قَبْلَهٗ اَوْ بَدَلٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ مُضْطَجِعِيْنَ اَيْ فِيْ كُلِّ حَالٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْبَ الطَّاقَةِ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَسْتَدِلُّوْا بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا الْخَلْقَ الَّذِيْ نَرَاهُ بَاطِلًا حَالٌ عَبَثًا بَلْ دَلِيْلًا عَلٰى كَمَالِ قُدْرَتِكَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ لِلْخُلُوْدِ فِيْهَا فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ اَهَنْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اِشْعَارًا بِتَخْصِيْصِ الْخِزْيِ بِهِمْ مِنْ زَائِدَةٌ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ اَعْوَانٍ يَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ يَدْعُو النَّاسَ لِلْاِيْمَانِ اَيْ اِلَيْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوِ الْقُرْاٰنُ اَنْ اَيْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ بِهٖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ غَطِّ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا فَلَا تُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَيْهَا وَتَوَفَّنَا اقْبِضْ اَرْوَاحَنَا مَعَ فِيْ جُمْلَةِ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ الْاَنْبِيَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا بِهٖ عَلٰى اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْفَضْلِ وَسُؤَالُهُمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰى لَا يُخْلَفُ سُؤَالُ اَنْ يَّجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّيْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَيَقَّنُوا اسْتِحْقَاقَهُمْ لَهٗ وَتَكْرِيْرُ رَبَّنَا مُبَالَغَةٌ فِي التَّضَرُّعِ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ الْوَعْدَ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ دُعَاءَهُمْ اَنِّيْ اَيْ بِاَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ كَائِنٌ مِّنْ بَعْضٍ ۚ اَيِ الذُّكُوْرُ مِنَ الْاِنَاثِ

وبالعكس والجملة مؤكدة لما قبلها اي هم سواء في المجازاة بالاعمال وترك تضييعها نزلت لما قالت ام سلمة يارسول الله لا اسمع الله ذكر النساء في الهجرة بشيء **فَالَّذِينَ هَاجَرُوا** من مكة الى المدينة **وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي** ديني **وَقَاتَلُوا** الكفار **وَقُتِلُوا** بالتخفيف والتشديد وفي قراءة بتقديمه **لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ** استرها بالمغفرة **وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا** مصدر من معنى لاكفرن مؤكد له **مِّنْ عِندِ اللَّهِ** فيه التفات عن التكلم **وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ** ﴿١٩٥﴾ الجزاء ونزل لما قال المسلمون اعداء الله فيما نرى من الخير ونحن في الجهد **لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا** تصرفهم **فِي الْبِلَادِ** ﴿١٩٦﴾ بالتجارة والكسب هو **مَتَاعٌ قَلِيلٌ** يتمتعون به في الدنيا يسيرا ويفنى **ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿١٩٧﴾ الفراش هي **لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ** اي مقدرين الخلود **فِيهَا نُزُلًا** هو ما يعد للضيف ونصبه على الحال من جنات والعامل فيها معنى الظرف **مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ** من الثواب **خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ** ﴿١٩٨﴾ من متاع الدنيا **وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ** كعبد الله بن سلام واصحابه والنجاشي **وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ** اي القرآن **وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ** اي التوراة والانجيل **خَاشِعِينَ** حال من ضمير يؤمن مراعى فيه معنى من اي متواضعين **لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ** التي عندهم في التوراة والانجيل من نعت النبي صلى الله عليه وسلم **ثَمَنًا قَلِيلًا** من الدنيا بان يكتموها خوفا على الرياسة كفعل غيرهم من اليهود **أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ** ثواب اعمالهم **عِندَ رَبِّهِمْ** يؤتونه مرتين كما في القصص **إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** ﴿١٩٩﴾ يحاسب الخلق في قدر نصف نهار من ايام الدنيا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا** على الطاعات والمصائب وعن المعاصي **وَصَابِرُوا** الكفار فلا يكونوا اشد صبرا منكم **وَرَابِطُوا** اقيموا على الجهاد **وَاتَّقُوا اللَّهَ** في جميع احوالكم **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** ﴿٢٠٠﴾ تفوزون بالجنة وتنجون من النار.

تَرجَمہ: آسمانوں اور زمین اور ان میں جو عجائبات ہیں ان کی تخلیق میں اور آمد و رفت اور زیادتی و کمی شب و روز کے بدلنے میں یقیناً عقلمندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو لوگ (الذین) اپنے ماقبل کی صفت یا بدل ہے اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے یعنی ہر حال میں یاد کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حسب طاقت مذکورہ ہیئتوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ زمین اور آسمان کے بنانے والے کی قدرت پر استدلال کریں۔ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! یہ مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو نے بے فائدہ پیدا نہیں کی بلکہ تیرے کمال قدرت پر دلیل بنایا۔ تمام لایعنی کاموں سے تو پاک ہے سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

اے ہمارے پروردگار! جس کو تو نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا تو تو نے اس کو رسوا کر دیا اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، اس میں کافروں کے ساتھ رسوائی کی تخصیص کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ باآواز بلند لوگوں کو ایمان کی طرف پکار رہا ہے۔ اور وہ محمد ﷺ یا قرآن ہے کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم اس پر ایمان لائے اے الٰہی اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری خطاؤں کی پردہ پوشی فرما لہٰذا ان پر سزا دے کر ان کو ظاہر نہ فرما اور ہماری وفات (یعنی حشر) انبیاء وصالحین کے زمرہ میں فرما، اے ہمارے رب! اپنی رحمت اور اپنے فضل سے (مذکورہ چیزوں کا ہم کو مستحق فرما) اور اپنے رسول کی زبانی تو نے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے عطا فرما۔ ان کا مذکورہ چیزوں کا سوال کرنا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں تخلف نہیں ہوتا بایں معنی ہے کہ ہم کو اپنے وعدے کے مستحقین میں شامل فرما اس لیے کہ ان کو ان وعدوں کا مستحق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ اور رَبَّنَا، کی تکرار عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو بعث وجزاء کے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ سو ان کی دعاء کو ان کے پروردگار نے قبول کر لیا اس لیے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو یعنی مذکر مؤنث سے ہے اور اس کا عکس یہ جملہ (معترضہ) ماقبل کے لیے مؤکدہ ہے۔ یعنی وہ اعمال کی جزاء اور عدم اضاعت میں برابر ہیں۔ (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں سنا کہ اللہ نے ہجرت کے معاملہ میں عورتوں کا بھی کچھ ذکر کیا ہو۔ اس لیے وہ لوگ جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ اور جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میرے دین کے راستہ میں ایذا دیئے گئے اور جنہوں نے کفار سے جہاد کیا اور شہید کیے گئے۔ (قتلوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔ اور ایک قراءت میں قُتِلُوْا کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ میں ضرور ان کی برائیاں دور کردوں گا یعنی ان کو مغفرت میں چھپا لوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسی جنت میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (ثَوَابًا) یہ اللہ کی طرف سے بطور ثواب ہے، لَاُكَفِّرَنَّ کے معنی سے مصدر برائے تاکید ہے۔ اس میں تکلم سے غیبت کی جانب التفات ہے۔ اور بہتر ثواب اللہ ہی کے پاس ہے۔ (اور آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دشمنوں کو بہتر حالت (آسودگی) میں دیکھ رہے ہیں اور ہم مشقت میں ہیں۔ کافروں کا شہروں میں تجارت اور کسب معاش کے سلسلہ میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ تو چندروزہ بہار ہے جس سے دنیا میں چند روز مزے اڑائیں گے اور ختم ہو جائیں گی۔ پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ یعنی برا بستر ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے ایسے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے بطور ضیافت ہوگی اور یہ ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے اور نُزُلٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور اس کا نصب جنة سے حال ہونے کی بناء پر ہے اور اس میں عامل معنی ظرف ہیں (ای ثبتت لهم) اور اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ صالحین کے لیے متاع دنیا سے بہتر ہے اور اہل کتاب میں یقیناً کچھ ایسے بھی ہیں

جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی یا نجاشی، اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے یعنی قرآن اور جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ یعنی تورات اور انجیل (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ اور اللہ کی آیتوں کا جو تورات وانجیل میں ان کے پاس ہیں۔ اور وہ محمد ﷺ کی صفات ہیں قلیل قیمت میں سودا نہیں کرتے کہ زوال ریاست کے خوف سے ان کو چھپا دیں۔ جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر یہود کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے ان کو دو گنا اجر دیا جائے گا جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے مخلوق کا حساب دنیوی ایام کے حساب کے اعتبار سے نصف دن میں لے لیگا۔ اے ایمان والو! طاعات پر اور مصائب پر اور معاصی سے باز رہنے پر صبر کرو اور کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ کہ وہ تم سے زیادہ ثابت قدم نہ ہوں۔ اور جہاد کے لیے تیار رہو اور تمام حالات میں اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم جنت کے لینے میں کامیاب ہو جاؤ اور نار جہنم سے نجات پاؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) کلام مستانف ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور اس کے علم اور اس کی قدرت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

قولہ: یقولون، سابق میں باری تعالیٰ کا کلام تھا یہاں سے ''اولوا الالباب'' کا کلام شروع ہے اس لیے یہاں یقولون مقدر مانا ہے۔

قولہ: الخلق الذی نراہ. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: ہذا کا مشار الیہ السمٰوٰت والارض ہے جو کہ مونث ہے اور ھذا اسم اشارہ مذکر ہے، اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: ھذا کا مشار الیہ خلق بمعنی مخلوق ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: باطلاً. یہ ہذا سے حال ہے نہ کہ خلقت کا مفعول ثانی اس لیے کہ خلق متعدی بیک مفعول ہے۔

قولہ: للخلود فیھا. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا قول ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ'' کا مقتضی ہے کہ تمام مومنین غیر مخزونین ہوں۔ حالانکہ عصاۃ مومنین میں سے بعض جہنم میں داخل ہوں گے اور یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جو بھی جہنم میں داخل ہوا رسوا ہوا اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو؟

جواب: دخول سے دائمی دخول مراد ہے جو صرف کافروں کے لیے ہوگا۔ اس سے معتزلہ کا جواب بھی ہو گیا کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں ہے۔

قِوْلُهُ: وضع الظاهر موضع المضمر الخ یہ ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سُوَال: اصحاب الخزی کا ذکر سابق میں مَن تدخل النار کے ضمن میں آچکا ہے لہٰذا اس کے لیے ضمیر لانا کافی تھا یعنی ماللظلمین کے بجائے مَالَهُمْ کافی تھا؟

جَوَاب: یہ ہے کہ خزیان کی تخصیص کو بیان کرنے کے لیے صراحت کے ساتھ لفظ ظالمین ذکر کیا گیا ہے۔

قِوْلُهُ: الیه. سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: نداء اور دعا متعدی باللام نہیں ہوتے حالانکہ یہاں متعدی باللام ہے؟

جَوَاب: لام بمعنی الیٰ ہے۔ اسی جواب کی طرف مفسر علام نے اَلَیْهِ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قِوْلُهُ: ثوابًا، مصدرٌ من معنی لَاُکفرنّ مؤکدٌ له اس عبارت سے ایک تو یہ بتانا ہے کہ ثوابًا جنت سے حال نہیں ہے اس لیے کہ یہاں حال کا ذوالحال پر حمل درست نہیں ہے۔

قِوْلُهُ: لَاُکفرنّ، سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُوَال: ثوابًا، لَاُکفرنّ کا مفعول مطلق نہیں ہوسکتا دونوں کے الفاظ الگ ہیں، حالانکہ دونوں کا ایک مادہ سے ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: ثوابًا اور لَاُکفرنّ اگرچہ دونوں کے الفاظ متحد نہیں ہیں مگر معنی کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں، اس لیے کہ لَاُکَفِّرَنَّ معنی میں لَاُثِیبَنَّهُمْ کے ہے۔ لہٰذا اب عبارت اس طرح ہوگی "لَاُثِیبَنَّهُمْ ثوابًا" اور یہ مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطباق: اَلَّذِیْنَ یذکرون اللّٰہ قیامًا وقعودًا وعلی جنوبهم. (میں صنعت طباق ہے)۔

الطباق الذی جمع حالات الانسان الثلاث فی الصلوة، وهی قیام والقعود والاضطجاع علی الجنب کمایقول الشافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ او استلقاء لانّه اخفُّ کمایقول ابو حنیفة رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ.

المجاز المرسل: المجاز المرسل بعلاقة المحلیة فقد ذکر السموات والارض ومراده مافیها مِن اجرام عظیمة بدیعة الصنع.

الایجاز: ایجاز فی قوله تعالٰی "ویتفکّرون فی خلقِ السّمٰوٰتِ والارضِ" حیث انطوی تحت هذاالایجاز کلّ ما تمخّض عنه العلم من روائع المکتشفات وبدائع المستنبطات وفی الحدیث "لاعبادة کالتفکّر".

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اِنَّ فِی خَلقِ السَّمواتِ وَالاَرضِ وَاختِلافِ اللَّیلِ وَالنَّهَارِ (الآیة) اس آیت کے شان نزول کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محدث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ عطا بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہَا کے پاس تشریف لے گئے۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو وہ مجھے بتلایئے۔ اس پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہَا نے فرمایا آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو، ان کی ہر شان عجیب تھی، ہاں ایک عجیب واقعہ سناتی ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے، اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہوگئے پھر فرمایا اجازت دو میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے۔ وضو فرمایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ حضرت بلال آئے اور آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔ بلال فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس قدر گریہ کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں؟ اور شکریہ میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی رات مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ''اِنَّ فی خلق السموات والارض''۔ (الآیة)

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔

(معارف)

خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ سے کیا مراد ہے؟

خلق، مصدر ہے جس کے معنی ایجاد واختراع کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے ہر شخص بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور آثار کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور وفکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

جب وہ نظام کائنات میں غور وفکر کرتے ہیں اور قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں ''رَبَّنَا مَا خَلَقتَ هٰذَا بَاطِلًا'' اور وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف کے اختیارات دیئے ہوں،

جسے عقل وتمیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو اور اسے نیکی پر جزاء اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اسطرح نظام کائنات پر غور کرنے سے انہیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، اور خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں ''سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''.

اسی طرح یہی مشاہدہ ان کو اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز وانجام کے متعلق جو نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور زندگی کا جو راستہ بتاتا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اور زبان دل سے کہنے لگتے ہیں '' رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیا ینادی للایمان اَن آمنوا بِرَبِّکُمْ فَاٰ مَنَّا الخ، رَبَّنَا وَ آتِنَا ماوَعدتنا علی رُسلك و لاتخزنا یوم القیامة اَنّك لاتخلف المیعاد''.

انہیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا نہیں، البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بھی بنا دے کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لا کر کفار کی تضحیک اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنے ہی رہے، قیامت میں بھی ان کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو اور وہ ہم پر پھبتی کسیں کہ ایمان لا کر بھی ان کا بھلا نہ ہوا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ. ان لوگوں کی دعاء اور درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں، خواہ مرد ہو یا عورت۔ مرد یا عورت کی وضاحت اس لیے فرما دی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قوامیت اور حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزاء میں بھی شاید مرد وعورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا نہیں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا وہ نیکی اگر عورت کرے گی تو وہ اجر اس کو بھی ملے گا۔

''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ'' یہ جملہ معترضہ ہے اس کا مقصد پچھلے نکتہ کی وضاحت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلہ میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی، ابن کثیر)

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ. آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے، شہروں میں چلت پھرت سے مراد تجارت اور کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کی وسعت وفروغ پر دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے۔ اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہئے جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔

یعنی دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں کیوں کہ بالآخر ان

کے لیے فنا ہے اور ان کے فنا ہونے سے پہلے وہ لوگ خود فنا ہو جائیں گے جو ان کے حصول کی خاطر خدا کو فراموش کیے ہوئے ہیں۔ اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدود کو پامال کرتے ہیں۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الآية) ان کے برعکس جو لوگ تقویٰ اور خداخوفی کی زندگی گذار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، گو دنیا میں ان کے پاس خدافراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے، اور وہاں کا صلہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو ملا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ (الآية) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا۔ جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا آیات الٰہی میں تحریف و تلبیس کرنا، اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان حق کرنا تھا۔ اللہ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیاتِ الٰہی میں تحریف یا اس کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں وہ ایمان اور تقویٰ سے محروم ہیں۔

حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے۔ (ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا. صبر کرو۔ یعنی طاعات اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔



سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسِتٌّ وَسَبْعُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وخَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ سَبْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ نساء مدنی ہے ۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷، آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اى اهل مكة **اتَّقُوْا رَبَّكُمُ** اى عقابه بان تطيعوه **الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** آدم **وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حوّاء بالمد من ضلع من اضلاعه اليسرى **وَبَثَّ** فرّق ونشر **مِنْهُمَا** من آدم وحوّاء **رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً** كثيرة **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ** فيه ادغام التاء في الاصل في السين وفي قراءة بالتخفيف بحذفها اى تتساءلون **بِهٖ** فيما بينكم حيث يقول بعضكم لبعض اسألك بالله وانشدك بالله **وَ** اتقوا **الْاَرْحَامَ** ان تقطعوها وفي قراءة بالجر عطفا على الضمير في به وكانوا يتناشدون بالرحم **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا** ﴿۱﴾ حافظا لاعمالكم فيجازيكم بها اى لم يزل متصفا بذلك ونزل في يتيم طلب من وليه ماله فمنعه **وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى** الصغار الذين لا اب لهم **اَمْوَالَهُمْ** اذا بلغوا **وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ** الحرام **بِالطَّيِّبِ** الحلال اى تأخذوه بدله كما تفعلون من اخذ الجيد من مال اليتيم وجعل الردى من مالكم مكانه **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ** مضمومة **اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ** اى اكلها **كَانَ حُوْبًا** ذنبا **كَبِيْرًا** ﴿۲﴾ عظيما ولما نزلت تحرجوا من ولاية اليتامى وكان فيهم من تحته العشر او الثمان من الازواج فلا يعدل بينهن فنزلت **وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا** تعدلوا **فِى الْيَتٰمٰى** فتحرجتم من امرهم فخافوا ايضا ان لا تعدلوا بين النساء اذا نكحتموهن **فَانْكِحُوْا** تزوجوا **مَا** بمعنى من **طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ** اى اثنين اثنين وثلاثا ثلاثا واربعا اربعا ولا تزيدوا على ذلك **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا** فيهن بالنفقة والقسم **فَوَاحِدَةً** انكحوها **اَوْ** اقتصروا على **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** من الاماء اذ ليس لهن من الحقوق ما للزوجات **ذٰلِكَ** اى نكاح الاربع فقط او الواحدة او التسرى **اَدْنٰٓى** اقرب الى **اَلَّا تَعُوْلُوْا** ﴿۳﴾ تجوروا **وَاٰتُوا** اعطوا **النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ** جمع صدقة

مُهُوْرَهُنَّ **نِحْلَةً** مَصْدَرٌ عَطِيَّةٌ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ **فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا** تَمْيِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ اَيْ اِنْ طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنَ الصَّدَاقِ فَوَهَبْنَهُ لَكُمْ **فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا** طَيِّبًا **مَّرِيْئًا** ﴿٤﴾ مَحْمُوْدَ الْعَاقِبَةِ لَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَيْكُمْ فِي الْآخِرَةِ نَزَلَ رَدًّا عَلَى مَنْ كَرِهَ ذٰلِكَ **وَلَا تُؤْتُوا** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **السُّفَهَآءَ** الْمُبَذِّرِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ **اَمْوَالَكُمُ** اَيْ اَمْوَالَهُمُ الَّتِيْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ **الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا** مَصْدَرُ قَامَ اَيْ تَقُوْمُ بِمَعَاشِكُمْ وَصَلَاحِ اَوْلَادِكُمْ فَيُضَيِّعُوْهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ قِيَمًا جَمْعُ قِيْمَةٍ مَا تُقَوَّمُ بِهِ الْاَمْتِعَةُ **وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا** اَطْعِمُوْهُمْ مِنْهَا **وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿٥﴾ عِدُوْهُمْ عِدَةً جَمِيْلَةً بِاِعْطَائِهِمْ اَمْوَالَهُمْ اِذَا رَشَدُوْا **وَابْتَلُوا** اخْتَبِرُوْا **الْيَتٰمٰى** قَبْلَ الْبُلُوْغِ فِيْ دِيْنِهِمْ وَتَصَرُّفِهِمْ فِيْ اَحْوَالِهِمْ **حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** اَيْ صَارُوْا اَهْلًا لَهُ بِالْاِحْتِلَامِ اَوِ السِّنِّ وَهُوَ اسْتِكْمَالُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ الشَّافِعِيِّ **فَاِنْ اٰنَسْتُمْ** اَبْصَرْتُمْ **مِّنْهُمْ رُشْدًا** صَلَاحًا فِيْ دِيْنِهِمْ وَمَالِهِمْ **فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **اِسْرَافًا** بِغَيْرِ حَقٍّ حَالٌ **وَّبِدَارًا** اَيْ مُبَادِرِيْنَ اِلٰى اِنْفَاقِهَا مَخَافَةَ **اَنْ يَّكْبَرُوْا** رُشَدَاءَ فَيَلْزَمُكُمْ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِمْ **وَمَنْ كَانَ** مِنَ الْاَوْلِيَاءِ **غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ** اَيْ يَعِفَّ عَنْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَيَمْتَنِعْ مِنْ اَكْلِهِ **وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ** مِنْهُ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِقَدْرِ اُجْرَةِ عَمَلِهِ **فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ** اَيْ اِلَى الْيَتَامٰى **اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ** اَنَّهُمْ تَسَلَّمُوْهَا وَبَرِئْتُمْ لِئَلَّا يَقَعَ اخْتِلَافٌ فَتَرْجِعُوْا اِلَى الْبَيِّنَةِ وَهٰذَا اَمْرُ اِرْشَادٍ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ** الْبَاءُ زَائِدَةٌ **حَسِيْبًا** ﴿٦﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمُحَاسِبَهُمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْجَاهِلِيَّةُ مِنْ عَدَمِ تَوْرِيْثِ النِّسَاءِ وَالصِّغَارِ **لِلرِّجَالِ** الْاَوْلَادِ وَالْاَقَارِبِ **نَصِيْبٌ** حَظٌّ **مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** الْمُتَوَفَّوْنَ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ** اَيِ الْمَالِ **اَوْ كَثُرَ** جَعَلَهُ اللّٰهُ **نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا** ﴿٧﴾ مَقْطُوْعًا بِتَسْلِيْمِهِ اِلَيْهِمْ **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ** لِلْمِيْرَاثِ **اُولُوا الْقُرْبٰى** ذَوُو الْقَرَابَةِ مِمَّنْ لَا يَرِثُ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ** شَيْئًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ **وَقُوْلُوْا** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **لَهُمْ** اِذَا كَانَ الْوَرَثَةُ صِغَارًا **قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿٨﴾ جَمِيْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اِلَيْهِمْ اَنَّكُمْ لَا تَمْلِكُوْنَهُ وَاَنَّهُ لِلصِّغَارِ وَهٰذَا قِيْلَ مَنْسُوْخٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِيْ تَرْكِهِ وَعَلَيْهِ فَهُوَ نَدْبٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاجِبٌ **وَلْيَخْشَ** اَيْ لِيَخَفْ عَلَى الْيَتَامٰى **الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا** اَيْ قَارَبُوْا اَنْ يَتْرُكُوْا **مِنْ خَلْفِهِمْ** اَيْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا** اَوْلَادًا صِغَارًا **خَافُوْا عَلَيْهِمْ** الضَّيَاعَ **فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ اَمْرِ الْيَتَامٰى وَلْيَاْتُوْا اِلَيْهِمْ مَا يُحِبُّوْنَ اَنْ يُفْعَلَ بِذُرِّيَّتِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ **وَلْيَقُوْلُوْا** لِلْمَيِّتِ **قَوْلًا سَدِيْدًا** ﴿٩﴾ صَوَابًا بِاَنْ يَاْمُرُوْهُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهِ وَيَدَعَ الْبَاقِيَ لِوَرَثَتِهِ وَلَا يَتْرُكَهُمْ عَالَةً

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا بغیر حق اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ ای ملئہا نَارًا لانہا تؤول الیہا وَسَیَصْلَوْنَ بالبناء للفاعل والمفعول یدخلون سَعِیْرًا ﴿۱۰﴾ نارًا شدیدۃً یحترقون فیہا.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے لوگو، یعنی اے مکہ والو! تم اپنے رب کے عذاب سے ڈرو اس طریقہ پر کہ اس کی اطاعت کرو۔ جس نے تم کو ایک جان آدم سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا حوا کو اس کی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا (حواء) مد کے ساتھ ہے، اور ان دونوں یعنی آدم وحواء سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔ اس طریقہ پر کہ ایک دوسرے سے کہتے ہو کہ میں تجھ سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں یا تجھ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ اس میں تاء، اصل میں سین میں مدغم ہے اور ایک قراءت میں بحذف تاء تخفیف کے ساتھ ہے۔ ای تساءلون، اور ذوی الارحام کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو یعنی قطع رحمی کرنے سے ڈرو، اور ایک قراءت میں (ارحام) کے کسرہ کے ساتھ ہے بہٖ، کی ضمیر پر عطف کرتے ہوئے اور وہ آپس میں صلہ رحمی کا بھی واسطہ دیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے یعنی تمہارے اعمال کو محفوظ رکھنے والا ہے تو وہ تم کو ان اعمال کی جزاء دیگا، یعنی وہ اس صفت نگہبانی کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور (آئندہ آیت) ایک یتیم کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنے ولی سے اپنا مال طلب کیا مگر اس نے منع کر دیا۔ اور یتیموں کو یعنی وہ چھوٹے بچے کہ جن کا باپ موجود نہیں ہے جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال دیدو اور حرام کو حلال سے تبدیل نہ کرو یعنی حرام کو حلال کے عوض مت لو جیسا کہ تم یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے کر اور اپنے مال میں سے خراب قسم کا مال اس کی جگہ رکھ کر کرتے ہو، اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر (یعنی اس کی آڑ میں) مت کھاؤ بلا شبہ یہ کھانا گناہ عظیم ہے، اور جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو لوگ یتیموں کی کفالت میں حرج محسوس کرنے لگے اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی زوجیت میں دس دس یا آٹھ آٹھ یتیم بیویاں تھیں اور وہ ان کے درمیان عدل سے کام نہیں لیتے تھے تو آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اگر تمہیں یتیموں کے بارے میں عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو اور تم ان کے معاملہ میں (گناہ) سے بچنا چاہتے ہو اور ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی انصاف نہ کرنے کا اندیشہ کرو، تو (یتیم لڑکیوں کے علاوہ) سے نکاح کرلو جو تم کو پسند ہوں، مَا، بمعنی مَنْ، ہے دو دو سے تین تین سے چار چار سے اس سے آگے نہ بڑھو لیکن اگر تمہیں ان کے درمیان (بھی) برابری نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو ایک ہی کافی ہے یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو اسلئے کہ باندیوں کے وہ حقوق نہیں ہوتے جو بیویوں کے ہوتے ہیں، یہ چار سے نکاح یا ایک سے، یا باندی پر اکتفاء زیادتی نہ ہونے کی توقع میں زیادہ قریب ہے اور تم عورتوں کے مہر خوش دلی سے دیدیا کرو صَدُقَات، صَدُقَةٌ کی جمع ہے صَدُقَاتِهِنَّ ای مهورهن، نحلةً مصدر ہے بمعنی خوش دلی سے عطیہ دینے کے ہے لیکن اگر وہ خوش دلی سے تمہارے لئے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں نفسًا، تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے ای طابت انفسهن لكم من شيءٍ من الصداق فوهبنه لكم، تو تم

اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔ کہ اس کے کھانے میں تمہارا آخرت میں کوئی نقصان نہیں۔ یہ آیت اس شخص پر رد کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جو اس میں کراہت سمجھتا تھا۔ اور اے اولیاؤ! تم کم عقلوں کو جو فضول خرچ ہوں مردوں یا عورت اور بچے وہ مال نہ دو جو تمہارے قبضہ میں ہے (اور) جس کو تمہارے گزران کے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے، **قیامًا**، **قام** کا مصدر ہے یعنی جس کے ذریعہ تم اپنی معاش اور اپنی اولاد کی اصلاح قائم رکھتے ہو تو وہ اس مال کو بلا وجہ صرف کر دیں گے، اور ایک قراءت میں **قیمًا**، **قیمة** کی جمع ہے جس کی وجہ سے معاش زندگی قائم رہتی ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو یعنی تم ان سے ان کے مال دینے کے بارے میں اچھے وعدے کرتے رہو کہ جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے (تو تمہارا مال تم کو دے دیں گے) اور (ان کے) بالغ ہونے سے پہلے ان کے دین اور لین دین کے معاملات میں ان کی دیکھ بھال کرتے رہو یہاں تک کہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں (بالغ ہو جائیں) یعنی نکاح کے اہل ہو جائیں احتلام کے ذریعہ یا عمر کے ذریعہ اور وہ (مدت) پندرہ سال کی تکمیل ہے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پس اگر تم ان میں سمجھداری یعنی ان کے دین اور مال کے معاملہ میں صلاح دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو اور اے اولیاؤ ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں ناحق تباہ مت کرو (یعنی ان کے بڑے ہو کر سمجھدار ہونے کے خوف سے بعجلت ان کا مال نہ کھاؤ اس خیال سے کہ بڑے ہونے کے بعد ان کا مال ان کو سونپنا پڑے گا) اور اولیاء میں سے جو مالدار ہوں ان کو چاہیے کہ ان کے یعنی یتیموں کے مال سے بچتے رہیں اور اس کے کھانے سے اجتناب کریں، البتہ جو نادار ہو تو وہ یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق اپنے عمل کی اجرت کے بقدر کھا سکتا ہے اور جب ان کے مال ان یتیموں کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو کہ انہوں نے مال وصول کر لیا اور تم بری ہو سکو تاکہ اختلاف واقع نہ ہو۔ (اور اختلاف واقع ہونے کی صورت میں) تم گواہ کی جانب رجوع کر سکو، اور یہ امر اصلاحی ہے (یعنی گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے) اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے یعنی اپنی مخلوق کے اعمال کا محافظ اور ان کا محاسب ہے۔ (آئندہ آیت) اس دستور کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی جو اہل جاہلیت میں رائج تھا اور وہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہ دینے کا دستور تھا، وفات پانے والے ماں باپ کے ترکہ میں مردوں یعنی اولاد و اقارب کا حصہ بھی ہے اور والدین اور خویش و اقارب کے ترکہ میں عورتوں کا حصہ بھی ہے، مال خواہ قلیل ہو یا کثیر، اللہ نے اس میں حصہ متعین کیا ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے رشتہ دار آجائیں جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے اور یتیم و مسکین (آجائیں) تو تقسیم سے پہلے تھوڑا بہت ان کو بھی دیدو اور اے اولیاؤ ان حاضر ہونے والوں سے خوش اخلاقی کی بات کہو جبکہ ورثہ (میں) نابالغ بھی ہوں۔ اس طریقہ پر کہ ان سے معذرت کر دو کہ تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے اسلئے کہ یہ نابالغ بچوں کا مال ہے اور کہا گیا ہے کہ (غیر ورثہ کو دینے کا حکم) منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ لوگ (اس حکم پر) ترک عمل ہی میں سہولت سمجھنے لگے ہیں، اور اس عدم نسخ کے قول کے مطابق امر استحباب کے لئے ہے، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے اور یتیموں کے بارے میں ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی موت کے بعد چھوٹے ناتواں بچے چھوڑ

تے، یعنی قریب المرگ ہونیکی وجہ سے چھوڑنے کے قریب ہوتے کہ جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا تو چاہئے کہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو وہ پسند کریں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا جائے اور مرنے والے یعنی (مریض) سے مناسب بات کہیں (مثلاً) یہ کہ اس سے کہیں کہ تہائی مال سے کم صدقہ کرو اور باقی ورثہ کے لئے چھوڑ دو اور محتاج بنا کر نہ چھوڑو۔ بے شک جو لوگ ناروا طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔ یعنی پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (ماکول) آگ میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ لوگ عنقریب بھڑکتی ہوئی یعنی شدید آگ میں جائیں گے جس میں وہ جلتے رہیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ ای اھل مکة.

سُوَال: مشہور قاعدہ ہے کہ مکی آیتوں میں خطاب یاایھا الناس سے اور مدنی آیتوں میں یاایھا الذین آمنوا سے ہوتا ہے حالانکہ سورۂ نساء مدنی ہے مگر اس میں خطاب یاایھا الناس سے ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: مذکورہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں، اس کے علاوہ مخاطب یہاں بھی اہل مکہ ہی ہیں۔

قَوْلُہٗ: ای عِقَابَہٗ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ذات سے احتراز محال ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کر کے اس کے عذاب سے بچو۔

قَوْلُہٗ: حوّآء. انّما سمیت حوّاء لانھا خُلِقتْ من الحیّ.

قَوْلُہٗ: تساءَلُونَ، تساءُلٌ سے مضارع ہے جمع مذکر حاضر، تم باہم سوال کرتے ہو، اصل میں تَتَسَاءَ لونَ تھا تاء ثانیہ کو حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُہٗ: والارحام، یہ رحم کی جمع ہے بمعنی قرابت رشتہ داری۔

قَوْلُہٗ: اَن یُّقَطَّعُوا اس میں اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ارحام سے احتراز کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: کانوا یتناشدون ای یتقا سمون.

قَوْلُہٗ: الاُلٰی، یہ اسم موصول ہے جو کہ مذکر مؤنث یعنی الّذی اور الّتی میں مشترک ہے۔ اسلئے کہ یتیم ہونا مذکر یا مؤنث کے ساتھ خاص نہیں ہے اسی لئے ایسا اسم موصول لائے ہیں جو مذکر اور مؤنث دونوں میں مشترک ہے۔

فَائِدَة: انسانوں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو اور حیوانوں میں جس کی ماں نہ ہو الیتیم فی الاناسی مِنْ قِبَلِ الاٰباء وفی البھائم مِنْ قِبَلِ الاُمَّھَات.

قولہ: یتمٰی، یتیم کی جمع الجمع ہے۔ یتیم کی جمع یتمٰی بروزن اَسرٰی اور یتمٰی کی جمع یتمٰی.

قولہ: مَضمُونَۃً، اَکَلَ کا صلہ چونکہ اِلٰی نہیں آتا اسلئے مَضمُونَۃً مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ، الٰی مَضْمُوْنَۃً کے متعلق ہے نہ کہ تأکلوا، کے۔

قولہ: ای اکلھا، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اَنَّہٗ کی ضمیر اموال کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہے لہٰذا ضمیر مفرد کا لانا درست نہیں ہے۔

جواب: تأکلون سے جو اکل مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہے۔

قولہ: تحرَّجوا مِن ولایۃ الیتمٰی، یعنی یتیموں کی ولایت سے بچنے اور باز رہنے کی کوشش کرنے لگے۔

قولہ: فخافوا.

سوال: فخافوا، جزاء محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جبکہ، فانکحوا، جزاء موجود ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ خافوا، ماضی کا صیغہ نہیں ہے جیسا کہ بادی الرائے میں وہم ہوتا ہے بلکہ یہ امر جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یتیموں کے مال کے بارے میں ناانصافی کا اندیشہ ہے تو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی ناانصافی کا اندیشہ کرو، مطلب یہ ہے کہ ناانصافی کے اندیشہ میں دونوں صورتیں شریک ہیں، اس اشتراکِ مفہوم پر مفسر علام کا لفظ ایضًا دلالت کررہا ہے۔

قولہ: اِنکحوھا.

سوال: جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ یہاں جزاء، فَوَاحِدَۃً، مفرد ہے۔

جواب: مفسر علام نے انکحوا محذوف مان کر اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای اِنکحوا وَاحِدَۃً اس تقدیر کے بعد جزاء جملہ ہوگئی ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قولہ: اِقتصرُوا علی، یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ او مَا ملکتْ کا عطف اِنکحوا واحدۃً پر ہے جو کہ عطف مفرد علی الجملہ کے قبیل سے ہے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

جواب: یہ ہے کہ مفسر علام نے اقتصروا علیٰ محذوف مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے اقتصروا محذوف ماننے کے بعد عطف جملہ علی الجملہ ہوگیا لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

سوال: معطوف میں فعل محذوف کو کس مصلحت سے بدل دیا؟ جبکہ معطوف علیہ میں انکحوا فعل محذوف ہے اور معطوف میں اِقتَصِروا۔

جواب: اگر معطوف میں فعل کو نہ بدلتے تو تقدیر عبارت یہ ہوتی اِنکحوا مَا ملکت ایمانکم، اور یہ درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ باندی سے مالک کا نکاح درست نہیں ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: عطيةً عن طيب نفسٍ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ نحلةً مصدر (یعنی مفعول مطلق) کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مفعول مطلق کے لئے مصدر کا فعل کے ہم معنی ہونا شرط ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نِحْلَةً بمعنی عطية ہے لہٰذا اپنے فعل جو کہ آتوا النساء ہے کے ہم معنی ہے اسلئے کہ آتوا، اعطوا کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: هَنِيْئًا صفت مشبہ (ف ن ض) هَنَاءٌ خوش مزہ، پاکیزہ، فعیل، کا وزن واحد جمع سب کے لئے آتا ہے اسلئے یہاں ضمیر واحد سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مَرِيْئًا، صفت مشبہ خوشگوار، مَرَاءَةٌ مصدر، خوشگوار ہونا (ک ف س)۔

قَوْلُہٗ: بغير حق اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ اسراف کے بغیر یتیموں کا مال کھا سکتے ہیں، بغير حق کا اضافہ کرکے بتا دیا کہ ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ اسراف ہو یا نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: فَلْيَسْتَعْفِفْ (استفعال) واحد مذکر غائب، وہ بچتا رہے، احتراز کرے۔

قَوْلُہٗ: لِئَلَّا يَقَعَ اختلافٌ فترجعوا الى البَيِّنَةِ، اى اِنْ وقع اختلافٌ فترجعوا الى البيّنة.

قَوْلُہٗ: هذا اَمْرُ اِرْشاد، اى اَمْرُ استحباب. یعنی امام اعظم کے نزدیک گواہ بنانا امر مستحب ہے، اسلئے کہ امام صاحب کے نزدیک اختلاف کی صورت میں ولی کا قول معتبر ہے۔

قَوْلُہٗ: جَعَلَهُ اللّٰه، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَصِيْبًا، جَعَلَ فعل محذوف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَعُوْلُوْا، مضارع جمع مذکر حاضر (ن) مائل ہونا جھکنا، انصاف سے انحراف کرنا، یقال عَالَ الميزانُ اِذَا مَالَ، وَعَالَ الحاكمُ فى حكمه: اِذَا جَارَ.

فانكحوا مَا طابَ لكم، ولم يقل "مَنْ" كما هو المتبادر فى استعمال "مَنْ" كما هو للعاقل، وَمَا، لغير العاقل تغليبًا.

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِيْح

ربط آیت:

سورۂ آل عمران کی آخری آیت تقویٰ پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت تقویٰ کے حکم سے شروع ہو رہی ہے لہٰذا مناسبت ظاہر ہے اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے۔ اس سورت میں چونکہ عورتوں کے بہت سے احکام و مسائل کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس

کا نام سورة النساء رکھا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ. یاایھا الناس میں خطاب پوری نوع انسانی سے ہے، خواہ کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، قرآن کا پیغام انسانیت تمام بنی آدم کے لئے ہے، بعض مفسرین نے جن میں مفسر علام سیوطی بھی شامل ہیں اس کو اہل مکہ کے لئے خاص سمجھا ہے مگر ان کے پاس کوئی وزنی دلیل تخصیص کی نہیں ہے، خصوصاً جبکہ سورت مکی بھی نہیں بلکہ بالاتفاق مدنی ہے اور لفظ ناس ہے بھی نوع بشر کے لئے، اب رہا یہ ضابطہ۔ یاایھا الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہوتا ہے تو یہ قاعدہ اکثری ہے نہ کہ کلی۔

خطابٌ عَامٌّ لیس خاصًا بقومٍ دون قومٍ فلا وجه تخصیصها باهلِ مکّة. لفظ، الناس اسمٌ لجنس البشر. (المنار)

وحدت انسانی کی قرآن میں اہمیت، وحدت نوع انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دور رس نتائج کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ انسانوں کے جداعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے، ہر وحشی اور ہر مہذب، ہر ہندی اور ہر چینی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورث اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہما جی کے منہ سے پیدا ہوئے اور چھتری نسل والے ان کے بازو اور سینے سے اور ویش ذات والے ان کے پیٹ سے، اور شودر ذات کے لوگ ان کے پیروں سے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان انسان سب ایک ہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے نہ کوئی اونچا ہے اور نہ کوئی نیچا، اونچ نیچ اگر ہے تو وہ محض عمل اور کردار کے اعتبار سے ہے زیادہ سے زیادہ نوع انسانی اگر تقسیم ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ نوع انسانی کی دو قسمیں ہیں نیک اور بد۔ خدا ترس اور نا خدا ترس اس کے علاوہ نوع انسانی کی کوئی تیسری قسم نہیں ہے اور عقل اس کو باور بھی نہیں کرتی کہ ایک باپ کی اولاد کے کچھ افراد کسی دوسرے خطہ ارض میں جا کر آباد ہو جائیں تو وہ ایک الگ نسل ہو جائیں یا ایک باپ کی اولاد میں بعض گورے اور بعض کالے ہو جائیں تو ان کی نسل بھی مختلف ہو جائے یا ایک باپ کی اولاد میں سے بعض ایک لب ولہجہ میں اور دوسرے بعض دوسرے لب ولہجہ میں بات کرنے لگیں تو ان کی نسل ہی بدل جائے۔

انسان کو پیدا کرنے کی مختلف صورتیں اور طریقے ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک خاص صورت کو اختیار فرمایا، کہ سب انسانوں کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیدا فرما کر سب کو اخوت اور برادری کے مضبوط رشتہ میں باندھ دیا اس کا یہ تقاضہ ہے کہ باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کے حقوق پورے ادا کئے جائیں اور ذات پات کی اونچ نیچ اور لونی ونسبی یا لسانی وعلاقائی امتیازات کو شرافت ورذالت کا معیار نہ بنایا جائے ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ'' دادی حوا کی تخلیق کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید یکسر خاموش ہے اور تقریباً یہی حال حدیث کا بھی ہے جس مشہور حدیث کی روسے حضرت حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اس میں ذکر نہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور نہ حضرت حوا کا، بلکہ محض عورت کی پیدائش اور اس کی کج سرشتی کا بیان ہے (ماجدی) آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت، تورات کی آواز کی بازگشت ہے اور تورات کا بیان حسب ذیل ہے۔

''خدا وند نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے
اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے
گوشت بھر دیا۔ اور خدا وند خدا نے اس پسلی سے جو آدم
سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدم کے پاس بھیجی''

(پیدائش ۲:۲۲،۲۳)

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا. میں مِنْهَا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جس سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہیں یعنی آدم سے ان کی بیوی حضرت حواء کو پیدا کیا، حضرت آدم سے حواء کس طرح پیدا ہوئیں اس کی قدرے تفصیل تورات کی عبارت سے اوپر گذر چکی ہے، اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، ''اِنَّ المرأۃ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وانّ اَعْوَجَ شیْءٍ فی الضلع اَعْلاهُ'' (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مِنْهَا، کی ضمیر ھا، عموماً نفس کی طرف لوٹائی گئی ہے لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ منھا یہاں من جنسھا کے مرادف ہے۔

القول الثانی: ما ھو اختار ابو مسلم الاصفھانی انّ المرادَ من قوله ''خَلَقَ منھا زَوْجَھَا'' ای من جنسھا (کبیر) ویحتملُ ان یکون المعنی من جنسہٖ لا من نفسہٖ حقیقۃً (نھر) اور یہی قول ابو مسلم کے علاوہ ابن بحر سے بھی منقول ہے اور نفس کو جنس کے معنی میں قرآن مجید میں بار بار لایا گیا ہے جیسا کہ صاحب منار نے تصریح کے ساتھ اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بطور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کی کج روی کو بیان کرنا ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث کا مضمون اس کی کھلی تائید کرتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن میں انسان کی پیدائش کو ''خُلِقَ الانسان من عجل'' کہہ کر جلد بازی اور شتابی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یَحْتَمِلُ اَنْ یکونَ ذلك علی جھۃِ التمثیل لِاضطراب اَخلاقِھِنّ وکونھن لا یَثْبُتْنَ علی حالۃٍ وَاحدۃٍ کما جاء خُلِقَ الانسان مِنْ عجلٍ. (بحر)

اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ شخصاً حضرت حواء کا اور بعض شارحین حدیث اسی طرف گئے ہیں، مثلاً کرمانی حدیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف اشارہ ہے (مجمع البحار الانوار۔ جلد۲) بخاری شریف کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔

عن ابی ھریرۃ انّ رسول اللہ ﷺ قال المرأۃُ کالضِلع اِن اَقَمْتَھَا کسرتَھا (بخاری کتاب النکاح) پسلی

بول کر کجی اور انحراف کی طرف اشارہ ہے۔

وَالارحام، اس کا عطف، اللّٰہ، پر ہے مطلب یہ ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں رشتے ناطوں کو توڑنا سخت گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں حدیث میں قطع رحمی کرنے والے کیلئے سخت وعید وارد ہوئی ہے ورد فی الحدیث الرحم معلقة بالعرش تقول اَلا مَن وصلنی وَصَلَهُ اللّٰه ومَن قطعنی قطعه اللّٰه، رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ مجھے جو جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رکھے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔ اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائے تو ان کا مال ان کے سپرد کردو۔ خبیث سے ردی اور طیب سے عمدہ چیز مراد ہے، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لئے گھٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھدو۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم (الآیة) اس آیت کی تفسیر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اسطرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کی سرپرستی میں ہوتی تو وہ اس کے مال و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا، لیکن اس کا دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا ہے اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان سے نکاح مت کرو۔ تمہارے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ (بخاری شریف) بلکہ ایک کے بجائے چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو، ایک سے زائد کرنے کی اجازت ہے، حکم نہیں، اور وہ بھی انصاف کی شرط کے ساتھ۔ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے شاگرد عکرمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی ایک شخص دس دس، بیس بیس بیویاں کر لیتا تھا، اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنے یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے چار کی حد مقرر کر دی، ایک روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ روایت میں مذکور ہے کہ طائف کا رئیس غیلان ابن سلمہ ثقفی جب اسلام لایا تو اس کی دس بیویاں تھیں آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ چار بیویاں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے اسی طرح ایک دوسرے شخص (نوفل بن معاویہ دیلمی) کی پانچ بیویاں تھیں آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔

تعدد ازواج:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کا حکم نہیں دیا بلکہ نہایت سخت شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اور شرائط نہ پوری کرنے کی صورت میں عند اللہ مواخذہ کی وعید فرمائی ہے اور حکومت وقت کو بھی اختیار دیا ہے کہ وہ عدم انصاف اور ظلم و زیادتی کی صورت میں مداخلت کر سکتی ہے۔

بعض لوگ اپنی غلامانہ ذہنیت کے نتیجے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعدد ازواج کے طریقہ

کو ختم کرنا تھا مگر چونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پاچکا تھا اس لئے اس کی حد بندی کر کے چھوڑ دیا مگر یہ اہل مغرب کی مسیحیت زدہ ذہنیت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، تعدد ازواج کا بذاتِ خود برائی ہونا بجائے خود نا قابل تسلیم ہے کیونکہ بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں رہ سکتے وہ حصار نکاح سے باہر صنفی بدامنی پھیلانے لگتے ہیں جس کے نقصانات تمدن اور معاشرہ کے لئے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعدد ازواج سے پہنچ سکتے ہیں اسی لئے قرآن نے ان لوگوں کو اجازت دی ہے جو اس کی ضرورت محسوس کریں۔

تعدد ازواج اور اسلام سے پہلے اقوام عالم میں اس کا رواج:

ایک مرد کے لئے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدد ازواج کی انجیل سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت رکھی ہے۔

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور اسحاق ٹیلر نے پُر زور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود ازواج کو جائز رکھتی ہے، اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

''کرشن'' جو ہندوؤں میں قابل تعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں، تعدد ازواج نہ صرف انسداد زنا کاری ہے بلکہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کثرت کا علاج بھی، مردوں کی نسبت عورتوں کی کثرت ایک مشاہداتی بات ہے۔ اول تو لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی پیدائش زیادہ ہے جس سے کوئی بھی چشم بصیرت رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا اور اگر بالفرض پیداوار میں برابری بھی تسلیم کر لی جائے تو حادثات اور جنگوں میں مردوں کی زیادہ تر ہلاکت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

اگر تعدد ازواج کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یوروپین اقوام کو دیکھ لیجئے۔ ان کے یہاں تعدد ازواج پر تو پابندی ہے مگر بطور داشتہ یا گرل فرینڈ کے بطور جتنی بھی عورتیں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے یہ کیا تماشہ ہے!!؟ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

رحمۃ اللعالمین اور تعدد ازواج:

نبی کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکام اور تزکیۂ نفوس ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً وفعلاً دنیا میں پھیلا دیا، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں نبی کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، طہارت ونجاست، عبادت وریاضت غرض حکمرانی سے لیکر گلہ بانی تک وہ کونسا شعبہ ہے کہ جس میں آپ ﷺ کی قولی یا فعلی ہدایات موجود نہ ہوں، اندرون خانہ آپ ﷺ نے کیا عمل کیا؟ یا بیویوں سے کیسے تعلقات رکھے؟ گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو آپ ﷺ نے کیا کیا جوابات دیئے؟ اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، کثرت ازواج میں آپ ﷺ کے یہی ضرورت پیش نظر تھی، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سیرت نبوی کے متعلق دو ہزار دو سو روایات مروی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد ۳۷۸ تک پہنچتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی اور اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں؟ وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے، اگر آپ ﷺ کی سیرت پاک پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرت ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ نے اپنی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذاری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ بیوہ صاحب اولاد (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے دوسرے نکاح جتنے بھی ہوئے، پچاس سال عمر شریف ہونے کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے آپ کے دشمنوں نے آپ پر، ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں یہ بات غور طلب ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد وتقویٰ اور لذائذ دنیا سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جا سکتی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے متعدد نکاحوں کی کیفیت وحقیقت:

پچیس سال کی عمر شریف سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح ہوا۔ حضرت سودہ تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ صغر کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر چون (۵۴) سال ہو چکی تھی۔ اس عمر میں آکر دو بیویاں جمع ہوئیں یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔ پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔ اور انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق آپ کے نکاح میں تین ماہ زندہ رہیں پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال تھی اتنی بڑی عمر میں چار بیویاں بیک وقت جمع ہوئیں۔ حالانکہ جس وقت امت کو چار بیویوں کی اجازت مل چکی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اس کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اور ۷ھ میں ام حبیبہ سے اور پھر ۷ھ ہی میں حضرت صفیہ سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (الآیہ) یعنی جب وہ سن بلوغ کے قریب پہنچ رہے ہوں تو خیال رکھو کہ ان کا عقلی نشوونما کیسا ہے؟

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (الآیہ) مال حوالہ کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک بلوغ اور دوسرے رشد یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت، پہلی شرط کے متعلق تو فقہاء امت کا اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رشد نہ پایا جائے تو ولی یتیم کو سات سال اور انتظار کرنا چاہئے اس کے بعد خواہ رشد پایا جائے یا نہ پایا جائے اس کا مال اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اور امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، امام محمد اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ مال حوالہ کئے جانے کے لئے بہر حال رشد کا پایا جانا ضروری ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ (الآیہ) اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے تھے تمام مال کے وارث قرار پاتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے، بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گے، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے نصف ہے، یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے، بلکہ اسلام کا یہ قانونِ میراث، عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے اس لحاظ سے عورت کے

مقابلہ میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں اسلئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (الآية) اس آیت کو بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتہ داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو، نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً (الآية) بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (یعنی جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں قطع نظر اس سے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں، بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوئے ہوں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرے اور نہ حقوق العباد میں۔

حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد کے بعد سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچا نے پوری جائداد پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لئے ایک حبہ تک نہیں چھوڑا ہے اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا؟ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

يُوْصِيْكُمُ يامُرُكُمُ **اللّٰهُ فِيْٓ** شانِ **اَوْلَادِكُمْ** بِمَا يُذْكَرُ مِنْهُمْ **لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ** نصيبِ **الْاُنْثَيَيْنِ** اذا اجتمعتا معه فلهُ نصفُ المالِ ولهما النِصْفُ فإن كان معهُ واحدة فلها الثُلُثُ ولهُ الثُلُثان وان انفرد حارَ المالَ **فَاِنْ كُنَّ** اى الاولادُ **نِسَآءً** فقط **فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ** المَيِّتُ وكذا الاثنتان لانّهُ للأختينِ بقوله فلهما الثُلُثان مِمَّا ترك فهما اولى ولِأنَّ البنت تستحقُّ الثُلُثَ مَعَ الذكرِ فمع الانثى اَوْلى وفوقَ قيل صلةٌ وقيل لدفعِ توهُّمِ زيادةِ النَّصيبِ بزيادةِ العددِ لَمَّا فُهِمَ استحقاقُ الاثنتينِ الثُلُثَيْنِ مِنْ جَعْلِ الثلثِ للواحدَةِ مع الذَّكَرِ **وَاِنْ كَانَتْ** المَوْلُوْدَةُ **وَاحِدَةً** وفي قراءةٍ بالرَّفْعِ فكان تامَّةٌ **فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ** اى المَيِّتِ ويُبْدَلُ منهما **لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ** ذَكَرٌ او اُنْثى ونكتة البَدَلِ اِفادةُ اَنَّهما لا يَشْتَرِكَانِ فيه واُلْحِقَ بالوَلَدِ وَلَدُ الابنِ وبالابِ الجَدُّ **فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ** فقط او مع زوجٍ **فَلِاُمِّهِ** بضمِّ الهمزةِ وبكسرِها فِرارًا من الانتقالِ من ضمّةٍ الى كسرةٍ لثقلِه في الموضعينِ **الثُّلُثُ** اى ثلثُ المالِ او مَا يَبْقَى بَعْدَ الزَّوْجِ والبَاقِيْ لِلْاَبِ **فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ** اى اثنانِ فَصَاعِدًا ذُكُورٌ اواناثٌ

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ والباقي للأب ولا شيء للإخوة وإرث من ذكر ما ذكر مِنْ بَعْدِ تنفيذ وَصِيَّةٍ يُوصِي بالبناء للفاعل والمفعول بِهَا أَوْ قضاء دَيْنٍ عليه وتقديم الوصية على الدين وإن كانت مؤخرة عنه في الوفاء للاهتمام بها آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ مبتدأ خبره لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا في الدنيا والآخرة فظانٌّ أن ابنه أنفع له فيعطيه الميراث فيكون الأب أنفع وبالعكس وإنما العالم بذلك الله ففرض لكم الميراث فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بخلقه حَكِيمًا ﴿١١﴾ فيما دبره لهم أي لم يزل متصفًا بذلك وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ منكم أو من غيركم فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وألحق بالولد في ذلك ولد الابن بالإجماع وَلَهُنَّ أي الزوجات تعددن أو لا الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ منهن أو من غيرهن فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وولد الابن كالولد في ذلك إجماعًا وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ صفة والخبر كَلَالَةً أي لا والد له ولا ولد أَوِ امْرَأَةٌ تورث كلالة وَلَهُ أي للموروث الكلالة أَخٌ أَوْ أُخْتٌ أي من أم وقرأ به ابن مسعود وغيره فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مما ترك فَإِنْ كَانُوا أي الإخوة والأخوات من الأم أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ أي من واحد فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ يستوي فيه ذكورهم وإناثهم مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ حال من ضمير يوصى أي غير مدخل الضرر على الورثة بأن يوصي بأكثر من الثلث وَصِيَّةً مصدر مؤكد ليوصيكم مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بما دبره لخلقه من الفرائض حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ بتأخير العقوبة عمن خالفه وخصصت السنة توريث من ذكر بمن ليس فيه مانع من قتل أو اختلاف دين أو رق تِلْكَ الأحكام المذكورة من أمر اليتامى وما بعده حُدُودُ اللَّهِ شرائعه التي حدها لعباده ليعملوا بها ولا يعتدوها وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فيما حكم به يُدْخِلْهُ بالياء والنون التفاتًا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ بالوجهين نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ فيها عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٤﴾ ذو إهانة وروعي في الضمائر في الآيتين لفظ من وفي خالدين معناها.

ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں (آئندہ) مذکور کا حکم دیتا ہے اولاد میں سے ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے جبکہ دو لڑکیاں ایک لڑکے کے ساتھ ہوں لڑکے کیلئے مال (متروکہ) کا نصف ہے اور دونوں لڑکیوں کے لئے نصف (اور) اگر ایک لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہو تو لڑکی کیلئے ایک ثلث اور لڑکے کیلئے دو ثلث اور اگر لڑکا تنہا ہو تو پورا مال لے لیگا۔ اور اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں، دو سے زیادہ تو ان کیلئے میت کے متروکہ مال کا دو ثلث ہے اور اسی طرح جبکہ لڑکیاں صرف دو ہوں اسلئے کہ دو تہائی دو بہنوں کیلئے ہے اللہ تعالیٰ کے قول: فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ، کی وجہ سے،

ہذا دولڑکیاں اس کی بطریق اولیٰ مستحق ہوں گی۔ اور اس لئے کہ لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک تہائی کی مستحق ہوتی ہے تو مونث کے ساتھ بطریق اولیٰ مستحق ہوگی اور لفظ فوق، کہا گیا ہے کہ صلہ یعنی (زائد) ہے اور کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کی صورت میں حصہ کے زیادہ ہونے کے وہم کو دفع کرنے کے لئے ہے کہ دولڑکیوں کا دوثلث کا مستحق ہونا لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہونے کی صورت میں ایک ثلث سے سمجھا گیا، اور اگر اولاد میں فقط ایک لڑکی ہو تو لڑکی کو (ترکہ) کا نصف ہے، اور ایک قراءت میں (واحدةٌ) رفع کے ساتھ ہے، تو اس صورت میں 'کان' تامہ ہوگا اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے متروکہ مال سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور (لِكُلِّ وَاحِدٍ) اَبَوَیْہِ سے بدل ہے، اور بدل میں نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا فائدہ ہوگیا کہ دونوں ایک سدس میں شریک نہ ہوں گے۔ (بلکہ ہر ایک کو سدس) ملے گا، اور ولد کے ساتھ ولد الابن اور اب کے ساتھ جد بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اگر (میت) کے اولاد نہ ہو اور وارث فقط اس کے والدین ہی ہوں یا مرنے والے کا زوج بھی ہو (بیوی یا شوہر) تو (میت) کی والدہ کیلئے کل مال کا ایک تہائی ہے یا زوج کو دینے کے بعد مابقیہ کا ایک تہائی ہے، اور باقی والد کیلئے ہے۔ (فَلِاُمِّهِ) کا ہمزہ ضمہ کے ساتھ، اور کسرہ کے ساتھ بھی ہے، ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال سے بچنے کے لئے اس کے ثقیل ہونے کی وجہ سے دونوں جگہوں میں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو میت کی والدہ کے لئے ایک سدس ہے اور باقی والد کے لئے ہے، اور بھائی بہنوں کے لئے کچھ نہیں ہے اور مذکورین کے لئے مذکورہ حصے میت کی وصیت کو نافذ کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد ہیں (یُوْصِی) معروف ومجہول دونوں طریقہ پر ہے اور وصیت کی دین پر تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اگرچہ ادا میں مؤخر ہے تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا و آخرت میں تم کو فائدہ پہنچانے میں تمہارے کون زیادہ قریب ہے؟ (آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاۤؤُكُمْ) مبتداء ہے اور لَا تَدْرُوْنَ، اس کی خبر ہے، یہ گمان کرنے والا کہ اس کا بیٹا اس کے لئے زیادہ مفید ہے تو اس کو میراث دیدیتا ہے حالانکہ اس کا باپ اس کیلئے زیادہ نافع ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے اس کا جاننے والا تو درحقیقت اللہ ہی ہے جس وجہ سے اس نے تمہارے لئے میراث (کے حصے) مقرر کر دیئے۔ یہ حصے اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے اور اس میں باحکمت ہے، جو اس نے ان کے لئے مقرر کیا ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اس کا تمہارے لئے نصف ہے اگر ان کے تم سے یا دوسرے شوہر سے اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو متروکہ مال میں تمہارے لئے چوتھائی ہے ان کی وصیت کو نافذ کرنے یا ان کے قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور اس حکم میں بیٹے کے ساتھ پوتا بالا جماع ملایا گیا ہے، اور بیویوں کیلئے متعدد ہوں یا نہ ہوں تمہارے متروکہ مال کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو خواہ ان سے ہو یا دوسری بیویوں سے، تو ان کے لئے تمہارے متروکہ مال میں سے آٹھواں حصہ ہے ان کی وصیت کو نافذ اور قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور پوتا اس حکم میں بالاجماع بیٹے کی مانند ہے، اور مورث مرد ہو یا عورت کَلٰلَة ہو یعنی نہ اس کے بیٹا ہو اور نہ باپ (یُوْرَثُ) رَجُلٌ کی صفت ہے اور کَلٰلَةً، کَانَ کی خبر ہے اور اگر عورت، مورث کللہ ہو اور مورث کللہ

کے ماں شریک بھائی یا بہن ہو، اور یہ قراءت ابن مسعود وغیرہ کی ہے، تو متروکہ مال میں سے ان میں سے ہر ایک چھٹا حصہ ہے اور اگر ماں شریک بھائی اور بہن ایک سے زائد ہوں تو یہ سب کے سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، اور مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہوں گے، وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کے ادا کرنے کے بعد، جبکہ دوسروں کا نقصان نہ ہو (غَیْرَ مُضَارٍّ) یُوْصٰی، کی ضمیر سے حال ہے یعنی ورثاء کو ضرر پہنچانے والا نہ ہو، اس طریقہ سے کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یہ حکم اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے وَصِیَّةً، یُوْصِیْکُمْ کی تاکید کیلئے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی حکمت خوب جانتا ہے جو فرائض اس نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان احکام کی مخالفت کرنے والے سے سزا مؤخر کرنے میں بردبار ہے اور سنت رسول نے مذکورہ توریث اس وارث کے لئے خاص کی ہے جس میں (وراثت سے) کوئی مانع نہ ہو مثلاً قتل یا اختلاف دین یا رقیت یتیموں کا معاملہ اور اس کے بعد کے یہ احکام مذکورہ، اللہ کی حدود ہیں یعنی اس کے احکام ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمایا ہے تاکہ اس پر عمل کریں اور ان سے تجاوز نہ کریں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مذکورہ احکام میں اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے (نُدْخِلْهُ، یُدْخِلْهُ) یاء اور نون کے ساتھ بطور التفات کے ہے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا (یُدْخِلْهُ. نُدْخِلْهُ) دونوں طریقوں سے ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیگا ایسوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے یعنی اہانت آمیز اور دونوں آیتوں کی ضمیروں میں لفظ مَنْ، کی رعایت کی گئی ہے اور خلدین، میں معنی کی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: یُوْصِیْ (ایصاءً) مضارع واحد مذکر غائب معروف، وہ وصیت کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ وصیت کے اصل معنی ہیں انتقال کے وقت وصیت و نصیحت وغیرہ کرنا۔

قِوْلُہٗ: یَاْمُرُکُمْ، وصیت کے حقیقی معنی چونکہ ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہیں اسلئے مفسر علام نے یوصی کی تفسیر یامُرُ سے کی ہے۔

قِوْلُہٗ: شان. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اَوْلاد، یامُرُ، کا ظرف ہے حالانکہ اولاد کا ظرف بننا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اولاد میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

جَوَاب: شان کی تقدیر صحت ظرفیت ہی کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: مِنْهم.

سَوَال: مفسر علام نے 'مِنْهُمْ' کس فائدہ کے لئے محذوف مانا ہے۔

جَوَابِ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. یہ جملہ میت کی تشریح ہے لہٰذا ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہے جو اولاد کی طرف راجع ہو مگر عائد اس کے ظہور پر اعتماد کرتے ہوئے حذف کر دیا گیا ہے، جیسا کہ "اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ" میں مِنْهُ کو ظاہر سے مفہوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قِوْلُهُ: فَإِنْ كُنَّ اى الْأَوْلَادُ.

سَوَالِ: كُنَّ، کی تفسیر مفسر علام نے، اَوْلَادٌ سے کی ہے جو کہ مذکر ہے تو پھر كُنَّ، مؤنث کی ضمیر کیوں لائے ہیں؟

جَوَابِ: كُنَّ کی خبر نِسَاءً چونکہ مؤنث ہے لہٰذا خبر کی رعایت کرنے کی وجہ سے ضمیر کو مؤنث لائے ہیں۔

قِوْلُهُ: فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اِنْ حرف شرط كُنَّ فعل ناقص، شرط، اس کے اندر ضمیر هُنَّ وہ اس کا اسم نِسَاءً موصوف اور فَوْقَ اثْنَتَيْنِ صفت، موصوف صفت سے مل کر كُنَّ کی خبر كُنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر شرط، فَلَهُنَّ جواب شرط۔

قِوْلُهُ: وفوق صلة وقيل لدفع توهم زيادة النصيب بزيادة العدد اس عبارت کے اضافہ کا مقصد حضرت ابن عباس رَضَوَلِللهُ تَعَالَاعَنْهُ کے تفرد کا جواب دینا ہے۔ اس عبارت میں دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ابن عباس رَضَوَلِللهُ تَعَالَاعَنْهُ کا تفرد یہ ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دو ثلث لڑکیوں کو اس وقت ملے گا کہ جب لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں حالانکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ لڑکیاں اگر دو بھی ہوں تب بھی ان کو دو ثلث ملیں گے، اس تفرد کے دو جواب دیئے ہیں، اول جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ فوق زائد محض صلہ کے لئے ہے، جیسے فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ، میں لفظ فوق زائد محض صلہ ہے وقيل لدفع توهم الخ، یہ دوسرا جواب ہے اس کا مقصد اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ لفظ فوق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے عدد کے بڑھنے سے ان کا حصہ بھی بڑھے گا، اسلئے کہ جب ایک لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ ہو تو ایک تہائی حصہ ہے اور دو ہوں تو دو تہائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی تعداد جس قدر بڑھتی رہے گی ان کے حصوں میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ شبہ پیدا ہوا ہے لفظ فوق سے لہٰذا یہ کہہ کر کہ لفظ فوق زائد برائے صلہ ہے شبہ اس کو دفع کر دیا۔

قِوْلُهُ: وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا، یہ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وَلِأَبَوَيْهِ السُّدُسُ، السدس مبتداءٔ مؤخر اور لابویه خبر مقدم فرماتے تو مختصر بھی ہوتا اور دال بر مقصود بھی مبتدا، اور خبر کے درمیان لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، کا فصل کس مصلحت سے فرمایا۔

جَوَابِ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدم فصل کی صورت میں یہ شبہ ہوتا کہ ایک سدس میں اب اور ام دونوں شریک سمجھے جاتے حالانکہ ہر ایک سدس کا مستحق ہے۔

اسلئے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا کو ابویہ سے بدل قرار دیا اور بدل مبدل منہ سے مل کر خبر مقدم اور السدس مبتدا مؤخر، اس طرح شرکت کا شبہ ختم ہو گیا۔

قِوْلُهُ: فقط او مع زوج، زوج کا اطلاق زوج اور زوجہ دونوں پر ہوتا ہے۔

سوال: مفسر علام کے فقط اور مع زوج، کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: اس کا مقصد ابوین کی میراث کے بارے میں جمہور اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔ جمہور کے نزدیک اگر میت لاولد ہو اور اس کے وارث صرف اسکے والدین ہوں تو والدہ کو ثلث کل ملے گا اور ما بقی دو ثلث والد کو ملے گا، اور اگر مرنے والے کے والدین کے ساتھ ساتھ زوج یا زوجہ بھی ہو تو اس صورت میں زوج یا زوجہ کو اقل مخرج میں سے دینے کے بعد ما بقی کا ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث والد کو ملیں گے۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کے مطابق دونوں صورتوں میں ماں کو ثلث کل ہی ملے گا، مفسر علام نے فقط اور مع زوج. کہہ کر جمہور کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: بضم الهمزة وبكسرها فرارًا من الانتقال من ضمّة الى كسرة لثقله. بضم الهمزة الخ سے فلاُمّه میں دو قراءتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فلامّـــه، کے ہمزہ کے کسرہ کی علت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مشہور قراءت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی فلاُمّه، اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ فلإمّه، ہے مفسر علام نے اس قراءت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فلاُمّه، کی صورت میں ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال لازم آتا ہے جو کہ ثقیل ہے اسلئے ہمزہ کو بھی کسرہ دیدیا۔

قولہ: وَارِثُ مَنْ ذُكِرَ ما ذُكِرَ یعنی مذکورین کی وراثت، بیان کردہ اصول کے مطابق ہوگی۔

قولہ: من بعد وصية ما قبل میں بیان کردہ تقسیم، میراث کے اصول سے ہے مطلب یہ ہے کہ سابق میں ترکہ کے تقسیم کے اصول کے مطابق تقسیم، وصیت کے نفاذ اور ادا قرض کے بعد ہوگی، اگر میت نے وصیت کی ہو، اور مقروض ہو تو وصیت اور دین میں سے دین کو مقدم کیا جائے گا۔

قولہ: فَفَرَضَ لكم الميراث، یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ فريضةً فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے نہ کہ يُوْصِيكُمُ اللّٰهُ کا مصدر۔

قولہ: يورث صفة، یعنی یورث رجل کی صفت ہے لہٰذا رجلٌ کا مبتداء بننا درست ہے اور كلالة مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: المَوْرُوْث، بروزن مفعول ثلاثی مجرد مت ای الميت.

قولہ: وروعي في الضمائر في الآيتين لفظ مَنْ وفي خلدين معناها، دونوں جگہ يُدْخِلْهُ کی ضمیر کو مفرد مذکر مَنْ کے لفظ کی رعایت سے لایا گیا ہے اور خلدين کو جمع مذکر مَنْ، کے معنی کی رعایت سے لایا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (الآية) اگر ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں خواہ بالغ ہوں یا نابالغ حتی کہ اگر رحم مادر میں جنین کی صورت میں ہوں تب بھی لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے اصول کے مطابق میراث تقسیم ہوگی اور جنین کو لڑکا فرض کر کے اس کا حصہ رکھا جائیگا لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں زائد مال پھر ورثاء میں بحصہ رسد تقسیم کردیا جائیگا۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اور اگر لڑکا کوئی نہ ہو اور لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو مال کا دو تہائی لڑکیوں کو دیا جائیگا، لفظ فَوْقَ جمہور کے نزدیک متصل صلہ کے طور پر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی دیا جائیگا مگر جمہور کے نزدیک جو حکم دو سے زیادہ لڑکیوں کا ہے، دو کا بھی وہی حکم ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کی دو لڑکیاں تھیں، سعد کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کر لیا لڑکیوں کی ماں نے آپ ﷺ سے اس معاملہ کی شکایت کی تو آپ نے ان لڑکیوں کو دو تہائی مال دلوایا، واقعہ کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔ (ترمذی ابو داؤد، ابن ماجہ کتاب الفرائض)

علاوہ ازیں سورۂ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے بھی دو تہائی حصہ ہے لہٰذا جب دو بہنیں دو تہائی کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی کی وارث ہوں گی جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً (الآیة) ماں باپ کے حصوں کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

① اگر مرنے والے کی اولاد بھی ہو خواہ لڑکی ہو یا لڑکا تو میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی چار سدس اولاد پر تقسیم ہوگا البتہ اگر میت کی اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اس میں سے چونکہ تین سدس یعنی نصف مال بیٹی کا ہوگا، اور ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد ایک سدس باقی بچ جائیگا اس لئے بچا ہوا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائیگا۔ اس طرح باپ کے حصہ میں دو سدس آئیں گے ایک ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے اور ایک عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور اولاد میں پوتے پوتیاں بھی شامل ہیں، اس صورت میں ماں کے لئے کل مال کا تیسرا حصہ ہے، باقی دو حصے باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو جمہور کے مذہب پر بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر باقی ماندہ مال سے ماں کے لئے ایک تہائی اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن حیات ہیں وہ بھائی خواہ سگے ہوں یا اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے لیکن ماں کے لئے حجب نقصان کا سبب بن جائیں گے، یعنی جب ایک بھائی سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث یعنی تیسرے حصہ کو چھٹے حصہ میں تبدیل کردیں گے باقی ماندہ مال، باپ کے حصہ میں جائیگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اس صورت میں ماں میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا وہ سدس میں تبدیل نہ ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر)

اٰبَآءُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، حصص

مقرر و بیان فرمانے کے بعد، متوجہ کیا گیا کہ تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرو، اسلئے ہو سکتا ہے کہ جس کو تم نافع سمجھ کر زیادہ حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع نہ ہو اور جس کو تم غیر نافع سمجھ کر کم حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع ہو اس حقیقت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے لہٰذا اس نے جس کا حصہ مقرر کیا ہے اس میں رد و بدل نہ کرو اور تمہیں پورے اطمینان قلبی کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے تمہارے خالق و مالک کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ (الآیة) سابقہ آیت میں نسبی رشتہ داروں کے حصوں کا بیان تھا۔ اس آیت میں دیگر مستحقین کا ذکر ہے جن کا میت سے نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ زوجیت کا رشتہ ہے۔ اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں اس پر امت کا اجماع ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد ادائے دین اور انفاذ وصیت مرحومہ کے کل مال کا نصف ملے گا، اور باقی نصف میں دوسرے ورثاء مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی بہن، حسب قاعدہ حصہ پائیں گے، اور اگر مرحومہ نے اولاد چھوڑی ہو اس شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداء دین اور انفاذ وصیت اور کفن دفن کے اخراجات کے بعد مال کا چوتھائی حصہ ملے گا، بقیہ دیگر مستحقین کے درمیان حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

اور اگر مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی نہ اس بیوی سے اور نہ کسی دوسری بیوی سے تو بعد انفاذ وصیت اور اداء دین بیوی کو مرحوم کے مال سے چوتھائی حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، اور اگر مرنے والے شوہر نے اولاد بھی چھوڑی خواہ اسی بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے تو بعد اداء دین، اگر دین ہو اور بعد انفاذ وصیت، اگر وصیت کی ہو، بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً، کلالہ کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں مشہور تعریف یہ ہے کہ جس کے اصول و فروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے، یعنی جس کے نہ دادا پر دادا ہوں اور نہ بیٹے پوتے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا ہے جس نے نہ اولاد چھوڑی ہو اور نہ والد۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو اور نہ دادا، اور نہ اولاد اور اس کے ایک بھائی یا بہن اخیافی (ماں شریک) ہو تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو سدس (چھٹا) حصہ ملے گا اور اگر بہن ہو یا دو بھائی یا دو بہن ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں، وَلَيْسَ فِي الفرائض موضع يكون فيه الذَّكر وَالْاُنثىٰ سَوَاء، اِلَّا فى ميراثِ الاِخوة لِاُمٍ، یعنی فرائض میں سوائے ماں شریک بھائی بہنوں کے کوئی صورت ایسی نہیں کہ جس میں مذکر اور مؤنث برابر کے حصہ دار ہوں۔

وصیت کے مسائل:

اس آیت میں تین مرتبہ وصیت کا ذکر آیا ہے، میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے ایک تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطہ کے مطابق ادائے دَین وصیت پر مقدم ہے اور دَین میں مہر بھی شامل ہے اگر ادا نہ کیا ہو۔

مَسْئَلَہْ: وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے، اگر کسی نے اپنے وارث کے حق میں وصیت کی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں وارث کے لئے میراث ہی کافی ہے۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اِن اللّٰہ قد اَعْطٰی کلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ، فلا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ.

اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔

البتہ اگر دیگر ورثاء اجازت دیدیں تو وصیت نافذ ہوگی، باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائیگا جس میں اس وارث کو بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی، بعض آیتوں میں اِلّا اَنْ یشاء الورثۃ، کا استثناء بھی مذکور ہے۔

(کما ذکرہ صاحب الهدایہ، معارف)

غَيْرَ مُضَارٍّ کی تفسیر:

مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وصیت یا دَین کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچائے، وصیت یا دَین کے ذریعہ ورثاء کو ضرر پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، یا اپنے ذاتی مال کے بارے میں امانت کا اقرار کرے کہ فلاں کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث جاری نہ ہو، یا ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اس کا قرض ہو جو وصول نہ ہوا ہو لیکن یہ کہدے کہ وصول ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ (الآیۃ) یہ ایک بڑی خوفناک آیت ہے اس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں یا ان دوسری قانونی حدود کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کردی ہیں، لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدود کو توڑا اس قسم کی جسارت خدا

کے ساتھ کھلی بغاوت ہے، کہیں عورتوں کو مستقل طور پر میراث سے محروم کیا گیا کہیں صرف بڑے بیٹے کو میراث کا مستحق قرار دیا گیا، کہیں سرے سے تقسیم میراث کے طریقہ کو ہی چھوڑ کر مشترکہ خاندانی جائداد کا طریقہ اختیار کرلیا گیا، کہیں عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کردیا گیا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ الزنا **مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ** اي من رجال المسلمين **فَاِنْ شَهِدُوْا** عليهن بها **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** احبسوهن **فِی الْبُیُوْتِ** وامنعوهن من مخالطة الناس **حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ** اي ملئكته **اَوْ** الى ان **یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴿۱۵﴾** طريقًا الى الخروج منها أمروا بذلك أول الاسلام ثم جعل لهن سبيلا بجلد البكر مائة وتغريبها عامًا ورجم المحصنة وفي الحديث لما بين الحد قال صلى الله عليه وسلم خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا رواه مسلم **وَالَّذٰنِ** بتخفيف النون وتشديدها **یَاْتِیٰنِهَا** اي الفاحشة الزنا او اللواطة **مِنْكُمْ** اي من الرجال **فَاٰذُوْهُمَا** بالسب والضرب بالنعال **فَاِنْ تَابَا** منها **وَاَصْلَحَا** العمل **فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا** ولا تؤذوهما **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا** على من تاب **رَّحِیْمًا﴿۱۶﴾** به وهذا منسوخ بالحد إن أريد به الزنا وكذا إن أريد بها اللواطة عند الشافعي لكن المفعول به لا يرجم عنده وان كان محصنًا بل يجلد ويغرب وارادة اللواطة اظهر بدليل تثنية الضمير والاول قال أراد الزاني والزانية ويرده تبيينهما بمن المتصلة بضمير الرجال واشتراكهما في الاذى والتوبة والاعراض وهو مخصوص بالرجال لما تقدم في النساء من الحبس **اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ** اي التي كتب على نفسه قبولها بفضله **لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ** المعصية **بِجَهَالَةٍ** حال اي جاهلين اذ عصوا ربهم **ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ** زمن **قَرِیْبٍ** قبل ان يغرغروا **فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ** يقبل توبتهم **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا** بخلقه **حَكِیْمًا﴿۱۷﴾** في صنعه بهم **وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ** الذنوب **حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ** واخذ في النزع **قَالَ** عند مشاهدة ما هو فيه **اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ** فلا ينفعه ذلك ولا يقبل منه **وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ** اذا تابوا في الآخرة عند معاينة العذاب لا تقبل منهم **اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا** اعددنا **لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴿۱۸﴾** مؤلمًا **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ** اي ذاتهن **كَرْهًا** بالفتح والضم لغتان اي مكرهيهن على ذلك كانوا في الجاهلية يرثون نساء اقربائهم فان شاءوا تزوجوها بلا صداق او زوجوها واخذوا صداقها او عضلوها حتى تفتدي بما ورثته او تموت فيرثوها فنهوا عن ذلك **وَلَا** ان **تَعْضُلُوْهُنَّ** اي تمنعوا ازواجكم عن نكاح غيركم بامساكهن ولا رغبة لكم فيهن ضرارًا **لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ** من

الضمير **إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بفتح الياء وكسرها اي بُيِّنَتْ او هي بَيِّنَة زنا او نُشُوزًا فلكم ان تضاروهن حتى يفتدين منكم ويختلعن **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** اي بالاجمال في القول والنفقة والمبيت **فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ** فاصبروا **فَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا** ولعله يجعل فيهن ذلك بان يرزقكم منهن ولدا صالحا **وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ** اي اخذها بدلها بان طلقتموها **وَّ** قد **اٰتَيْتُمْ إِحْدٰىهُنَّ** اي الزوجات **قِنْطَارًا** مالا كثيرا صداقا **فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا** ظلما **وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا** بينا ونصبهما على الحال والاستفهام للتوبيخ وللانكار في قوله **وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ** اي باي وجه **وَقَدْ أَفْضٰى** وصل **بَعْضُكُمْ إِلٰى بَعْضٍ** بالجماع المقرر للمهر **وَّأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا** عهدا **غَلِيْظًا** شديدا وهو ما امر الله به من امساكهن بمعروف او تسريحهن باحسان **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا** بمعنى من **نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ إِلَّا** لكن **مَا قَدْ سَلَفَ** من فعلكم ذلك فانه معفو عنه **إِنَّهٗ** اي نكاحهن **كَانَ فَاحِشَةً** قبيحا **وَّمَقْتًا** سببا للمقت من الله وهو اشد البغض **وَسَآءَ** بئس **سَبِيْلًا** طريقا ذلك.

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی (زنا) کی مرتکب ہوں ان پر اپنوں (مسلمانوں) میں سے چار آدمی گواہ کرلو، سو اگر وہ ان پر بے حیائی کی شہادت دیدیں تو ان کو گھروں میں نظر بند کردو اور ان کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دو، یہاں تک کہ موت (ملائکہ) اس کا خاتمہ کردے یا اللہ ان کے لئے کوئی (اور) راہ نکالدے یعنی اس سے نکلنے کی کوئی صورت نکالدے یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا پھر ان کے لئے باکرہ کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی صورت میں اور محصنہ کو رجم کی صورت میں سبیل نکالدی، اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ نے حد بیان فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے لے لو مجھ سے حاصل کرلو اللہ نے ان کیلئے سبیل نکالدی۔ (رواہ مسلم) اور تم میں سے یعنی مردوں میں سے جو دو (یعنی جوڑا) فحش کام کے مرتکب ہوں یعنی زنا یا لواطت کے، تو ان کو برا بھلا کہہ کر اور جوتے مار کر تکلیف پہنچاؤ، (والذان) نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پھر اگر دونوں فحش کام سے توبہ کرلیں اور عمل کی اصلاح کرلیں، تو ان کو نظر انداز کردو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) اس پر رحم کرنے والا ہے اور یہ حکم امام شافعی کے نزدیک حد کے ذریعہ منسوخ ہے، اگر اس سے زنا مراد ہو اور اسی طرح اگر لواطت مراد ہو، البتہ مفعول کو ان کے نزدیک رجم نہیں کیا جائیگا، اگرچہ محصن ہی کیوں نہ ہو بلکہ کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کردیا جائیگا، اور لواطت مراد لینا زیادہ ظاہر ہے، (اَلّذان یاتیانھا) کی ضمیر تثنیہ کی دلیل کی وجہ سے، اور اول قول کا قائل وہ ہے جس نے (تثنیہ) سے زانی اور زانیہ کا ارادہ کیا ہے، اور اس کی تردید اس مِن بیانیہ سے ہوتی ہے جو کہ منکم، ضمیر مذکر کے ساتھ بیان کے لئے متصل ہے (اسی طرح) ان کا اذیت اور توبہ اور درگذر میں مشترک ہونا اور یہ مذکورہ تینوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اسلئے کہ عورتوں کا حکم نظر بند کرنا سابق میں گذر چکا ہے۔

اور توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے یعنی توبہ کی قبولیت کو اللہ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے وہ تو بس ان ہی لوگوں کی توبہ ہے جو معصیت نادانی سے کر بیٹھتے ہیں (بِجَهَالَةٍ) حال ہے یعنی اپنے رب کی نافرمانی کرتے وقت نادانی کر بیٹھتے ہیں، اور پھر جلدی ہی حالت نزع پیش آنے سے پہلے ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں باحکمت ہے اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کی موت آجائے اور حالت نزع شروع ہو جائے اور حالتِ نزع میں پیش آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرلے تو کہدے میں اب توبہ کرتا ہوں تو اس کا یہ توبہ کرنا نہ اس کے لئے مفید ہوگا اور نہ مقبول، اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر ہی پر مرجائیں اور آخرت میں عذاب کے مشاہدہ کے وقت توبہ کرلیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کی ذات کے جبراً مالک بن جاؤ، کُرهاً فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دو لغت ہیں، یعنی ان کو مجبور کرکے، یہ طریقہ (زمانہ) جاہلیت میں تھا کہ لوگ اپنے قرابتدار کی بیوی کے مالک ہوجاتے تھے، اگر چاہتے تو خود ہی ان سے بلامہر نکاح کرلیتے یا ان کا نکاح کسی غیر سے کردیتے اور اس کا مہر خود لے لیتے، یا ان کو روکے رکھتے حتی کہ وہ اپنے مال کا فدیہ دیدے یا مرجائے تو اس کے مال کے وارث ہوجاتے تھے، تو ان کو اس حرکت سے منع کردیا گیا، اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ان کو دوسروں سے نکاح کرنے سے، نقصان پہنچانے کی غرض سے روکو حالانکہ تم کو ان سے کوئی رغبت نہیں ہے، تاکہ تم ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا کچھ حصہ وصول کرو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوں یــاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی جو بالکل عیاں ہے یا وہ ظاہر کرنے والی ہے، یعنی زنا یا نافرمانی، تو تم کو حق ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ یہاں تک کہ وہ تم کو کچھ معاوضہ دیں اور خلع کریں۔ اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کرو یعنی گفتگو اور نفقہ اور شب باشی میں حسن معاشرت کا مظاہرہ کرو، اگر تم ان کو ناپسند کرو تو صبر کرو کیا عجب کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں کوئی بڑی بھلائی رکھدے، اور ہوسکتا ہے کہ اللہ ان میں خیر رکھدے بایں طور کہ وہ تم کو ان سے ولد صالح عطا فرمائے، اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو یعنی ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرنا چاہو، اور تم ان بیویوں میں سے کسی کو مال کا ایک ڈھیر یعنی مالِ کثیر مہر میں دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم ظلم اور کھلا گناہ ہونے کے باوجود اس کو لے لوگے (مُبِيْنًا) بمعنی، بیّنًا اور اس کا نصب حال کی وجہ سے ہے اور استفہام توبیخ کے لئے ہے، اور تم اسے کیسے لوگے؟ یعنی کس طرح لوگے، استفہام انکاری ہے حالانکہ تم جماع کے ذریعہ آپس میں مل چکے ہو جو کہ مہر کو ثابت کرنے والا ہے اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے اور وہ عہد وہ ہے جس کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم ان کو دستور کے مطابق اپنے پاس رکھو یا حسن اخلاق کے ساتھ ان کو چھوڑ دو، اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے، مَـا، بمعنی مَنْ، ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا یعنی سابق میں تم سے ہوگیا وہ معاف ہے یہ یعنی ان سے نکاح کرنا بے حیائی اور ناراضگی کا سبب ہے یعنی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور وہ شدید ترین بغض ہے اور یہ بڑی بُری راہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: مِن رجالِ المسلمین.

سُوَال: فاستَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ، مفسر علام نے منکم کی تفسیر من رجال المسلمین سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مخاطب نہیں ہیں حالانکہ قرآن میں عورتوں کو مردوں کے تابع قرار دے کر اکثر خطاب کیا گیا ہے مگر یہاں مرد ہی مخاطب ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: اربعةً، یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ مخاطب مرد ہی ہیں نہ کہ عورتیں اسلئے کہ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ عدد اگر مؤنث ہو تو اس کا معدود مذکر ہوتا ہے یہاں اَرْبعة مؤنث ہے لہٰذا اس سے معدود مذکر متعین ہے اور وہ رجال ہے نہ کہ نساء، اسی قرینہ کی وجہ سے علامہ سیوطی نے منکم کی تفسیر مِنْ رجال المسلمین سے کی ہے۔

قِوْلَہُ: ای الملائکة، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، ای یَتَوفّٰهُنَّ ملٰئکة الموت.

سُوَال: حذف مضاف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جَوَاب: اَلتوفّی هو الموت، اب عبارت یہ ہوگی حَتّٰی یُمیتُهُنَّ الموت، اور یہ درست نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں اسناد الشئی الی نفسه لازم آتی ہے نیز اس میں موت کا فاعل بننا لازم آتا ہے حالانکہ موت میں فاعل بننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسلئے مفسر علام نے الملئکة، محذوف مان کر بتادیا کہ یَتَوفّٰهُنَّ کا فاعل موت نہیں ہے بلکہ ملئکة ہے، نیز اس صورت میں اسناد الشئ الی نفسه کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قِوْلَہُ: اِلٰی اَنْ، اس سے اشارہ کردیا کہ یَجْعَلَ کا عطف یَتَوفّٰهُنَّ پر ہے اور اسی وجہ سے یَجْعَلَ منصوب ہے۔

قِوْلَہُ: یا تِیانِها.

قِوْلَہُ: مِنَ الرِّجال دونوں جگہ مذکر کے صیغے استعمال کئے ہیں۔

قِوْلَہُ: او اللواطة. لفظ لواطة، کا اضافہ امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے اسلئے کہ ان کے یہاں لواطت کی سزا وہی ہے جو زنا کی ہے احناف کے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ امیر کی رائے پر موقوف ہے وہ جو سزا مناسب سمجھے وہ دے سکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

مذکورہ دونوں آیتوں میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے، پہلی آیت صرف زانیہ عورتوں کے متعلق ہے جس میں ان کی سزا یہ ارشاد ہوئی ہے کہ انہیں تاحکم ثانی قید رکھا جائے، دوسری آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا بیان کی گئی ہے، یعنی

دونوں کو اذیت دی جائے، قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو اذیت دو اور زانیہ عورتوں کو گھروں میں بند کردو۔

تکلیف پہنچانے کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں کیا گیا، حکام کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں یہاں ''ایذاء'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبانی عار دلائی جائے اور شرمندہ کیا جائے اور عملی طور پر بھی جوتے وغیرہ سے ضرب تادیبی کی جائے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ قول بھی بطور تمثیل معلوم ہوتا ہے اصل بات وہی ہے کہ حکام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

نزول کے اعتبار سے ان دو آیتوں کی ترتیب یوں ہے کہ شروع میں تو ان کو ایذاء دینے کا حکم نازل ہوا اس کے بعد خاص طور سے عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مرجائے اگر اس کی زندگی ہی میں آئندہ آنے والا حکم آجائے گا تو اس کو نافذ کردیا جائے گا چنانچہ بعد میں سورۂ نور میں وہ سبیل بھی بیان کر دی گئی جس کا اللہ جل شانہ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سبیل کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے ''الرجم للثیب و الجلد للبکر'' شادی شدہ کے حق میں سنگساری اور غیر شادی کیلئے کوڑے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

پہلی آیت میں فرمایا جن عورتوں سے زنا کا صدور ہوجائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار مرد گواہ طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ جائے تو ان کو چاہئے کہ چار مردوں کی گواہی طلب کریں جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔

زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طریقہ سے سختی کی ہے چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس سے عزت اور عفت مجروح ہوتی ہے اور خاندان کے لئے ننگ و عار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس لیے اولاً تو یہ شرط لگائی کہ گواہ صرف مرد ہوں گے، ثانیاً گواہ بھی چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط نہایت سخت ہے، جس کا مہیا ہونا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے، یہ سختی اسلئے کی گئی ہے کہ کہیں عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بہن یا دوسری بیوی ذاتی پرخاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں، اسلئے کہ اگر چار عینی شاہدوں سے کم شہادت دیں گے تو ان کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی بلکہ الٹا ان کو ہی حد قذف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چار گواہوں کی حکمت:

بعض اکابر نے چار گواہوں کی ضرورت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں دو سے کم میں یہ معاملہ وجود میں نہیں آسکتا تو گویا یہ ایک معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے، اور ہر معاملہ دو گواہوں کا تقاضہ کرتا ہے لہٰذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض مت کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا پانے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کرلی اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلی تو اب انہیں ملامت مت کرو اور مزید سزا مت دو، یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہوگئی اسلئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے جیسا کہ فاء کی تفریع سے ظاہر ہے، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو تو سزا کے بعد ملامت کرسکتے ہیں۔

مفسر علامؒ وان دونوں آیتوں کے ظاہری فرق سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ پہلی آیت منکوحہ عورتوں کے بارے میں ہے اور دوسری آیت غیر شادی شدہ مرد وعورت کے بارے میں ہے مگر اس کی کوئی وزنی دلیل نہیں ہے یہ ایک کمزور تفسیر ہے، اور اس سے بھی زیادہ کمزور بات وہ ہے جو اصفہانی نے لکھی ہے کہ پہلی آیت عورت کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے اور دوسری آیت مرد اور مرد کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے، شاید اصفہانی کی نظر اس حقیقت کی طرف نہیں گئی کہ قرآن انسانی زندگی کے لئے قانون واخلاق کی شاہراہ بتاتا ہے اور ان ہی مسائل سے بحث کرتا ہے جو شاہراہ پر پیش آتے ہیں رہی گلیوں اور پگڈنڈیوں کی بات تو قرآن ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان پر پیش آنے والے ضمنی مسائل سے بحث کرنا کلام شاہانہ کے لئے موزوں بھی نہیں ہے، ایسی چیزوں کو اجتہاد کے لئے چھوڑ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت کے بعد جب یہ سوال پیدا ہوا کہ مرد اور مرد کے ناجائز تعلق پر کیا سزا دی جائے تو صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ نہ سمجھا کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں اس کا حکم موجود ہے۔

غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کا حکم:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک "اَلَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا" کا مصداق وہ لوگ ہیں جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں یعنی استلذاذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قاضی صاحب کے علاوہ نے بھی اس قول کو لیا ہے قرآن مجید میں چونکہ لفظ اَلَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا موصول اور صلہ دونوں مذکر کے لحاظ سے ہیں اسلئے ان حضرات کا یہ قول بعید نہیں ہے، اور جن حضرات نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے انہوں نے بطور تغلیب مذکر کا صیغہ زانیہ کیلئے بھی شامل رکھا ہے تاہم موقع کی مناسبت سے استلذاذ بالمثل کی حرمت وشدت اور اس کی تعزیر کا ذکر اس جگہ بے جانہ ہوگا، اس قبیح فعل کے لئے کسی متعین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کیلئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار سے گرا کر مار دینا، سنگسار کردینا، تلوار سے قتل کردینا۔

احادیث وآثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے اور ان سات میں سے ایک پر تین تین دفعہ لعنت بھیجی ہے اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔ (الترغیب والترهیب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس کو تم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا

ہوا دیکھ لو تو تم فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

حافظ ذکی الدین نے ترغیب وترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلا ڈالا۔ مندرجہ بالا روایت استلذاذ بالجنس سے متعلق تھی، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو مرد و عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

لفظ سُوْءًا اور توبہ کی وضاحت:

کیا قصداً کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا؟ سابقہ آیت سے طبائع غیر سلیم کے لئے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور وہ اپنے دل میں یہ کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے رہ سکتے ہیں، جب مرنے لگیں گے توبہ کرلیں گے، اس خدشہ کو دور کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود و شرائط کو صاف کر دیا جائے۔

سُوْءً ایک جامع لفظ ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کو شامل ہے۔

شریعت میں توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک کا عزم ہو، اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔

توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں گناہ کے بعد بندہ کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا اب اپنے کئے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف پلٹ آیا ہے، اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میرے یہاں معافی صرف ان بندوں کے لئے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے۔

آیت میں جہالت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گناہ ہونے کی خبر نہ ہو یا گناہ کا قصد و ارادہ نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اس گناہ کے انجام بد اور اخروی عذاب سے غفلت اس گناہ پر اقدام کا سبب ہوگئی، اگرچہ گناہ کو گناہ جانتا تھا اور قصداً ارادہ بھی کیا۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ جہالت کا لفظ حماقت اور بے وقوفی کے معنی میں ہے، اس کی نظیر سورۂ یوسف میں ہے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ" اس میں

بھائیوں کو جاہل کہا گیا ہے، حالانکہ انہوں نے جو کام کیا وہ کسی خطاء یا نسیان سے نہیں بلکہ قصداً جان بوجھ کر کیا تھا مگر اس فعل کے انجام سے غفلت کے سبب ان کو جاہل کہا گیا ہے۔

ابوالعالیہ اور قتادہ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام اس پر متفق تھے کہ ''کُلُّ ذَنب اَصا بَهٗ عَبدٌ فَھُوَ جَھالَۃ عمدًا کان او غیرهٗ'' یعنی بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ بالقصد ہو یا بلاقصد بہرحال جہالت ہے۔

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ، آیت مذکور میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ اس میں قبول توبہ کیلئے یہ شرط بتلائی کہ قریب زمانہ ہی میں توبہ کرلے، توبہ کرنے میں دیر نہ کرے اس میں قریب کا کیا مطلب ہے؟ اور کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر ایک حدیث میں خود اس طرح فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ توبَۃَ العَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِر، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر موت اور نزع روح کا غرغرہ طاری نہ ہوجائے، قریب کی اس تفسیر سے جو خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے، موت سے پہلے پہلے جو توبہ کرلی جاوے قبول ہوگی، البتہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

ایں درگہِ ما درگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی باز آ

البتہ توبہ ان کے لئے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پرواہ ہوکر تمام عمر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے آکھڑا ہو معافی مانگنے لگیں، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اسی وقت تک قبول کرتا ہے کہ جب تک آثار موت شروع نہ ہوں کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہوگئی اور کتاب زندگی ختم ہوچکی صحیفۂ اعمال بند کردیا گیا تو اب پلٹنے کا کونسا موقعہ ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوجائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہوکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں، ① یہ کہ کسی گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو یہ تو فرشتوں کی خصوصیت ہے یا انبیاء ﷺ کی، ② یہ کہ گناہوں پر اقدام کرے اور پھر ان پر اصرار جاری رکھے نہ ان پر کبھی ندامت ہو اور نہ کبھی ترک کا خیال آئے، یہ درجہ شیطان کا ہے۔ ③ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً اس پر ندامت ہو اور آئندہ اس کے ترک کا پختہ عزم ہو، یہ درجہ انسان کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ، عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیوی بھی سوتیلے لڑکوں کے ورثہ میں آجاتی تھی اور یہی دستور یونانی اور رومی تمدن نے بھی کسی دور میں رہ چکا ہے (ماجدی) عرب جاہلیت میں وارث اگر چاہتا تو ان سے جبراً خود نکاح کرلیتا یا دوسروں کے نکاح میں دیدیتا یا اگر چاہتا تو کسی سے بھی نکاح کی اجازت نہ دیتا اور ساری عمر یوں ہی گذارنے پر مجبور کردیتا، اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع کیا ہے، عرب جاہلیت میں ایک ظلم عورت پر یہ بھی کیا جاتا تھا کہ اگر شوہر کو وہ ناپسند ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا بلکہ اسے

خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور ہو کر حق مہر یا خاوند نے اسے جو کچھ دیا ہوتا از خود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا (الآیة) بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے، ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

لا يَفْرُكْ مؤمن مؤمنة إن سَخِطَ منها خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ.　　(صحیح مسلم کتاب الرضاع)

مومن (شوہر) مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی، مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز و عصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے شوہر اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر و برداشت سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کیلئے خیر کثیر پیدا فرما دے یعنی نیک اولاد دے یا اس کی وجہ سے اللہ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ (الآیة) خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے، قنطار خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے، اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم اور کھلا گناہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ أن تنكحوهن وشملتِ الجَدّاتُ من قِبَلِ الابِ اوالامّ وَبَنَاتُكُمْ وشملتْ بناتُ الاولادِ وإن سَفُلْنَ وَأَخَوَاتُكُمْ من جهةِ الابِ اوالامّ وَعَمَّاتُكُمْ اي اَخواتُ آبائِكم واَجدادِكم وَخَالَاتُكُمْ اي اخواتُ اُمّهاتِكم وجدّاتِكم وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وتدخلُ فيهنّ بناتُ اَولادِهِنّ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ قبلَ استكمالِ الحولَيْنِ خمسَ رَضَعاتٍ كما بيَّنَهُ الحديثُ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ ويُلحقُ بذلكَ بالسُّنّةِ البَناتُ منها وبُنّ من ارضعتهُنّ مَوطُوءَتُهُ والعمّاتُ والخالاتُ وبناتُ الاخِ وبناتُ الاُختِ منها لحديثِ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ رَوَاهُ البُخاريُّ ومُسْلِمٌ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ جمعُ رَبِيبَةٍ وهي بنتُ الزّوجةِ من غيرِهِ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ تُرَبُّونَها صِفةٌ مُوافِقَةٌ للغالبِ فلا مفهومَ لها مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اي جامَعْتُمُوهُنّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ في نكاحِ بناتِهِنّ اذا فارقتُموهُنّ وَحَلَائِلُ ازواجُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ بخلافِ مَن تَبَنَّيْتُمُوهُمْ فلكم نكاحُ حلائلِهم وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ من نسبٍ او رضاعٍ بالنكاحِ ويُلحقُ بهنّ بالسُّنّةِ الجمعُ بينَها وبينَ عمّتِها وخالتِها ويجوزُ نكاحُ كُلِّ واحدةٍ على الانفرادِ ومِلكُهما مَعًا ويَطأُ واحدةً إِلَّا لكن مَا قَدْ سَلَفَ في الجاهليّةِ مِن نكاحِكُم بعضَ ماذُكِرَ فلا جُناحَ عليكم فيه إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا لِما سَلَفَ منكم قبلَ النَّهيِ رَحِيمًا ﴿٢٣﴾ بكم في ذلكَ.

ترجمہ: اور تم پر تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا حرام کردیا گیا ہے اور اس حکم میں دادیاں اور نانیاں بھی شامل ہیں، اور تمہاری بیٹیاں اور اس میں پوتیاں بھی داخل ہیں اگرچہ نیچے تک ہوں، اور علاتی اور اخیافی بہنیں (اور حقیقی بہنیں) تمہارے لئے حرام کردی گئی ہیں، اور تمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادوں کی بہنیں اور تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماؤں اور دادیوں کی بہنیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور اس میں ان کی لڑکیاں بھی شامل ہیں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دو سال مکمل ہونے سے پہلے پانچ گھونٹ دودھ پلایا ہو جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے، اور تمہاری رضاعی بہنیں، اور ان کے ساتھ از روئے حدیث رضاعی بیٹیاں بھی لاحق کردی گئی ہیں اور وہ ایسی لڑکیاں ہیں جن کو ان کی موطوئہ نے دودھ پلایا ہو، اور (رضاعی) پھوپیاں اور خالائیں، اور (رضاعی) بھتیجیاں اور (رضاعی) بھانجیاں (اس قاعدہ کی رو سے) کہ جو نسب سے حرام ہوجاتی ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتی ہے، (رواہ البخاری و مسلم) اور تمہاری خوش دامنیں، اور تمہاری ربیبائیں، رَبَائب رَبِیْبَة کی جمع ہے اور وہ اس کی بیوی کی لڑکی ہے دوسرے شوہر سے، کہ جو تمہاری پرورش میں ہوں یعنی جن کی تم پرورش کرتے ہو، (أی حجور کم) صفت غالب کے اعتبار سے ہے، لہٰذا اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے، (یعنی اس قید کا کوئی اعتبار نہیں ہے) (اور) ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم ہم بستر رہ چکے ہو یعنی ان سے جماع کرچکے ہو لہٰذا اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم بیویوں کو الگ کردو، اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں بخلاف ان بیٹوں کی بیویوں کے کہ جن کو تم نے متبنّیٰ بنالیا ہے تمہارے لئے ان کی بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ اور یہ کہ تم دو نسبی یا رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرو (حرام ہے) اور از روئے حدیث بیویوں اور ان کی پھوپھیوں اور ان کی خالاؤں کو بیک وقت جمع کرنا حرام کردیا گیا ہے۔ ہاں، ہر ایک سے الگ الگ نکاح درست ہے۔ اور ان کا مالک ہونا بھی درست ہے مگر وطی ان میں سے ایک ہی سے کرے۔ البتہ جو ہو چکا سو ہو چکا زمانہ جاہلیت میں مذکورہ میں سے بعض کے ساتھ نکاح سے، لہٰذا تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے جو ممانعت سے پہلے تم سے ہو چکا اس معاملہ میں تم پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَنْ تنکِحُوْھُنَّ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: حُرِّمَتْ علیکم اُمَّھٰتکم، میں حرمت کی نسبت امہات کی ذات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ذوات کی حرمت کوئی معنی نہیں ہیں اسلئے کہ حرمت وحلت افعال کی صفت ہیں۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ امہات کی حرمت سے ان سے نکاح کی حرمت مراد ہے چونکہ نکاح متبادر الی الفہم ہے اسلئے

حذف کردیا گیا ہے، اسلئے کہ جو وصف اہم مقصود ہوا کرتا ہے وہ متبادر الی الفہم ہوا کرتا ہے، جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ظاہر ہے کہ مراد اس کا کھانا ہے نہ کہ نفس میتہ اور مثلاً حُرِّمَتْ عَلَيْكُم الخمرُ، مراد شرب خمر کی حرمت ہے نہ کہ ذات حرمت۔

قَوْلَهُ: مَوْطوئة ای موطوءة الرجل.

قَوْلَهُ: حلائل. بیویاں حَلِيْلَة، کی جمع ہے اور یہ حَلّ سے مشتق ہے جس کے معنی گرہ کھولنے، اترنے اور حلال ہونے کے ہیں چونکہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ازار کھولتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے حلال ہیں اسلئے حليل اور حليلة کہلاتے ہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الرَّبائب: جمع رَبِيبة، وهى بنت الزوجة من غيره.

الحجور: جمع حَجْرٍ بفتح الحاء وكسرها، گود، تربیت، پرورش، فی حجور کم، تمہاری پرورش میں۔

الكناية فى قوله "دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" فهِىَ كناية عن الجماع اَوِ الْخَلوةِ.

الأمّهات، جمع اُمّ فالهاءُ زائدةٌ فى الجمع فرقاً بين العقلاء وغيرهم يقال فى العقلاء اُمهات وفى غيرهم اُمّات، اُخت وبنت، اَصْلهما اَخوٌ وبَنْوٌ، حذفت واؤهما وعوض عنها التاء.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَآءُ كُمْ، زمانہ جاہلیت میں اس میں کوئی باک نہیں تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرلیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا ہے اور اس کو اپنی ناراضگی کا سبب بتایا ہے ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کا دیوالیہ پن ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے اس کو باپ کی موت کے بعد ہی بیوی بنالیا۔

مَسْئَلَہ: آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ باپ نے اس سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہوجائے تو اس عورت سے بیٹے کیلئے نکاح کبھی حلال نہیں، اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کا کبھی نکاح کرنا درست نہیں، اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہو۔

قال الشامى، وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقدِ دَخَلَ بِهَا اَوْلَا.

مَسْئَلَہ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کرلیا تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

لفظ اُمَّھٰتُکُمْ کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں، اسی طرح بَنٰتُکُمْ، میں اپنی صلبی لڑکیاں اور لڑکے کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی بھی حرام ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیٹی، پوتی، پڑپوتی، نواسی پڑنواسی ان سب سے نکاح حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے نہ کرنے میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے، اس سے بھی نکاح درست نہیں۔

وَاَخَوٰتُکُمْ، اپنی حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے، اور علاتی اور اخیافی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔

وَعَمّٰتُکُمْ، اپنے باپ کی حقیقی بہن نیز علاتی یا اخیافی بہن ان تینوں سے نکاح حرام ہے غرضیکہ تینوں قسم کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

وَخٰلٰتُکُمْ، اپنی والدہ کی بہن (خالہ) خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی کسی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ، بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے خواہ حقیقی ہوں یا علاتی واخیافی۔

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ، بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ خواہ حقیقی بھانجی ہو یا علاتی واخیافی۔

وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ، اور جن عورتوں کا دودھ تم نے پیا ہے اگر چہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ ایک مرتبہ یا متعدد بار، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حرمت رضاعت کی مدت:

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ" یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے سے بچے کا نشو ونما ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لیکر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جس میں امام ابوحنیفہ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی بھی ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ، یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہن ہے اس سے بھی نکاح کرنا حرام ہے تفصیل اس کی یوں

ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی نے ایام رضاعت میں عورت کا دودھ پی لیا تو وہ عورت ان کی رضاعی ماں بن گئی، اور اس عورت کا شوہر ان کا رضاعی باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد ان کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں اور اس عورت کے جیٹھ دیوران بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور ان میں باہم حرمت رضاعت ثابت ہوگئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے، رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے "انّ اللّٰہ حَرّمَ مِنَ الحضانۃ مَا حَرّمَ مِنَ النسب. (مشکوۃ)

مَسْئَلَۃٌ: جس طرح رضاعی بہن سے نکاح نہیں ہوسکتا رضاعی بھانجی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

مَسْئَلَۃٌ: رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی نکاح جائز ہے اور رضاعی بہن کی نسبی بہن اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاعت میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ پہنچادیا جائے یا دودھ کا انجکشن لگا دیا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

مَسْئَلَۃٌ: دودھ اگر دوا میں یا بکری یا گائے بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب عورت کا دودھ غالب یا برابر ہو لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر مرد کے دودھ نکل آئے اور بچہ پی لے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر دودھ پینے کا شک ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اگر بچے کے منہ میں پستان دیا لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا کسی دوسری عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں تو نکاح فاسد ہونے کا فیصلہ کر لیا جائیگا اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں اور عورت دیندار خدا ترس ہو تو فساد نکاح کا فیصلہ ہوگا، لیکن طلاق دے کر مفارقت کر لینا افضل ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: رضاعت کے ثبوت کے لئے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی مگر احتیاط افضل ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مرد اور ایک دیندار عورت کی گواہی سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ، بیویوں کی مائیں (خوشدامن) شوہر پر حرام ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں، نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مَسْئَلَۃٌ: جس طرح بیویوں کی مائیں حرام ہیں اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس سے شبہ میں ہم بستری کی ہو یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو۔

مَسْئَلَہ: نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے حرمت کے لئے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ (الآیة) جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی حرام ہو گئیں لیکن اگر ہمبستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو مذکورہ قسمیں حرام نہ ہوں گی لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ، بیٹے کی بیوی حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا اور نواسا بھی داخل ہے، لہٰذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: متبنّٰی کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی حقیقی بیٹے کے حکم میں داخل ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ، دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعت کے اعتبار سے البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گذرنے کے بعد ہے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

مَسْئَلَہ: فقہاء کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔



یادداشت:

یادداشت:

یادداشت:

یادداشت:

یادداشت: